ایضاح المسلم

شرح

مسلم شریف

البیوع، المساقاۃ، الفرائض، الھبات، الوصیۃ، النذر، الایمان، القسامۃ، المحاربین، القصاص، الدیات، الحدود، الاقضیۃ، اللقطۃ۔

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ترتیب مع اضافات وتعلیقات

مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

ناظم معہد الفقہ النعمانی دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

ایضاح المسلم

البیوع، المساقاۃ، الفرائض، الھبات، الوصیّۃ، النّذر، الأیمان، القسامۃ، المحاربین، القصاص، الدّیات، الحدود، الأقضیۃ، اللقطۃ

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نوراللہ مرقدہ

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ترتیب وجمع، اضافات وتعلیقات

مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

ناظم معہد الفقہ النعمانی دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

تفصیلات

نام کتاب : **إیضاح المسلم شرح مسلم شریف**

افادات : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مرتب : مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ

بانی وناظم معهد الفقه النعمانی دیوبند

09837094794

Emil:husaindbd@yahoo.in

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند 09997658227

معهد الفقه النعمانی کا تعارف

یہ ادارہ ۱۴۳۹ ہجری = مطابق ۲۰۱۸ عیسوی میں قائم کیا گیا، جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ نے اپنے ذاتی مکان میں یہ ادارہ قائم کیا ہے جو دار العلوم وقف دیوبند کے قریب گلستان طیب کالونی دیوبند میں واقع ہے، اس ادارہ کے قیام کا مقصد فارغینِ مدارس میں فقہی بصیرت اور فتاوی نویسی کی استعداد پیدا کرنا ہے۔

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔(یو،پی)

9997866990-9358914948

فہرست مضامین

کتاب البیوع
خرید وفروخت کے احکام

كتابُ المُساقَاةِ وَالمُزارَعَةِ

باغات پرداخت پر اور کھیتی بٹائی پر دینے کا بیان

۲۳- كِتَابُ الْفَرَائِضِ

میراث کا بیان

۲۴- كِتَابُ الْهِبَاتِ

ہبہ کا بیان

۲۵- كِتَابُ الْوَصِيَّةِ

وصیت کا بیان

۲۶- كِتَابُ النَّذْر
منت کا بیان

۲۷- كِتَابُ الأَيْمَان
قسموں کا بیان

۲۸- كِتَابُ الْقَسَامَةِ وَالْمُحَارِبِيْنَ وَالْقِصَاصِ وَالدِّيَاتِ

۲۹- كِتَابُ الْحُدُوْد

شرعی سزاؤں کا بیان

۳۰- کتابُ الأَقْضِيَةِ

عدالتی احکام

۳۱- كتابُ اللُّقَطَةِ

گری پڑی چیز کا بیان

عربی ابواب کی فہرست

كتابُ البُيوع

كتابُ المُساقاةِ والمُزارَعةِ

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

كِتَابُ الْهِبَاتِ

كِتَابُ الْوَصِيَّةِ

كِتَابُ النَّذْر

كتاب الأيمان

كِتَابُ الْقَسَامَةِ وَالْمُحَارِبِيْنَ وَالْقِصَاصِ وَالدِّيَاتِ

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

كِتَابُ الْأَقْضِيَةِ

كِتَابُ اللُّقَطَةِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله الطاهرين، وأصحابه وعلماء امته اجمعين، اما بعد!

پیش نظر کتاب ''ایضاح المسلم'' کی پہلی جلد میں عرض کیا ہے کہ یہ متکلم اسلام، جامع المعقول والمنقول، شارح حجۃ اللہ البالغہ، فقیہ النفس حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کے افادات کا مجموعہ ہے جو بخاری شریف کی شرح ''تحفۃ القاری'' اور ترمذی شریف کی شرح ''تحفۃ الالمعی'' سے مأخوذ ہے، مسلم شریف کی جو احادیث بخاری شریف میں یا ترمذی شریف میں آئی ہیں ان کا ترجمہ اور شرح ووضاحت تحفۃ القاری یا تحفۃ الالمعی سے لیا گیا ہے اور اس کو مسلم شریف کی حدیث کے مطابق کیا گیا ہے، اور ناگزیر جگہوں میں حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے ــــــ اور اس شرح کی ترتیب کے وقت میں نے شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم کی معروف شرح ''تکملہ فتح الملہم'' اور شیخ الاسلام علامہ نووی رحمہ اللہ کی شرح سے بھی بھر پور استفادہ کیا ہے اور من وعن نقل کرنے کے بجائے خلاصہ لکھا ہے اور با حوالہ لکھا ہے تاکہ مراجعت میں آسانی ہو، اللہ تعالیٰ سب بزرگوں کو جن کے کاموں سے اس شرح کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے، بہترین صلہ عطا فرمائیں، اور مجھ حقیر وبے علم کی یہ محنت محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں اور والدین ماجدین رحمہما اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہما کے لئے صدقۂ جاریہ اور مجھ حقیر وتہی دامن کے لئے ذخیرۂ آخرت مقدر فرمائیں آمین!

❁ ❁ ❁

پیش نظر کتاب ''ایضاح المسلم'' اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ پہلے معالم طریق یعنی عناوین قائم کئے گئے ہیں، پھر باب کا خلاصہ لکھا گیا ہے پھر احادیث شریفہ اعراب کے ساتھ لکھی گئی ہیں، پھر درسی ترجمہ ہے، اس کے بعد حل لغات اور حدیث شریف کی ضروری تشریح ہے ــــــ صاحب افادات حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہ کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ آپ کتاب کا ایک ایک حرف حل فرماتے تھے، کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں چھوڑتے تھے اور غیر ضروری ابحاث سے تعرض نہیں کرتے تھے اور صرف مسائل بیان نہیں کرتے تھے، کتاب بھی حل فرماتے تھے اور فن بھی سمجھاتے تھے، اس شرح کو بھی قارئین ان خوبیوں سے مزین پائیں گے۔

ایک اہم گذارش:

والد ماجد حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ تصویر کشی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور حتی الامکان اس سے بچتے تھے، کیونکہ تصویر کی حرمت منصوص ہے، احادیث صحیحہ وصریحہ میں اس پر وعید آئی ہے اور انڈو پاک کے تمام معتبر دار الافتاء

ڈیجیٹل وموبائل کی تصویر کو بھی ممنوع تصویر قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی حضرت والا کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتا تو سخت ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، مگر آج کل کے ڈیجیٹل زمانہ میں تصویر سے بچنا بہت مشکل ہے، بندہ کو پتا بھی نہیں ہوتا اور اس کی تصویر کھینچ لی جاتی ہے، کچھ بدنصیبوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کی بھی تصویر بنائی، سب سے پہلے امریکہ کی ایک مسجد میں حضرت والا چھپا کر تقریر کی ویڈیو بنائی پھر اس کو خوب وائرل کی، اور ستم بالائے ستم! بعض بدنصیبوں نے جنازہ کی بھی تصویر کھینچ کر وائرل کی، یقیناً انھوں نے برا کیا اور حضرت مفتی صاحبؒ پر ظلم کیا، میری تمام احباب سے گذارش ہے کہ جن لوگوں سے یہ عظیم گناہ سرزد ہوا ہے وہ بارگاہِ خداوندی میں مغفرت طلب کریں اور جس کے پاس بھی مفتی صاحبؒ کی کوئی بھی تصویر ہو وہ اس کو ڈیلیٹ کردیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ!

تشکر وامتنان:

اس جلد کی طباعت واشاعت میں جن احباب کا تعاون شامل رہا احقر تہہ دل سے ان سب کا شکر گزار ہے، بالخصوص حضرت الاستاذ، محدث جلیل حضرت اقدس مفتی محمد امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم (استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند) کا بیحد ممنون ومشکور ہے، جنھوں نے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود بڑے ذوق وشوق اور توجہ سے اس جلد کا مسودہ بامعان نظر ملاحظہ فرمایا اور اغلاط کی نشاندہی فرمائی اور قیمتی مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کو دارین میں اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائیں، علم وعمل میں برکت اور قبولیت عطا فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کے مواقع نصیب فرمائیں۔

اور مفتی مبشر عالم مظفرنگری زید مجدہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) کا بھی ممنون ہے، اس جلد کی ترتیب کے وقت موصوف نے حوالوں کی تلاش میں اور ترتیب وتہذیب اور تصحیح وتزئین میں احقر کا خوب تعاون کیا، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وعمل میں برکت فرمائیں، قرآن وسنت کا خادم بنائیں اور خدمت دین کے لئے قبول فرمائیں، اور دینی کاموں میں مشغول رکھیں۔

اور برادر مولانا حسن احمد صاحب زید مجدہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) برادر حافظ قاسم احمد سلمہ (منیجر مکتبہ حجاز) اور برادر حافظ وقاری عبد اللہ سلمہ کا بھی ممنون ہے، جن کی مساعی جمیلہ سے طباعت واشاعت اور کمپوز کا مشکل ترین مرحلہ بآسانی طے ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کی عمروں کو دراز فرمائیں اور علم وعمل میں برکت فرمائیں۔

بارگاہِ خداوندی میں عجز وانکساری، تضرع وزاری کے ساتھ دعا ہے کہ رب کائنات محض اپنے فضل وکرم سے اس جلد کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے، اور والدین ماجدین کے لئے، معاونین کے لئے اور احقر کے لئے ذخیرۂ آخرت، صدقۂ جاریہ، نجاتِ اخروی اور اپنی رضاء کا ذریعہ بنائے آمین!

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين.

حسین احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

ابن

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہ

۸ / ربیع الاول ۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱- كتابُ البُيوع

خرید وفروخت کے احکام

بیوع: بَیْعٌ کی جمع ہے، یہ لفظ اضداد میں سے ہے، اس کا اطلاق بیچنے پر بھی ہوتا ہے اور خریدنے پر بھی۔ اسی طرح لفظ شراء بھی اضداد میں سے ہے۔ اس کا بھی بیچنے اور خریدنے دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ـــــ اور بیع کے شرعی معنی ہیں: مُبَادَلَةُ المالِ بالمالِ بِالتَّرَاضِيْ: یعنی مال کا مال کے ساتھ تبادلہ جو باہمی رضامندی سے ہو۔ معلوم ہوا کہ بیع میں دونوں طرف مال ہونا ضروری ہے، اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف کچھ بھی نہیں تو یہ بیع نہیں، بلکہ اس کا نام ہبہ اور وصیت وغیرہ ہوگا، اور اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف منفعت ہے تو یہ بھی بیع نہیں، جیسے تعلیم پر اجرت، اس میں معلم کی طرف سے صرف منفعت ہے، اس کو اجارہ کہیں گے۔

بیع وشراء کا حکم:

اللہ عزوجل نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے، یعنی انسانی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ زندگی گزارنے میں تعاون باہمی اور لین دین کا محتاج ہے، ہر فرد اور ہر طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے، جب تک لوگ مختلف پیشے اختیار نہ کریں سب کی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں، پس باہمی تعاون اور لین دین ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تجارت کو مباح کیا ہے، بلکہ اس کو حلال اور پاکیزہ کمائی کا بہترین ذریعہ بنایا ہے، بشرطے کہ وہ آپس کی رضامندی اور خوش دلی سے ہو، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾: اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تم باہمی رضامندی سے لینا دینا کرو تو مضائقہ نہیں، یعنی کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے مال میں دست درازی کرے، البتہ دو طرح سے دوسرے کی چیز لینا جائز ہے: ایک: مبادلہ کے ذریعہ، یعنی اپنی کوئی چیز دے کر اس کے بدلہ میں دوسرے کی کوئی چیز لے، جیسے بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے۔ دوسرے: رضامندی سے، جو رضامندی واقعی ہو، محض خیالی نہ ہو، جو

دھوکہ اور فریب بازی سے پاک ہو، جیسے ہدیہ میں ملی ہوئی چیز۔

عبادت کی قبولیت کا مدار معاملات کی درستگی پر ہے:

حقوق دو قسم کے ہیں: ایک: حقوق اللہ، جو عبادات کہلاتے ہیں، دوسرے: حقوق العباد، جو معاملات کہلاتے ہیں، دونوں ہی حقوق اہم ہیں مگر زیادہ اہم حقوق العباد (معاملات و بیوعات) ہیں، اس لئے کہ ان پر عبادتوں کی قبولیت کا مدار ہے، امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: آپ کی فقہ میں بہت تصانیف ہیں، کیا زُہد (تصوف) میں بھی آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: مبسوط کی کتاب البیوع میں نے تصوف میں لکھی ہے (المبسوط للسرخسی ۳: ۱۱۰) امام محمد رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمام عبادتوں کی قبولیت کا مدار اکل حلال پر ہے اور اکل حلال کا مدار بیوعات کے احکام جاننے پر ہے، اس سے کتاب البیوع کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اصل تقوی حرام سے بچنا ہے:

تصوف وتقوی صرف یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا سے لاتعلق ہو جائے، روکھی سوکھی پر گذارہ کرے، پھٹے پرانے اور پیوند لگے کپڑے پہنے، نماز روزہ اور ذکر واذکار کا خوب اہتمام کرے، بلکہ اصل تقوی یہ ہے کہ بندہ حرام کاموں سے بچے اور حلال روزی کی فکر کرے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاس: یعنی حرام سے بچو، اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے عبادت گذار شمار ہوؤ گے (ترمذی شریف حدیث نمبر ۲۲۹۸ ابواب الزھد) یعنی شریعت مطہرہ میں کچھ کاموں کے کرنے کا حکم ہے اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے، اول مأمورات اور ثانی منہیات کہلاتے ہیں، دین کے یہ دونوں ہی شعبے اہم ہیں، مگر ان میں زیادہ اہم منہیات سے بچنا ہے، اس لئے کہ مأمورات پر عمل کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا منہیات سے بچنا مشکل ہے، پھر اس پر عبادتوں کی قبولیت کا بھی مدار ہے۔

اصل کسوٹی معاملات ہیں:

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی کی تعریف کی، آپؓ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارا اس کے ساتھ کبھی کوئی معاملہ ہوا ہے؟ اس نے عرض کیا: معاملہ تو اس کے ساتھ کبھی کوئی نہیں ہوا مگر وہ آدمی اچھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تمہارا اس کے ساتھ کبھی کوئی معاملہ نہیں ہوا تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ اچھا آدمی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اصل کسوٹی معاملات ہیں، اس سے آدمی کی صداقت و دیانت اور کھرے کھوٹے کا پتا چلتا ہے، اس لئے کہ جو شخص حرام سے بچتا ہے اور اس کے پیٹ میں صرف حلال اور پاکیزہ رزق پہنچتا ہے اس کی نگاہ ونظر، تدبیر وتدبُّر، سوچ وچار، اقوال وافعال، غرض اس کے دل ودماغ اور اعضاء وجوارح کا ہر ہر عمل ٹھیک اور درست ہوتا ہے،

لیکن جب کسی کا پیٹ حرام روزی کی آماجگاہ بن جاتا ہے تو اس کا اندرونی و بیرونی نظام تباہ ہو کر رہ جاتا ہے، نہ اس کی نگاہ پاکیزہ رہتی ہے، نہ زبان قابو میں رہتی ہے، نہ دل و دماغ ٹھکانے پر ہوتے ہیں نہ غور و فکر کی سمت صحیح رہ پاتی ہے، اور نہ ظاہر و باطن کی حرکات و سکنات درست رہتی ہیں، اس لئے معاملات و بیوعات کے احکام کو اچھی طرح جان لینا اور اپنے معاملات کو اور باہمی لین دین کو ٹھیک ٹھیک کرنا بہت ضروری ہے۔

معاملات کے سلسلہ کی احادیث تھوڑی ہیں:

جاننا چاہئے کہ معاملات کے سلسلہ کی احادیث تھوڑی ہیں اور عبادات: طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث بہت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کو شریعت نے مشروع کیا ہے، جاہلیت کے لوگ ان سے نابلد تھے، طہارت کا تو ان میں تصور ہی نہیں تھا اور نماز ان کی سیٹیاں اور تالیاں تھیں، ارشاد پاک ہے: ﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ (سورۃ الانفال آیت ۳۵) یعنی ان کی نماز کعبہ شریف کے پاس سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے۔ یہی حال دیگر عبادتوں: زکوۃ، روزے اور حج کا تھا، پس گویا ان عبادتوں کو شریعت ہی نے مشروع کیا ہے اس لئے ان کی تفصیلات ناگزیر تھیں، اور معاملات دنیا میں لوگ پہلے سے کرتے چلے آرہے تھے اس لئے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں تھی، البتہ کچھ ضابطے بیان کرنے ضروری تھے اور جو معاملات بالکلیہ حرام تھے، جیسے: سود، جوا، شراب وغیرہ ان کی ممانعت ضروری تھی اور جن معاملات میں دھوکا تھا ان کی وضاحت ضروری تھی، چنانچہ شریعت نے ان معاملات کو حرام کیا اور باقی معاملات کو برقرار رکھا اور ان میں جو ناجائز پہلو تھے ان سے منع فرمایا۔ اس وجہ سے معاملات کی روایتیں کم ہیں، اور وہ اصولی رنگ لئے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو غور سے پڑھنا ضروری ہے۔

۱- بَابُ إِبْطَالِ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

بیع مُلامسہ اور بیع منابذہ باطل ہیں

مُلامَسَه اور مُنَابَذَه: جاہلیت کی دو بیعیں تھیں، مُلامَسَة: لَمْسٌ (چھونا، ہاتھ لگانا) سے باب مفاعلہ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو چھونا، اور مُنَابَذَة: نَبْذٌ (پھینکنا، ڈالنا) سے باب مفاعلہ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کی طرف ڈالنا، پھینکنا ـــــ زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر سودا کرتے ہوئے بائع: مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری: ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا، اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا، یہ دستور زباں بندی تھا، اسلام نے اس کو ختم کر دیا، بیع میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے، پھر اختلاف ہوا کہ یہ اختیار کب تک ہے؟ احناف و مالکیہ کے نزدیک: تفرق اقوال تک اختیار ہے، جب ایجاب و قبول مکمل ہو گئے تو

اب کسی فریق کو بیع ختم کرنے کا اختیار تام حاصل نہیں۔ اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک تفرقِ ابدان تک یا اختر اختر کہنے تک ہے، اور اسی کا نام خیارِ مجلس ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

اور ملامسہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بائع ثمن کو ہاتھ لگادے یا مشتری مبیع کو ہاتھ لگادے تو سودا پکا ہوجاتا تھا، اور دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا، یہ دستور بھی زباں بندی تھا، اسلام نے اس کو بھی باطل قرار دیا۔ بیع وشراء میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے، کیونکہ شریعت میں معاملات میں کامل رضامندی ضروری ہے، اور دیکھنے بھالنے کا اختیار باقی رہتا ہے، خیارِ رویت اور خیارِ عیب اسی وجہ سے مشروع کئے گئے ہیں —— علاوہ ازیں: ان بیوع میں مُخَاطَرَہ (سٹہ) اور غَرَر (دھوکہ) کا بھی پہلو ہے اس لئے بھی ان کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

ملحوظہ: ملامسہ اور مُنابذہ کی اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں، ان کا بیان حدیث شریف کے بعد آئے گا۔

[۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

وضاحت:

قوله: قرأتُ على مالک: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں یحییٰ تمیمی نے یہ حدیث پڑھی ہے، امام مالکؒ کے درس میں طالب علم حدیث شریف پڑھتا تھا اور حضرت سنتے تھے، اسی کا نام "قراء ت علی المحدث" اور "عرض علی المحدث" ہے —— حدیث شریف پڑھانے کے دو طریقے ہیں: ایک: استاذ پڑھے اور شاگرد سنے۔ دوسرا: شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔ تفصیل ایضاح المسلم (۸۶:۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

قوله: مالک عن محمد بن يحيى بن حبان عن الأعرج: عام طور پر رائج نسخوں میں اسی طرح ہے، مگر بعض نسخہ میں مالک عن نافع عن محمد بن يحيى بن حبان ہے، یعنی امام مالک اور محمد بن یحییٰ بن حبان کے درمیان نافع کا اضافہ ہے، وہ درست نہیں، چنانچہ موطا (حدیث نمبر ۱۳۵۵) میں اس حدیث میں نافع کا تذکرہ نہیں ہے (شرح نووی)

قوله: نهى عن الملامسة: ملامسہ کی چند تفسیریں:

مُلامسہ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں: اول: بائع کپڑے وغیرہ کو لپیٹ کر، چھپا کر یا اندھیرے میں مشتری کے سامنے پیش کرے اور اس شرط پر فروخت کرے کہ مبیع کو چھونا ہی اس کو دیکھنے کے قائم مقام ہوگا، اور اس کو خیارِ عیب یا خیارِ رویت وغیرہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دوم: نفس لمس کو ایجاب وقبول کے قائم مقام بنایا جائے، یعنی مبیع کو چھونے سے بیع لازم ہوجائے اور ہر ایک کو ماننا پڑے، خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش ہو۔ سوم: مبیع کو چھو لینے سے خیارِ مجلس ختم اور بیع لازم ہوجائے، یہ تفسیر ان

حضرات کے یہاں ہے جو خیارِ مجلس کے قائل ہیں۔ خیارِ مجلس کا بیان آگے (باب ۱۰ میں) آئے گا۔

قولہ: والمنابذة: منابذہ کی چند تفسیریں:

منابذہ کی بھی تین تفسیریں کی گئی ہیں: اول: پھینکنا ہی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو، یعنی جب ایک دوسرے کی طرف مبیع پھینکے تو یہ پھینکنا ہی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو اور اس سے بیع لازم ہو جائے، خواہ دوسرا فریق راضی ہو یا نہ ہو۔ دوم: بائع کے مشتری کی طرف مبیع پھینکنے سے خیارِ مجلس ختم اور بیع لازم ہو جائے۔ سوم: کنکری پھینکنا مراد ہو جس کا بیان آئندہ باب میں آرہا ہے (شرح نووی) ـــــ ان دونوں بیعوں میں معاملات کی غرض کو پلٹ دینا ہے، معاملات کی بنیاد: غور وفکر اور خوب تحقیق کر کے اپنا پورا حق وصول کرنے پر ہے، یعنی معاملات میں کامل رضامندی ضروری ہے اور دیکھنے بھالنے کا اختیار ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لئے یہ دونوں بیع باطل ہیں۔

بیع تعاطی کا حکم:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیع ملامسہ اور منابذہ کی طرح بیع تعاطی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **ومأخذ الثاني اشتراط نفي الصيغة في عقد البيع فيوخذ منه بطلان بيع المعاملات مطلقا** (فتح الباری ۴:۳۵۹) یعنی بیع ملامسہ اور منابذہ ایجاب وقبول کے صیغوں سے خالی ہونے کی وجہ سے باطل ہیں (ایک تفسیر کے مطابق محض لمس اور نبذ ایجاب وقبول کے قائم مقام ہیں) اور بیع تعاطی بھی ایجاب وقبول کے صیغوں سے خالی ہوتی ہے، پس وہ بھی ممنوع ہوگی، مگر یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ ملامسہ اور منابذہ میں نہ تو فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے اور نہ خیار عیب اور خیارِ رؤیت وغیرہ حاصل ہوتا ہے، جبکہ بیع تعاطی میں مبیع وثمن کا لین دین مبیع دیکھ بھال کر اور فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے اور خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت وغیرہ بھی حاصل ہوتا ہے پس بیع تعاطی کو باطل قرار دینا درست نہیں۔ الغرض: ایجاب وقبول کی غرض (روح) رضامندی ہے اور رضامندی کا اظہار جس طرح قول سے ہوتا ہے، فعل سے بھی ہوتا ہے اور بیع تعاطی میں فعلی رضامندی ہوتی ہے پس وہ جائز ہے۔

فائدہ: بیع تعاطی یہ ہے کہ عاقدین عقد بیع کے وقت زبان سے ایجاب یا قبول نہ کریں بلکہ بلا ایجاب وقبول بائع مشتری کو مبیع اور مشتری بائع کو ثمن پکڑا دے ـــــ بیع تعاطی کی دو قسمیں ہیں:

ایک: عاقدین میں سے ایک زبان سے ایجاب کا تلفظ کرے اور دوسرا عملاً اس بیع کو قبول کرے، مثلاً: ایک شخص نے دوکان پر جا کر مالک سے قلم مانگا، مالک نے قلم دیا اور پیسے لے کر رکھ لئے، زبان سے کچھ نہیں بولا، اس صورت میں ایجاب لفظاً اور قبول عملاً پایا گیا۔ دوم: عاقدین میں سے کوئی بھی زبان سے کچھ نہ کہے، مثلاً: ایک شخص دوکان پر گیا وہاں تمام اشیاء پر قیمتیں لکھی ہوئی تھیں، اس نے اپنی مطلوبہ چیز اٹھائی اور پیسے دے کر چلا گیا، اس صورت میں عاقدین میں سے

کسی نے زبان سے کچھ نہیں بولا، ایجاب وقبول دونوں عملاً ہوا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں دونوں قسموں کو "بیع تعاطی" اور "بیع معاطات" کہتے ہیں، احناف کے نزدیک تمام اشیاء میں نفیس (عمدہ) ہوں یا خسیس (معمولی) بیع تعاطی کی دونوں قسمیں جائز ہیں، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق بیع تعاطی جائز نہیں، ان کے نزدیک بیع ایجاب وقبول پر موقوف ہوتی ہے اور بیع تعاطی میں ایجاب وقبول دونوں یا ایک موجود نہیں، مزید تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

بیع غائب کا حکم:

بعض حضرات نے بیع ملامسہ ومنابذہ کے عدم جواز سے بیع غائب کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جس طرح ملامسہ اور منابذہ میں مبیع دیکھے بغیر بیع ہوتی ہے، بیع غائب میں بھی مبیع غیر منظور ہوتی ہے، پس بیع غائب بھی جائز نہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک غائب شیٔ کی بیع مطلقاً جائز نہیں، وہ اس کو بیع ملامسہ اور بیع منابذہ کے مانند گردانتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وقوله في الحديث: لَمسُ الثَّوب لا يُنظر إليه استدلَّ به على بُطلانِ بيعِ الغائب** (فتح الباری ۴: ۳۶۰) یعنی ملامسہ میں محض چھونا ہوتا ہے اور مبیع غیر منظور ہوتی ہے، اور اس کو نبی ﷺ نے ممنوع قرار دیا ہے، اس سے بیع غائب کے بطلان پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں بھی مبیع غیر منظور ہوتی ہے —— مگر یہ استدلال درست نہیں، اس لئے کہ ملامسہ ومنابذہ میں عدم نظر کے ساتھ کسی بھی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوتا جس سے غرر وغیرہ خرابی لازم آتی ہے اور بیع غائب میں خیارِ رؤیت وغیرہ حاصل ہوتا ہے جس سے ہر طرح کا فساد ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک غائب شیٔ کی بیع جائز ہے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیع غائب کی دو قسمیں ہیں: (۱) مبیع عین کے قبیل سے ہو یعنی متعین کرنے سے متعین ہو جائے (۲) وہ متعین کرنے سے متعین نہ ہو بلکہ وہ ذمہ میں ثابت ہو —— اگر مبیع عین کے قبیل سے ہے اور خارج میں موجود ہے تو احناف کے نزدیک خواہ اس کے اوصاف بیان کئے ہوں یا نہ، دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے، اور مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، اور امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر مبیع کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے جیسے: سَلَم میں مسلم فیہ کے اوصاف کو بیان کیا جاتا ہے تو بیع صحیح ہوگی اور اوصاف کے خلاف ہے تو مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، اور اگر غائب شیٔ کے اوصاف کو بیان نہیں کیا گیا ہے تو بیع صحیح نہ ہوگی (دیکھئے فتح الباری حوالہ بالا)

اور بیع غائب کے صحیح ہونے کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے[1]: **مَن اشتَرَى شيئًا لم يَرَه فهو**

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مسند اور مرسل دونوں طرح مروی ہے، مسند روایت دارقطنی میں متعدد اسانید سے مروی ہے، مگر ہر سند میں عمر بن ابراہیم الکردی ہے، جس پر وضع حدیث کا الزام ہے، اور مرسل روایت مصنف ابن ابی شیبہ، ←

بالخيار إذا رآه: یعنی جس نے کوئی چیز خریدی جس کو اس نے دیکھا نہیں تو اس کو اختیار ہے جب اس کو دیکھے، نیز حضرت مکحول سے بھی قریب قریب یہی بات مروی ہے: مَن اشتَرى شيئًا لم يَرَه فهو بالخيار إذا رآه إن شاءَ أَخَذَه وإن شاءَ تَرَكَه: علاوہ ازیں: بیع غائب کے جواز پر حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو طحاوی (۵۹۴:۴ كتاب الزيادات باب شراء الشيئ الغائب) میں ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ان کا وہ مکان جو کوفہ میں تھا خریدا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں نے وہ مکان بے دیکھے فروخت کیا ہے پس مجھے اختیار ہے اور حضرت طلحہؓ نے فرمایا: مجھے اختیار ہے کیونکہ میں نے بے دیکھے خریدا ہے، پس دونوں حضرات حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع ہوئے تو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے اس بیع کو درست قرار دیا اور حضرت طلحہؓ کے لئے خیارِ رؤیت کا فیصلہ فرمایا، اس لئے کہ انھوں نے بے دیکھے خریدا تھا۔

وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.

وضاحت: گذشتہ حدیث اعرج سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے روایت کی تھی، اور یہ حدیث ان سے ابوالزناد نے روایت کی ہے، اور دونوں کی روایت لفظاً اور معنیً یکساں ہیں۔

قولہ: مثله: مِثل اور نحو میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ مثل میں الفاظ میں بھی موافقت ہوتی ہے اور نحو میں صرف معنی میں موافقت ہوتی ہے، الفاظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو أُسَامَةَ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ خُبَيْبِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حفص بن عاصمؒ نے روایت کیا ہے، اور ان سے عبید اللہ بن عمرؒ نے بواسطہ خبیب بن عبد الرحمٰنؒ روایت کیا ہے اور عبید اللہؒ سے تین حضرات روایت کرتے ہیں: عبد الوہاب بن نُمیرؒ

→ دارقطنی اور بیہقی میں ہے، اس کو مکحول نے مرفوع کیا ہے اور اس میں إن شاء أخذه الخ کا اضافہ ہے، دارقطنی کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے اور اس کا ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم ضعیف ہے ــــــ مگر مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے اس لئے کہ بیع میں وہ جہالت مُفسد ہے جو نزاع کا سبب ہو، اور بیع غائب میں مشتری کو خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت حاصل ہوتا ہے، پس اس میں کوئی نزاع نہیں اور یہ بیع جائز ہے۔

اورابواسامہ'' پھر عبدالوہاب'' سے محمد بن المثنیٰ روایت کرتے ہیں، اور ابواسامہ'' سے تنہا ابوبکر بن ابی شیبہ'' روایت کرتے ہیں اور ابن نمیر'' سے ابوبکر بھی روایت کرتے ہیں اور صاحبزادے محمد بن عبداللہ بن نُمیر بھی روایت کرتے ہیں۔

ح: تحویل کا مخفف ہے، اور یہ سند بدلنے کی علامت ہے، عام طور پر سند مصنف کتاب سے بدلتی ہے اور جس راوی پر مختلف سندیں اکٹھا ہوتی ہیں اس کو "مدار الاسناد، اور مدار الحدیث" کہتے ہیں، جیسے یہاں تینوں سندیں عبید اللہ بن عمر'' پر اکٹھی ہوئی ہیں پس وہ مدار الاسناد ہیں (مزید تفصیل ایضاح المسلم ۱: ۵۲ میں ملاحظہ فرمائیں)

وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ - يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث قتیبہ بن سعید'' سے روایت کی ہے، اور انھوں نے یکے بعد دیگرے یعقوب''، سہیل'' اور ابوصالح کے واسطوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[۲-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: نُهِيَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ، أَمَّا الْمُلَامَسَةُ فَأَنْ يَلْمِسَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَ صَاحِبِهِ بِغَيْرِ تَأَمُّلٍ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَهُ إِلَى الْآخَرِ وَلَمْ يَنْظُرْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَى ثَوْبِ صَاحِبِهِ.

ترجمہ: یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عطاء بن میناء'' نے روایت کی ہے اور سماعت کی صراحت کی ہے، اور حضرت ابوہریرہؓ نے ملامسہ اور منابذہ کی تعریف کی ہے، فرماتے ہیں: —— دو بیعوں سے یعنی ملامسہ اور منابذہ سے روکا گیا ہے۔ رہا ملامسہ! تو وہ یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے کپڑے کو چھوئے غور و فکر کئے بغیر، یعنی دیکھنے بھالنے کا کسی کو اختیار نہ ہو، اور منابذہ: یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینکے اور ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کا کپڑا نہ دیکھے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں ملامسہ کی دوسری اور منابذہ کی پہلی تفسیر مذکور ہے، یعنی محض لمس و نبذ ایجاب و قبول کے قائم مقام ہیں پس غیر اختیاری بلکہ جبری بیع ہوگی اس لئے ممنوع ہے۔

۲- کپڑے کو کپڑے سے بدلنا یعنی سامان کو سامان کے عوض بیچنے کا نام بیع مقایضہ ہے، پہلے عام طور پر لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، اس لئے اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ کرتے تھے، مثلاً: گندم کا کھجور سے، کھجور کا چاول سے، آٹے کا سبزی

سے، تیل کا گھی سے، اس کا نام مقایضہ یعنی مبادلہ ہے، بیع کا یہ طریقہ بلا اختلاف جائز ہے۔[۱]

[۳-] وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَىٰ، وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ- قَالاَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَلِبْسَتَيْنِ، نَهَىٰ عَنِ الْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ، وَالْمُلاَمَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلاَ يَقْلِبُهُ إِلاَّ بِذٰلِكَ، وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهِ وَيَنْبِذَ الآخَرُ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ وَيَكُونُ ذٰلِكَ بَيْعُهُمَا مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلاَ تَرَاضٍ.

ترجمہ: یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ان سے ابن شہاب زہریؒ نے عامر بن سعدؒ کے واسطہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی پاک ﷺ نے دو طرح بیع کرنے سے اور دو طرح کپڑا پہننے سے منع فرمایا، بیع میں ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا، اور ملامسہ: کسی شخص کا دوسرے کے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے چھونا ہے رات میں یا دن میں، اور یہ چھونا ہی اس کا قبول کرنا ہے (یہ ملامسہ کی پہلی تفسیر ہے) اور منابذہ: کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف اپنا کپڑا پھینکنا ہے اور دوسرے کا پہلے کی طرف اپنا کپڑا پھینکنا ہے اور یہ پھینکنا ہی دونوں کی طرف سے بیع ہے یعنی ایجاب وقبول ہے دیکھے بغیر اور رضامندی کے بغیر (یہ منابذہ کی پہلی تفسیر ہے)

تشریح: قوله: وَلِبْسَتَيْنِ: حضور پاک ﷺ نے کپڑے پہننے کے دو طریقوں سے منع فرمایا ہے: ایک: احتباء (حبوہ بنانے) سے، یعنی گھٹنے کھڑے کر کے چاروں طرف سے کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا، جبکہ شرم گاہ پر کوئی مستقل کپڑا نہ ہو، ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے یا اونگھتے ہوئے گر جاتا ہے تو ننگا پا کھل جائے گا۔ اسی طرح سرین کے بل بیٹھ کر اور دونوں رانوں سے پنڈلیاں ملا کر، گھٹنے کھڑے کر کے اور ہاتھ پنڈلیوں پر باندھ کر بیٹھنا بھی حبوہ بنانا ہے۔ دوم: اشتمال صماء سے، یعنی کپڑا بدن پر اس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہو جائیں، یہ ہیئت بھی ممنوع ہے، اس لئے کہ بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً: اس طرح کپڑا لپیٹ کر چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی اور سہارا لینے کی ضرورت پیش آئے گی اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا۔ غرض: کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں یا ننگا ہو جانے کا احتمال ہو[۲] (تحفۃ القاری ۲:۱۹۴)

(۱) تعريف المقايضة أنه بيع العين بالعين أو مبادلة مال بمال غير النقدين، وهذا مثل أن يباع ثوب بثوب أو أرض بأرض أو حيوان بحيوان (فقه البيوع ۲:۳۵)

(۲) اشتمال صماء کی ایک دوسری تفسیر بھی ہے جو بخاری شریف (حدیث ۵۸۲۰) میں مروی ہے: والصمّاء: أن يَجْعَلَ ثَوْبَه على أحدِ عاتِقَيْهِ فَيَبْدُو أَحَدُ شِقَّيْهِ ليس عليه ثوبٌ یعنی تہبند وغیرہ باندھنا اور اس کا ایک کونہ کندھے پر ڈال لینا، جس کی وجہ سے ستر کھل جائے، اس معنی کر اشتمال صماء حرام ہوگا۔

وَحَدَّثَنِيهِ عَمْرُو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ.

وضاحت: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے راوی ابن شہاب زہریؒ ہیں جو عامر بن سعدؒ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صالح نے بھی روایت کیا ہے اور یونسؒ نے بھی، گذشتہ حدیث یونس کی تھی اور یہ صالح کی حدیث ہے۔

۲- بَابُ بُطْلاَنِ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَالْبَيْعِ الَّذِي فِيهِ غَرَرٌ

بیع حصاۃ اور ہر وہ بیع جس میں دھوکہ ہو باطل ہیں

بیع الحصاۃ: یہ مصدر کی اضافت نوع کی طرف ہے، حَصَبَه (ض) حَصْبًا: پتھر یا کنکر مارنا، الحَصاة: پتھری، سنگ ریزہ ـــــ الغرر: خطرہ، ہلاکت زدگی، دھوکہ غَرَّہ (ن) غرًّا وَغُرُورًا: دھوکہ دینا، بہکانا، باطل چیز کا لالچ دینا، اور غَرَر کے ایک معنی ہیں: جس کا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہو، اسی لئے دنیا کو متاع الغُرور کہا گیا ہے۔

ہر وہ بیع جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو وہ بیع ناجائز ہے اس کی بہت مثالیں ہیں: مثلاً: معدوم کو فروخت کرنا، مجہول کو فروخت کرنا، ہر وہ چیز جس کو سپرد کرنے پر بائع قادر نہیں اس کو بیچنا، جس چیز پر بائع کی ملک تام نہیں اس کو بیچنا۔ بیع منابذہ، بیع ملامسہ، بیع حبل الحبلہ (حمل کا حمل بیچنا) وغیرہ سب بیع الغرر کی شکلیں ہیں اور ممنوع ہیں اور اس کی ایک جزئی بیع الحصاۃ (کنکری کی بیع) ہے، الغرض: بیع کا صاف ستھرا، بے غل وغش ہونا ضروری ہے، جس بیع میں کسی بھی قسم کا دھوکا ہو وہ شرعاً ممنوع ہے۔

[۴-] وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ (ح) وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ- وَاللَّفْظُ لَهُ- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الغَرَرِ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو اساتذہ: ابوبکر بن ابی شیبہؒ اور زہیر بن حربؒ سے روایت کی ہے، پھر ابوبکر تین اساتذہ سے: عبداللہ بن ادریس، یحییٰ بن سعید اور ابواسامہ سے روایت کرتے ہیں اور زہیر صرف یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ سب حضرات عبیداللہ سے، وہ ابوالزناد سے اور وہ اعرج کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت کرتے ہیں اور حدیث شریف کے الفاظ زہیر کے ہیں۔

قوله: نهى عن بيع الحصاة: بیع الحصاۃ کی چند تفسیریں:

بیع الحصاۃ (کنکری کی بیع) کی تین تفسیریں کی گئی ہیں: اول: کسی شخص نے ریوڑ میں سے ایک بکری خریدی، بائع نے مشتری کو ایک کنکری دی کہ کنکری اچھالو، جس بکری پر کنکری گرے گی وہ آپ کی ہوگی، یہ بیع جائز نہیں، اس میں دھوکا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ کنکری اعلیٰ قسم کی بکری پر گرے، اس صورت میں بائع کا نقصان ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکری ادنی اور مریل بکری پر یا بچے پر گرے تو مشتری کا نقصان ہوگا۔ دوم: بائع اور مشتری کے درمیان کسی چیز کو لے کر بھاؤ تاؤ چل رہا ہو اور بائع مشتری کی طرف کنکری اٹھا کر پھینک دے تو بیع لازم ہو جائے، اب دوسرے کو بولنے کا اختیار نہ رہے، یعنی کنکری پھینکنے کو ایجاب وقبول کے قائم مقام گردان لیا جائے، اس کو بیع منابذہ بھی کہتے ہیں۔ سوم: مبیع کو دیکھنے کا اور غور وفکر کرنے کا اختیار کنکری پھینکنے تک ہو جب بائع کنکری پھینک دے تو بیع لازم ہو جائے اور غور وفکر کی گنجائش نہ رہے، یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ معاملات میں آخر تک ہر ایک کو بولنے کا اختیار ہے، زبان بندی جائز نہیں (شرح نووی)

قوله: عن بيع الغرر: تمام وہ معاملات جن میں جوئے کے معنی پائے جاتے ہوں یعنی ان میں غرر (دھوکہ) اور مخاطرہ (جوکھوں[1]) ہو اس کو فقہاء اور شارحین حدیث نے بیع غرر اور بیع مخاطرہ سے تعبیر کیا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری (۱۱: ۲۶۴) میں تحریر فرمایا ہے کہ: بیع غرر کا دائرہ بہت وسیع ہے، ثمن معلوم نہ ہو، مبیع مشخص نہ ہو، مدت مجہول ہو، ثمن یا مبیع کی سلامتی مشکوک ہو، یہ ساری صورتیں اسی زمرہ میں داخل ہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیع الغرر کی وضاحت کے لئے تین مثالیں بیان فرمائی ہیں:

۱- مچھلی کو پانی میں بیچنا: یعنی مچھلی تالاب میں ہو، ابھی پکڑی نہ گئی ہو اور پانی اتنا ہو کہ تدبیر کے بغیر اس کو پکڑنا ممکن نہ ہو، ایسے پانی کی مچھلی بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں، البتہ اگر پانی تھوڑا ہو اور حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو پانی کے اندر بھی مچھلی کو بیچ سکتے ہیں، یہ صورت بيع السمك في الماء کی مصداق نہیں۔[2]

۲- بھاگے ہوئے غلام کی بیع بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ غلام کبھی بھی ہاتھ نہ آئے۔

۳- فضا میں پرندہ کو بیچنا: کوئی کبوتر اڑ کر جا رہا ہو، اس کو بیچنا بھی جائز نہیں، ہوسکتا ہے وہ کبوتر ہاتھ نہ آئے (ترمذی شریف، ابواب البیوع باب ۱۷)

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بعض چیزوں میں اگرچہ غرر ہوتا ہے پھر بھی وہ بالاتفاق جائز ہوتی ہیں، کیونکہ ان

---

(۱) جوکھوں کا کام: خوف واندیشہ کا کام، جوکھوں اٹھانا، نقصان برداشت کرنا۔

(۲) ولايجوز بيع سمك لم يصد أو صيد وألقى في حظيرة لايؤخذ منها بلاحيلة فإنه فاسد للعجز عن التسليم، وإن صيد وألقى فيها وأمكن أخذه بلاحيلة صح بيعه (مجمع الانهر ۳: ۸۰)

میں غرر قلیل ہوتا ہے، ان کی ضرورت بھی ہوتی ہے اوران سے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے، جیسے پانی کی مقدار متعین کئے بغیر سقہ سے پانی خرید کر پینا جبکہ مشروب کی مقدار معلوم نہیں ہوتی اور لوگوں کی عادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، حمام میں اجرت دے کر نہانا حالانکہ استعمال ہونے والے پانی کی مقدار معلوم نہیں ہوتی، اور نہ حمام میں ٹھہرنے کی مدت معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کی عادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، مکان ودوکان اور جانور وغیرہ مہینہ بھر کے لئے کرایہ پر لینا جبکہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور تیس کا بھی۔ یہ تمام معاملات غرر کے باوجود جائز ہیں، کیونکہ ان میں غرر قلیل ہے، اور ابتلاء عام ہونے کی وجہ سے بچنا بھی مشکل ہے، البتہ اگر غرر کثیر ہو اور ان میں نہ ابتلاء عام ہو اور نہ بچنا مشکل ہو تو بالاجماع غرر مانع جواز ہوگا، چنانچہ بعض مسائل میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہی ہے، جن علماء کے نزدیک غرر قلیل ہے انھوں نے جواز کا قول اختیار کیا اور جنھوں نے غرر کو کثیر سمجھا وہ عدم جواز کے قائل ہوئے۔ بیع غائب کے جواز وعدم جواز میں اختلاف اسی وجہ سے ہے (شرح نووی)

۳- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

حمل کے حمل کو بیچنا حرام ہے

حمل کے حمل کو بیچنا: یہ بھی بیع غرر اور بیع مخاطرہ کی ایک شکل ہے اور اس کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک مطلب تو یہی ہے کہ حمل کے حمل کو بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مبیع کا ابھی وجود نہیں ہوا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حمل کے حمل کو کسی بیع میں ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا درست نہیں کہ اس میں جہالت ہے۔

پہلی صورت اس لئے بھی ممنوع ہے کہ یہ ایک طرح کا سٹہ تھا، بائع مشتری سے کہتا: میں اس گابھن بکری کے حمل کے حمل کو تیرے ہاتھ دس روپے میں بیچتا ہوں، مشتری قبول کرتا اور دس روپے دیدیتا یہ بیع ناجائز ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ بکری گابھن نہ ہو، کسی بیماری کی وجہ سے اس کا پیٹ پھولا ہوا ہو، یا بکری گابھن تو ہو مگر حمل گر جائے یا مرا ہوا بچہ پیدا ہو، یا مذکر بچہ پیدا ہو یا بچہ مؤنث پیدا ہو، مگر وہ بچہ جننے تک زندہ نہ رہے، یا اس کو حمل قرار نہ پائے، پس یہ پُر خطر معاملہ ہے، اس لئے جُوا ہے، آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اسی طرح گابھن کے حمل کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اسی لئے حنفیہ نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے، اگر یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار کریں گے تو مسئلہ یہ ہوگا کہ حمل کے حمل کی بیع تو ناجائز ہے مگر خود اس حمل کی بیع درست ہے، حالانکہ اس حمل کی بیع بھی بالاتفاق ناجائز ہے، اور حمل کے حمل کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ عربوں میں ایسے سٹوں کا رواج تھا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان لین دین ہوا، اور حمل کے حمل کو ثمن کی ادائیگی کی مدت قرار دیا، یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ مدت مجہول ہے، ہوسکتا ہے وہ جانور بچہ ہی نہ جنے، یا مرا ہوا بچہ جنے، یا مذکر بچہ جنے، یا حمل کو حمل قرار نہ پائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ حدیث میں ہے: كان الرجلُ يبتاع الْجَزُوْرَ إلى أن تُنْتَجَ النّاقةُ،

ثم تُنتَجُ التي في بطنها: یعنی ایک شخص قصائی کا اونٹ (کاٹنے کا اونٹ) خریدتا یہاں تک کہ یہ اونٹنی بچہ جنے، پھر اس کے پیٹ کا بچہ بھی بچہ جنے (اس وقت ثمن کی ادائیگی کی جائے گی، بخاری حدیث ۲۱۴۳) غرض یہ اجل مجہول ہے، اس لئے اس کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا بھی صحیح نہیں۔

ملحوظہ: بیع حبل الحبلة کی ایک تیسری تفسیر بھی ہے جو حدیث شریف کی شرح کے ضمن میں آئے گی۔

فائدہ: امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک بیع حبل الحبلة کی ممانعت کی وجہ ثمن کی ادائیگی کی مدت کا مجہول ہونا ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ان کا مستدل ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ممانعت کی وجہ مبیع کا معدوم ہونا ہے اور ان کا مستدل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: وہ فرماتے ہیں: أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عن بَيْعِ المَلاقِيحِ وَالْمَضامِين:[1] ــــ ملاقیح: وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو، مضامین: وہ بچہ جو نر کی ریڑھ میں بشکل نطفہ ہو ــــ ظاہر ہے کہ ملاقیح و مضامین کی بیع کی ممانعت کی وجہ مبیع کا معدوم ہونا ہے اور بیع حبل الحبلہ میں بھی مبیع معدوم ہوتی ہے، پس وہ بھی اسی وجہ سے ممنوع ہے، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ، قاسم بن سلام اور اکثر اہل لغت اسی کے قائل ہیں۔

اور احناف کے نزدیک ایک صورت میں بیع باطل اور ایک صورت میں بیع فاسد ہے، اگر حبل الحبلہ کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کیا ہے تو بیع فاسد ہے اور مبیع بنایا ہے تو بیع باطل ہے۔[2]

[۵-] حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ يَحْيىٰ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالاَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ(ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ.

وضاحت:

۱- یہ حدیث حضرت لیثؒ نے بواسطہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے اور ان سے قتیبہ، محمد بن رُمح اور یحییٰ بن

(۱) یہ حدیث ''زوائد مسند بزار'' میں ہے (حدیث نمبر ۱۲۶۷) اور محمد بن المثنى، عن سعيد بن سفيان، عن صالح بن ابی الاخضر، عن الزهری، عن سعيد عن ابی هريرة کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے، اور موطا مالک میں سعید بن المسیب سے مقطوعاً مروی ہے، حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں: لا ربا في الحيوان وإنما نُهِي من الحيوان عن ثلاثة: عن المضامين والملاقيح وحَبَلَ الحَبَلة الخ (کتاب البیوع، باب مالايجوز من بيع الحيوان حدیث نمبر ۱۳۴۴)

(۲) بیع باطل: وہ بیع ہے جو ذات اور وصف ہر اعتبار سے غیر مشروع ہو، جیسے مردار اور خنزیر کی بیع۔ اور بیع فاسد: وہ بیع ہے جو ذاتاً مشروع اور وصفاً غیر مشروع ہو، جیسے بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک غیر معین بکری کی بیع ــــ اگر ''حبل الحبلہ'' مبیع ہے تو بیع باطل ہے، کیونکہ معدوم کی بیع جائز نہیں، نہ بالذات اور نہ بالوصف، اور ثمن کی ادائیگی کی مدت ہے تو بیع فاسد ہے، کیونکہ فساد صرف وصف میں ہے، مبیع کی ذات میں نہیں۔

یحیٰ روایت کرتے ہیں اور ان تینوں حضرات سے امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

۲-الحَبَل و الحَبَلۃ دونوں حَا اور بَا کے فتح کے ساتھ ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ حَبْل کی با کو ساکن پڑھتے ہیں جو غلط ہے —— الحَبْل (بسکون الباء) کے معنی رسّی کے ہیں جس کی جمع حِبَال، اَحْبُل اور حُبُول ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط تھامو —— تمام اہل لغت متفق ہیں کہ حَبَل (مع الباء) عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور غیر انسان کے لئے حَمَل (مع المیم) بولا جاتا ہے، حضرت ابوعبیدہؒ جو مشہور اہل لغت ہیں، فرماتے ہیں کہ حیوان کے لئے حَبَل (مع الباء) صرف اسی حدیث میں آیا ہے (شرح نووی)

۳-بعض اہل علم سے مروی ہے کہ الحبلۃ سے مراد انگور کا درخت ہے اور الحبل سے مراد یہ ہے کہ اس کے پھل کھانے کے قابل نہ ہوں، پس حدیث نهى عن بيع حبل الحبلة کا مطلب یہ ہے کہ بدوّ صلاح سے پہلے پھل بیچنا جائز نہیں، یعنی یہ حدیث: نَهَى عن بَيْعِ العِنَبِ حتى يَسْوَدَّ (ترمذی حدیث ۱۲۱۳) اور حدیث: لاتَبْتَاعُوا الثِّمَار حتى يَبْدُوَ صَلاَحُها (مسلم حدیث ۱۵۳۸) کے ہم معنی ہے —— غرض یہ حدیث شریف کی تیسری توجیہ ہے اور بدوّ صلاح کا بیان باب ۱۳ میں آئے گا۔

[٦-] حَدَّثَنِى زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى- وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ- قَالاَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ -وَهُوَ الْقَطَّانُ- عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَنِى نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَبَايَعُوْنَ لَحْمَ الْجَزُوْرِ إِلٰى حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تَحْمِلَ الَّتِى نُتِجَتْ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت کے لوگ اونٹوں کا گوشت حبل الحبلہ تک بیچا کرتے تھے (یعنی فروخت کردہ گوشت کی ثمن کی ادائیگی کی مدت حبل الحبلہ تک مقرر کرتے تھے) اور حبل الحبلہ یہ ہے کہ اونٹنی بچہ جنے پھر جو بچہ جنا گیا ہے (اگر مادہ ہو تو) وہ حاملہ ہو جائے، پس نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔

لغات: الجَزُوْر: ذبح کے لئے اونٹنی یا بکری، جمع جُزُر —— جَزَرَ الجَزُوْرَ (ن) اونٹ کو ذبح کرنا، مجازاً کسی بھی جانور کو ذبح کرنا —— اجتزَرَ الجزُوْرَ: اونٹ کو ذبح کرنا —— اَجْزَرَ جَزُوْرًا: کسی کو ذبح کرنے کے لئے اونٹ دینا —— قولہ: تُنتج: (یہ فعل مجہول ہی استعمال ہوتا ہے) نَتَجَ النَاقَةَ (ض) نَتْجًا وَنِتَاجًا: اونٹنی کا بچہ جنوانا، یعنی بچہ جننے کے وقت اس کی دیکھ بھال کرنا —— انتَجَتِ الناقةُ: بچہ جننا، اونٹنی کے بچہ جننے کا وقت آجانا —— اِسْتَنْتَجَ الشيَ: نتیجہ نکالنا، استنباط کرنا الاستنتاج: نتیجہ نکالنے کی کوشش، استنباط۔

تشریح: بیع حبل الحبلہ کی ممانعت والی حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور انھوں نے ممانعت کی

وجہ ثمن کی ادائیگی کی مدت کا مجہول ہونا بتایا ہے، چنانچہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ راوی کی تفسیر جبکہ وہ ظاہر کے خلاف نہ ہو راجح ہوتی ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے جو تفسیر اختیار فرمائی ہے وہ حدیث شریف کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔

۴- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الرَّجُلِ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ وَسَوْمِهِ عَلٰى سَوْمِهِ وَتَحْرِيمِ النَّجْشِ وتَحْرِيمِ التَّصْرِيَةِ

بیع پر بیع کرنے کی یعنی بھاؤ پر بھاؤ کرنے کی حرمت، اور دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش کرنے کی حرمت اور تھن میں دودھ روکنے کی حرمت کا بیان

اس باب میں تین مسئلے ہیں:

۱- بیع پر بیع کرنا: اس کے تین مرحلے ہیں: پہلا: جب تک مبیع معرض بیع میں ہے اس وقت تک ہر شخص خریدنے کی پیشکش کرسکتا ہے۔ دوسرا: جب معاملہ فائنل ہوگیا یعنی سودا طے ہوگیا اور ایجاب وقبول ہوگیا تو اب کسی اور کے خریدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تیسرا: درمیانی مرحلہ ہے یعنی جب کسی ایک کے ساتھ بھاؤ تاؤ چل رہا ہے، تو کسی دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں (تفصیل حدیث شریف کے بعد پڑھیں)

قوله: وَسَوْمُه علی سَوْمِه: یہ پہلے جملہ کی وضاحت کے لئے بڑھایا ہے، کیونکہ حقیقۃً بیع پر بیع نہیں ہوسکتی، جب ایک کے ساتھ سودا مکمل ہوگیا تو دوسرے کے ساتھ سودا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے وضاحت کی کہ یہاں بیع بھاؤ تاؤ کرنے کے معنی میں ہے، اور یہ ممانعت اس وقت ہے جب بائع کا مشتری کی طرف میلان ہوجائے۔

۲- دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش کرنا: نَجْش: ج کے سکون کے ساتھ مصدر ہے، اور فتح کے ساتھ اسم ہے، نَجَشَ الشيئَ الخَبِئَ (ن) نَجْشًا کے معنی ہیں: چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا، النَّجْش: سودے کی قیمت بڑھانے کے لئے بولی، اور اصطلاحی معنی ہیں: مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے خریدنے کی پیش کش کرنا[1]۔ مثلاً میرے پاس پاکستان کی ایک مطبوعہ کتاب ہے اور صرف میرے پاس ہے اور ایک ہی نسخہ ہے، ایک شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے مگر اس کو قیمت زیادہ محسوس ہورہی ہے، ایک دوست آتا ہے اور پوچھتا ہے: فلاں کتاب ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہے! مگر یہ خریدار ہے، اس سے سودا چل رہا ہے، اس نے کہا: اگر یہ نہ خریدے تو مجھے ضرورت ہے، وہ یہ کہہ کر چلا گیا حالانکہ اس کا مقصد خریدنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری اس کو خرید لے، اس کو نجش کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صریح دھوکہ بازی اور فریب ہے،

(۱) النَّجش: هو أن يزيد في الثمن لا لرغبة بل ليخدع غيره: رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ص: ۱۴۳۔

پس یہ حرکت ممنوع ہے (حکم حدیث شریف کے بعد آئے گا)

۳-دودھ روک کر جانور بیچنا: التَّصْرِیَة: مصدر ہے صَرّی تَصْرِیَةَ الشاةَ: کے معنی ہیں: تھن میں دودھ روک دینا تاکہ زیادہ معلوم ہو، اگر کوئی ضرورت اور مصلحت ہو تو جانور کے تھن میں دودھ روکنا جائز ہے بشرطیکہ جانور کو ایذاء نہ ہو، مگر مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے تھن میں دودھ روکنا تاکہ وہ زیادہ دودھ والا جانور سمجھ کر خرید لے یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ صریح دھوکہ اور فریب ہے (اس کی تفصیل باب ۷ میں آئے گی)

[۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ"

[۸-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى- وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ- قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ"

وضاحت وترجمہ:

یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت نافع رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور ان سے امام مالک رحمہ اللہ اور عبید اللہ روایت کرتے ہیں، اول: امام مالک رحمہ اللہ کی روایت ہے، اور ثانی: عبید اللہ کی، اور عبید اللہ کی حدیث میں ایک اضافہ ہے ـــــ ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کسی کو اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہیں کرنی چاہئے، اور نہ نکاح کے پیغام پر پیغام بھیجنا چاہئے، مگر اس کی اجازت سے ـــــ "بھائی" جذبۂ ترحم کو ابھارنے کے لئے فرمایا ہے۔

تشریح:

۱-لا يَبِعْ: فعل نہی واحد مذکر غائب (جملہ انشائیہ) ہے، اور بخاری شریف میں لا يَبِيْعُ: مضارع منفی واحد مذکر غائب (جملہ خبریہ) ہے، وہ معنیً انشاء ہے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کا کام احکام بیان کرنا ہے احوال بیان کرنا نہیں۔ لا يَبِيْعُ (مضارع منفی) کا مطلب یہ اطلاع ہے کہ لوگ باہم بعض بعض کی بیع پر بیع نہیں کرتے، یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے، جبکہ نبی ﷺ کی کوئی بات مشاہدہ کے خلاف نہیں ہوسکتی، پس وہ معنیً انشاء ہے۔ اسی طرح لا يَخْطُبُ اور لا يَسُوْمُ بھی معنیً انشاء ہیں بمعنی لا يَخْطُبْ اور لا يَسُمْ ہیں ـــــ الخُطبة (بضم الخاء) تقریر، گفتگو، الخِطبه (بکسر الخاء) منگنی کرنا، خَطَبَ (ن) خَطبا و خِطْبَةً: منگنی کرنا۔

۲-بیع اور منگنی کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: جب تک شئ (مثلاً مکان) معرض بیع میں ہو یعنی اس پر "برائے فروخت" کا بورڈ لگا ہوا اس مرحلہ میں

ہر شخص آفر دے سکتا ہے یعنی خریدنے کی پیش کش کرسکتا ہے، کوئی ممانعت نہیں، اسی طرح لڑکا یا لڑکی جب تک معرضِ خطبہ میں ہیں، ان کی منگنیاں آرہی ہیں اس مرحلہ میں کوئی بھی پیغام نکاح دے سکتا ہے، کوئی ممانعت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب کسی کے ساتھ سودا طے ہوجائے اور چیز بک جائے یعنی ایجاب وقبول ہوجائے یا کسی کا پیغام قبول کرلیا جائے اور منگنی ہوجائے تو اب بیچ میں کودنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرا مرحلہ: درمیانی ہے، یعنی جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل رہا ہے تو دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں، یا کسی منگنی دینے والے کی طرف جھکاؤ ہوگیا ہے، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا، لڑکے لڑکی کو دیکھنا اور باہم ہدیہ لینا دینا شروع ہوگیا ہے تو اب دوسرے کو بیچ میں نہیں کودنا چاہئے، یہ اس شخص کو اس چیز سے مایوس کرنا ہے جس کے وہ درپے ہے، اور اس کو اس چیز سے نامراد کرنا ہے جس کا وہ امیدوار ہے، اور اس کے ساتھ بدمعاملگی، ظلم اور اس پر تنگی کرنا ہے جس سے اس کو ایذاء پہنچے گی اور ناگواری ہوگی، اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔

فائدہ (۱): بعض علماء نے اس کو واقعی بیع پر محمول کیا ہے، اور اس کی مثال یہ بیان کی ہے کہ بائع نے خیارِ شرط کے ساتھ بیچا ہو، اب دوسرا شخص بائع کو بیع توڑنے کے لئے کہے اور زیادہ داموں میں خریدنے کی پیشکش کرے، یا مشتری نے خیار کے ساتھ خریدا ہو، کوئی مشتری کو بیع توڑنے کے لئے کہے اور اس جیسی چیز سستے داموں میں اس سے خریدنے کے لئے کہے، یا اس سے بہتر چیز خریدنے کے لئے کہے، یہ جائز نہیں، بیع پر بیع کرنے والا گنہگار ہوگا، مگر بیع صحیح ہوجائے گی۔ امام اعظم، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، اور داؤد ظاہری کے نزدیک سرے سے بیع ہی منعقد نہیں ہوگی، اور امام مالک رحمہ اللہ کی دونوں کے موافق دو روایتیں ہیں [1] (شرح نووی)

فائدہ (۲): یہ حدیث حُسنِ معاشرت کے باب سے ہے، جب کسی شخص کے ساتھ سودا چل رہا ہو یا سودا طے پاگیا ہو تو دوسرے کو بیچ میں نہیں پڑنا چاہئے، اس سے پہلے شخص کو ایذاء پہنچے گی اور اس کو ناگواری ہوگی اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا، اسی طرح جب کسی نے منگنی بھیج رکھی ہو اور اس کی طرف التفات ہوگیا ہو تو دوسرے کو بیچ میں نہیں پڑنا چاہئے۔

فائدہ (۳): نیلامی کا حکم:

سامان فروخت کرنے کے لئے بازار میں رکھا تاکہ خریدار ایک دوسرے پر بڑھ کر بولی لگائیں، اس کو نیلام کرنا کہتے ہیں اور یہ شرعاً جائز ہے اور یہ بیع پر بیع کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ جو چیز نیلامی میں رکھی جاتی ہے وہ معرضِ بیع میں ہوتی ہے، اس مرحلہ میں ہر شخص خریدنے کی پیشکش کرسکتا ہے، اور نیلامی کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے

---

(۱) ہمارے اصولِ فقہ کا ایک قاعدہ ہے کہ: ''افعالِ شرعیہ کی نہی فعل کی صحت کو چاہتی ہے'' یعنی جو کام شرعاً جائز ہیں ان کے بارے میں اگر نہیں وارد ہو تو وہ نہی فاعل کی طرف متوجہ ہوگی فعل کی طرف نہیں، بیع شرعاً جائز ہے اور بیع پر بیع کرنے کی ممانعت ہے، پس ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، اور اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا مگر بیع نافذ اور صحیح ہوگی۔

ہیں:أدركتُ الناسَ لايَرون بأسًا ببيعِ الْمَغَانِمِ فِيْمَنْ يَزِيْدُ :یعنی میں نے لوگوں کو دیکھا وہ غنیمت کا مال اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنے میں جو زائد قیمت دے کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے، یعنی مالِ غنیمت میں نیلامی ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے، میں بچپن سے یہی دیکھتا آرہا ہوں (بخاری، کتاب البیوع، باب بيع المزايدة)

غرض: نیلام کرنا شرعاً جائز ہے، مگر اسلامی نیلامی اور دنیاوی نیلامی میں فرق ہے۔ دنیاوی نیلامی میں آخری بولی پر بیع لازم ہوجاتی ہے اور مشتری کو خیارِ رویت اور خیارِ عیب حاصل نہیں ہوتا، اور اسلامی نیلامی میں بیع تام اس وقت ہوتی ہے جب آخری بولی پر دینے کے لئے بائع راضی ہو، کیونکہ بیع میں تراضی طرفین شرط ہے، اور مشتری کو خیارِ عیب اور خیارِ رویت حاصل ہوتا ہے وہ ان خیاروں کی وجہ سے بیع فسخ کرسکتا ہے (تحفۃ القاری ۵:۲۰۸)

قوله:إلا أن يأذن له: اگر پہلا شخص اجازت دیدے یا سودا چھوڑ دے، یا منگنی توڑ دے تو دوسرا شخص پیشکش کرسکتا ہے۔

[۹-] حَدَّثَنَا يَحْيىَ بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ— وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ— عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لاَ يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہیں کرنا چاہئے"

تشریح: سَامَ يَسُوْمُ سَوْمًا کے معنی ہیں: بھاؤ تاؤ کرنا، لا يَسُمْ: واحد مذکر غائب، فعل نہی —— جاننا چاہئے کہ لايَبِع بعضكم الخ میں بیع کے مجازی معنی یعنی بھاؤ تاؤ کرنا مراد ہے، کیونکہ جب ایک کے ساتھ بیع ہوچکی تو اب دوسرے کے ساتھ بیع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال مالك: وتفسير قول رسول الله عليه وسلم فيما نرى —— والله أعلم—— لايبع بعضكم على بيع بعض أنه: إنما نهى أن يسوم الرجل على سوم أخيه إذا ركن البائع إلى السائم :الخ (موطا کتاب البیوع باب ما يُنهى عنه من المساومة والمبايعة)

[۱۰-] وَحَدَّثَنِيْهِ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَلَاءِ وَسُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِمَا عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (ح) وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (ح) وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِيْ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ— وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ— عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ،

عَنْ أَبِيْ هُرِيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى أَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّوْرَقِيِّ عَلٰى سِيْمَةِ أَخِيْهِ.

قوله: عن العلاء وسُهيل عن أبيهما: تمام متداول نسخوں میں اسی طرح ہے۔ عن أبيهما (بکسر الباء) مگر اس کی تاویل مشکل ہے، اس لئے کہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ علاء اور سہیل دونوں بھائی ہیں، جبکہ یہ غلط ہے، علاء کے باپ کا نام عبدالرحمٰن ہے اور سہیل کے باپ کا نام ابوصالح ہے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ تصحیف ہے، صحیح أَبَوَيْهِمَا ہے، چنانچہ بعض روایات میں اسی طرح ہے ــــ اور ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ أَبِيْهِمَا (بفتح الباء الموحده) ہے، یعنی أَبٌ کا تثنیہ، گوکہ أَبٌ کا تثنیہ ابوان آتا ہے، مگر ابان بھی تثنیہ آتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں: هذان أبان، رأيت أَبَيْنِ. مگر یہ شاذ لغت ہے، اور درست بات یہ ہے کہ یہ تصحیف ہے، صحیح أَبَوَيْهِمَا ہے (شرح نووی ملخصا)

لغات: يَسْتَامُ: فعل مضارع واحد مذکر غائب، اسْتَامَ فُلَانًا السِّلعةَ: قیمت دریافت کرنا ــــ بہا: زیادہ قیمت پر فروخت کرنا ــــ سَوْمٌ وسِيْمَةٌ: دونوں سَام يَسُوْمُ کے مصدر ہیں، بھاؤ تاؤ کرنا۔

[۱۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرِيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "(۱) بیع کے لئے قافلہ سے ملاقات نہ کی جائے (۲) اور بعض کی بیع پر بیع نہ کی جائے (۳) اور ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو (۴) اور نہ شہری دیہاتی کے لئے بیچے (۵) اور اونٹ اور بکری کا دودھ نہ روکا جائے، پس جس شخص نے دودھ روکنے کے بعد جانور خریدا تو وہ جانور کو دوہنے کے بعد دو مفید باتوں میں اختیار رکھتا ہے، اگر راضی ہو تو جانور کو روک لے اور اگر ناراض ہو تو جانور کو واپس کر دے، اور ایک صاع چھوہارے (دودھ کے بدلہ میں) دے"

تشریح: اس حدیث میں زیر بحث مسئلہ کے علاوہ چار احکام اور بھی ہیں: (۱) برائے فروخت آنے والی چیزوں کا استقبال نہ کیا جائے (۲) شہری دیہاتی کا سامان نہ بیچے (۳) جانور کو تھن میں دودھ روک کر نہ بیچا جائے (یہ تینوں مسئلے ابھی یکے بعد دیگرے تین ابواب میں آرہے ہیں، تفصیل وہاں آئے گی) اور چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیش کش نہ کی جائے، اس کی تفصیل باب کے شروع میں آچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

نجش کا حکم:

نجش بالاجماع حرام ہے، کیونکہ یہ صریح دھوکہ اور فریب ہے، پھر اگر ناجش نے یہ عمل از خود کیا ہے، بائع اس دھوکہ دہی میں شریک نہیں ہے تو وہ تنہا گنہ گار ہوگا اور اگر اس میں بائع کی بھی سانٹھ گانٹھ تھی یعنی ناجش نے بائع کے اشارہ سے یا حکم سے ایسا کیا ہے تو دونوں گنہ گار ہونگے، البتہ بائع کو نقصان سے بچانے کے لئے نجش کی گنجائش ہے، مثلاً: ایک شخص کو اس کے سامان کا واجبی دام نہیں مل رہا اور اس کی کوئی مجبوری ہے، وہ بیچنا چاہتا ہے، پس کسی نے خواہ مخواہ خریدنے کی پیش کش کردی تا کہ بائع کا نقصان نہ ہو تو یہ صورت نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، اس لئے کہ یہ مشتری کو نقصان پہنچائے بغیر بائع کے ساتھ خیر خواہی کرنا ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فأما إذا لم تكن بلغت قيمتها فزاد القيمة لايريد الشراء فجائز لأنه نفع مسلم من غير اضرار بغيره، إذا كان شراء الغير بالقيمة**: یعنی جب بائع کو اس کے سامان کی اصل قیمت نہ مل رہی ہو، پس کوئی ایسا شخص جس کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو زائد قیمت میں جو اس کا واجبی دام ہو خریدنے کی پیش کش کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس میں بائع کا فائدہ ہے اور مشتری کا کوئی نقصان نہیں (فتح القدیر ۵:۱۰۶) علامہ شامیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے (دیکھئے شامی ۷:۳۰۵ باب البیع الفاسد، مطبع زکریا)

نجش کے ساتھ بیع کا حکم:

اگر کوئی چیز خریدی یا بیچی گئی اور اس میں نجش ہوا تو بیع کا کیا حکم ہے؟ وہ بیع صحیح ہوگی یا باطل؟ حنفیہ اور شوافعیہ کے نزدیک بیع صحیح ہوگی اور اصحاب ظواہر کے نزدیک بیع باطل ہوگی، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہوگی اور غبن فاحش کے ساتھ بیع ہوئی ہے تو مشتری کو خیارِ فسخ حاصل ہوگا، خواہ بائع دھوکہ دہی میں شریک ہو یا نہ ہو، اور حنفیہ کے نزدیک کوئی خیار حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے سامان دیکھ بھال کر خریدا ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور حافظ رحمہ اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے —— اور اصحاب ظواہر جو بیع کو باطل کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے، پس جس بیع میں نجش ہو وہ بیع باطل ہوگی، مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے نجش کو حرام قرار دیا ہے، نجش کی وجہ سے عقد کو باطل قرار نہیں دیا (دیکھئے گذشتہ حاشیہ) پس نجش گو حرام ہے پھر بھی بیع نافذ ہوگی اور مشتری کو خیارِ فسخ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے سامان دیکھ بھال کر خریدا ہے۔ اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بیع کو دیانۃً فسخ کرنا واجب ہے[1] (یہ تقریر

(۱) جو بیع نجش کے ساتھ منعقد ہوئی ہو وہ بیع مکروہ ہے اور ایسی بیع کو فسخ کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے: إعلم أن فسخ المكروه واجب على كل واحد منهما أيضا ...... لرفع الإثم (درمختار ۷:۳۱۰) اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لكن في النهر عن النهاية ان فسخه واجب على كل منهما أيضا صونا لهما عن المحظور: یعنی بائع اور مشتری دونوں پر بیع مکروہ کو فسخ ←

تکملہ فتح الملہم سے مأخوذ ہے)

فائدہ(۱): بیع اگر غبن کے ساتھ ہوئی ہو تو مغبون کو بیع فسخ کرنے کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں احناف کا اصل مذہب یہی ہے کہ مغبون کو غبن کی وجہ سے فسخ بیع کا استحقاق نہ ہوگا، خواہ غبن یسیر ہو یا فاحش، اس لئے کہ جس قیمت پر خرید وفرخت ہوئی ہے وہ باہمی رضامندی سے طے ہوئی ہے۔ اور بازار کی عام قیمت کے مطابق خرید وفروخت لازم نہیں، مگر متأخرین احناف کا فتوی یہ ہے کہ غبن یسیر میں فسخ بیع کا حق نہ ہوگا اور غبن فاحش میں یہ حق ہوگا —— پھر ایک قول یہ ہے کہ اس کو ہر حال میں یہ حق ہوگا خواہ غلط بیانی (غرر قولی) کر کے دھوکا دیا گیا ہو یا غلط بیانی نہ کی گئی ہو (بلکہ غرر فعلی ہو) اور دوسرا قول جو مفتی بہ ہے یہ ہے کہ اگر غلط بیانی کر کے دھوکہ دیا گیا ہے تو حق فسخ ہوگا ورنہ نہیں، اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ بائع نے غبن فاحش کے ساتھ فروخت کیا ہو، یعنی اس کو بھی فسخ بیع کا حق ہوگا، بشرطیکہ مشتری نے غلط بیانی کی ہو، یعنی اس کو غلط بھاؤ بتایا ہو۔ اور متأخرین نے یہ رائے اس لئے اختیار کی ہے کہ اسی میں لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی ہے، درمختار میں ہے: وأعلم أنه لاردَّ بغبنٍ فاحش ...... في ظهر الرواية وبه أفتى بعضهم مطلقاً كما في القنية...... وَقال ويفتي بالردّ رِفقاً بالناس: علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وبه افتى بعضهم مطلقاً: أى سواء كان الغبن بسبب التغرير أو بدونه لكن هذا الإطلاق لم يذكره فى القنية وإنما حكى فى القنية الأقوال الثلاثة، فيفهم منه أن هذا غير مقيدٍ بالتغرير أو بدونه، ولكن نقل فى الفتح أن الإمام علاء الدين السمرقندى ذكر فى تحفة الفقهاء أن أصحابنا يقولون فى المغبون إنه لا يردّ لكنّ هذا فى مغبون لم يغر، أمّا فى مغبون غرّ يكون له حقّ الردّ استدلالاً بمسئلة المرابحة (شامی ۷:۳۶۳ كتاب البيوع مطلب فى الكلام على الرد بالغبن الفاحش)

فائدہ(۲): غبن کی دو قسمیں ہیں: غبن یسیر اور غبنِ فاحش، جس قیمت پر خریدا یا بیچا گیا ہے اگر وہ قیمت تاجروں کی بیان کردہ قیمت کے اندر ہو تو غبنِ یسیر ہے، اور باہر ہو تو غبنِ فاحش ہے، مثلاً: کوئی چیز دس روپے میں فروخت ہوئی، اور بعض تاجر اس کی قیمت پانچ روپے بیان کرتے ہیں، بعض چھ اور بعض سات، دس روپے قیمت کوئی بیان نہیں کرتا تو یہ غبنِ فاحش ہے، اور اگر بعض تاجر آٹھ روپے قیمت بتاتے ہیں، بعض نو روپے اور بعض تاجروں نے دس بھی بتلائی تو یہ غبن یسیر ہے۔ (شامی، حوالہ بالا)

[۱۲-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذِ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِيُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ— وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ— عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ التَّلَقِّي لِلرُّكْبَانِ وَأَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَأَنْ تَسْأَلَ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا وَعَنِ النَّجْشِ وَالتَّصْرِيَةِ وَأَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ.

← کرنا واجب ہے اس لئے کہ ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنا دونوں پر ضروری ہے (شامی ۷:۳۰۴ باب البيع الفاسد)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے قافلہ سے ملنے سے منع فرمایا، اور اس بات سے کہ شہری دیہاتی کے لئے بیچے، اور اس بات سے کہ عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے، اور دھوکہ دہی سے اور تھن میں دودھ روکنے سے اور بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے منع فرمایا“

قوله: وان تسال المراة إلخ: معاشرتی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوتی ہیں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی ہے، یہاں تک کہ وہ غالب آجاتی ہے اور دوسری کو طلاق دلوادیتی ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اور سوکن کو بہن جذبۂ ترحم ابھارنے کے لئے کہا۔

وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ (ح) وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ (ح) وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا أَبِي قَالُوا جَمِيعًا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، فِي حَدِيثِ غُنْدَرٍ وَوَهْبٍ نُهِيَ، وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الصَّمَدِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى، بِمِثْلِ حَدِيثِ مُعَاذٍ عَنْ شُعْبَةَ.

حدیث ابی ہریرہؓ کی سندیں:

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مختلف سندوں سے پیش فرمائی ہے: پہلی حدیث اسماعیل بن جعفرؒ کی ہے، جس کو وہ علاءؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور دوسری حدیث کے راوی شعبہؒ ہیں، انھوں نے علاء اور سہیل سے بھی روایت کیا ہے، اعمش سے بھی روایت کیا ہے اور عدی بن ثابتؒ سے بھی روایت کیا ہے۔ اول سند: احمد بن ابراہیم دورقی نے بواسطہ عبد الصمد حضرت شعبہؒ سے روایت کی ہے۔ ثانی سند: محمد بن المثنّٰی نے روایت کی ہے وہ بھی بواسطہ عبد الصمد شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ثالث سند: عبید اللہ بن معاذ عنبری اپنے ابا کے واسطہ سے حضرت شعبہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور تیسری حدیث کے راوی امام مالک رحمہ اللہ ہیں، انھوں نے یکے بعد دیگرے ابوالزناد اور اعرج کے واسطوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور چوتھی حدیث حضرت شعبہؒ ہی کی ہے جو بعینہٖ دوسری حدیث کی ثالث سند ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ وہاں عبید اللہ بن معاذ کی عنبری نسبت مذکور نہیں تھی اور یہاں نسبت کا ذکر ہے۔

اور آخری حدیث بھی شعبہؒ کی ہے، اس کو غندر، وہب بن جریر اور عبد الصمد روایت کرتے ہیں، معاذ والی سند کی طرح، یعنی اس حدیث کو بھی شعبہؒ یکے بعد دیگرے عدی بن ثابت اور ابوحازم کے واسطوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

[۱۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ النَّجْشِ.

وضاحت: یہ بعینہ وہی سند ہے جو باب کی پہلی حدیث کی ہے، بس یہ فرق ہے کہ پہلی حدیث میں بیع پر بیع کرنے کی ممانعت کا بیان تھا اور یہاں نجش (دھوکہ دہی) کے ممنوع ہونے کی بات ہے۔

۵- بَابُ تَحْرِيْمِ تَلَقِّي الْجَلَبِ

لادی کا استقبال کرنا ممنوع ہے

تَلَقِّي کے معنی ہیں: استقبال کرنا، ملاقات کرنا، اور جَلَب: جالب کی جمع ہے، یعنی کھینچ کر لانے والا، چونکہ دیہاتی اور لادی والا باہر سے مال لاکر شہر میں فروخت کرتا ہے، اس لئے اس کو جالب کہا جاتا ہے ــــــ ''تلقی بیوع'' اور ''تلقی رکبان'' بھی یہی ہیں، بُیوع: بمعنی مبیعات (اسم مفعول) ہے یعنی برائے فروخت لائی جانے والی چیزیں۔ اور رُکبان: راکب کی جمع ہے اس سے لادی مراد ہے، پرانے زمانہ میں بڑے تاجر عام لوگوں کی ضروریات جانوروں پر لادکر شہر شہر، قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں بیچتے تھے اس کو لادی اور کھیپ کہتے تھے اور جو صبح کے وقت دیہات سے لوگ بوگیوں میں سبزیاں وغیرہ بھر کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں وہ (مبیعات) بھی رکبان کا مصداق ہیں، غرض: تلقی بیوع، تلقی رکبان اور تلقی جلب ایک ہی ہیں۔

شہر کے باہر سے کوئی شخص (لادی یا دیہاتی) تجارتی مال لے کر شہر آ رہا ہو تو اس کو شہر میں آ کر فروخت کرنے کا موقع دینا چاہئے، تاجروں یا لوگوں کو آگے جا کر خریدنا نہیں چاہئے، اور اگر تاجر اس سے باہر نکل کر ملاقات کرے اور اس سے سودا کرے تو یہ تلقی البیوع ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں عام لوگوں کا بھی نقصان ہے اور بائع کا بھی نقصان ہے، بائع کا نقصان یہ ہے کہ عام طور پر لادی والے کو اور دیہاتی کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شہر میں اس چیز کا بھاؤ کیا ہے؟ تاجر کم دام بتا کر سامان خرید لیتا ہے، اگر وہ اپنا مال لے کر بازار میں آئے گا تو اس کو زیادہ قیمت ملے گی، اور عوام کا نقصان یہ ہے کہ جب مال ایک یا چند تاجروں نے مل کر خرید لیا اور اس مال کی شہر میں قلت ہے تو وہ من مانی قیمت پر بیچیں گے اور لوگ خریدنے پر مجبور ہونگے کیونکہ وہ مال دوسروں کے پاس نہیں ہے، اس طرح ان کا نقصان ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے ملکی مصلحت سے یہ ممانعت فرمائی ہے۔

[۱۴-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ زَائِدَةَ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِيْ ابْنَ سَعِيْدٍ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِيْ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ

اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى أَنْ تُتَلَقَّى السِّلَعُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْأَسْوَاقَ، وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ نُمَيْرٍ، وَقَالَ الْآخَرَانِ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ التَّلَقِّي.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ سامانِ تجارت سے ملاقات کی جائے، یہاں تک کہ وہ بازار میں پہنچ جائے —— یہ ابن نُمیر کے الفاظ ہیں —— اور دوسرے دو (ابن المثنی اور ابوبکر بن ابی شیبہ) کہتے ہیں: ملاقات کرنے سے منع فرمایا۔

لغات: تُتَلَقّٰى: مضارع مجہول واحد مؤنث غائب، تَلَقَّى الشيئَ: استقبال کرنا، ملنا، مجرد باب سمع سے ہے، لَقِيَ يَلْقَى لِقَاءً وَلُقْيَانًا وَلُقْيَةً: استقبال کرنا، ملاقات کرنا...... السِّلَع: سامانِ تجارت، سامان، واحد: سِلْعَةٌ۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے "تلقی بیوع" سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں غرر اور ضرر دونوں ہیں، یعنی اس میں بائع کا بھی نقصان ہے اور عام لوگوں کا بھی نقصان ہے، بائع کا نقصان یہ ہے کہ عام طور پر لادی والے کو اور دیہاتی کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شہر میں اس کے سامان کا بھاؤ کیا ہے؟ تاجر کم دام بتا کر سامان خرید لیتا ہے، اگر وہ اپنا مال لے کر خود بازار میں آئے گا تو اس کو زیادہ قیمت ملے گی۔ اور عوام کا نقصان یہ ہے کہ جب مال ایک یا چند تاجروں نے مل کر خرید لیا اور اس مال کی شہر میں قلت ہو گئی تو وہ من مانی قیمت پر بیچیں گے، اور لوگ خریدنے پر مجبور ہونگے، کیونکہ وہ مال دوسروں کے پاس نہیں ہے، اس طرح عوام کا نقصان ہوگا۔ اس لئے نبی ﷺ نے ملکی مصلحت سے یہ ممانعت فرمائی ہے۔[1]

۲- اگر ضرر و غرر دونوں نہ ہوں یعنی نہ تو بازار میں اس سامان کی قلت ہو کہ عام لوگوں کا نقصان ہو اور نہ کھیپ سے ملاقات کرنے والا کم قیمت میں خریدے، بلکہ اس کے سامان کا واجبی دام ادا کرے تو کیا اب بھی تلقی بیوع ممنوع ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً تلقی بیوع ممنوع ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے بغیر کسی شرط و تفصیل کے تلقی بیوع سے منع فرمایا ہے، پس بہر صورت کھیپ سے ملاقات کرنے والا گنہ گار ہوگا، اور احناف کے نزدیک تلقی بیوع کی ممانعت کی علت

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ نو بیوع ایسی ہیں جن میں جُوے کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی ان میں غرر (دھوکہ) اور مخاطرہ (جوکھوں خطرہ) ہے یعنی مال مل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی مل سکتا، نفع بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، اسی کو قمار، میسر، سٹہ اور لاٹری کہتے ہیں، آج دنیا میں اس کی بے شمار شکلیں رائج ہیں، اسلام نے ان تمام شکلوں کو حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح نو اسباب کی وجہ سے بیع میں کراہیت آتی ہے، ان میں سے ایک ملکی مصلحت بھی ہے، وہی یہاں پیش نظر ہے، نبی ﷺ نے بائع اور عوام کو نقصان سے بچانے کے لئے کھیپ سے ملاقات کرنے کی ممانعت کر دی، یہی ملکی مصلحت ہے (تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۵۵۷-۵۸۴ دیکھیں)

ضرر وغرر ہیں، پس جہاں یہ دونوں باتیں نہ ہوں، تاجر کے کھیپ سے ملاقات کرنے سے نہ تو عام لوگوں کا نقصان ہو، بایں معنی کہ وہ سامان بازار میں آسانی سے دستیاب ہو اور نہ ہی دیہاتی کا نقصان ہو، تاجر دیہاتی کو واجبی دام ادا کرے تو تلقی بیوع ممنوع نہیں۔ (۱)

تلقی بیوع کا حکم:

۳- اگر شہری تاجر دیہاتی کو دھوکا دے کر کم داموں میں مال خرید لے تو یہ بیع بالا جماع درست ہے، البتہ جب دیہاتی کو دھوکے کا علم ہو تو وہ بیع فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر تاجر نے غرر قولی کیا ہے یعنی غلط بھاؤ بتایا ہے تو دیہاتی قضاءً بیع فسخ کرسکتا ہے اور اگر غرر فعلی کیا ہے یعنی زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر طرز عمل ایسا اختیار کیا جس سے دیہاتی یہ سمجھا کہ آج مارکیٹ ڈاؤن ہے اور اس نے کم داموں میں اپنا مال اس تاجر کو بیچ دیا، بعد میں اس کو دھوکے کا علم ہوا تو وہ قضاءً بیع فسخ نہیں کرسکتا، ہاں دیانۃً اس بیع کو فسخ کردینا چاہئے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ غرر قولی ہو یا فعلی دونوں صورتوں میں دیہاتی کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے، ان کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی باب کی آخری حدیث سے ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جلب سے ملاقات نہ کرو اگر جلب سے کوئی ملاقات کرے اور اس کا سامان خرید لے تو مالک کو اختیار ہے جب وہ بازار میں آئے" یعنی جب اس کو یہ بات معلوم ہو کہ اس کو دھوکا دیا گیا ہے تو وہ بیع فسخ کرسکتا ہے۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں کہ تلقی جلب میں خواہ غرر قولی ہو یا فعلی، بائع بیع فسخ کرسکتا ہے، یعنی ان کے نزدیک خیارِ مغبون (دھوکہ خوردہ کو خیار) حاصل ہے، حنفیہ کے نزدیک خیارِ مغبون حاصل نہیں، یعنی اگر کوئی شخص دھوکہ کھا کر کوئی چیز بیچ دے یا خرید لے تو اس کو بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار حاصل نہیں، وہ بیع ہوگئی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس خیار کا ذکر ہے وہ دیانۃً ہے، قضاءً اختیار حاصل نہیں۔

ملحوظہ: اصحاب ظواہر کے نزدیک سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوگی، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ دھوکہ بازی ہے اور دھوکہ دینا جائز نہیں، اس لئے بیع منعقد نہیں ہوگی (بخاری کتاب البیوع باب ۷۱)

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ.

(۱) جاننا چاہئے کہ اگر تلقی جلب میں ضرر وغرر ہو تو احناف کے نزدیک وہ بیع مکروہ ہے —— مکروہ بیع: وہ بیع کہلاتی ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے مشروع ہو، مگر کسی وجہ سے ممنوع ہو جیسے اذان جمعہ کے بعد خرید وفرخت کی ممانعت —— اور جو بیع ذاتاً مشروع ہو مگر وصفاً ممنوع ہو وہ بیع فاسد کہلاتی ہے، جیسے بکریوں کے ریوڑ میں سے کسی ایک غیر معین بکری کی بیع —— اور جو بیع ذات اور وصف ہر اعتبار سے غیر مشروع ہو وہ بیع باطل کہلاتی ہے، جیسے مردار اور خنزیر کی بیع۔

[۱۵-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُبَارَكٍ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ نَهٰى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوْعِ.

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کے راوی ان کے آزاد کردہ نافع بھی ہیں اور ابوعثمانؒ بھی، اور نافعؒ سے دو حضرات: عبید اللہ اور امام مالکؒ روایت کرتے ہیں، گزشتہ حدیث عبید اللہ کی تھی اور یہاں پہلی حدیث امام مالکؒ کی ہے اور دوسری حدیث ابوعثمانؒ کی ہے۔

[۱۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ.

[۱۷-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ هِشَامٌ الْقُرْدُوْسِيُّ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَإِذَا أَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ"

وضاحت: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ دو اساتذہ: یحییٰ بن یحییٰ اور ابن ابی عمر سے روایت کرتے ہیں، اور وہ دونوں چند واسطوں سے محمد بن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ: دو واسطوں سے روایت کرتے ہیں اور ابن ابی عمر: تین واسطوں سے، پس ابن ابی عمر کی روایت نازل ہے۔

دوسری حدیث کا ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جلب (تجارتی قافلہ) سے ملاقات نہ کرو، پس جس نے جلب سے ملاقات کی اور قافلہ سے مال خرید لیا، پھر جب مال کا (سابقہ) مالک بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے"

لغات: لاَ تَلَقَّوْا[1]: فعل نہی جمع مذکر حاضر (از باب تفعُّل) تَلَقَّى الشيئَ: استقبال کرنا...... الجَلَب: مصدر ہے، جو جالِب کے معنی میں ہے یعنی تجارتی قافلہ، یا بمعنی مَجلوب ہے، یعنی غلہ وغیرہ جو دیہاتی شہر میں لاتا ہے[2]...... جَلَبَه (ن،ض) جَلْبًا وَجَلَبًا: ہانک کر لانا۔

---

(۱) لاتَلَقَّوْا: اصل میں لاتَتَلَقَّيُوْا تھا (ناقص یائی) باب تفعل میں علامت مضارع ت کو حذف کرنا جائز ہے اور اکثر حذف کیا جاتا ہے، پس لاتَلَقَّيُوا ہوا، پھر (بقاعدہ قال) یاء متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یا کو الف سے بدل کر اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا، پس لاتَلَقَّوْا ہوا۔

(۲) یہ بھی تعلیل ہے کہ جَلَب: جالب کی جمع ہے جیسے خَادم کی جمع خَدَم ہے اور مراد وہ شخص ہے جو باہر سے مال لا کر شہر میں فروخت کرتا ہے۔

تشریح:

۱-اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تلقی جلب میں خواہ غرر قولی ہو یا فعلی، بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، یعنی ان کے نزدیک (دھوکہ خوردہ کو) ''خیارِ مغبون'' حاصل ہے، اور احناف کے نزدیک ''خیارِ مغبون'' کوئی خیار نہیں، اور جو دھوکہ ہوا ہے اس کا خود بائع ذمہ دار ہے، اس کو پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنا سامان فروخت کرنا چاہئے تھا، جس میں اس نے تساہلی برتی، پس نقصان کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اور حدیث شریف میں جس اختیار کا تذکرہ ہے وہ دیانۃً ہے قضاءً نہیں، یعنی اگر بائع فسخ بیع کا مطالبہ کرے تو مشتری کو بیع فسخ کردینی چاہئے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام وہ بیوع جو مکروہ ہیں ان کو دیانۃً فسخ کرنا واجب ہے (دیکھئے شامی ۷:۳۰۴ **باب البیع الفاسد**)

۲-مذکورہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی قوی دلیل ہے، اور احناف کی طرف سے حدیث شریف کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں: ان میں قوی تر توجیہ یہی ہے کہ حدیث شریف میں جو اختیار کی بات ہے وہ اختیار دیانۃً ہے، قضاءً نہیں، مگر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں احناف کے برخلاف رائے اختیار فرمائی ہے ان کے نزدیک جالب (بائع) کو حق فسخ حاصل ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہے (تکملہ فتح الملہم)

قوله: فإذا أتى سيده السوق: سیّد سے مراد جالب (سابقہ مالک) ہے —— علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جالب کو بازار میں آنے کے بعد اور بھاؤ معلوم کرنے کے بعد دھوکہ کا علم ہونے کے بعد ہی اختیار ہوگا، بازار میں آنے سے قبل اختیار نہ ہوگا، یہی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بھی فرماتے ہیں، اور اگر بازار میں آکر معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوا ہے بلکہ بازاری ریٹ پر یا اس سے بھی زیادہ دام میں اس کا سامان فروخت ہوا ہے تو کیا اب بھی خیار حاصل ہوگا؟ اس سلسلہ میں دونوں کی مختلف روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ اب بھی اختیار ہوگا اس لئے کہ حدیث مطلق ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں اختیار نہ ہوگا، اس لئے کہ غبن (دھوکہ) نہیں ہے (شرح نووی)

اور امام مالک رحمہ اللہ سے مختلف روایتیں مروی ہیں: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے موافق بھی اور امام اعظم رحمہ اللہ کے موافق بھی، اور ان کا مشہور قول یہ ہے کہ جس ریٹ پر شہری (استقبال کرنے والا) نے خریدا ہے، اسی ریٹ پر وہ سامان بازار والوں کو دلوایا جائے گا، اور اگر بازار والے اس ریٹ پر نہ خریدیں تو پھر وہ سامان شہری کا ہوگا (تکملہ فتح الملہم)

٦- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ

شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنا ممنوع ہے

حاضر: کے معنی ہیں: شہری، اور بَادِیْ اور بَادِ: کے معنی ہیں: بدّو، خانہ بدوش، دیہاتی —— کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آئے اور مارکیٹ ڈاؤن (گری ہوئی) پائے، پس کوئی شہری اس سے کہے: آج بھاؤ کم ہے مال مت بیچ، میرے

پاس رکھ چھوڑ، جب بھاؤ بڑھے گا میں فروخت کروں گا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، ارشاد ہے: ''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ و اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق پہنچاتے ہیں'' یعنی دیہاتی اگر اپنا مال فی الحال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا، کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے ان کو چیز سستی مل جائے گی، اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا، اور نقد ادھار سے بہتر ہے، اور اگر شہری اس کا مال بیچے گا تو اس میں لوگوں کا بھی نقصان ہے اور دیہاتی کا بھی نقصان ہے، لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری وہ مال زیادہ داموں پر فروخت کرے گا، اور دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو انتظار کی کلفت برداشت کرنی پڑے گی۔ غرض یہ ممانعت بھی ملکی مصلحت سے ہے۔

اور برعکس صورت یعنی شہری کا دیہاتی کے لئے خریدنا جائز ہے مثلاً کسی دیہاتی کو اپنی لڑکی کی شادی کے لئے جہیز خریدنا ہے، کوئی شہری اس کو مناسب قیمت پر اشیاء دلوادے تو یہ جائز ہے، اس میں شہری دوکاندار کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ ہے وہ لٹنے سے یعنی زیادہ داموں پر خریدنے سے بچ جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال اپنے پاس رکھ لے اور قیمت بڑھنے کے بعد بیچے تو یہ بیع جمہور کے نزدیک جائز ہے اگر چہ ایسا کرنا مکروہ (تنزیہی) ہے۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَعَمْرُو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوْا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ''لاَ يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ'' وَقَالَ زُهَيْرٌ: عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ نَهٰى أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے'' اور زُہیر کے الفاظ ہیں: نبی ﷺ نے شہری کو دیہاتی کے لئے بیچنے سے منع کیا ــــ بادٍ سے مراد: ہر وہ شخص ہے جو مقامی نہ ہو خواہ وہ دیہات کا باشندہ ہو یا شہر کا۔

تشریح: مذکورہ حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: پہلا مطلب: یہ ہے کہ کوئی شہری لازم یہ طے کرلے کہ وہ صرف دیہاتی کو بیچے گا، دیہاتی بھولا بھالا ہوتا ہے، اس کو سامان زیادہ دام میں بیچنا ممکن ہے، جبکہ شہری تاجروں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہوتا ہے اور مشکل سے جھانسے میں آتا ہے اس لئے زیادہ منافع کی خاطر کوئی شہری یہ طے کرلے کہ وہ اپنا سامان صرف دیہاتی کو بیچے گا، اس صورت میں ممانعت اس وقت ہوگی جب کہ قحط سالی ہو اور لوگ سخت ضرورت مند ہوں (یہ مطلب صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے[1])

---

(۱) ہدایہ کی عبارت یہ ہے: قال: وعن بيع الحاضر للبادی فقد قال إلا يبيع الحاضر للبادی، وهذا إذا كان أهل البلدة فی قحط وعوز، وهو يبيع من أهل البدو فی الثمن الغالی لما فيه من الأضرار بهم، امّا إذا لم يكن كذلك لاباس به لانعدام الضرر (ہدایہ ۳:۵۱)

اور دوسرا مطلب: وہ ہے جو اوپر بیان کیا، یعنی کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آئے اور مارکیٹ ڈاؤن پائے، پس کوئی شہری اس سے کہے کہ: آج بھاؤ کم ہے، مال مت بیچ، میرے پاس رکھ چھوڑ جب بھاؤ بڑھے گا میں فروخت کروں گا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ دیہاتی اگر اپنا مال فی الحال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا، کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی، اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے، ان کو چیز سستی مل جائے گی اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے (اکثر فقہاء اور محدثین کے نزدیک حدیث شریف کا یہی مطلب ہے)

ملحوظہ: دونوں تفسیروں میں یہ فرق ہے کہ اول تفسیر کی رو سے شہری بائع اور دیہاتی مشتری ہے، اور دوسری تفسیر میں بات برعکس ہے۔

فائدہ(۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک: شہری کے لئے دیہاتی کا سامان بیچنے کی جو ممانعت ہے اس کی بنیاد اجرت لے کر بیچنا ہے، اگر کوئی شہری اجرت لئے بغیر دیہاتی کا مال بیچے تو جائز ہے، کیونکہ یہ اس دیہاتی کی مدد اور اس کی خیر خواہی ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: إذا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكم أخاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ: (رواہ البخاری تعلیقا باب ۶۸) جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے خیر خواہی چاہے تو چاہئے کہ وہ اس کی خیر خواہی کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، چنانچہ انھوں نے بخاری شریف میں یکے بعد دیگرے تین ابواب اسی بنیاد پر قائم کئے ہیں (بخاری کتاب البیوع باب ۶۸-۷۰) اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، جب دیہات کے اکثر لوگ غیر مسلم تھے، اس وقت دیہاتی کے لئے بیچنے کی ممانعت تھی، پھر جب وہ مسلمان ہوگئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا، اب شہری کے لئے دیہاتی کا مال بیچنا جائز ہے اور یہ اس کے ساتھ خیر خواہی کرنا ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔

شہری کا دیہاتی کے لئے خریدنا جائز ہے:

فائدہ(۲): شہری کے لئے دیہاتی کا مال بیچنا تو ممنوع ہے کیونکہ یہ ملکی مصلحت کے خلاف ہے، اس میں لوگوں کا نقصان ہے اور خود دیہاتی کا بھی نقصان ہے، مگر شہری کا دیہاتی کے لئے خریدنا جائز ہے، اس میں دوکاندار کا کوئی نقصان نہیں، تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے، اور دیہاتی کا فائدہ ہے اس کو مال سستا ملے گا، شہری رعایت سے دلوائے گا، اور وہ دھوکہ سے بھی بچ جائے گا، تاجر اجنبی کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پیڑھی والے کا دیہاتی کا مال نیلام کرنا جائز ہے:

فائدہ(۳): آج کل یہ طریقہ ہے کہ جو مال لے کر منڈی میں آتا ہے وہ اپنا مال کسی پیڑھی پر اتارتا ہے، پیڑھی والا اس

کا مال نیلام کرتا ہے اور اس میں اس کا کمیشن ہوتا ہے، یہ بھی جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

دیہاتی کا مال بیچنے کا حکم:

فائدہ (۴): اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت کرے تو یہ بیع صحیح ہوگی یا باطل؟ حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ بیع صحیح ہوگی، البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ شہری مطلقاً گنہ گار ہوگا، مخالفت حدیث کی بناء پر، اور حنفیہ کے نزدیک اگر اس سامان کی شہریوں کو ضرورت تھی اور اس کی قلت تھی تو دیہاتی کا مال بیچنا مکروہ ہوگا اور شہری گنہ گار ہوگا، بصورت دیگر کچھ حرج نہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بیع سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگی، اور دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر پانچ باتیں جمع ہوں تو بیع باطل ہوگی: (۱) شہری نے بذات خود فروخت کرنے کی پیش کش کی ہو (۲) دیہاتی شہر کے بھاؤ سے ناواقف ہو (۳) وہ سامان فروخت کرنے ہی کے لئے لایا ہو (۴) دیہاتی کا اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرنے کا ارادہ ہو (۵) لوگوں کو اس سامان کی ضرورت ہو اور تاخیر میں پریشانی ہو (یہ تفصیل مذہب حنابلہ کی مشہور فقہ کی کتاب مغنی ابن قدامہ (۴:۲۱۵) میں ہے)

[۱۹-] وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالاَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ وَأَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، قَالَ: فَقُلْتُ لاِبْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قَالَ: لاَيَكُنْ لَهُ سِمْسَارًا.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے لادی سے ملاقات کرنے سے اور شہری کو دیہاتی کے لئے بیچنے سے روکا'' طاؤس کہتے ہیں: میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: نبی ﷺ کے اس ارشاد: حاضرٌ لباد کا کیا مطلب ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ''دیہاتی کے لئے دلال نہ بنے'' یعنی اجرت لے کر نہ بیچے۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اجرت پر دیہاتی کا مال بیچنا ممنوع ہے، اور یہی صورت حدیث شریف کا مصداق ہے، اجرت لئے بغیر بیچ سکتا ہے، یہ اس کی خیر خواہی ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔[1]

[۲۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُوْ خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ (ح) وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''لاَيَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوْا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ'' غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَةِ يَحْيٰى: ''يُرْزَقُ''

(۱) جاننا چاہئے کہ دلالی کی اجرت (آڑھتی کا کمیشن) جائز ہے، اب فتویٰ اسی پر ہے (دیکھئے شامی ۹:۸۷ باب أجرة الدلال، اور فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۴:۴۲۰)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرماتے ہیں" ـــــ یحییٰ کی روایت میں یُرزَق: مجہول ہے اور احمد بن یونسؒ کی روایت میں معروف، اس ایک فرق کے علاوہ دونوں کی روایت یکساں ہے۔

تشریح:

۱- یہ بیع حاضر للبادی کی ممانعت کی علت ہے، یعنی دیہاتی خود مال بیچے گا تو لوگوں کا بھی فائدہ ہے اور خود دیہاتی کا بھی، دیہاتی فی الحال مال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا، کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، پس اس میں لوگوں کا یہ فائدہ ہے کہ ان کو چیز سستی مل جائے گی اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے۔

۲- ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع حاضر للبادی کی ممانعت مطلقاً ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت معلول بعلت ہے، اور علت اس حدیث میں مذکور ہے۔ غرض اگر بیع حاضر للبادی سے مارکیٹ پر اثر پڑے تو ہی ممانعت ہے، اور اگر اس کی وجہ سے قیمتوں پر کوئی اثر نہ پڑے یعنی اس سامان کی فراوانی ہو اور شہری دیہاتی کو اس کے مال کا صحیح دام ادا کرے تو پھر ممانعت نہیں، اس صورت میں بیع حاضر للبادی بلا کراہت درست ہوگی۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

وضاحت: یہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو ابو الزبیرؒ سے سفیان بن عیینہؒ نے روایت کیا ہے اور گذشتہ حدیث ابو خیثمہؒ اور زہیرؒ نے روایت کی تھیں۔

[۲۱-] وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نُهِينَا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ أَوْ أَبَاهُ.

[۲۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَنَسٍ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: نُهِينَا عَنْ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

ترجمہ و وضاحت: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ان سے محمد بن سیرینؒ نے روایت کی ہے، اور ان سے پہلی حدیث یونسؒ نے روایت کی ہے اور دوسری حدیث ابن عونؒ نے، اور ابن عون والی روایت امام مسلمؒ نے محمد بن

المثنی سے ابن عدیؒ کے واسطہ سے بھی روایت کی ہے اور معاذ کے واسطہ سے بھی ـــــ ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہمیں روکا گیا اس بات سے کہ شہری دیہاتی کے لئے بیچے اگرچہ وہ دیہاتی اس شہری کا بھائی یا باپ ہو''

۷- بَابُ حُكْمِ بَيْعِ الْمُصَرَّاةِ

دودھ روکے ہوئے جانور کی بیع کا حکم

مُصَرَّاةٌ: اسم مفعول ہے، مادہ ص، ر، ر ہے، جس کے معنی ہیں: باندھنا، روکنا۔ بٹوے کو صُرّۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیسے روکتا ہے، اور یہ ایسی صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام ہے، جیسے: الآخرة اور الدنيا موصوف کے قائم مقام ہیں، أى الدار الآخرة اور الدار الدنيا پس تقدیر عبارت ہے: شاة مصرّاة اور ناقة مُصرّاة، موصوف کو ہٹا کر صفت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ جانور کو تھن میں دودھ روک کر بیچنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ دھوکہ اور فریب ہے۔

[۲۳-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنِ اشْتَرَىٰ شَاةً مُصَرَّاةً فَلْيَنْقَلِبْ بِهَا فَلْيَحْلُبْهَا فَإِنْ رَضِيَ حِلَابَهَا أَمْسَكَهَا وَإِلَّا رَدَّهَا وَمَعَهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تھن میں دودھ روکی ہوئی بکری خریدی پس چاہئے کہ وہ اسے لے کر پلٹے (یعنی گھر لے کر جائے) اور اس کا دودھ دوہے، پس اگر اس کا دودھ دوہنے کے بعد راضی ہو تو اسے روک لے ورنہ اس کو لوٹا دے، اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے''

لغات: مُصَرَّاة: اسم مفعول ہے، صَرّٰى يُصَرِّىْ تَصْرِيَةً اور صَرَّاهَا يُصَرِّيْهَا تَصْرِيَةً فَهُوَ مُصَرَّاة: کے اصل معنی ہیں: کسی چیز کو روک کر رکھنا، بند کرنا، کہتے ہیں: صَرَّيْتُ الماءَ فِي الحوض اى حَبَسْتُه، اور اصطلاحی معنی ہیں: حَبسُ الضرع ليغترّ به المشترى: دودھ روکنا تاکہ مشتری کو دھوکہ ہو اور وہ زیادہ دودھ کا جانور سمجھ کر اس کو خرید لے، اس عمل کو تحفیل بھی کہتے ہیں، حفل کے معنی ہیں: جمع کرنا، بس کو حافلة، مجلس کو حَفلة اور محفل کہتے ہیں، کیونکہ اس میں بہت لوگ جمع ہوتے ہیں۔ غرض: مُحفّلة اور مُصرّاة ایک ہی ہیں، دونوں کے معنی ہیں: تھن میں دودھ جمع کرنا......
انقلب: الٹا جانا، واپس ہونا...... حلب (ن، ض) حَلْبًا وَحَلَبًا وحِلابًا الشاةَ: دوہنا...... الحلاب والحلب: دونوں مصدر ہیں۔

اس حدیث میں تین مسئلے زیر بحث ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کوئی دودھ والی اونٹنی یا بکری فروخت کرے اور غرر قولی کرے یعنی دودھ زیادہ بتائے، پھر جب مشتری نے گھر لے جا کر دوہا تو دودھ کم پایا، اس صورت میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ خیار وصف کی بنا پر مشتری سودا ختم کر سکتا ہے اور بائع انکار کرے تو قاضی سودا ختم کر دے گا۔

اور اگر بائع نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر غرر فعلی کیا جب مشتری نے دودھ کے بارے میں پوچھا تو کہا: صبح آجانا، تمہارے سامنے دودھ نکالوں گا، جتنا دودھ ہے وہ تمہارے سامنے ہوگا، پھر اس نے شام کو سارا دودھ نہیں نکالا، کچھ دودھ چھوڑ دیا، چنانچہ جب صبح اونٹنی یا بکری دوہی گئی تو دودھ زیادہ نکلا، پھر جب مشتری نے گھر لے جا کر دودھ نکالا تو دودھ کم نکلا، پتا چلا کہ بائع نے دھوکا کیا ہے، یہ غرر فعلی ہے، کیونکہ بائع نے اپنے عمل سے دھوکا دیا ہے۔

اس صورت میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں: مشتری کو اختیار تام حاصل ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے بیع فسخ کر سکتا ہے، اور طرفین کے نزدیک مشتری کو خیار ناقص حاصل ہے وہ بائع کو راضی کر کے سودا ختم کر سکتا ہے، تنہا ختم نہیں کر سکتا۔

ملحوظہ: تلقی بیوع میں جو اختلاف ہے یہاں بھی وہی اختلاف ہے، یعنی اگر بائع نے غرر قولی کیا ہے تو بالاجماع مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے اور غرر فعلی کیا ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے اور حنفیہ (طرفین) کے نزدیک دیانۃً اختیار ہے قضاءً نہیں۔

دوسرا مسئلہ: متفق علیہ ہے کہ مشتری کو یہ اختیار تام یا ناقص صرف تین دن تک حاصل ہے، تین دن کے بعد یہ حق ساقط ہو جاتا ہے، پھر بیع فسخ کرنے کے لئے فریقین کی رضامندی بالاتفاق ضروری ہے، کیونکہ جانور کو دو چار مرتبہ دوہنے سے دودھ کا پتا چل جاتا ہے، پس زیادہ دنوں تک اختیار دینے میں بائع کا نقصان ہے، نیز عرصہ گذرنے کے بعد دودھ خود بخود کم ہو جاتا ہے اور دیگر عوارض سے بھی کم ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر مشتری سودا ختم کرے تو اس کو چاہئے کہ مبیع کے ساتھ ایک صاع (تقریباً تین کلو ڈیڑھ سو گرام) چھوہارے یا کوئی اور غلہ دے، گیہوں دینا ضروری نہیں (گیہوں اس زمانہ میں گراں تھا، اب جبکہ وہ سستا ہو گیا ہے: گیہوں بھی دے سکتا ہے) اور یہ دینا اس لئے ہے کہ بائع کا دل نہ دکھے، کیونکہ اس زمانہ کا دودھ مشتری نے استعمال کیا ہے، پس بائع خیال کرے گا کہ میرا خواہ مخواہ نقصان ہوا۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ ایک صاع چھوہارے دینے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ اور یہ دودھ کی قیمت ہے یا ویسے ہی دیا گیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے، اور دودھ کا لم سم بدلہ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ کی قیمت واجب ہے، اور طرفین کے نزدیک یہ دینا مستحب ہے، اور بائع کا دل خوش کرنے کے لئے ہے، دودھ کا ضمان نہیں ہے، کیونکہ ضابطہ ہے: الخراج بالضّمان یعنی آمدنی نقصان کے عوض ہے (ابن ماجہ حدیث ۲۲۴۳،

ترمذی حدیث ۱۲۷۰) اگر جانور لوٹانے سے پہلے مرجاتا تو مشتری کا نقصان ہوتا، پس اس زمانہ کا دودھ بھی مشتری کا ہے، اس کا کوئی ضمان واجب نہیں۔

فائدہ: مشتری کو جو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے وہ اختیار ناقص ہے یا کامل؟ اس سلسلہ میں جو اختلاف ہے وہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اور حدیث شریف کے ظاہر سے جو اختیار کامل سمجھ میں آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسا فریب کرتا ہے اور راز کھل جاتا ہے اور مشتری بیع ختم کرنا چاہتا ہے تو شریف بائع تو فوراً تیار ہوجاتا ہے، مگر اڑیل نہیں مانتا، ایسی صورت میں مسلمانوں کا صالح معاشرہ مشتری کا ساتھ دیتا ہے، ہر شخص بائع سے کہتا ہے: فریب کرتا ہے اور پٹھے پر ہاتھ بھی نہیں رکھنے دیتا! ایسے وقت میں اس حدیث کا طرز بیان بھی مشتری کا معاون ہوگا —— البتہ ایسے موقع پر مشتری دودھ کے معاوضے کے نام سے کچھ نہیں دیتا، یہ ایک معاشرتی خرابی ہے، حدیث کا اصل زور اسی پر ہے کہ بائع کا دل خوش کیا جائے۔

بہ الفاظ دیگر: حدیث میں تین مسئلے ہیں: ایک: دودھ روکے ہوئے جانور کو واپس کرنے کا اختیار۔ دوسرا: اختیار کا تین دن تک ہونا، تیسرا: دودھ کا عوض دینا —— اس حدیث میں ماسیق لاجلہ الکلام کونسے مسئلے ہیں؟ احناف کے نزدیک دوسرا اور تیسرا مسئلہ زیر بحث ہیں۔ اور پہلا مسئلہ ضمناً زیر بحث آیا ہے، معاشرہ میں خرابی پچھلے دو مسئلوں میں پائی جاتی ہے، کئی دنوں کے بعد مشتری جانور واپس کرنا چاہتا ہے اور اس عرصہ کے دودھ کا کچھ عوض نہیں دینا چاہتا، اس حدیث میں ان دونوں باتوں کی اصلاح کی گئی ہے کہ یہ اختیار صرف تین دن تک ہے اور دودھ کا واجبی بدل دینا چاہئے تا کہ بائع کا دل نہ دکھے، اور وہ خوشی سے جانور واپس لے لے، رہا پہلا مسئلہ تو وہ تمہید کلام کے طور پر زیر بحث آیا ہے، کیونکہ ایسے جانور کو واپس لینے میں بائع لیت ولعل نہیں کرتا اور کرتا ہے تو معاشرہ اس پر دباؤ ڈالتا ہے، پس اختیار کامل یا ناقص کی بحث زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔

[۲۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ- يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ- عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنِ ابْتَاعَ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ فِيهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دودھ روکی ہوئی بکری خریدی تو مشتری کو اس کے بارے میں تین دن تک اختیار ہے، چاہے اسے اپنے پاس رکھے اور چاہے بائع کو لوٹا دے، اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے“

قوله: فهو فيها بالخيار: مصرات میں مشتری کو اختیار بالاجماع تین دن تک ہے، اس کے بعد کوئی اختیار نہیں، نہ دیانۃً نہ قضاءً، اور تین دن کے اندر کب تک اختیار ہے؟ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ مکمل تین دن اختیار ہے اور ظاہر

حدیث ان کی مؤید ہے، مگر دوسرا قول جو اکثر علماء کا ہے یہ ہے کہ یہ اختیار دھوکہ کا پتہ چلنے کے بعد علی الفور حاصل ہوگا۔ اور حدیث شریف میں جو تین دن کی بات ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ دھوکہ کا علم نہ ہوا ہو (شرح نووی)

قوله: وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا إلخ: ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک صاع کھجور دینے کا حکم وجوبی ہے، اور یہ دودھ کا کم سم بدلہ ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع کھجور ہی دینا ضروری ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کھجور بھی دے سکتا ہے اور دیگر غلہ جس کا عام چلن ہو، وہ بھی دے سکتا ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ کی قیمت دینی ضروری ہے، خواہ وہ کتنی ہی ہو، اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں، نہ غلہ اور نہ قیمت۔ اور حدیث شریف میں جو ایک صاع کھجور دینے کی بات ہے وہ استحبابی ہے، اس لئے کہ تصریہ ایسا عیب نہیں جس کی بناء پر جانور لوٹانے کا اختیار حاصل ہو، یہ اختیار اس کو صرف مبیع کے نقصان سے بچانے کے لئے دیا گیا ہے۔

غرض: حدیث شریف کے دو جزء ہیں: ایک: تصریہ کی وجہ سے رد کا اختیار۔ دوسرا: ایک صاع کھجور دینے کا حکم۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے دونوں جزءوں میں ظاہر حدیث کو لیا، اور امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے صرف جزء اول میں ظاہر حدیث کو لیا اور جزء ثانی میں تاویل کی اور طرفین نے دونوں جزؤں میں تاویل کی ـــــ امام شافعیؒ کا استدلال تو واضح ہے: نبی ﷺ نے مشتری کو اختیار دیا ہے، اور ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا ہے، پس مشتری کو فسخ بیع کا حق ہے، اور بیع فسخ کرے تو اس پر ایک صاع کھجور ہی واجب ہے، اور امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے پہلے جزء کے ظاہر کو لیا اور دوسرے جزء کی تاویل کی، چنانچہ ان کے نزدیک بھی مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک کھجور کی جگہ دوسرا غلہ بھی دے سکتا ہے۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں کھجور کثیر الاستعمال غلہ تھا، پس اس پر قیاس کر کے اپنے زمانہ کا عام مستعمل غلہ بھی دے سکتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: اصل قیمت ہے اور نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک صاع کھجور دودھ کی کم سم قیمت تھی، اس لئے ایک صاع کھجور کا حکم دیا، مگر اب زمانہ بدل گیا ہے، پس اصل یعنی قیمت واجب ہوگی۔

اور طرفین رحمہما اللہ دونوں جزؤں کی تاویل کرتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک مشتری کو فسخ بیع کا استحقاق نہیں، اور حدیث شریف میں جس حق کا ذکر ہے وہ دیانۃً ہے قضاءً نہیں۔ اور ایک صاع کھجور کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، بائع کے دل کو راضی کرنے کے لئے یہ حکم ہے، دودھ کا ضمان نہیں، اس لئے کہ مصرات مشتری کے ضمان میں ہے اور حدیث شریف میں ہے: الخراج بالضمان: یعنی آمدنی نقصان کے عوض ہے، اگر جانور لوٹانے سے پہلے مر جاتا تو مشتری کا نقصان ہوتا، پس اس زمانہ کا دودھ بھی مشتری کا ہے، اس کا کوئی ضمان واجب نہیں ـــــ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس صورت میں جبکہ بائع نے تصریہ کے علاوہ کسی عیب کی وجہ سے جانور لوٹایا ہو اور اس کا دودھ استعمال کیا ہو:

مشتری پر عدم ضمان کی بات کہی ہے، اور حدیث الخراج بالضمان سے استدلال کیا ہے، یہی بات حنفیہ نے باب تصریہ میں کہی ہے۔

[۲۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ — يَعْنِي الْعَقَدِيَّ — حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے تصریہ کی ہوئی بکری خریدی اسے تین دن کا اختیار ہے، اگر چاہے تو اس کو لوٹا دے اور اس کے ساتھ طعام کا ایک صاع دے، گندم کا نہیں" —— دور اول میں گندم بہت گراں تھا اس لئے اس کا استثناء کیا، آج کل گندم ارزاں ہے پس وہ بھی دے سکتا ہے۔

لغت: السَمْرَاء: اَسْمَرَ کا مؤنث، گیہوں، گیہوں کا آٹا جس سے بھوسی جدا نہ کی گئی ہو۔

وضاحت: حدیث شریف میں صاع تمر ہے یا صاع طعام؟ محمد بن سیرینؒ کے علاوہ اعرجؒ، ابو صالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار وغیرہ نے بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سب نے صاع تمر روایت کیا ہے،، البتہ محمد بن سیرین کے بعض تلامذہ صاع طعام روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اکثر رواۃ نے صاع تمر روایت کیا ہے، پس یہی صحیح ہے" (بخاری کتاب البیوع باب ۶۴)

[۲۶-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اشْتَرَىٰ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ لَا سَمْرَاءَ"

[۲۷-] وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنِ اشْتَرَىٰ مِنَ الْغَنَمِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے دودھ روکی ہوئی بکری خریدی تو اسے دو مفید باتوں میں اختیار ہے: چاہے بکری روک لے اور چاہے اس کو لوٹا دے، اور ایک صاع چھوہارے دے، گندم نہیں"

سند: عبدالوہابؒ نے بھی اسی سند سے حدیث روایت کی ہے جس سند سے سفیانؒ نے روایت کی ہے یعنی وہ بھی ایوبؒ اور محمد بن سیرینؒ کے واسطوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں مگر ان کی روایت لفظاً مختلف ہے اور معنیً یکساں ہے۔

[٢٨-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا مَا أَحَدُكُمُ اشْتَرىٰ لِقْحَةً مُصَرَّاةً أَوْ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا إِمَّا هِيَ وَإِلَّا فَلْيَرُدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی نے دودھ روکی ہوئی اونٹنی یا دودھ روکی ہوئی بکری خریدی تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دو مفید باتوں میں اختیار ہے، یا تو اسے ہی رکھ لے ورنہ اس کو لوٹا دے اور ایک صاع چھوہارے دے"

لغت: اللِقْحَة و اللَقْحَة: بہت دودھ دینے والی اونٹنی، جمع: لِقَحٌ وَلِقَاحٌ۔

قولہ: هذا ما حدثنا: یہ صحیفۂ ہمام بن منبہ کا سرنامہ ہے، ہمام بن منبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیثیں ایک کاپی میں لکھی تھیں جس کا نام صحیفۂ ہمام بن منبہ ہے جو ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکا ہے، اس میں تقریباً سو حدیثیں ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ جب بھی اس صحیفہ کی حدیث لاتے ہیں تو پہلے یہ سرنامہ ذکر کرتے ہیں، پھر مناسب مقام حدیث لاتے ہیں ـــــ ایک صحیفہ کا سرنامہ ہے: نحن الآخرون السّابقون: اس صحیفہ میں اعرج کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مرویات ہیں، اور ایک سرنامہ ہے: ذكر النبيّ صلى الله عليه وسلم: حضرت ابو بکرہؓ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن نے اپنے ابا کی مرویات ایک کاپی میں لکھی تھیں، یہ اس کا سرنامہ ہے [1] (تفصیل ایضاح المسلم (۱: ۳۴۴) میں دیکھیں)

حدیث ابی ہریرہؓ کی اسناد:

اس باب میں تمام روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہیں، جو ان سے موسیٰ بن یسارؒ، ابو صالحؒ، محمد بن سیرینؒ اور ہمام بن منبہؒ نے روایت کی ہیں، اور محمد بن سیرینؒ کی حدیث دو سندوں سے مروی ہے: ایک: قرۃ روایت کرتے ہیں اور دوسری ایوب، اور صرف قرّۃ کی روایت میں صَاعًا من طعام ہے بقیہ تمام روایتوں میں صاعًا من تَمر ہے۔

چند ضروری فوائد:

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے جو متعدد سندوں سے مروی ہے اور حضرت ابن عمر رضی

(۱) جاننا چاہئے کہ حافظ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ صحیفۂ ہمام بن منبہ اور صحیفۂ اعرج ایک ہیں، صحیفۂ اعرج میں ابو الزنادؒ نے بواسطہ اعرج حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات ذکر کی ہیں، اور صحیفۂ ہمام بن منبہ میں معمرؒ نے بواسطہ ہمام بن منبہؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات ذکر کی ہیں، اور امام بخاریؒ صحیفۂ اعرج سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور سرنامہ نحن الآخرون السابقون ذکر کرتے ہیں، اور امام مسلم رحمہ اللہ صحیفۂ ہمام سے روایت کرتے ہیں، اور هذا ما حدثنا أبو هريرة سرنامہ ذکر کرتے ہیں (فتح الباری)

اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جو ابوداؤد (حدیث ۳۴۴۶) میں ہے، مگر اس میں صدقہ اور جمیع: دوضعیف راوی ہیں، اور یہی فتوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو بخاری شریف (حدیث ۲۱۴۹و۲۱۶۴) میں ہے —— جاننا چاہئے کہ احناف کی اصولِ فقہ کی کتابوں میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جو حدیث غیر فقیہ صحابی سے مروی ہو اور وہ کسی بھی طرح قیاس کے دائرہ میں نہ آتی ہو تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے (کشف الاسرار بر اصول بزدوی ۲:۵۵۶) بعض حضرات کہتے ہیں کہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار مجتہدین صحابہ میں نہیں ہے بلکہ حفاظ حدیث میں ہے، اور ان کی روایت قیاس سے معارض ہے، اس لئے کہ دودھ کا بدل ایک صاع چھوہارے کسی صورت میں درست نہیں، چاہے دودھ کو ذوات[1] الامثال میں سے فرض کریں یا ذوات القیم میں سے، ایک صاع چھوہارے بدل نہیں بن سکتا، پس یہ حدیث قیاس کے معارض ہونے کی بناء پر لائق التفات نہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، اول تو یہ حدیث صحیح ہے اور متعدد سندوں سے مروی ہے، پھر ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے گو وہ ضعیف ہے، مگر تائید کے لئے کافی ہے، اور ابن عمرؓ کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہے۔ علاوہ ازیں: حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی مجتہدین صحابہ میں شمار ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے بعد ان کے فتاوی اور دیگر صحابہ سے ان کے اقوال وفتاوی میں معارضہ معروف ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کا شمار اکابر مجتہدین میں کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۱) غرض: حضرت ابو ہریرہؓ منفرد نہیں ہیں، دیگر متعدد صحابہ سے بھی یہ مروی ہے (حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان کا تذکرہ کیا ہے) ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں، اور وہ بلند پایہ مجتہد ہیں۔

۲- قرآن مجید میں جگہ جگہ لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی خاطر ضمان کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرۃ آیت ۱۹۴) یعنی اگر کوئی شخص تم پر تعدی کرے تو تم بھی اس پر اس کی تعدی کے بقدر تعدی کر سکتے ہو، اور ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوری آیت ۴۰) یعنی برائی اور تعدی کا بدلہ اسی قدر برائی اور تعدی ہے، اور ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل آیت ۱۲۶) یعنی اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے —— ان تمام آیاتِ پاک میں کسی نقصان کی صورت میں تاوان دینے میں مثل اور مساوات کو لازم کیا گیا ہے، خواہ مثل صوری ہو یا معنوی، اور مصرّات کے مسئلہ میں جو ایک صاع کھجور کا حکم ہے وہ نہ مثل صوری ہے اور نہ مثل معنوی، اس لئے طرفین نے فرمایا کہ مشتری پر کچھ واجب نہیں، اور حدیث شریف میں جو ایک صاع کھجور کی بات ہے وہ محض استحبابی حکم ہے، بائع کے دل کو خوش کرنے کے لئے ہے، لزومی حکم نہیں۔

(۱) ذوات الامثال: وہ چیزیں ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہو سکتی ہو اور وہ صرف چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات اور معدودات متقاربہ، ان کے علاوہ تمام چیزیں ذوات القیم ہیں، اور ذوات الامثال میں مثل اور ذوات القیم میں قیمت واجب ہوتی ہے (تفصیل آئندہ باب ۲۲ کتاب البیوع میں آرہی ہے)

۳۔تصریہ: غررفعلی کے قبیل سے ہےاوراس سلسلہ میں احناف کااصل مذہب یہی ہے کہ مشتری کواختیار حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ غررفعلی میں خیارِ مغبون حاصل نہیں ہوتا (شامی ۷: ۲۲۳) مگراحناف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اختیار حاصل ہوگا، ردالمحتار میں ہے: **وهل يرجع بالنقصان عندنا؟ فعلى رواية الاسرار لا، وعلى رواية الطحاوى نعم، قال فى شرح المجمع: وهو المختار، لأن البائع بفعل التصرية غرّ المشترى فصار كما إذا غره بقوله: إنها لبون:** یعنی تصریہ کی صورت میں مشتری رجوع بالنقصان کرسکتا ہے یانہیں؟ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا۔اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، شرح مجمع میں اسی قول کومختار (فتوی کے لئے پسندیدہ) قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ بائع نے عملی تصریہ کرکے مشتری کودھوکہ دیا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہہ کردھوکا دیا ہو کہ: إنها لبونٌ، یہ بہت دودھ والا جانور ہے، یعنی یہ فعلی غرر بمنزلہ قولی غرر کے ہے، پس مشتری کوفسخ بیع کا استحقاق ہوگا (شامی ۷: ۲۲۳، مطلبٌ: **فى مسالة المصرات**) اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے نزدیک بائع اور مشتری دونوں پر یہ بیع فسخ کرنا واجب ہے، اس لئے کہ تصریہ ممنوع شرعی ہے اور ممنوعات شرعیہ سے بچنا ہر شخص پر واجب وفرض ہے (شامی ۷: ۳۰۴ —— مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: باب ۴ کا حاشیہ)

۴۔احادیث مبارکہ میں صرف شاۃِ مصرات اور ناقہ مصرات کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص گائے اور بھینس کوتصریہ کے ساتھ بیچے تو کیا حکم ہے؟ جمہور کے نزدیک اس صورت میں بھی مشتری کواختیار ہوگا اور داؤد ظاہری اس کے منکر ہیں، مغنی ابن قدامہ میں ہے: **فصل: ولا فرق بين الناقة والبقرة والشاة فيما ذكرنا، وقال داؤد: لا يثبت الخيار بتصرية البقرة، لأن الحديث: لا تصروا الأبل والغنم، فدل على أن ما عداهما بخلافهما، ولأن الحكم ثبت فيهما بالنص والقياس لاتثبت به الأحكام، ولنا عموم قوله:" من اشترى مصراة ...... ومن ابتاع محفلة" ولم يفصل، والخبر فيه تنبيه على تصرية البقر، لأن لبنها أكثر وأنفع فيثبت بالتنبية وهو حجة عند الجميع** (المغنی ۴: ۸۲)

۸- بَابُ بُطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ

قبضہ میں لینے سے پہلے مبیع کو بیچنا باطل ہے

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں، اور اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کی آراء مختلف ہیں: امام شافعی [1] اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم تمام اشیاء کا ہے، خواہ وہ مطعومات میں سے ہو یا غیر مطعومات میں

(۱) ملحوظہ: تحفۃ الالمعی اور تحفۃ القاری میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے وہ تسامح ہے۔

سے، منقولات میں سے ہو یا غیر منقولات میں سے۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم مطعومات (کھانے پینے کی چیزیں) کے ساتھ خاص ہے، ان کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک مشتری کا ان پر قبضہ نہ ہو جائے، اور مطعومات کے علاوہ اشیاء قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے، اور شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک یہ حکم صرف منقولات کا ہے، یعنی جائیداد، مکان وغیرہ کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں، اس لئے کہ منقولات میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، پس وہاں قبضہ شرط ہے، اور غیر منقولات میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہیں، اس لئے جائیداد وغیرہ کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے —— اور ایک رائے یہ ہے کہ ہر چیز قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے، یہ رائے عثمان بتی کی ہے، علامہ ابن البرؒ فرماتے ہیں: یہ قول احادیث مبارکہ کے خلاف اور مردود ہے، ممکن ہے عثمان بتی کو یہ احادیث مبارکہ نہ پہنچی ہوں، پس انھوں نے یہ رائے اختیار کی ہو۔

فائدہ: امام مالک رحمہ اللہ کی ایک رائے یہ ہے کہ مطعومات میں سے صرف وہ چیزیں جو کیلی یا وزنی یا عددی ہیں، ان کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی یہ ایک روایت ہے۔

[٢٩-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے خریدی کھانے پینے کی کوئی چیز تو وہ اس کو نہ بیچے، یہاں تک کہ وہ اس کو پورا پورا وصول کر لے، یعنی ناپ تول کر اپنے قبضہ میں کر لے" پھر آگے بیچے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "میں سمجھتا ہوں کہ ہر چیز کا یہی حکم ہے" یعنی حدیث شریف میں اگرچہ طعام کا ذکر ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ حکم تمام اشیاء کا ہے۔

تشریح:

۱- یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ یعنی صرف کھانے پینے کی چیزیں قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں یا ہر چیز کا یہی حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ ان کا بکثرت معاملہ ہوتا ہے، عام چیزیں کبھی کبھار خریدی بیچی جاتی ہیں مگر کھانے پینے کی چیزیں ہر روز صبح سے شام تک ہر دوکان سے خریدی بیچی جاتی ہیں، اس لئے ان میں فساد کا احتمال زیادہ ہے، اس لئے یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے۔ اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک "طعام" سے تمام منقولات مراد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ طعام کی طرح منقولات میں بھی فساد کا احتمال ہے، اس لئے ان کو قبضہ کے بعد بیچنے کا حکم ہے، کیونکہ اگر قبضہ سے پہلے بیچ دیا پھر مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری کو کیا

دے گا؟اور غیر منقولات یعنی زمین وغیرہ میں ہلاک ہونے کا احتمال نہیں، اس لئے اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں۔اور امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر چیز کا خواہ وہ طعام کے قبیل سے ہو یا غیر طعام کے،منقولات ہوں یا غیر منقولات، سب کا یہی حکم ہے، یعنی قبضہ سے پہلے کوئی چیز بیچنا جائز نہیں، حضرت ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔

ملحوظہ: جمہور کے نزدیک حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک غیر مخصوص منہ البعض ہے۔

قولہ: حتی یَسْتَوَ فِیهِ...... اسْتَوْفٰی مِنْهُ مَا لَهُ اسْتِیْفَاءً: کے معنی ہیں: اس سے اپنا سب مال لے لیا، پورا حق وصول کرلیا...... جاننا چاہئے کہ بیع صرف میں یعنی سونے چاندی کی بیع میں أخذ بالبراجم ضروری ہے یعنی جب متعاقدین اپنے اپنے عوض ہاتھ میں لے لیں تب قبضہ ہوگا، اور یہی پورا پورا وصول کرنا ہے، اور دیگر عروض (سامان) میں تخلیہ سے بھی قبضہ ہوجاتا ہے، جب بائع نے کتاب الماری میں سے نکال کر مشتری کے سامنے رکھ دی کہ لیجئے آپ کی کتاب تو تخلیہ ہوگیا اب مشتری اس کو بیچ سکتا ہے چاہے اس نے کتاب پر ہاتھ بھی نہ رکھا ہو۔

فوائد: قبل القبض بیع کی ممانعت معلول بعلت ہے:

۱-کسی چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو چیز قبضہ میں نہ ہو اس میں خطرۂ ہلاکت ہے، ممکن ہے کہ وہ چیز قبضہ میں آ ہی نہ سکے، ایسی صورت میں وہ شخص جس کو قبل القبض فروخت کیا گیا ہے وہ دھوکہ کھائے گا، مثلاً: ایک کتب خانہ میں میں نے ایک کتاب دیکھی اس کا ایک ہی نسخہ ہے، اب گاہک آتا ہے اور اس کتاب کا سودا کرتا ہے، بائع وہ کتاب اس کو بیچ دیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کتب خانہ سے لاکر دیدوں گا، مگر جب لینے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب بک گئی ہے، اب وہ کتاب کہاں سے لاکر دے گا؟ اس ہلاکت کے اندیشہ سے شریعت نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ جو چیز ملکیت اور ضمان میں نہیں ہے اس کو بیچنا جائز نہیں۔

۲-فقہاء احناف کے نزدیک چونکہ ممانعت کی علت عقد کو ٹوٹنے کے خطرہ سے بچانا ہے تاکہ خریدار دھوکہ نہ کھائے اور یہ خطرہ صرف منقول اشیاء میں ہے، غیر منقول اشیاء جیسے مکان، دوکان، درخت اور زمین وغیرہ میں نہیں ہے اس لئے ان کو قبل القبض بھی فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''قبل القبض ممانعت والی حدیث معلول بعلت ہے اور علت یہ ہے کہ اس میں فسخ بیع کا اندیشہ ہے'' **الحدیث الذی استدل به معلول به، أی بغرر الإنفساخ** (فتح القدیر۶:۱۳۸) علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے بھی اسی خطرۂ ہلاکت کے مدنظر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''اموال غیر منقولہ میں بھی جب ہلاکت اور ضیاع کا اندیشہ ہو تو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا جائز نہ ہوگا، مثلاً زمین دریا کے کنارے ہو کہ اس کا سیلاب کی زد میں آنا ممکن ہو یا مکان ریگستان میں ہو اور اس کے ریت سے ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو

اس کو قبل القبض بیچنا جائز نہ ہوگا" وهو مقيد بما إذا كان لايخشى إهلاكه أما في موضع لايؤمن عليه ذلك فلايجوز بيعه كالمنقول...... وفي البناية: إذا كان في موضع لايؤمن أن يصير بحرا أو تغلب عليه الرمال لم يجز (البحر الرائق ۶:۱۱۶) ـــــ شوافع اور حنابلہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ما يتوهم فيه غرر الإنفساخ بهلاك المعقود عليه لم يجز بنا عقد آخر عليه تحرزا من الضرر، ومالا يتوهم فيه ذالك الغرر انتفى المانع فجاز العقد عليه (المغنی ۴:۹۲) یعنی جس بیع میں مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہو اس پر ضرر سے بچنے کے لئے دوسرے معاملہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں، اور جس بیع میں اس غرر کا اندیشہ نہ ہو اس میں مانع موجود نہیں، پس اس پر عقد جائز ہے۔ حضرات شوافع کے یہاں بھی ممانعت کی اصل علت غرر ہی ہے، علامہ ابو اسحاق شیرازی تحریر فرماتے ہیں: ولأن ملكه عليه غير مستقر لأنه ربما هلك المبيع فانفسخ العقد وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز (شرح المہذب ۹:۲۶۴) یعنی جو چیز قبضہ میں نہیں ہے اس پر ملکیت خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ چیز ہلاک ہو جائے اور عقد کے فسخ ہو جانے کی نوبت آجائے، اور یہ غرر ہے جو بلاضرورت ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا ـــــ غرض: امام شافعیؒ کے نزدیک یہ خطرۂ ہلاکت ہر ہر شئی میں ہے، پس ان کے نزدیک قبل القبض بیع مطلقاً ممنوع ہے، اور امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک یہ خطرہ صرف مطعومات میں ہے، کیونکہ روزانہ انہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے، دیگر اموال کبھی کبھار خریدے بیچے جاتے ہیں، اس لئے انھوں نے صرف مطعومات کی بیع کو قبل القبض ناجائز قرار دیا ہے، اور احناف نے صرف منقولات میں خطرۂ ہلاکت فرض کیا، پس حدیث شریف کو صرف اسی پر محمول کیا ہے۔

قبضہ کا تحقق کب ہوگا؟

۳- قبضہ کے تحقق کے لئے کوئی متعین صورت نہیں ہے بلکہ حضرات فقہاء نے مختلف افعال کو قبضہ تسلیم کیا ہے، اور حضرات فقہاء نے جو مختلف صورتیں لکھی ہیں ان سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں: ایک: یہ کہ ہر سامان میں قبضہ اس سامان کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ تمام چیزوں میں قبضہ کی ایک ہی نوعیت ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَختلف بحسب المبيع (۴:۴۸) دوم: نص میں قبضہ کی کوئی ایک صورت متعین نہیں کی گئی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ شارع نے جن الفاظ کی قطعی مراد متعین نہ کی ہو ان میں عرف سے مراد متعین ہوتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کے بارے میں نہ شریعت میں ضابطہ مقرر ہو اور نہ لغت میں تو اس میں عرف کی طرف لوٹا جائے گا، چوری کے مسئلہ میں "حرز" (حفاظت) بیع میں "تفرق" نیز "قبضہ" سے فقہاء

نے اس کی مثال دی ہے (الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۱۹۶) غرض: قبضہ کے سلسلہ میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ قبضہ دراصل "تخلیہ" یعنی مالک اور اس شئ کے درمیان کوئی مانع تصرف امر کو باقی نہ رکھنے کا نام ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور طور طریق ہی سے متعین ہوسکتا ہے (ماخوذ از: قاموس الفقہ ۲: ۳۷۷، ملخصاً: مرتبہ: حضرت مفتی خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم)

قبضہ ثابت کرنے والے افعال:

۴- مذکورہ افعال سے خریدار کا شئ پر قبضہ ثابت ہوجاتا ہے: (۱) خریدار مبیع کو استعمال کرلے (۲) مبیع کو ضائع یا عیب دار کردے (۳) خریدار کے حکم سے بائع سامان خریدار کے برتن یا تھیلے وغیرہ میں ڈال دے (۴) خریدار خریدی ہوئی چیز کسی کو تحفہ یا قرض یا صدقہ میں دیدے، یا کسی کے پاس گروی رکھ دے یا بلاعوض کسی کو فائدہ اٹھانے کے لئے دیدے (۵) خریدار کے حکم سے بائع چیز کو صدقہ یا تحفہ یا ہدیہ میں دے دے، یا کسی کے پاس امانت رکھ دے، یا کسی کو کرایہ پر دیدے (بائع کے پاس امانت رکھوانے سے قبضہ ثابت نہیں ہوگا، نیز قبضہ کئے بغیر خود بھی وہ چیز کرایہ پر نہیں دے سکتا) (۶) خریدار کا وکیل چیز پر قبضہ کرلے (۷) خریدار جانور کو یا گاڑی کو کچھ دور ساتھ چلا کر لے جائے (۸) خریدار کے حکم سے بائع وہ چیز خریدار کے گھر یا گودام میں پہنچادے (۹) خریدا ہوا مال بائع کے گودام میں ہو، لیکن خریدار نے اپنا مال بائع کے دیگر اموال سے الگ کرلیا ہو یا اس پر کوئی مخصوص نشان لگادیا ہو، یا بائع نے الگ کردیا ہو، مذکورہ تمام افعال سے قبضہ ثابت ہوجائے گا، پس چیز خریدار کے ضمان (گارنٹی) میں آجائے گی اور خریدار کے لئے اس چیز کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا جائز ہوگا، اور اگر وہ چیز ضائع ہوگئی تو خریدار کا نقصان ہوگا (ماخوذ از "جدید معاملات کے شرعی احکام" ص: ۴۰ مرتبہ: جناب مفتی احسان اللہ شائق صاحب پاکستان)

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ- وَهُوَ الثَّوْرِيُّ- كِلاَهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عمرو بن دینارؒ نے بواسطہ طاؤسؒ روایت کی ہے، اور ان سے حمادؒ بھی روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوریؒ بھی، پہلی روایت حمادؒ کی تھی اور یہ سفیان ثوریؒ کی روایت ہے، پھر سفیان ثوریؒ سے چار حضرات روایت کرتے ہیں: ابن ابی عمرؒ، احمد بن عبدہؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ اور ابوکریبؒ، وہ سب حضرات سفیان سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے حماد نے روایت کی ہے، البتہ ابن ابی عمر اور احمد بن عبدہ نے سفیان کی نسبت ذکر نہیں کی ہے اور ابوبکر اور ابوکریب نے ثوری نسبت ذکر کی ہے۔ ان کی روایتوں میں بس یہ فرق ہے۔

[٣٠-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت طاؤسؒ سے ان کے صاحبزادے نے روایت کی ہے اور اس میں یَسْتَوْ فِيَهُ کی جگہ یَقْبِضَه ہے، علماء فرماتے ہیں: اس لفظ میں معنی کی زیادتی ہے، بائع ناپ تول کر مبیع کو متشخص کردے، مگر مبیع اسی کے پاس رہے: یہ استیفاء ہے اور مشتری مبیع کو وہاں سے لے جائے: یہ قبضہ ہے (فتح) غرض دونوں کے معنی قبضہ کرنے اور وصول کرنے کے ہیں، مگر یقبضہ میں معنی کی زیادتی ہے۔

[٣١-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ" فَقُلْتُ لاِبْنِ عَبَّاسٍ: لِمَ؟ فَقَالَ: أَلاَ تَرَاهُمْ يَتَبَايَعُونَ بِالذَّهَبِ وَالطَّعَامُ مُرْجًأً، وَلَمْ يَقُلْ أَبُو كُرَيْبٍ: مُرْجًأً.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص غلہ خریدے تو وہ اس کو نہ بیچے تا آنکہ اس کو ناپ لے" طاؤسؒ کہتے ہیں: میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: کیوں؟ یعنی غلہ بیچنے سے قبل ناپ تول کر متشخص کرنا ضروری کیوں ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ لوگ سونے (درہم ودینار) کے بدل (غلہ) بیچتے ہیں درانحالیکہ غلہ ندارد ہوتا ہے، یعنی لوگ روپے پیسوں کے بدلے غلہ خریدتے بیچتے ہیں حالانکہ غلہ سرے سے موجود نہیں ہوتا —— مُرْجًأ: ندارد، أَرْجَى الْأَمْرَ: مؤخر کرنا۔

تشریح:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مبیع ناپ تول کر متشخص کرنے سے پہلے (قبضہ سے پہلے) جو بیچنے کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ روپے کی بیع روپے سے شروع نہ ہوجائے، اس کی روک تھام کے لئے یہ حکم ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو قرض چاہئے، اس نے ایک شخص سے قرض مانگا، اس نے کہا: آپ مجھ سے سرسوں خرید لیں، چنانچہ اس نے بازار کے ریٹ سے بھاؤ بڑھا کر دولاکھ کا سرسوں سال بھر کے ادھار پر بیچ دیا، پھر مشتری نے کم دام پر بائع ہی کو ڈیڑھ لاکھ نقد میں بیچ دیا اور بائع نے ڈیڑھ لاکھ اس کو دیدیئے، اور دولاکھ اس کے ذمہ ادھار کھڑے رہے، درانحالیکہ

سرسوں سرے سے موجود ہی نہیں، اور وہ خریدی بھی گئی اور بیچی بھی گئی، یہ سرسوں کی بیع نہیں، بلکہ روپے کی روپے کے بدلہ میں بیع ہے، جو سود ہے اور حرام ہے، اس کی روک تھام کے لئے آنحضور ﷺ نے یہ حکم دیا تھا، جب غلہ ناپ تول کر مشخص کرلے گا پھر بیچے گا تو اب سود اور سٹے کا امکان نہیں رہے گا —— دوسری مثال: ایک شخص نے دوسرے سے پانچ ہزار کا غلہ خریدا اور اس کو بائع کے پاس ہی چھوڑے رکھا، اور اس پر قبضہ بھی نہیں کیا پھر کچھ وقت کے بعد اسی کو چھ ہزار میں بیچ دیا تو گویا اس نے پانچ ہزار کو چھ ہزار کے بدلہ میں بیچا یہ روپے کی روپے کے بدل بیع ہوئی جو سود ہے اور حرام ہے۔

فائدہ: آج کل تاجروں میں ایسا بکثرت ہوتا ہے، ایک چیز کہیں دور دراز سے چلتی ہے، اور اس کے پہنچنے سے قبل ہی مشتری وہ چیز دوسرے کو بیچ دیتا ہے، پھر وہ اپنا نفع رکھ کر تیسرے کو بیچ دیتا ہے، یوں اس چیز کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کی دسیوں بیع ہو جاتی ہیں، یہ جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے گرانی بڑھتی ہے، علاوہ ازیں: یہ روپے سے روپے بنانا ہے، جو سود ہے اور حرام ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے یہ حکم دیا ہے کہ قبضہ سے پہلے غلہ نہ بیچا جائے۔

[۳۲-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ (ح) وَحَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ يَحْيىٰ قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَايَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ"

[۳۳-] حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ يَحْيىٰ قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَبْتَاعُ الطَّعَامَ فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَأْمُرُنَا بِانْتِقَالِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ ابْتَعْنَاهُ فِيْهِ إِلٰى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ أَنْ نَبِيْعَهُ.

وضاحت وترجمہ: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے بواسطہ نافعؒ روایت کیا ہے، اور ان سے عبداللہ بن مسلمہؒ بھی روایت کرتے ہیں اور یحییٰ بن یحییٰ بھی —— دوسری حدیث کا ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانہ میں غلہ خریدا کرتے تھے، پس نبی ﷺ ہمارے پاس آدمی بھیجتے تھے جو ہمیں حکم دیتا تھا کہ ہم اس کو بیچنے سے پہلے خریدنے کی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرلیں، یعنی جہاں خریدا ہے وہاں نہ بیچیں بلکہ دوکان میں یا گھر پر لے جا کر بیچیں۔

تشریح: جب مشتری نے ناپ تول کر مبیع متعین کرلی اور اس پر قبضہ کرلیا تو اسی جگہ اس کو فروخت کرسکتا ہے، دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں، مگر اندیشہ تھا کہ اگر اسی جگہ فروختگی شروع ہو جائے گی تو روپے روپے کے عوض بکنے لگیں گے، اور غلہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوگا، جس کی تفصیل ابھی گذری ہے، اس لئے مصلحتاً اس جگہ بیچنے سے منع کیا گیا تھا، اور اس پر سختی کی جاتی تھی۔

[۳۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ – وَاللَّفْظُ لَهُ – حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ اشْتَرىٰ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ"

قَالَ: وَكُنَّا نَشْتَرِي الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ جِزَافًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَبِيْعَهُ حَتّٰى نَنْقُلَهُ مِنْ مَكَانِهِ.

ترجمہ: یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبید اللہؒ نے بواسطہ نافع روایت کی ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے خریدی کھانے پینے کی کوئی چیز تو وہ اس کو نہ بیچے، یہاں تک کہ وہ اس کو پورا پورا وصول کرلے" ابن عمرؓ کہتے ہیں: ہم لادی سے غلہ اندازہ سے خریدا کرتے تھے، پس ہمیں نبی ﷺ نے اس کو بیچنے سے منع کیا تا آنکہ ہم اس کو خریدنے کی جگہ سے (دوسری جگہ) منتقل کرلیں۔

تشریح:

۱-جِزَافًا: جیم پر تینوں حرکتیں درست ہیں اور فصیح کسرہ ہے، اور یہ مصدر ہے جَازَفَه مُجازفة و جزافًا کے معنی ہیں: اٹکل سے خرید وفروخت کرنا، یعنی بے ناپ تولے خرید وفروخت کرنا —— تمام ائمہ متفق ہیں کہ اندازہ سے یعنی ناپ تولے بغیر خریدنا اور بیچنا جائز ہے، البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک: اموال ربویہ کو ہم جنس کے ساتھ اندازہ سے بیچنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں تفاضل (کمی بیشی) سود اور حرام ہے، البتہ اموال ربویہ کو غیر جنس کے ساتھ اور اموال غیر ربویہ کو مطلقاً اندازہ سے خرید وفروخت کرسکتے ہیں، تفصیل آئندہ ابواب میں آئے گی۔

قوله: حتى ننقله: تمام ائمہ متفق ہیں کہ جواز بیع کے لئے صرف مبیع پر قبضہ ضروری ہے، اس کو دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں، اور نقل مکانی کا حکم بربناء مصلحت تھا، تاکہ قبالے شروع نہ ہوجائیں۔

[۳۵-] حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ اشْتَرىٰ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ وَيَقْبِضَهُ"

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت نافعؒ سے متعدد حضرات روایت کرتے ہیں، یہ عمر بن محمدؒ کی روایت ہے اور اوپر امام مالکؒ اور عبید اللہ کی روایتیں تھیں۔

[۳۶-] حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ يَحْيىٰ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ يَحْيىٰ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ وَقَالَ عَلِيٌّ:

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ"

وضاحت: اس حدیث کے راوی عبداللہ بن دینارؒ ہیں، وہ بھی حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

[۳۷-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُضْرَبُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جِزَافًا أَنْ يَبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِ حَتّٰى يُحَوِّلُوْهُ.

[۳۸-] وَحَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا ابْتَاعُوْا الطَّعَامَ جِزَافًا يُضْرَبُوْنَ فِيْ أَنْ يَبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِمْ وَذٰلِكَ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ إِلٰى رِحَالِهِمْ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَحَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَشْتَرِي الطَّعَامَ جِزَافًا فَيَحْمِلُهُ إِلٰى أَهْلِهِ.

وضاحت وترجمہ: یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے ان کے صاحبزادے سالم نے روایت کی ہے اور ان سے ابن شہاب زہریؒ نے، اور ان سے معمرؒ بھی روایت کرتے ہیں اور یونس بھی، اول معمر کی روایت ہے اور ثانی یونس کی، ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کو پیٹا جاتا تھا جب وہ غلہ اندازہ سے خریدتے (اگر) وہ غلہ کو اسی کی جگہ میں بیچتے، یہاں تک کہ وہ اس کی جگہ بدل لیتے، یعنی نقل مکانی سے قبل اگر کوئی اندازہ سے خریدا ہوا غلہ بیچتا تو وہ سزا کا مستحق ہوتا تھا۔

دوسری حدیث: ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کو دیکھا جب وہ اندازہ سے غلہ خریدتے تو ان کو پیٹا جاتا، اس صورت میں جبکہ وہ غلہ اسی جگہ میں بیچتے، اور یہ پیٹنا اس لئے تھا تاکہ وہ غلہ اپنے کجاؤں میں لے جائیں۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں: مجھ سے ابن عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہ نے بیان کیا کہ ان کے ابا غلہ اندازہ سے خریدا کرتے تھے پھر اس کو گھر لے آتے تھے۔

تشریح: یُئْوُوْهُ: یہ ایواءؔ سے فعل مضارع جمع مذکر غائب ہے، اور معنی ٹھکانہ دینے کے ہیں...... مُجازفة: اٹکل سے بیچنا، خریدنا، یہ جائز ہے، مثلاً: غلہ کا ایک ڈھیر ہے اس میں کتنا اناج ہے یہ بات معلوم نہیں، اس ڈھیر کو اٹکل سے بیچنا خریدنا جائز ہے، پس یہاں مجازفة کے مجازی معنی مراد ہیں، یعنی مبیع علاحدہ نہ کرنا ـــــ غلہ کا ایک ڈھیر ہے اس میں سے مشتری نے دس من غلہ خریدا، ابھی بائع نے وہ غلہ الگ کر کے مشتری کو نہیں سونپا، اس سے پہلے مشتری نے اس کو بیچ دیا تو یہ

جائز نہیں، عہد رسالت میں اگر کوئی ایسا کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی تھی۔

قولہ: یُضربون: اس سے معلوم ہوا کہ حکام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے احوال سے باخبر رہیں اور ان کے خرید وفروخت کے طریقوں پر اور دیگر معاملات پر نظر رکھیں اور کوئی غیر شرعی طریقہ پر لین دین کرے یا کوئی اور معاملہ کرے تو اس کو تنبیہ کرے، اور مناسب سمجھے تو سزا بھی دے۔

[۳۹-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ" وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ بَكْرٍ: "مَنِ ابْتَاعَ"

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تفردات مسلم میں سے ہے یعنی صحاح ستہ میں صرف مسلم شریف میں یہ حدیث ہے، اور اس کو سلیمان بن یسارؒ نے روایت کیا ہے اور ان سے بُکیر بن عبداللہؒ کے واسطہ سے ضحاکؒ روایت کرتے ہیں، اور ضحاک سے دو حضرات روایت کرتے ہیں: زید بن حُبابؒ اور عبداللہ بن الحارث مخزومیؒ، یہ زید کی روایت ہے اور آئندہ روایت عبداللہ مخزومی کی ہے۔

قولہ: حتی یکتالہ: غلہ ناپ تول کر ہی خریدنا بیچنا ضروری نہیں، اندازہ سے بھی خرید بیچ سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے معلوم ہوا، البتہ اگر عقد میں کیل ووزن کی شرط ہو تو پھر قبضہ کی تمامیت کے لئے کیل ووزن ضروری ہے، ایک حدیث میں ہے: إذا سمیت الکیلَ فکِلْ (رواہ الاثرم ص:۳۲۵) معلوم ہوا کہ اگر کیل ووزن کی شرط کے ساتھ بیع ہوئی ہو تو پھر کیل ووزن ضروری ہے، اس کے بغیر قبضہ تمام نہیں ہوگا، اور جب بائع نے مشتری کے سامنے غلہ تول دیا تو قبضہ ہوگیا، مشتری کا الگ سے کیل ووزن کرنا ضروری نہیں۔

[۴۰-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لِمَرْوَانَ: أَحْلَلْتَ بَيْعَ الرِّبَا؟ فَقَالَ مَرْوَانُ: مَا فَعَلْتُ، فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: أَحْلَلْتَ بَيْعَ الصِّكَاكِ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتّٰى يُسْتَوْفٰى، قَالَ: فَخَطَبَ مَرْوَانُ النَّاسَ فَنَهٰى عَنْ بَيْعِهَا، قَالَ سُلَيْمَانُ: فَنَظَرْتُ إِلٰى حَرَسٍ يَأْخُذُوْنَهَا مِنْ أَيْدِي النَّاسِ.

ترجمہ: سلیمان بن یسارؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (مدینہ منورہ کے گورنر) مروان سے فرمایا: آپ نے سودی بیع کو حلال کردیا؟ مروان نے پوچھا: میں نے (ایسا) کیا کیا (کہ آپ میری طرف اتنی

بڑی بات منسوب کررہے ہیں؟) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: آپ نے چیکوں کی بیع جائز کردی حالانکہ نبی ﷺ نے غلہ بیچنے سے منع کیا ہے جب تک کہ وہ پوراپورا وصول نہ کرلیا جائے، سلیمانؒ کہتے ہیں: پس مروان نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اوران کو چیک کی بیع سے روکا۔ سلیمان کہتے ہیں: پس میں نے پولیس والوں کو دیکھا وہ لوگوں کے ہاتھوں سے چیک لے رہے ہیں۔

تشریح: صِکَاک: صِکّ کی جمع ہے جو چک کا معرّب ہے، معنی ہیں: دستاویز، اقرارنامہ، بونڈ ـــــ مروان کے زمانہ میں (جو کہ مدینہ منورہ کا گورنر تھا) حکومت کی طرف سے لوگوں کوایک رسید دی جاتی تھی، جو غلہ کی رسید ہوتی تھی، جس پر مقررہ وقت پر غلہ ملتا تھا، بعض لوگ وہ رسید رقم کے عوض بیچ دیتے تھے، پھر مشتری اس رسید پر غلہ لیتا تھا، بلکہ بعض مرتبہ ایک ہی رسید کئی مرتبہ بک جاتی تھی، ہر ایک اپنا کچھ نفع رکھ کر رسید دوسرے کو بیچ دیتا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو سودی معاملہ بتایا، کیونکہ یہ غلہ کی قبل القبض بیع ہے جو جائز نہیں، جاننا چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس پر سود کا اطلاق تغلیظاً کیا ہے، درحقیقت یہ بیع فاسد ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے سودی معاملہ سے تعبیر کیا ہے۔

مذاہبِ فقہاء:

حنفیہ کے نزدیک: یہ بیع مطلقاً ناجائز ہے، خواہ پہلی بیع ہو یا دوسری، اس لئے کہ یہ درحقیقت اس غلہ کو بیچنا ہے جو وہ رسید دکھا کر ملے گا، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ غلہ حکومت کے ذمہ دین ہے، اور دین کو مدیون کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ قبل القبض بیچنا جائز نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ موطا میں تحریر فرماتے ہیں: **لاینبغي للرجل أن يبيع دينا له علی الإنسان إلا من الذی هو عليه لأن بيع الدين غرر لايدری أيخرج منه أم لا، وهو قول أبی حنيفة**: یعنی کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا وہ دَین بیچے جو کسی پر واجب ہو مگر جس پر دَین ہے، اس کو (مدیون کو) بیچ سکتا ہے، اس لئے کہ دَین کی فروختگی میں غرر ہے، معلوم نہیں کہ وہ ملے گا یا نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (موطا محمد ص: ۳۵۵ باب الرجل يكون له العطايا أو الدين علی الرجل إلخ) اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی رسید وسند کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ظاہر حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ رسید کے مالکین ہی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، اور اُس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے قبل القبض غلہ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک: اگر وہ غلہ جو رسید دکھلا کر ملے گا بطور وظیفہ ہو، کسی عمل کی اجرت (تنخواہ) نہ ہو تو اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے، اور اگر وہ غلہ کسی عمل کی اجرت ہو یعنی تنخواہ ہو تو پھر اس کی بیع جائز نہیں۔

اور شوافع کے نزدیک: اس رسید کو بیچنا جائز ہے چاہے وہ غلہ وظیفہ کے طور پر ہو یا تنخواہ کے طور پر، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب وہ غلہ امیر وگورنر نے الگ کردیا تو اس کا قبضہ مقرلہ (جس کو رسید پر غلہ ملے گا) کا قبضہ ہوگیا، پس اس کے

لئے فروخت کرنا جائز ہوا، البتہ اگر مشتری اس غلہ پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی اور کو بیچے گا تو جائز نہ ہوگا، یہ قبل القبض غلہ کی بیع ہوگی جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ غرض: حضرات شوافع کے نزدیک رسید وسند کی پہلی بیع جائز اور دوسری وتیسری ناجائز ہوگی۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے —— حضرات شوافع کا دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی بیع اس وقت صحیح ہوگی جبکہ امیر وگورنر غلہ تقسیم کرنے کے لئے اپنے کارندوں کو دیدے، اب وہ وکلاء کا قبضہ مقَر لہ کا قبضہ ہوگا، اور بیع جائز ہوگی۔

اوران کا مستدل موطا کی وہ روایت ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے بلاغاً روایت کی ہے: ''مروان بن الحکم کے زمانہ میں لوگوں کے نام غلہ کی رسیدات جاری کی گئیں، جو غلہ ان کو ''جار'' نامی جگہ میں ملنا تھا —— یہ سمندر کے کنارے ایک شہر تھا جو مدینہ منورہ سے ایک رات دن کی مسافت پر تھا، پہلے غلے یہاں جمع کئے جاتے تھے، پھر لوگوں میں تقسیم کئے جاتے تھے —— کچھ لوگوں نے ان رسیدات کو فروخت کردیا، چنانچہ حضرت زید بن ثابت اور ایک اور صحابی مروان کے پاس گئے اور اس سے کہا: أتحلّ بيعَ الربا يامروان؟ مروان! کیا تم سودی بیع حلال کررہے ہو؟ مروان نے کہا: اللہ کی پناہ! میں نے ایسا کیا کردیا؟ ان حضرات نے فرمایا: هذه الصُّكوك تَبايعها الناسُ ثم باعوها قبل أن يَستوفُوها: یعنی لوگ ان رسیدوں کو بیچ دیتے ہیں، پھر وہ لوگ غلہ پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی دوسروں کو وہ رسیدات بیچ دیتے ہیں، اس میں دو بیعوں کا ذکر ہے۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دوسری بیع پر اعتراض ہے، اسی کو وہ ناجائز بتلارہے ہیں، کیونکہ وہ غلہ کی قبل القبض بیع ہے (موطا مالک ص:۲۸۷ باب العينة وما يُشبهها) نیز موطا مالک ہی میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم کو غلہ خریدنے کا حکم دیا، انھوں نے غلہ خرید کر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کردیا جب حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس بیع کو فسخ کردیا اور فرمایا: لاتبِعْ طعامًا ابتعتَه حتى تستوفِيَه: تمہارا غلہ خرید کر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں (حوالہ بالا)

احناف کہتے ہیں کہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تھا تو مروان کے حکم سے پولیس والوں نے لوگوں سے چیک لے کر ان کے مالکین کے حوالہ کردیئے تھے۔ فَبعثَ مروانُ الحرسَ يَتبعونها، يَنْزِعُونها من أيدى الناس ويَرُدُّونها إلى أهلها: اس کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بیعوں کو فسخ کردیا تھا۔ اور حضرت حکیم والے واقعہ میں غلہ خریدنے کا اور اس کو قبل القبض بیچنے کا تذکرہ ہے، رسید کی بیع کا ذکر نہیں، وہ مبحث سے خارج ہے۔

خلاصۂ کلام: شوافع نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں دوسری بیع مراد لی ہے، اور اسی کو ناجائز اور پہلی بیع کو جائز کہا ہے، مگر ان کی یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے، دونوں حدیثوں کا ظاہر یہی ہے کہ مروان نے دونوں بیعوں کو فسخ کردیا تھا، چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے: إن صَكاك التجار خرجت فاستأذن التجار مروان فى بيعها فأذن لهم: یعنی تجار کے نام رسیدات جاری کی گئیں، ان تجار

نے مروان سے ان کوفروخت کرنے کی اجازت مانگی، تو مروان نے اجازت دیدی (مسند احمد۲:۳۲۹) اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کے نام رسیدات جاری کی گئی تھیں انہی کو مروان نے بیع کی اجازت دی تھی، اور اسی پر حضرت ابوہریرہؓ نے اعتراض کیا تھا، معلوم ہوا کہ رسیدات کی بیع مطلقاً جائز نہیں، خواہ پہلی بیع ہو یا دوسری، چنانچہ حنفیہ کا یہی مذہب ہے (تکملہ)

حقوق مجردہ کی بیع کا حکم:

حقوق مجردہ کو حقوقِ مطلقہ بھی کہتے ہیں اور عام طور پر اس کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

ایک: وہ حقوق ہیں جو دفع ضرر کے لئے ثابت ہوتے ہیں، ان کا مالی عوض لینا جائز نہیں، مثلاً: حق شفعہ، پڑوس کے ضرر سے بچنے کے لئے یہ حق ملتا ہے، پس حق شفعہ کی بیع درست نہیں، اگر ایسا کیا گیا تو عوض باطل اور حق شفعہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح بیوی اپنی باری سوکن کو ہبہ کرے اور اس کا عوض لے تو یہ عوض اور مصالحت بھی باطل ہے، اسی طرح مخیّرہ (وہ عورت جس کو طلاق تفویض کی گئی ہو) نے مال لے کر مصالحت کرلی تو اس کا اختیار بھی ختم اور عوض بھی باطل ہوگا۔

دوسرے: وہ حقوق ہیں جو دفع ضرر کے لئے ثابت نہیں ہوتے، بلکہ اصالۃً (ابتداءً) ثابت ہوتے ہیں ان کا عوض لینا جائز ہے، جیسے: حق قصاص: دیت لے کر حق قصاص سے دست بردار ہو سکتا ہے، ہدایہ (۴:۴۰۶) میں ہے کہ حق قصاص کا عوض لینا جائز ہے، اس لئے کہ یہ حق متقرر ہے، حق متقرر اور غیر متقرر کے درمیان فرق یہ ہے کہ: اگر عوض لینے کے بعد محل میں حکماً تبدیلی ہو جائے تو وہ حق متقرر ہے ورنہ حق غیر متقرر ہے، قصاص کا عوض لینے سے پہلے قاتل مباح الدم تھا اور عوض لینے کے بعد محفوظ الدم ہو گیا یعنی محل میں تبدیلی ہو گئی، پس یہ حق متقرر ہے اور اس کا عوض لینا جائز ہے، اسی طرح حق نکاح، حق رقیت، حق مُرور اور حق شرب وغیرہ کا عوض لینا بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ حقوق صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہوتے ہیں، یعنی صاحب حق کو کسی نقصان سے بچانے کے لئے یہ حقوق ثابت نہیں ہوتے، بلکہ اصالۃً اور ابتداءً یہ حقوق ثابت ہوتے ہیں، پس ان کا عوض لینا جائز ہے۔ تفصیل شامی (۷:۳۶) میں ہے۔

[۴۱-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: "إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ"

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی تفردات مسلم میں سے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تو غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک نہ بیچ جب تک کہ تو اس کو پورا پورا وصول نہ کرلے"

٩- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ صُبْرَةِ التَّمْرِ الْمَجْهُوْلَةِ الْقَدْرِ بِتَمْرٍ

مجہول المقدار کھجور کے ڈھیر کی بیع معلوم المقدار کھجور کے ساتھ جائز نہیں

کھجور اموال ربویہ میں سے ہے اور اموال ربویہ کو اگر ہم جنس کے بدل فروخت کیا جائے تو معاملہ نقد ہونا بھی ضروری ہے اور برابری بھی ضروری ہے، پس کھجور کا ڈھیر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کھجور کے اس ڈھیر کے ساتھ جس کی مقدار معلوم ہے فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں کمی بیشی کا احتمال ہے جو سود ہے اور حرام ہے، البتہ کھجور کے نامعلوم المقدار ڈھیر کو خلاف جنس غلہ کے ساتھ بیچ سکتے ہیں، خواہ اس کی مقدار معلوم ہو یا مجہول، مثلاً: کھجور کا ایک ڈھیر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں، اس کو چاول کے عوض بیچا جائے تو یہ بیع جائز ہے خواہ چاول کی مقدار معلوم ہو یا مجہول، اس لئے کہ اموال ربویہ کو جب خلاف جنس کے ساتھ بیچا جائے تو برابری ضروری نہیں، کمی بیشی بھی جائز ہے۔

[٣٢-] حَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِيْ ابْنُ جُرَيْجٍ، أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ، أَخْبَرَهُ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لاَ يُعْلَمُ مَكِيْلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی ﷺ نے کھجور کے ڈھیر کو جس کا کیل (وزن) معلوم نہ ہو معلوم المقدار کھجور کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا"

لغات: الصُّبرة: غلہ کا ڈھیر، جمع صِبَار، کہا جاتا ہے اَخَذَہ صُبْرَۃً یعنی بغیر وزن اور پیمانہ کے کل لے لیا......
الکَیْل: مصدر، ناپنے کا آلہ، جمع أکیال......المَکِیْل: ناپا ہوا......المِکْیَل: جس سے ناپا جائے۔

تشریح:

۱- تمام غلے اموال ربویہ میں سے ہیں، اور اموال ربویہ کو ہم جنس کے ساتھ فروخت کیا جائے تو مماثلت اور برابری ضروری ہے، پس گندم، جو، چاول اور دال وغیرہ کا بھی یہی حکم ہوگا، یعنی اگر ان کو ہم جنس کے ساتھ فروخت کیا جائے اور ایک کی مقدار معلوم ہو اور دوسری کی مقدار معلوم نہ ہو تو بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں کمی بیشی کا احتمال ہے جو سود ہے، علماء فرماتے ہیں: "اگر مماثلت کا علم نہ ہو تو یہ عدم علم حقیقی تفاضل کے قائم مقام ہے، غرض اموال ربویہ میں دونوں عوضوں کی مقدار معلوم ہونی ضروری ہے۔

اموالِ ربویہ:

۲- نبی ﷺ نے چھ چیزیں: سونا، چاندی، کھجور، گندم، نمک اور جو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان کا تبادلہ ہم

جنس کے ساتھ کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار (ترمذی حدیث نمبر ۱۲۴۴) اگر کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے گا تو یہ ربا الفضل ہے اور ادھار معاملہ کرے گا تو یہ ربا النسیئہ ہے، مثلاً گندم کا گندم سے تبادلہ کیا جائے تو دو چیزیں ضروری ہیں: مساوات اور دونوں عوضوں کا نقد ہونا، اگر برابر سرابر نہیں ہے، کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا ہے تو یہ ربا الفضل ہے اور یہ بیع ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی ایک عوض ادھار ہے تو یہ ربا النسیئہ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے، اور اگر دونوں عوض ادھار ہیں تو یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

اور اگر غیر جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یعنی ایک طرف گندم ہوں اور دوسری طرف جو تو کمی بیشی جائز ہے، یہ کمی بیشی ربا الفضل نہیں، البتہ ادھار اب بھی جائز نہیں، اگر کوئی عوض ادھار ہوگا تو یہ ربا النسیئہ ہے اور بیع ناجائز ہے۔ غرض ہم جنس کے ساتھ تبادلہ میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور غیر جنس کے ساتھ تبادلہ میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے، ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔

اشیائے ستہ میں ربا کی علت:

تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے: معلّل بالعلت ہے، ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے، صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں حتی کہ جب سونے چاندی کے سکے یعنی دنانیر ودراہم کا چلن بند ہوا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹ آئے تو ہندوستان کے غیر مقلدین نے فتوی دیا کہ ان کاغذ کے پرزوں میں ربا نہیں، کیونکہ یہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ ہیں، پھر جب لوگوں نے ان پر پھٹکار بھیجی تو انھوں نے فتوی بدلا کہ کرنسی نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہیں اس لئے ان میں بھی ربا متحقق ہوگا، غرض اصحاب ظواہر تعلیل کے قائل نہیں، ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلّل بالعلت ہے، پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ، مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت: ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کے لئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں: سونا اور چاندی۔ پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی، اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت: وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے، پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ، بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں، پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے پس جو بھی چیز پیمانے سے

ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے، خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم، جیسے چاول، چنا، مکئی، برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گزو غیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن دکیل ہیں، اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ "قدر" ہے، پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا۔ اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز، جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت: طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے، اور طعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں: اول: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں، نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک:

(۱) صرف ربا النسیئہ کے لئے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو، خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو، جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے ـــــ اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے، البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: طعام کا مُقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں، دوم: طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو، جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہونگے، پس نہ کم وبیش فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

ربا کی قسمیں:

۳- ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل۔ اور ربا الفضل کا بچہ ربا النسیئہ ہے، قرآن کریم نے صرف ربا

القرض کو بیان کیا ہے، اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے، قرآن میں ان کا تذکرہ نہیں۔
ربا القرض کی تعریف: قرض پر زیادتی مشروط کرنے کا نام ربا القرض ہے، مثلاً ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۳۰ میں ربا القرض کا بیان ہے، ارشاد پاک ہے: ''اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونے پر دونا!'' أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً کی صورت یہ ہے کہ ایک ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی تو مقروض پہلے مہینے میں گیارہ سو واپس کرے گا، اور دوسرے مہینہ میں بارہ سو دس لازم ہونگے، کیونکہ اب گیارہ سو کا دس فیصد واجب ہوگا، اور تیسرے مہینہ میں بارہ سو دس کا دس فیصد واجب ہوگا، یوں ہر مہینہ کا سود اصل کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا اور مجموعہ پر سود بڑھتا رہے گا یہ أضعافا مضاعفة ہے۔ اور یہ بات صرف ربا القرض میں متحقق ہوتی ہے ربا الفضل میں أضعافا مضاعفة کا تحقق نہیں ہوتا، غرض قرض پر زیادتی شرط کرنے کا نام ربا القرض ہے۔

غیر مشروط زیادتی سود نہیں:

البتہ اگر قرض پر کوئی زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض نے اپنی خوشی سے زیادہ واپس کیا تو یہ سود نہیں، مثلاً ایک شخص نے بیس ہزار روپے قرض لئے اور دس سال کے بعد واپس کئے اور یہ خیال کیا کہ کرنسی مسلسل گرتی رہتی ہے، اور رقم سے دس سال تک اس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے نے ادا کی ہے اس لئے اس نے اپنی خوشی سے بیس کی جگہ تیس ہزار روپے واپس کئے تو یہ زائد دس ہزار سود نہیں، اور قرض دینے والے کے لئے اس رقم کا لینا جائز ہے، بلکہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، اور قرض کو اچھے طریقہ سے یعنی وقت پر خندہ پیشانی سے اور کچھ اضافہ کر کے ادا کرنا چاہئے، ہاں اگر قرض دینے والا زیادتی کی شرط لگائے تو یہ سود ہے اور ناجائز ہے۔
فائدہ (۱): شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت: ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اس سے بہتر ''وزن'' کو علت بنانا ہے کیونکہ لوہے، تانبے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک متفق علیہ حدیث میں وزن و کیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ ہے: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو عامل بنا کر خیبر بھیجا، وہاں سے وہ عمدہ کھجوریں لائے، آپ نے دریافت کیا: کیا خیبر میں سب ایسی ہی عمدہ کھجوریں ہوتی ہیں؟ ان صاحب نے کہا: نہیں! بلکہ ہم عمدہ کھجوروں کا ایک صاع: معمولی کھجوروں کے دو صاع سے اور دو صاع: تین صاع سے بدل لیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: لاتفعلْ بِعِ الْجَمْعَ بالدراهم ثم ابْتَعْ بالدراهم جنيبًا: ایسا نہ کرو، مخلوط کھجوریں دراہم کے عوض بیچ دو، پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو، وقال: فی المیزان مثلُ ذلک اور فرمایا: وزن میں بھی ایسا ہی کرو (مشکوٰۃ حدیث ۲۸۱۴) یعنی کھجوروں میں جید وردی کا تفاوت ظاہر

کرنا مقصود ہو تو دو بیعیں کی جائیں، اسی طرح سونے چاندی میں عمدہ اور گھٹیا کا تفاوت ظاہر کرنا ہو تو بھی دو بیعیں کی جائیں اور لفظ میزان سے دونوں میں علت موزونی ہونا صاف مفہوم ہوا اور تقابل سے واضح ہوا کہ کھجوریں مکیلی ہیں، پس اس حدیث سے ربا کی دونوں علتیں: کیل و وزن ثابت ہوگئیں۔

اور یہی بات جو اس حدیث سے اشارۃً مفہوم ہوتی ہے مستدرک حاکم (۴۳:۲) کی ایک روایت میں صراحۃً آئی ہے گو وہ روایت ضعیف ہے مگر تائید کے لئے کافی ہے وہ روایت یہ ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا: **التمر بالتمر والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة، يدا بيد، عينا بعين، مِثْلاً بمِثْلٍ، فمن زاد فهو ربا ثم قال: كذلك ما يُكال ويُوزن أيضا** یعنی مذکورہ پانچ چیزوں کا جو حکم ہے وہی تمام مکیلات وموزونات کا ہے ——— غرض شافعیہ اور مالکیہ نے حرمت ربا کی جو علت بیان فرمائی ہے اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی، انھوں نے یہ علت اپنے اجتہاد سے نکالی ہے اور احناف نے جو علت بیان کی ہے اس کی تائید مذکورہ دونوں حدیثوں سے ہوتی ہے۔

فائدہ (۲): ربا القرض کی شناعت وقباحت تو واضح ہے اس میں غریب پر ظلم ہوتا ہے اس لئے سود کی یہ قسم حرام کی گئی ہے مگر ربا الفضل کی حرمت کی وجہ ذرا دقیق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رفاہیت بالغہ یعنی بہت زیادہ بلند معیاری زندگی پسند نہیں کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی زندگی گذارے گا وہ طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا اور اسی کے بقدر آخرت سے غافل ہوگا۔

اور اعلیٰ معیار زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائے جس کی عملی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہ ہو بلکہ معمولی درجہ کی ہو تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر اس کے بدلے میں اعلیٰ درجہ کی چیز تھوڑی مقدار میں لی جائے اور اس طرح زندگی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا جائے، اس لئے رفاہیت بالغہ کی یہ صورت امت مرحومہ کے لئے نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ یعنی وحی غیر متلو کے ذریعہ ممنوع قرار دی گئی، اور جنس واحد میں جید وردی کا تفاوت لغو کردیا، تاکہ ہر شخص جو کچھ اس کو میسر ہو اس پر قناعت کرے، اور رئیسانہ ٹھاٹ سے بچے، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۴۶:۴) میں ہے۔

فائدہ (۳): اگر کسی واقعی ضرورت سے ہم جنس سے تبادلہ کرنا پڑے مثلاً ایک کسان کے پاس معمولی گیہوں ہیں اور اس کو بیج کے لئے عمدہ گیہوں درکار ہیں اور فریقین جید وردی کا تفاوت بھی ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی راہ یہ ہے کہ دو بیعیں کی جائیں، اپنے معمولی گیہوں کسی کو نقد بیچ دے پھر اس رقم سے عمدہ گیہوں خرید لے، عمدہ گیہوں والے کے ہاتھ ہی

ان معمولی گیہوں کو بیچنا ضروری نہیں، پس یہ حیلہ نہیں۔

فائدہ(۴): حدیث جَیِّدها وَرَدِيُهَا سواء ثابت نہیں، مگر اس کا مضمون صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(نصب الرایہ ۴: ۳۷)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ مِنَ التَّمْرِ، فِي آخِرِ الْحَدِيثِ.

وضاحت: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری سند ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ یہ حدیث اسحاق بن ابراہیمؒ سے بھی روایت کرتے ہیں، انھوں نے بواسطہ روح بن عبادہؒ: ابن جریج سے روایت کیا ہے اور ابوالطاہرؒ سے بھی روایت کرتے ہیں، انھوں نے بواسطہ ابن وہبؒ: ابن جریج سے روایت کیا ہے (وہ حدیث اوپر گذری) اور ابن جریج سے اوپر دونوں سندیں ایک ہی ہیں، اور متن میں صرف یہ فرق ہے کہ اسحاق کی روایت میں حدیث شریف کے آخر میں من التمر نہیں ہے، اس ایک فرق کے علاوہ دونوں حضرات کی روایت یکساں ہے لفظاً بھی اور معناً بھی۔

۱۰- بَابُ ثُبُوتِ خِيَارِ الْمَجْلِسِ لِلْمُتَبَايِعَيْنِ

عاقدین کے لئے خیار مجلس کا ثبوت

اس باب میں خیار مجلس کا بیان ہے، اور یہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ خرید وفروخت کے وقت بائع اور مشتری میں سے جو پہلے بولے گا اس کا قول ایجاب اور دوسرے کا قول قبول کہلائے گا، اور ایجاب کے بعد دوسرے فریق کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، پھر جب دوسرے نے قبول کرلیا تو اس کا نام تفرقِ اقوال ہے، تفرقِ اقوال کا مطلب ہے: عاقدین عقد سے فارغ ہو گئے یعنی ایجاب وقبول مکمل ہو گئے۔

ایجاب وقبول مکمل ہونے کے بعد مجلس بدلنے تک بائع اور مشتری کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور اسی کا نام خیارِ مجلس ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک متعاقدین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا حق نہیں، البتہ اقالہ ہوسکتا ہے یعنی دونوں فریق باہمی رضامندی سے بیع ختم کرسکتے ہیں مگر کسی ایک کو تنہا بیع توڑنے کا حق نہیں، یہ حضرات خیار مجلس کے قائل نہیں، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ خیارِ مجلس کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مجلس بدلنے تک ہر ایک بیع توڑ سکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے اسے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بیع میں دو چیزیں ہیں: ایک: تمامیتِ بیع، دوم: لزومِ بیع۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ

ہوتی ہیں یا جدا ہوتی ہیں؟ احناف، مالکیہ اور ظاہریہ کے نزدیک ساتھ ہوتی ہیں اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جدا ہوتی ہیں، پھر ظاہریہ کے نزدیک تفرق ابدان پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے، یعنی جب بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہونگے تب بیع تام بھی ہوگی اور لازم بھی ہوگی، اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفرق اقوال پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے، یعنی ایجاب وقبول ہوتے ہی بیع تام بھی ہو جاتی ہے اور لازم بھی۔ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفرقِ اقوال پر بیع تام ہوتی ہے اور تفرق ابدان پر بیع لازم ہوتی ہے۔

اور ثمرۂ اختلاف دو صورتوں میں ظاہر ہوگا:

اول: کوئی چیز بیچی خریدی گئی، پھر تفرق ابدان سے پہلے مجلس عقد ہی میں متعاقدین میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو ظاہریہ کے نزدیک سودا نہیں ہوا، مبیع بائع کی اور ثمن مشتری کا ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بیع ہوگئی، کیونکہ ایجاب وقبول پائے گئے، اس لئے بیع تام ہوگئی پس ثمن بائع کا یا اس کے ورثاء کا اور مبیع مشتری کی یا اس کے ورثاء کی ہوگی۔

دوم: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق بیع توڑ سکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے اسے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی بیع لازم نہیں ہوئی۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک دوسرے کی رضامندی کے بغیر سودا ختم نہیں کر سکتا کیونکہ بیع لازم ہو چکی۔

ملحوظہ: مسلم شریف میں جو ابواب ہیں وہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ہیں جو ان کی شافعیت سے متأثر ہیں، اور امام مسلم رحمہ اللہ کے ذہن میں اگرچہ کتاب لکھتے وقت ابواب تھے مگر حضرت نے لکھے نہیں، ان کو معہود ذہنی ہی رکھا اور اس کی علماء نے کئی وجوہ بیان کی ہیں، جس کی تفصیل ایضاح المسلم (۴۹:۱) میں ہے۔

[۴۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "اَلْبَيِّعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں، مگر یہ کہ بیع میں خیار شرط ہو۔

تشریح:

۱- مالم یتفرقا سے تفرق ابدان مراد ہے یا تفرق اقوال؟ حنفیہ اور مالکیہ کی ایک رائے یہ ہے کہ تفرق اقوال مراد ہے یعنی ایجاب کے بعد دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اس کے قبول کرنے سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب واپس لے سکتا ہے اور قبول کرنے والا قبول بھی کر سکتا ہے اور قبول نہ کرے یہ بھی اس کو اختیار ہے۔ یہ قول امام محمد

رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس تفسیر کی رو سے حدیث میں خیارِ مجلس کا مسئلہ نہیں ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفرقِ ابدان مراد ہے یعنی حدیث میں خیارِ مجلس کا مسئلہ ہے اور بہ ظاہر انہی کی رائے صحیح ہے، اس لئے کہ بخاری شریف میں پوری حدیث اس طرح ہے: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں یا اختر اختر نہ کہہ لیں، یعنی تفرق ابدان سے بھی بیع لازم ہو جاتی ہے، اور اختر اختر کہنے سے بھی، اس کے بعد خیارِ مجلس باقی نہیں رہتا، مگر یہ کہ بیع میں خیارِ شرط ہو، اگر بیع میں خیارِ شرط ہے تو تفرق ابدان کے بعد بھی خیار باقی رہتا ہے۔

۲-اختر اختر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد متعاقدین میں سے ہر ایک دوسرے سے کہے: آپ غور کرلیں اگر سودا پسند نہ ہو تو معاملہ ختم کردیں، پھر دوسرا غور کرکے یا تو سودا ختم کردے یا یہ کہے کہ مجھے سودا منظور ہے، پھر یہ شخص جس کو سودا پسند ہے، یہی بات دوسرے سے کہے اور وہ بھی غور کرکے سودا ختم کردے یا منظور کرلے۔

۳-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کے نزدیک بھی تفرق ابدان مراد تھا، چنانچہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک زمین کا سودا کیا، سودا مکمل ہوتے ہی ابن عمرؓ الٹے پاؤں لوٹے اور گھر سے باہر نکل گئے، پھر واپس آکر بیٹھ گئے، آپؓ نے مجلس اس لئے بدلی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سودا ختم نہ کرلیں، کیونکہ ابن عمرؓ کو سودے میں فائدہ نظر آیا تھا[1] (بخاری حدیث نمبر ۲۱۱۶) —— ابن عمرؓ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے، پس یہ امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے۔

مسئلہ باب سے متعلق چند اور احادیث:

دوسری حدیث: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، پس اگر وہ دونوں سچ بولیں اور (مبیع یا ثمن کا کوئی عیب ہو تو اسے) واضح کریں تو ان کی بیع میں برکت کی جاتی ہے، اور اگر دونوں جھوٹ بولیں اور مبیع اور ثمن کے عیب کو چھپائیں تو ان کی بیع میں سے برکت مٹادی جاتی ہے —— یہ حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے اور اس حدیث میں بھی تفرق سے تفرقِ ابدان مراد ہے اور یہ بھی امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے۔

تیسری حدیث: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی ہے، ایک سفر میں ایک کشتی میں دو شخصوں نے شام کے وقت ایک گھوڑے کا سودا کیا، صبح گھوڑے کا مالک پشیمان ہوا اس نے سودا ختم کرنا چاہا، دوسرا تیار نہ ہوا۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ بھی کشتی میں تھے، دونوں اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس گئے، آپؓ نے فرمایا: میرے خیال میں تم دونوں جدا نہیں ہوئے اور

(۱) یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، مگر بعض رواۃ نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے کہ گویا یہ ابن عمرؓ کا معمول تھا، جب بھی وہ کوئی سودا کرتے اور چاہتے کہ بیع لازم ہو جائے تو فوراً مجلس بدل لیا کرتے تھے (ترمذی حدیث ۱۲۲۹) مگر یہ بات صحیح نہیں، یہ صرف ایک آدھ مرتبہ کا واقعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں لہٰذا ایک فریق معاملہ ختم کرسکتا ہے ـــــ یہ حدیث ترمذی شریف (حدیث ۱۲۳۱) میں ہے اور گذشتہ دونوں حدیثوں کے ہم معنی ہے، مگر اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ وہ دونوں شخص جن کے درمیان گھوڑے کا سودا ہوا تھا شام سے صبح تک ساتھ رہے ہوں، یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں مگر یہ کہ بیع میں خیارِ شرط ہو، یعنی اگر سودے میں خیارِ شرط رکھا ہے، تو پھر تین دن تک فسخ کا اختیار باقی رہے گا، اور اگر یہ اختیار نہ لیا ہو تو فسخ کا اختیار تفرق ابدان تک رہے گا، فریقین کے جدا ہوتے ہی یہ اختیار ختم ہوجائے گا۔ ولایَحِلُّ له أن یُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْیَةَ أَنْ یستقیلَه: اور فریقین میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے جدا ہو اس خوف سے کہ وہ اس سے اقالہ کی یعنی بیع ختم کرنے کی درخواست کرے گا ـــــ یہ حدیث بھی ترمذی (حدیث ۱۲۳۲) میں ہے، اور حسن ہے۔

استدلال:

اِسْتِقَالَةُ البیعَ کے معنی ہیں: بیع فسخ کرنے کی درخواست کرنا، باب استفعال طلب کے لئے ہے۔ اور درخواست اس صورت میں کی جاتی ہے جب معاملہ میں دوسرے کا کچھ دخل ہو، اس جملہ میں صاف اشارہ ہے کہ تفرق ابدان سے پہلے بھی ایک فریق دوسرے فریق کو راضی کئے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا، یعنی ایجاب وقبول پر بیع تام بھی ہوجاتی ہے اور لازم بھی ہوجاتی ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں، اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے، اور حضرات شافعیؒ واحمدؒ نے حضرت ابن عمر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو لیا ہے، کیونکہ وہ اصح مافی الباب ہیں۔ اور بڑے دو امام کہتے ہیں کہ اُن حدیثوں میں تفرق ابدان سے پہلے جس اختیار کا ذکر ہے وہ اختیار ناقص ہے، اختیار تام نہیں، اختیار ناقص کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد ہر فریق اپنے ساتھی کو راضی کرکے بیع توڑ سکتا ہے، تنہا نہیں توڑ سکتا، اور دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے، اس میں صاف صراحت ہے کہ ہر فریق اپنے ساتھی کو راضی کرکے معاملہ ختم کرسکتا ہے، تنہا نہیں کرسکتا۔

غرض حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی حدیثوں میں تفرق ابدان سے پہلے جس اختیار کا ذکر ہے وہ اختیار تام ہے یا ناقص؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بڑے[1] دو اماموں کے نزدیک وہ اختیار ناقص ہے اور چھوٹے دو اماموں کے نزدیک وہ اختیار تام ہے

(۱) جاننا چاہئے کہ صاحب افادات حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ائمہ اربعہ کو بڑے دو امام اور چھوٹے دو امام سے تعبیر فرماتے تھے اور شروع سال میں یہ صراحت فرمادیا کرتے تھے کہ چاروں امام قابل احترام اور ہمارے سروں کے تاج ہیں، ہمیں ان پر فخر ہے، اور کس کا کیا مقام ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، میں تو عمر کے اعتبار سے ان کو چھوٹا بڑا کہتا ہوں، عمر میں سب ←

اس لئے تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق سودا ختم کرسکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے، دوسرے فریق کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں۔

بہ الفاظ دیگر: اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ حکم باب قضاء سے ہے یا باب دیانت سے؟ یعنی یہ حکم اخلاق ومروت کے باب سے ہے یا قضاء سے اس کا تعلق ہے؟ چھوٹے دو امام کہتے ہیں: یہ حکم قضاءً ہے یعنی اگر تفرق ابدان سے پہلے کوئی فریق معاملہ ختم کردے، اور مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو قاضی اس فسخ کو برقرار رکھے گا، اور بڑے دو اماموں کے نزدیک یہ حکم اخلاق ومروت کے باب سے ہے، یعنی جب تک فریقین مجلس عقد میں ہیں اگر کوئی فریق سودا ختم کرنا چاہے تو انسانیت ومروت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرا فریق راضی ہوجائے، کیونکہ فریقین نے ابھی اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اور بڑے دو اماموں نے درج ذیل قرائن کی بنا پر یہ مطلب سمجھا ہے:

۱- اس خوف سے کہ ساتھی بیع فسخ کرنے کی درخواست کرے گا: مجلس بدلنے سے آنحضور ﷺ نے منع کیا، جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سودا کیا تھا تو ایسا کیا تھا، اور یہ بات ممکن نہیں کہ راوی خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرے اس لئے اس خیار کو باب اخلاق سے قرار دینا زیادہ مناسب ہے، اس صورت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہوگا اور اس میں کوئی حرج نہیں، بوقت ضرورت ایسا کیا جاسکتا ہے۔

۲- حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں اس کو باب اخلاق سے سمجھا ہے چنانچہ جب کشتی میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس گئے تو یہ فرمایا کہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم ابھی جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فریقین جب تک جدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے یعنی تم دونوں ساتھ سفر کررہے ہو اور تم نے ابھی اپنے اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور وقت بھی زیادہ نہیں گذرا، لہٰذا جب ایک فریق سودا ختم کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو راضی ہوجانا چاہئے۔ حسن اخلاق کا یہی تقاضہ ہے، اس حدیث میں تفرق ابدان مراد لینا ممکن نہیں، کیونکہ دونوں شام سے صبح تک ساتھ رہے ہوں، یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

۳- بخاری شریف میں (حدیث نمبر ۲۱۱۴) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ایک راوی ہمام کی روایت میں یختار ثلاث مرار ہے، یعنی تین مرتبہ اختر اختر کہنے تک خیار فسخ باقی رہتا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس کو استحبابی حکم قرار دیا ہے (فتح الباری ۴: ۳۳۴) پس تین مرتبہ کی طرح ایک مرتبہ کا حکم بھی استحبابی ہے، ایک مرتبہ کے وجوبی حکم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

← سے بڑے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ ان سے تقریباً پندرہ سال چھوٹے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ ستر سال چھوٹے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ ان سے بھی چھوٹے ہیں، غرض عمر میں دو بڑے ہیں اور دو چھوٹے۔

چند فوائد:

۱- صحت بیع کے لئے بنیادی شرط تراضی طرفین ہے، سورۃ النساء (آیت ۲۹) میں اس کی صراحت ہے: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾: یہ تراضی طرفین کب تک ضروری ہے؟ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفرق اقوال (سودا مکمل ہونے) تک ضروری ہے اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفرق ابدان تک ضروری ہے —— مگر بخاری شریف کی ایک حدیث سے حنفیہ وغیرہ کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک اونٹ پر سوار تھے، وہ اونٹ حضرت عمرؓ کا تھا اور تیز طرار تھا، وہ بار بار آنحضور ﷺ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو مارتے تھے تاکہ آگے نہ نکلے، نبی ﷺ نے وہ اونٹ خرید کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بخش دیا اور فرمایا: ''اب یہ اونٹ تیرا ہے جو چاہے کر'' (بخاری شریف حدیث ۲۱۱۵، بابٌ: إذا اشترى شيئاً فوهب من ساعته قبل أن يتفرقا إلخ) غرض نبی ﷺ نے اونٹ خرید کر فوراً تفرق ابدان سے پہلے ہی ابن عمرؓ کو وہ اونٹ بخش دیا، معلوم ہوا کہ لزوم بیع کے لئے تفرق ابدان ضروری نہیں، تفرق اقوال سے بھی بیع لازم وتام ہوجاتی ہے۔

۲- ابن عمرؓ کی حدیث میں جو امام شافعی وغیرہ کا مستدل ہے اگر تفرق ابدان مراد لیں تو حدیث مجاز پر محمول ہوگی اور تفرق اقوال مراد لیں تو حقیقت پر محمول ہوگی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر حدیث شریف میں تفرقِ ابدان مراد ہوگا تو بیّعان سے وہ عاقدین مراد ہونگے جو ایجاب وقبول کرچکے ہیں، ان کو ایجاب وقبول کرنے کے بعد تفرق ابدان تک اختیار ہوگا، اور اگر تفرقِ اقوال مراد لیں تو بیّعان سے وہ عاقدین مراد ہونگے جو بیع وشراء کر رہے ہیں، یعنی دوسرے کے قبول کرنے تک دونوں کو اختیار ہوگا، اور اسم فاعل کے حقیقی معنی زمانۂ حال ہیں، اور ماضی مجازی معنی ہیں، پس امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حدیث مجاز پر محمول ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک حقیقت پر، **والحقيقة أولى من المجاز**۔

۳- احناف ومالکیہ نے عقود وفسوخ کے اصولی قواعد سے بھی استدلال کیا ہے، تمام عقود کی حقیقت ایجاب وقبول ہے، کسی عقد میں ایجاب وقبول کے علاوہ کوئی اور چیز رکن نہیں، بیع بھی ایک عقد ہے، اور اس کا رکن اعظم بھی ایجاب وقبول ہیں، جب بیع کے یہ دونوں رکن متحقق ہوگئے تو عقد مکمل ہوگیا، اب ایفاء عقد ضروری ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾: اب اگر کوئی بیع فسخ کرنا چاہتا ہے تو دوسرے فریق کی رضامندی ضروری ہوگی، اسی کا نام اقالہ ہے (**مرقات للقاری**)

قوله: البيّعان: بَيِّعٌ کا تثنیہ ہے، اور بَيِّعٌ اور بائعٌ مترادف الفاظ ہیں، اور مشتری کو بائع تغلیباً کہا جاتا ہے۔

قوله: إلا بيع الخيار: یعنی اگر خرید وفروخت کے وقت بائع اور مشتری دونوں یا کوئی ایک بیع رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار لے تو تفرقِ اقوال یا ابدان (علی الاختلاف) کے بعد بھی اختیار رہے گا، اور اس کا نام خیار شرط ہے، خیارِ شرط میں کوئی تحدید ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تحدید ہے یعنی خیار شرط زیادہ سے زیادہ تین دن کا ہوسکتا

ہے اس سے زیادہ کا نہیں، اور امام مالک اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی تحدید نہیں، بائع اور مشتری جتنے دن کا چاہیں خیار لے سکتے ہیں۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل ترمذی کی حدیث (نمبر ۱۲۳۵) ہے، ایک صحابی حضرت حبان بن مُنقِذ رضی اللہ عنہ تھے، ان کی عقل میں کچھ کمزوری تھی، اور وہ کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ گھر والے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ان کو کاروبار سے روکنے کی درخواست کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر کاروبار سے منع کیا مگر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کاروبار سے صبر نہیں کرسکتا، آپؐ نے فرمایا: اچھا جب کوئی چیز بیچو تو کہا کرو: هاءَ وهاءَ ولا خِلابَةَ: لو اور لاؤ، سودے میں کوئی دھوکا نہیں۔ بے غل وغش معاملہ ہے۔ ولي الخيار ثلاثة أيام[1]: اور مجھے تین دن بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، یہ الفاظ مستدرک حاکم کی روایت میں ہیں، اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خیارِ شرط زیادہ سے زیادہ تین دن ہوسکتا ہے۔

فائدہ: إلا بیع الخیار: کا عام طور پر مطلب یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ خیارِ شرط کا استثناء ہے، یعنی اگر خرید وفروخت کے وقت خیارِ شرط کی قید لگائی ہے تو تفرق اقوال یا ابدان کے بعد بھی اختیار رہے گا، ورنہ اختیار تفرقِ اقوال یا ابدان (علی الاختلاف) تک محدود رہے گا، علامہ ابن قدامہ نے مغنی میں یہی مطلب بیان کیا ہے، اور بعض شوافع بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں (فتح) مگر اکثر شوافع کے نزدیک إلا بیع الخیار کے معنی ہیں: إلا بیع التخایر، یعنی اگر بائع اور مشتری میں سے ہر ایک دوسرے کو اختیار دے کہ آپ غور کرلیں، آپ کو بیع رکھنی ہے یا نہیں؟ جب دونوں نے ایک دوسرے کو یہ اختیار دے دیا اور دونوں نے بیع برقرار رکھی تو اب تفرقِ ابدان تک اختیار نہ ہوگا، اور ایک تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ خرید وفروخت کے وقت دونوں نے خیارِ مجلس کی نفی کی ہو، اس صورت میں نفس ایجاب وقبول سے بیع لازم ہوگی اور تفرق ابدان تک اختیار نہیں ہوگا (شرح نووی) —— یہ تینوں مطلب شوافع کے یہاں ہیں، احناف کے یہاں پہلا مطلب متعین ہے۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالاَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، وَهُوَ الْقَطَّانُ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (ح) وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ- وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ- جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا

(۱) آئندہ باب کا حاشیہ دیکھیں۔

عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، نَحْوَ حَدِيْثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ.

حدیث ابن عمر کی سندیں:

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث متعدد اساتذہ سے روایت کی ہے۔ اول سند: امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: (۱) زہیر بن حربؒ اور محمد بن المثنی سے بواسطہ یحییٰ قطانؒ (۲) ابوبکر بن ابی شیبہؒ سے بواسطہ محمد بن بشرؒ (۳) نُمیر کے صاحبزادے سے بواسطہ نُمیر: یہ سب حضرات عبید اللہ سے اور وہ بواسطہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ثانی سند: امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: (۱) زہیر بن حرب اور علی بن حجرؒ سے بواسطہ اسماعیلؒ (۲) ابوربیع اور ابوکامل سے بواسطہ حماد بن زید: یہ سب حضرات ایوب سے اور وہ بواسطہ نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ثالث سند: امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: (۱) محمد بن المثنی اور ابن ابی عمرؒ سے وہ دونوں بواسطہ عبدالوہاب: یحییٰ بن سعید سے (۲) ابن رافع سے وہ بواسطہ ابن ابی فدیک: ضحاک سے، وہ دونوں یعنی یحییٰ اور ضحاک بواسطہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، ان سب حضرات کی روایت امام مالکؒ کی روایت کے ہم معنی ہے (جو باب کی پہلی حدیث ہے)

[۴۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيْعًا أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَتَبَايَعَا عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ"

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب دو شخص خرید وفروخت کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں، اور دونوں ساتھ رہیں، یا ان میں سے ایک دوسرے کو اختیار دے، پس اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو اختیار دیا پس دونوں اس بیع پر برقرار ہے تو بیع لازم ہوگئی اور اگر بیع کرنے کے بعد دونوں جدا ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بیع کو نہیں چھوڑا (بیع فسخ نہیں کی) تو بیع لازم ہوگئی"

تشریح: شوافع اور حنابلہ کے نزدیک متعاقدین کو ایجاب وقبول کے بعد بھی خیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے، اسی کا نام خیارِ مجلس ہے اور یہ اختیار مجلس کی تبدیلی تک یا اختر اختر کہنے تک ہوتا ہے، اور اختر اختر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد متعاقدین میں سے ہر ایک دوسرے سے کہے: آپ غور کرلیں اگر سودا پسند نہ ہو تو معاملہ ختم کردیں، پھر دوسرا غور کرکے یا تو سودا ختم کردے یا یہ کہے کہ مجھے سودا منظور ہے، پھر یہ شخص جس کو سودا پسند ہے، یہی بات دوسرے سے

کہے اور وہ بھی غور کر کے سودا ختم کردے یا منظور کرلے۔

[۴۵-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ – قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ نَافِعٌ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْبَيْعِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَكُونُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَإِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ" زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ نَافِعٌ: فَكَانَ إِذَا بَايَعَ رَجُلاً فَأَرَادَ أَنْ لَا يُقِيلَهُ قَامَ فَمَشَى هُنَيَّةً ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ.

ترجمہ واضح ہے، ضروری وضاحت:

۱- أو يكون بيعهما عن خيار: پہلے بتایا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک خیار: بمعنی تخاير ہے، پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب متعاقدین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سودا باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار دیدیا اور دونوں نے سودا باقی رکھا تو بیع لازم ہوگئی، اب خیار مجلس باقی نہیں رہا۔

۲-قال نافع: نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب ابن عمرؓ کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے اور یہ چاہتے کہ مشتری ان سے بیع توڑنے کے لئے نہ کہے تو آپ کھڑے ہوجاتے اور تھوڑی دیر چلتے تھے، یعنی مجلس بدل لیا کرتے تھے، پھر اپنی جگہ واپس لوٹ آتے تھے" ....هُنَيَّة: ایک روایت میں هُنَيْهَة ہے، یہ هنة کی تصغیر ہے، معنی ہیں: تھوڑا وقفہ، تھوڑی چیز .... أقال اقالة البيعَ: بیع توڑنا۔

۳-یہ حدیث شوافع اور حنابلہ کی صریح دلیل ہے، اور احناف کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہے، اور فہم صحابی کو اگرچہ غیر کے فہم پر فوقیت ہے مگر وہ حجت نہیں (تکملہ)

۴-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زمین بدلی تھی، ان کی زمین وادی القری میں تھی جو ثمود کے علاقہ سے قریب تین دن کے فاصلہ پر ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زمین خیبر میں تھی جو مدینہ منورہ سے قریب تین دن کے فاصلہ پر ہے، جب معاملہ ہو چکا تو ابن عمرؓ نے سوچا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھاٹے میں رہے اور میں فائدے میں رہا، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زمین مدینہ منورہ سے دور ہوگئی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے قریب آگئے، اور انھوں نے خیال کیا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذہن اس طرف چلا گیا تو وہ معاملہ ختم کردیں گے، اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے مجلس بدل کر بیع کو لازم کردیا (بخاری حدیث ۲۱۱۶) —— اس واقعہ کو راوی نے اس طرح روایت کیا ہے کہ گویا یہ ابن عمرؓ کا معمول تھا، یہ بات صحیح نہیں، یہ ایک آدھ بار کا واقعہ ہے۔

[۴۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ بَيِّعَيْنِ لاَ بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى يَتَفَرَّقَا إِلاَّ بَيْعُ الْخِيَارِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر دو بیع کرنے والے (مشتری کو بائع تغلیبا کہا ہے) ان کے درمیان بیع لازم نہ ہوگی تا آنکہ وہ دونوں جدا ہو جائیں، مگر بیع خیار (خیارِ شرط) مستثنیٰ ہے، اس صورت میں جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہے گا"

۱۱- بَابُ الصِّدْقِ فِي الْبَيْعِ وَالْبَيَانِ

خرید و فروخت کے وقت سچ بولنے کا اور مبیع و ثمن کا حال بیان کرنے کا حکم

ہمارے ہندوستانی نسخوں میں جو حاشیہ پر علامہ نووی رحمہ اللہ کے ابواب درج ہیں ان میں یہ باب نہیں ہے، باب ثبوت خیار المجلس کے تحت یہ حدیثیں ہیں، مگر بیروت والے نسخہ میں جو راقم الحروف کے پیش نظر ہے اس میں یہ باب ہے، اور میں نے یہ باب باقی رکھا ہے تاکہ ابواب پر جو مسلسل نمبرات ہیں وہ ترتیب باقی رہے۔

[۴۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ (ح) وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا"

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، پس اگر وہ دونوں سچ بولیں اور (مبیع یا ثمن کا کوئی عیب ہو تو اسے) واضح کریں تو ان کی بیع میں برکت کی جاتی ہے، اور اگر دونوں جھوٹ بولیں اور مبیع اور ثمن کے عیب کو چھپائیں تو ان کی بیع میں سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔

تشریح: بائع اور مشتری کو اپنے عوضوں کا عیب نہیں چھپانا چاہئے بلکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنی چاہئے اور مبیع یا ثمن میں کوئی عیب ہو تو اس کو ظاہر کر دینا چاہئے تاکہ متعاقدین میں سے کوئی دھوکا نہ کھائے، اس سے تجارت میں برکت ہوتی ہے، لوگ اپنا مال نکالنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں، کوئی اچھا برا مال ملا کر بیچتا ہے، قصائی گوشت میں چھیچھڑے ملا دیتا ہے، کوئی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، کوئی مبیع کا عیب چھپاتا ہے، اس سے تجارت کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور

عیب ظاہر کرنے سے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے سے تجارت میں برکت ہوتی ہے۔
ایک واقعہ: امام اعظمؒ کا کپڑے کا بڑا کاروبار تھا، آپ کی دکان میں کپڑے کا ایک تھان تھا جس میں عیب تھا، آپؒ نے منیجر سے کہہ رکھا تھا کہ گاہک کو یہ عیب بتا دینا، منیجر بھول گیا اور کسی مسافر کو عیب بتائے بغیر بیچ دیا۔ حضرتؒ نے اس کے پیچھے آدمی دوڑایا، دو دن کی مسافت پر اس سے ملاقات ہوئی، اس سے پوری صورت حال بیان کی اور کپڑے میں عیب کی بات بتائی، اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو سودا منظور نہ ہو تو کپڑا واپس کردیں اور اپنا ثمن لے لیں، میں آپ کے دراہم ساتھ لایا ہوں، اس نے وہ دراہم دیکھے، اور پہچان لئے کہ وہ اسی کے ہیں، پھر اس نے بتایا کہ یہ دراہم کھوٹے (کم قیمت) ہیں، چنانچہ اس نے اچھے دراہم دیئے اور بیع کو منظور رکھا، غرض عیب بیان کردینے سے تجارت میں برکت ہوتی ہے، یہی اس حدیث کا مدعیٰ ہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ يُحَدِّثُ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.
قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ: وُلِدَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَعَاشَ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا تعارف: آپ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور سرداران قریش میں سے تھے، ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے، قبولِ اسلام سے پہلے بھی جود و سخاوت اور امور خیر میں معروف تھے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی معروف رہے، کل ایک سو بیس سال عمر پائی، ساٹھ سال کفر میں گذرے اور ساٹھ سال مسلمان ہونے کے بعد حیات رہے، اور مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

۱۲- بَابُ مَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ

جو شخص تجارت میں دھوکا کھاتا ہو اس کا حکم

اس باب میں حضرت حبان بن مُنْقِذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، سامان کتنے میں خریدا: یہ بات بھول جاتے تھے، اور اپنے خیال میں نفع رکھ کر بیچ دیتے تھے، اس طرح نقصان اٹھاتے تھے، مثلاً گھر سے ہزار روپے لے کر چلے، دن بھر بیچا خریدا اور شام کو نو سو روپے لے کر لوٹے، سو روپے کا گھاٹا ہو گیا، ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ان پر حَجْر (شرعاً کسی کو جنون یا کم عقلی یا کم عمری کی بنا پر تصرف کرنے سے روکنے) کا مطالبہ کیا، نبی ﷺ نے ان کو بلا کر کاروبار سے منع کیا، مگر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کاروبار کرنے سے صبر نہیں کرسکتا! چنانچہ آپؐ نے ان کو ایک ایسی تدبیر بتائی کہ نہ لگے مہندی نہ لگے پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا! فرمایا: جب کوئی چیز بیچو تو کہہ دیا کرو: هَاءَ وَهَاءَ وَلاَخِلاَبَة! لو اور لاؤ سودے

میں کوئی دھوکہ نہیں! بے غل وغش معاملہ ہے وَلِیَ الْخِیَارُ ثلاثۃَ أیام: اور مجھے تین دن تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (یہ الفاظ مستدرک حاکم میں ہیں) اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھول یاد آئے گی تو معاملہ ختم کردیں گے اور نقصان سے بچ جائیں گے، چنانچہ انھوں نے ہر ایک سے یہ کہنا شروع کردیا پس رفتہ رفتہ ان کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا، کیونکہ تین دن تک کون انتظار کرے گا؟

امام مسلم رحمہ اللہ یہ حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد لائے ہیں، اُس میں نبی ﷺ نے بائع اور مشتری کو مبیع وثمن کا عیب نہ چھپانے کا اور اس کو ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے بیع بابرکت ہوجاتی ہے، اور اگر دونوں یا کوئی ایک مبیع وثمن کا عیب چھپائے تو بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دھوکہ دہی بھی حرام ہے، اس سے بھی بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: بابُ ما یُکْرَہ من الخِدَاعِ فِی الْبَیْعِ: یعنی بیع میں دھوکہ دہی ناجائز ہے (کتاب البیوع باب ۴۸) اور کتاب البیوع کے آخر میں یہ باب قائم کیا ہے، بَابُ مَا یُنْھی عن إِضَاعَۃِ الْمَالِ، وَالْحَجْرِ فی ذٰلک، وما یُنھی عن الخِدَاع: یعنی مال برباد کرنے کی ممانعت، اور جو مال برباد کرے اس پر روک لگانے کا حکم اور دھوکہ دہی کی ممانعت (باب ۱۹) اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث پر یہی دھوکہ دہی کی ممانعت والا باب قائم کیا ہے، اور باب میں سفیہ (کم عقل) کے اقوال پر پابندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ چھیڑا ہے اور ائمہ مجتہدین کی آراء ذکر فرمائی ہیں (ترمذی ابواب البیوع باب ۲۸)

[۴۸-] حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی وَیَحْیَی بْنُ أَیُّوبَ وَقُتَیْبَۃُ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالَ یَحْیَی بْنُ یَحْیَی: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ أَنَّہُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ: ذَکَرَ رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہُ یُخْدَعُ فِی الْبُیُوْعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ بَایَعْتَ فَقُلْ: لاَ خِلاَبَۃَ" فَکَانَ إِذَا بَایَعَ یَقُوْلُ: لاَخِیَابَۃَ.

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَکْرِ بْنُ أَبِیْ شَیْبَۃَ، حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ، حَدَّثَنَا سُفْیَانُ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ کِلاَھُمَا عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ، بِھٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَہُ وَلَیْسَ فِیْ حَدِیْثِھِمَا فَکَانَ إِذَا بَایَعَ یَقُوْلُ: لاَخِیَابَۃَ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص نے یہ بات ذکر کی کہ وہ خرید وفروخت میں دھوکہ کھاتا ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کو آپ بیچیں اس سے کہیں: لاخلابۃ" پس وہ شخص جب بھی بیچتا تھا لاخیابۃ کہتا تھا۔

سند: ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن المثنی بھی یہ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بواسطہ وکیع: سفیان سے، اور محمد بن

المثنی بواسطہ محمد بن جعفر: شعبہ سے روایت کرتے ہیں، اور شعبہ اور سفیان دونوں عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں کی حدیثیں اسماعیل بن جعفر کی حدیث کے مانند ہیں، البتہ ان کی حدیثوں میں آخری جملہ: **فكان إذا بايع يقول: لا خِيَابَة** نہیں ہے۔

تشریح:

اس حدیث کے تحت تین مسئلے زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: سفیہ (کم عقل) کے اقوال پر پابندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی سفیہ کا قول: **بعتُ اشْتَرَيْتُ** وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حَجر جائز ہے، پس جب پابندی لگادی گئی پھر اس نے کوئی چیز خریدی یا بیچی تو وہ بیع کالعدم ہے۔ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کسی عاقل بالغ آزاد پر پابندی لگانا جائز نہیں اور سفیہ چونکہ عاقل ہے گو کم عقل ہے اس لئے گورنمنٹ اس پر پابندی نہیں لگا سکتی، اس کا خریدنا اور بیچنا صحیح ہے، بیع نافذ ہوگی۔

دونوں فریقوں کی دلیل یہی حدیث ہے، جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور حضور ﷺ نے ان کو بلا کر خرید و فروخت سے منع بھی کیا، یہی حَجر ہے، معلوم ہوا کہ بندش لگا سکتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حجر نہیں ہے، پابندی لگانے کی صورت میں پبلک میں اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے کہ فلاں شخص محجور قرار دیا گیا ہے، کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے، نبی ﷺ نے حضرت حبانؓ کو کاروبار سے منع تو کیا مگر پبلک میں اعلان نہیں کیا اس لئے یہ حجر نہیں اور گھر والوں کا مطالبہ کرنا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا فعل حجت نہیں، غرض یہ بھی نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔

فائدہ (۱): امام اعظمؒ کے نزدیک اسباب حجر کل تین ہیں: جنون، بچپن اور غلامی، سفہ: کم عقلی سببِ حجر نہیں اور جمہور کے نزدیک اور بھی اسباب ہیں، جیسے: سفہ (کم عقلی) فضول خرچی، استطاعت کے باوجود قرض چکانے میں ٹال مٹول کرنا، کاروبار میں مال ضائع ہونے کا اندیشہ وغیرہ تفصیل بدائع الصنائع میں ہے۔

فائدہ (۲): حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہ کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ پابندی لگانے کی دو صورتیں ہیں: اخلاقی پابندی لگانا اور قانونی پابندی لگانا۔ اخلاقی پابندی ایک طرح کا مشورہ ہوتا ہے اور قانونی پابندی سے تصرفات کالعدم ہو جاتے ہیں، پس سفیہ پر اخلاقی پابندی تو لگا سکتے ہیں اور دیوالیہ قرار دینے کے بعد بڑے معاملات میں قانونی پابندی بھی قاضی لگا سکتا ہے تاکہ دیوالیہ کاروبار کر کے مزید مقروض نہ ہو جائے، اور لوگوں کے اموال ضائع نہ ہوں، مگر روزمرہ کی چیزوں میں اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی، اگر وہ ماچس بھی خرید کر نہیں لا سکتا تو وہ کیسے زندگی گذارے گا؟ پس امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کا مصداق روزمرہ کے معاملات ہیں، اور جمہور بشمول صاحبین و امام بخاری رحمہم اللہ کے اقوال کا مصداق بڑے معاملات ہیں۔ واللہ اعلم (تحفۃ القاری ۵: ۴۳۲)

دوسرا مسئلہ: بیع اگر غبن کے ساتھ ہوتو مغبون بیع فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ مغبون کو غبن کی وجہ سے بیع فسخ کرنے کا حق نہیں، خواہ غبن یسیر ہو یا فاحش، اس لئے کہ جس قیمت پر خرید وفروخت ہوئی ہے وہ باہمی رضامندی سے طے ہوئی ہے، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مغبون مُستَرسِل (بھولا بھالا) ہو اس کو بازار کے بھاؤ کا علم نہ ہو اور نہ خرید وفروخت کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو تو اس کو اختیار ہوگا خواہ بیع برقرار رکھے یا اس کو فسخ کردے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مغبون مُسترسِل کو اگر دھوکا دیا گیا ہو یعنی غلط بھاؤ بتا کر اسے سامان فروخت کیا ہو یا غلط بھاؤ بتا کر اس سے خریدا ہو تو پھر اس بیع کو برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہوگا، ورنہ محض استرسال یعنی بھولے پن کی وجہ سے کچھ اختیار نہ ہوگا (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ایضاح المسلم، کتاب البیوع باب ۴)

تیسرا مسئلہ: بیع میں بالاجماع خیارِ شرط مشروع ہے (بعض اہل ظواہر اختلاف کرتے ہیں ان کے یہاں خیارِ شرط مشروع نہیں، ان کا قول مردود ہے، صریح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے) البتہ خیارِ شرط میں کوئی تحدید ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تحدید ہے یعنی خیارِ شرط زیادہ سے زیادہ تین دن کا ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ کا نہیں، اور امام مالک، امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی تحدید نہیں، بائع اور مشتری جتنے دن کا چاہیں خیار لے سکتے ہیں، یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہ کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ”جب کوئی چیز بیچا کرو تو کہا کرو: هَاءَ وَهاء و لا خِلابَةَ: لو اور لاؤ، سودے میں کوئی دھوکا نہیں، بے غل وغش معاملہ ہے، ولی الخيار ثلاثة أيام: اور مجھے تین دن بیع رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے، یہ الفاظ مستدرک حاکم کی روایت میں ہیں[1] اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ خیارِ شرط زیادہ سے زیادہ تین

(۱) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں جو یہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو لاخِلابة کے ساتھ الخيار ثلاثة أيام الفاظ بھی تلقین کئے تھے، وہ روایت ثابت نہیں (شرح نووی) —— اور یہ حدیث ابن ماجہ میں اس طرح ہے: عن ابن عمر قال: سمعتُ رجلا من الأنصار يَشكو إلى النبي صلى الله عليه وسلم أنه يُغبن في البيوع فقال: "إذا بَايَعتَ فقل: لاخِلابة: ثم أنتَ بالخيار في كل سِلعةٍ ابتعتَها ثلاث ليالٍ: یعنی ایک شخص نے نبی ﷺ سے بیع میں گھاٹا ہونے کی شکایت کی تو آپ نے اس سے فرمایا: ”جب آپ خرید وفروخت کریں تو کہہ دیا کریں: لاخِلابة: پس آپ جو بھی سامان خریدیں گے آپ کو تین دن کا اختیار ہوگا“ یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔ امام بخاری کی التاریخ میں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی سند حسن کے ساتھ قریب اسی طرح مروی ہے —— اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی سے اونٹ خریدا اور چار دن کا خیار لیا تو نبی ﷺ نے بیع کو باطل کردیا اور فرمایا: ”خیار تین دن کا ہوتا ہے“ یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس کا ایک راوی ابان بن ابی عیاش ہے، وہ نیک آدمی تھا، مگر حدیث میں معتبر نہیں —— اور ←

دن ہوسکتا ہے۔ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک کوئی تحدید نہیں، وہ کہتے ہیں کہ خیارِ شرط مشروع ہے اور متعاقدین کے حوالہ ہے، جیسے ادھار بیع مشروع ہے اور اس میں کوئی تحدید نہیں، متعاقدین جو وقت چاہیں ثمن کی ادائیگی کے لئے مقرر کرسکتے ہیں، یہی خیارِ شرط کا معاملہ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ خیارِ شرط اصول کے خلاف مشروع ہے اور ایسی چیزیں کم وقت کے لئے مشروع ہوتی ہیں اور اپنے مَورِد تک محدود ہوتی ہیں جیسے: شاۃ مصرات میں مشتری کے لئے اختیار خلاف اصل ہے اور اس کی مشروعیت صرف تین دن کے لئے ہے، اس سے زیادہ مشتری کو اختیار نہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اسی طرح خیارِ شرط بھی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے ہے اس سے زیادہ کا اختیار نہیں —— غرض خیارِ شرط میں تحدید ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے مگر یہ حق دونوں کا ہے یعنی مشتری بھی خیار شرط لے سکتا ہے اور بائع بھی، اور دونوں بھی لے سکتے ہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

ملحوظہ: امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ تمام اشیاء میں خیارِ شرط کا حکم یکساں نہیں، بلکہ مبیعات (اشیاء) کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہے، جیسے گھر اور زمین میں خیارِ شرط کی مدت چھتیس دن ہے، غلاموں میں پندرہ دن ہے، سامانوں میں پانچ دن ہے اور جانوروں میں دو دن ہے۔ غرض اس سلسلہ میں کوئی طے شدہ ضابطہ نہیں بلکہ مبیعات کے اختلاف سے حکم مختلف ہوگا (تکملہ)

حبان بن مُنقِذ رضی اللہ عنہ کا تعارف: حضرت حبان بن مُنقِذ بن عمروؓ انصاری صحابی تھے، جنگ احد سمیت متعدد غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ رہے، آپ کے دو صاحبزادے یحییٰ اور واسع بھی غزوۂ احد میں شریک ہوئے، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک سو تیس سال کی عمر میں وفات پائی، کسی غزوہ میں دورانِ محاصرہ سر پر پتھر وغیرہ لگنے سے سر زخمی ہوگیا تھا جس کی وجہ سے یادداشت پر فرق پڑا تھا، اور آپ الثغ تھے، لَثِغَ (س) لَثَغًا کے معنی ہیں: ہکلاپن ہونا، اللُّثغة: سین کی جگہ میں ثاء، راء کی جگہ میں غین یا لام وغیرہ بولنا، پس لا خِلابة کی جگہ کبھی زبان سے لا خيابة، کبھی لا خيانة، کبھی لا خذاية نکل جاتا تھا۔

قولہ: لا خِلابَة: (خاء مکسور اور لام مخفف) أی لا خديعة: حافظ رحمہ اللہ نے التلخیص میں فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ جملہ اس لئے تلقین فرمایا تھا کہ دوسرا فریق جس سے معاملہ ہو رہا ہے، سمجھ لے کہ ان کو خرید و فروخت کا سلیقہ اور قیمتوں کا اندازہ نہیں ہے، اور وہ ان کے ساتھ خیرخواہی کا برتاؤ کرے، اور مجمع البحار میں ہے: لا خِلابة —— أی لايلزمني خديعتك أو بشرط أن لايكون فيه خديعة: یعنی یہ بیع دھوکہ نہ ہونے کی شرط پر ہے، اگر اس طرح بیع کی جائے تو دھوکہ خوردہ کو خیارِ مغبون حاصل ہوگا، اور اسے بیع رکھنے یا توڑ دینے کا حق ہوگا۔

← دارقطنی میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: أن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: "الخيار ثلاثة أيام: اس کا ایک راوی احمد بن عبداللہ بن میسرہ ہے، یہ راوی کون ہے؟ اگر یہ حرانی ہے تو متروک ہے (عمدۃ القاری ۱۱: ۲۳۵)

فائدہ: جمہور کے نزدیک لفظ لاخِلابَۃَ سے خیارِ شرط ثابت نہیں ہوگا، اس کے لئے الگ سے تکلم ضروری ہے، اور آنحضور ﷺ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو جو یہ جملہ تلقین فرمایا تھا اس سے مقصود یہ تھا کہ دوسرا فریق آگاہ ہو جائے کہ یہ شخص خرید وفروخت کے طریقوں سے اچھی طرح واقف نہیں ہے، پس وہ ان کے ساتھ خیر خواہی کرے، یعنی یہ جملہ تمہید کلام کے طور پر تھا، اور خیارِ شرط کے لئے الگ سے کلمات ولی الخیار ثلاثة أیام: تلقین فرمائے تھے (مگر علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ حدیث کے ثبوت کا انکار کیا ہے، دیکھئے گذشتہ حاشیہ) اور ایک رائے یہ ہے کہ یہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی رعایت تھی، ان کی حالت کی وجہ سے آنحضور ﷺ نے ان کو یہ خصوصی رعایت دی تھی کہ ان کو اس جملہ سے تین دن کا اختیار ہوتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جو ابن ماجہ میں ہے، اس میں ہے: إذا بَایَعتَ فقل لاخِلابَۃَ ثم أنتَ بالخِیارِ فی کلِّ سِلْعَۃٍ ابْتَعْتَها ثلاثَ لیالٍ: یعنی جب آپ خرید وفروخت کیا کریں تو کہہ دیا کریں: لاخِلابَۃ: پس آپ جو بھی سامان خریدیں گے آپ کو تین دن کا اختیار ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ موطا میں فرماتے ہیں: قال محمد: نری أن هذا کان لذالک الرجل خاصة: ہمارا خیال یہ ہے کہ لاخلابۃ سے تین دن کا اختیار حاصل ہونا حضرت حبانؓ کی خصوصیت تھی، غرض: محض اس جملہ سے خیارِ شرط حاصل نہیں ہوگا، اس کے لئے الگ سے تکلم ضروری ہے۔

۱۳- بَابُ النَّهْیِ عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلاحِهَا بِغَیْرِ شَرْطِ الْقَطْعِ

بدوّ صلاح سے پہلے پھلوں کو توڑنے کی شرط کے بغیر بیچنے کی ممانعت

بَدَا (ن) بُدُوًّا کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، اور صَلاح کے معنی ہیں: کارآمد ہونا، پھلوں کو کارآمد ہونے سے پہلے بیچنے کا کیا حکم ہے؟ جاننا چاہئے کہ کل چھ صورتیں ہیں: بدو صلاح سے قبل بیچنے کی تین صورتیں اور بدو صلاح کے بعد بیچنے کی تین صورتیں، کل چھ صورتیں ہیں، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔

بدو صلاح سے پہلے بیچنے کی تین صورتیں:

تمام فقہاء متفق ہیں کہ پھلوں کو ظہور سے قبل بیچنا جائز نہیں، کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، البتہ پھلوں کے ظہور کے بعد اور بدو صلاح سے پہلے بیچنے کی تین صورتیں ہیں: اول: بشرط القطع: یعنی پھلوں کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری ان کو فوراً توڑ لے گا، درخت پر چھوڑے گا نہیں، یہ بیع چاروں ائمہ کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ بدو صلاح سے قبل بیچنے کی جو ممانعت ہے اس کی علت یہ ہے کہ بیماری اور دیگر عوارضات سے پھلوں کے خراب اور ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، جب پھل توڑ لینے کی شرط پر بیع ہوئی تو معلوم ہوا کہ پھل مقصود نہیں ہیں اور جو مقصود ہے وہ فی الحال موجود ہے، پس یہ بیع جائز ہے۔

ثانی: بشرط الترک: یعنی اس شرط پر بیع ہوئی کہ مشتری پھلوں کو پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھے گا، یہ صورت چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ بشرط الترک بیع میں احد المتعاقدین (مشتری) کا فائدہ ہے اور ہر اس شرط سے جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو: بیع فاسد ہو جاتی ہے ــــ علاوہ ازیں: عقد کے موافق مبیع کی تسلیم مشکل ہے، بیماری وغیرہ عوارضات مانع ہیں، ممکن ہے کہ پھلوں کو کوئی بیماری یا دیگر عوارض لاحق ہو جائیں اور پھل خراب اور ہلاک ہو جائیں، پس عقد کے موافق تسلیم مشکل ہوگی، پس یہ بیع جائز نہیں اور اس پر بھی ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: أَرَأَيْتَ! إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيْهِ (بخاری حدیث ۱۴۸۸) بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک دیں تو تم میں سے ایک اپنے بھائی کا مال کیسے کھائے گا؟ یعنی اگر بدو صلاح سے قبل بیچا اور پھل بیماری وغیرہ سے تلف ہو گئے تو یہ غیر کا مال غلط طریقہ پر کھانا ہوا جو جائز نہیں، اور ظاہر ہے کہ غلط طریقہ پر غیر کا مال کھانا پہلی صورت میں متحقق نہیں، کیونکہ وہاں پھل مقصود نہیں ہیں اور جو مقصود ہے وہ فی الحال موجود ہے اور اس دوسری صورت میں پھل ہی مقصود ہیں، اور ان کے ہلاک وضیاع کا اندیشہ ہے، پس غیر کا مال باطل طریقہ سے کھانا متحقق ہو سکتا ہے، اس لئے چاروں ائمہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔ سوم: مطلق بیع: یعنی نہ توڑ لینے کی شرط ہو اور نہ چھوڑے رکھنے کی، یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ (حضرات مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک اس صورت میں بھی بیع باطل ہے، اور احناف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا استدلال یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں مطلقاً بدو صلاح سے قبل بیع کی ممانعت ہے، پس یہ صورت بھی ممانعت کے عموم میں داخل ہے، اور پہلی صورت میں چونکہ پھل مقصود نہیں ہیں پس وہ مستثنیٰ ہے۔

اور احناف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، اس لئے کہ جب مطلقاً بیع ہوئی تو مشتری پر فوراً پھل توڑنے ضروری ہونگے اور بائع اس کو پھل توڑنے کا حکم دے گا، پس یہ صورت پہلی صورت میں داخل ہے، یعنی گویا یہ بشرط القطع بیع ہے، اور اگر بائع نظر انداز کرے اور پھل توڑنے کا حکم نہ دے اور مشتری درخت پر پھل چھوڑے رکھے تو بھی بیع جائز ہے، اس لئے کہ ترک کی شرط نہیں ہے، چنانچہ بائع ہر وقت پھل توڑنے کا حکم دے سکتا ہے اور مشتری پر فوراً پھل توڑنے ضروری ہونگے، البتہ اگر کسی جگہ کا یہ عرف ہو کہ بائع پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیتا ہو تو پھر یہ مطلق بیع بھی فاسد ہوگی، اس لئے کہ اب **المعروف كالمشروط** (معروف مانند مشروط کے ہے) کے قاعدہ سے گویا یہ بیع بشرط الترک ہے جو بالاجماع جائز نہیں۔

بہ الفاظ دیگر:

اگر کوئی بدو صلاح سے قبل بیع کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بیع مطلقاً صحیح نہیں، باطل ہے، ان کے یہاں بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار بدو صلاح اور عدم بدو پر ہے، جب تک پھل اور غلہ کار آمد نہ ہو بیع جائز نہیں اور احناف کے نزدیک بیع

کی صحت وعدم صحت کا مدار مال ہونے نہ ہونے پر ہے، پس بدوصلاح سے پہلے بھی بیع ہوسکتی ہے۔

اس کی تفصیل ہدایہ آخرین میں یہ ہے کہ اگر پھل مال بن گیا ہے —— مال وہ ہے جس کی طرف طبیعتیں مائل ہوں: المالُ ما یمیلُ إلیه النفس —— تو بیع درست ہے اور اگر ابھی مال نہیں بنا آم لگ گئے ہیں، مگر وہ چوہے کی مینگنی کے بقدر ہیں تو اس مرحلہ میں بیع درست نہیں، جیسے بَہار بیچنا جائز نہیں، اسی طرح اگر پھل مال نہیں بنا تو بھی بیع صحیح نہیں، اور یہ صرف پھل ہی کا مسئلہ نہیں، کھیت میں گیہوں بوئے، وہ گیہوں اُگ آئے، لیکن ابھی چھوٹے ہیں، درانتی سے کاٹیں تو ہاتھ میں کچھ نہیں آئے گا، جانور چریں تو ان کے ہونٹوں میں گھاس نہیں آئے گی، یہ ابھی مال نہیں بنا، اور اگر گھاس اتنی بڑی ہوگئی کہ اسے کاٹ کر جانور کو کھلا سکتے ہیں یا جانور کو اس میں چھوڑیں تو وہ چر سکتے ہیں، پس جب کھیتی ایسی ہوجائے تو مال بن گئی، گیہوں کے پودے مال بن گئے، اب بیچ سکتے ہیں اور جب تک مال نہ بنے اس وقت تک بیع باطل ہے، ایسے ہی پھلوں میں بھی جب مال بن جائیں کارآمد ہوجائیں اور بکنے لگیں، لوگ استعمال کرنے لگیں تو اب ان کی بیع درست ہے، اور اس سے پہلے جب تک مال نہ بنیں بیع درست نہیں۔

پھر اس بیع کی تین صورتیں ہیں: (۱) بیع بشرط القطع یعنی عقد کے وقت بائع نے یہ شرط لگائی کہ پھل یا کھیتی جس حال میں ہے مشتری اسی حال میں ان کو توڑ لیگا یا کھیت کاٹ لیگا، یہ صورت جائز ہے (۲) بیع بشرط الترک یعنی مشتری نے یہ شرط لگائی کہ وہ پھل یا کھیتی پکنے کے بعد کاٹے گا یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے اور ایسی شرط مفسد عقد ہے۔ (۳) مطلق بیع یعنی عقد کے وقت نہ بائع نے قطع کی شرط لگائی اور نہ مشتری نے ترک کی، پھر بائع نے ازخود پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیا تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ ترک معروف ہو یعنی وہاں کا عرف یہ ہو کہ بائع پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیتا ہو تو یہ مطلق بیع بھی فاسد ہے اس لئے کہ معروف مانند مشروط کے ہے اور ترک کی قید کے ساتھ بیع فاسد ہے، پس یہ مطلق بیع بھی فاسد ہے۔

بدوصلاح کے بعد بیچنے کی تین صورتیں:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح کے بعد مطلقاً بیع جائز ہے، بشرط القطع بھی، بشرط الترک بھی اور مطلقاً بھی، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بدوصلاح غایت ہے، اس سے پہلے بیع مطلقاً ناجائز اور اس کے بعد مطلقاً جائز ہے، اور احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں، اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بدوصلاح سے قبل اور بدوصلاح کے بعد ایک ہی حکم ہے، یعنی بشرط القطع اور علی الاطلاق بیع جائز ہے اور بصورت اطلاق بائع کے مطالبہ پر مشتری پر پھل توڑ لینے ضروری ہیں، اور بشرط الترک بیع فاسد ہے، کیونکہ اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے۔

فائدہ (۱): احناف کے نزدیک ہر اس شرط سے جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو، درانحالیکہ مبیع اہل

استحقاق میں سے ہو: یعنی انسان ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ شرط کی وجہ سے نزاع ہوگا، اور اگر مبیع اہل استحقاق میں سے نہ ہو تو بیع صحیح ہے، مثلاً گھوڑا بیچا اور شرط لگائی کہ مشتری روزانہ اس کو ایک کلو چنا کھلائے گا تو اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ اس میں اگرچہ مبیع یعنی گھوڑے کا فائدہ ہے مگر گھوڑا اہل استحقاق میں سے نہیں ہے، اس کو چنا نہیں کھلایا جائے گا تو وہ کوئی جھگڑا نہیں کرے گا، لیکن اگر غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ اس کو روزانہ پلاؤ زردہ کھلائے گا تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہے اس کو اگر روزانہ پلاؤ زردہ نہیں کھلایا جائے گا تو وہ لڑے گا، یا گھوڑا بیچا اور بائع نے سواری کی شرط لگائی یا کپڑا خریدا اور مشتری نے سی کر دینے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہے کیونکہ اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے، اسی طرح پھلوں کی بشرط الترک بیع فاسد ہے، کیونکہ اس میں مشتری کا فائدہ ہے۔

فائدہ (۲): اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں: ایک: وہ اشتراط ہے جو مقصود ہوتا ہے، دوم: وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے، اشتراط مقصود میں شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہوتی ہے اگر شرط قبول کی جائے گی تو بیع ہوگی ورنہ نہیں، ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہوتی ہے، مثلاً مکان کا سودا کیا، بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی تو یہ شرط ناجائز ہے۔

اور اشتراط غیر مقصود وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے، اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا، بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے گی تو بیع خوش دلی سے ہوگی اور شرط منظور نہیں کی جائے گی تو بھی بیع ہوگی، مگر خوش دلی سے نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے میرے کتب خانہ سے کتابیں خریدیں اور شرط لگائی کہ کتابیں ٹرانسپورٹ سے روانہ کر کے بلٹی بنا کر دیں، ہم نے معذرت کر دی کہ ہمارے پاس کوئی ملازم نہیں پس بیع ہوگی اور وہ کتابوں کی روانگی کا کوئی اور انتظام کرے گا، یہ شرط وعدہ کے قبیل سے ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ صلب عقد میں داخل نہیں ہوتی، اور معاوضات (لین دین) میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ دیانۃً واجب ہوتے ہیں دیانۃً ان کا پورا کرنا ضروری ہے، قضاءً پورا کرنا ضروری نہیں۔

فائدہ (۳): آنحضور ﷺ نے جو بدو صلاح سے قبل بیچنے کی ممانعت فرمائی ہے وہ نہی تشریعی ہے یا ارشادی؟ یعنی یہ شرعی مسئلہ ہے یا لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتلائی گئی ہے؟ ائمہ ثلاثہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ نہی تشریعی ہے، بدو صلاح سے پہلے اگر کھجوروں کی، آم کی یا کسی اور پھل کی بیع کی جائے گی تو وہ بیع باطل ہوگی اور حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ نہی تشریعی نہیں ہے بلکہ یہ نہی ارشادی ہے، لوگوں کو بھلائی کی ایک بات بتائی گئی ہے، کیونکہ بدو صلاح سے پہلے بیچیں گے تو بائع کا نقصان ہو سکتا ہے اور مشتری کا بھی اور بدو صلاح کے بعد بیچیں گے تو کسی کا نقصان نہیں ہوگا۔ غرض: ہر فریق کا نقطۂ نظر الگ ہے، اور یہی اختلاف کی بنیاد ہے۔

[۴۹-] حَدَّثَنَا يَحْيىَ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهٰى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ.
حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِيْ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے، بائع اور مشتری کو منع فرمایا۔

سند: یہ حدیث حضرت نافعؒ سے امام مالکؒ کے علاوہ عبیداللہ بھی روایت کرتے ہیں، اور دونوں کی روایت ہم مثل ہیں، مگر عبیداللہ کی روایت نازل ہے اس میں ایک واسطہ زائد ہے۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے جو بدوصلاح سے پہلے پھل بیچنے کی ممانعت فرمائی ہے، یہ نہی ارشادی ہے یا تشریعی؟ ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ نہی تشریعی ہے، یعنی یہی مسئلہ ہے اور بیع کے جواز وعدم جواز کا اسی پر مدار ہے، اور احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ نہی ارشادی ہے، یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے، اگر نہی تشریعی ہوتی تو عام ہوتی، سب مسلمانوں کے لئے ہوتی، بائع اور مشتری کی تخصیص نہ کی جاتی، معلوم ہوا کہ یہ نہی تشریعی نہیں، بلکہ ارشادی ہے، یعنی بائع اور مشتری کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے کہ اگر غلہ اور پھل بیچنے ہی ہوں تو بدوصلاح کے بعد بیچو، اس میں دونوں کا فائدہ ہے، اگر باغ بدوصلاح سے پہلے بیچا گیا اور باغ شاندار پھلا تو بائع کو افسوس ہوگا کہ اس کا باغ سستا بک گیا، اور اگر پھل کم آئے یا پھلوں کو بیماری لگ گئی تو مشتری کو افسوس ہوگا، اس لئے پھل اور غلہ بدوصلاح کے بعد بیچنے چاہئیں تاکہ بائع کو پوری قیمت ملے اور مشتری کا بھی نقصان نہ ہو۔

اور دوسری دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری (حدیث ۲۱۹۳) میں ہے، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو مشتری کہتا: پھلوں کو فلاں فلاں بیماری لگ گئی اور میرا نقصان ہوگیا اور بائع مشتری آپس میں جھگڑا کرتے، جب حضور اقدس ﷺ کے پاس اس قسم کے بہت جھگڑے آئے تو آپؐ نے فرمایا: اگر بیع کرنی ہی ہے تو بدوّ صلاح کے بعد کرو، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: كَالْمَشُوْرَةِ يُشِيْرُ بِهَا لكثرةِ خُصومهم! یہ بات آپؐ نے بطور مشورہ فرمائی تھی ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے، اس حدیث سے بھی صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نہی ارشادی ہے، لوگوں کو ان کی بھلائی کی ایک بات بتائی گئی ہے، اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے۔

غرض: ان دونوں روایتوں کی وجہ سے احناف کہتے ہیں کہ یہ نہی ارشادی ہے، اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ نہی

تشریعی ہے، اور اسی پر بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار ہے، اور بدوصلاح سے پہلے بیع باطل ہے، بدوصلاح کے بعد ہی بیع جائز ہے۔

[۵۰-] وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ، نَهٰى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درخت کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ کھجوریں سرخ یا پیلی پڑجائیں یعنی بدوصلاح ہوجائے۔ اور بالیوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ بالیاں سفید ہوجائیں اور بیماری سے محفوظ ہوجائیں، بائع کو اور مشتری کو منع فرمایا (یعنی دونوں کو ان کے لئے مفید بات بتلائی)

تشریح:

۱- زَهَا يَزْهُو زَهْوًا کے لفظی معنی ہیں: حُسن المنظر ہونا، جب کھجوریں پکنے کے قریب آتی ہیں تو بڑا خوشنما منظر ہوتا ہے، اور مراد ہے: کھجوریں پیلی یا سرخ پڑجائیں، کھجوریں شروع میں ہری ہوتی ہیں اور پکنے کے قریب بعض سرخ ہوجاتی ہیں اور بعض پیلی پڑجاتی ہیں، پھر پک جاتی ہیں، اور کھجور کے درخت سے مراد اس کے پھل ہیں، خود درخت بیچنا مراد نہیں ـــــ اور گیہوں کی بالیاں بھی شروع میں ہری ہوتی ہیں، پھر پیلی پڑجاتی ہیں، پھر جب پکنے کا وقت قریب آتا ہے تو سفید ہوجاتی ہیں۔

۲- اوپر بتایا کہ احناف کے نزدیک بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ پھل اور کھیتی مال بنی ہے یا نہیں؟ اگر گیہوں اتنے چھوٹے ہیں کہ درانتی سے کاٹیں تو ہاتھ میں کچھ نہیں آتا، جانور چریں تو وہ ان کے ہونٹوں کی پکڑ میں نہیں آتے تو یہ مال نہیں، پس اس کی بیع جائز نہیں، اور اگر گیہوں کو درانتی سے کاٹنا ممکن ہے اور جانور اسے چر سکتے ہیں تو وہ مال بن گئے، اب اس کو بشرط القطع بیچنا جائز ہے، اور بشرط الترک بیع فاسد ہے، اور مطلق میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مالک پھل اور کھیتی کو پکنے تک باقی رہنے دے اور ترک معروف نہ ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں، ایسے ہی پھلوں میں بھی جب مال بن جائیں، کارآمد ہوجائیں اور پکنے لگیں، لوگ استعمال کرنے لگیں تو اب ان کی بیع درست ہے اور اس سے پہلے جب تک مال نہ بنیں بیع درست نہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار بدوصلاح اور عدم بدوّ پر ہے، یعنی جب پھل اور غلہ کارآمد ہوجائے تب بیع جائز ہے، بشرط القطع بھی، بشرط الترک بھی اور مطلقاً بھی، اور جب تک پھل اور غلہ کارآمد نہ ہو بیع جائز نہیں۔

بدوّ صلاح کی تعریف:

احناف کے نزدیک بدو صلاح کی تعریف ہے: الأمنُ مِن العَاهَات والآفات، لا الحادثات: غلہ اور پھل کا بیماریوں اور آفتوں سے محفوظ ہوجانا، نہ کہ حادثوں سے محفوظ ہونا، پھلوں اور غلوں میں ایک وقت تک بیماریاں اور آفتیں آتی ہیں، جب وہ مرحلہ گذر جاتا ہے تو پھل اور غلہ محفوظ ہوجاتے ہیں، اب ان پر کوئی بیماری اور آفت نہیں آتی، البتہ کوئی حادثہ آسکتا ہے، جیسے اولے گرے جس سے پھل جڑ گئے، یہ بات بدو صلاح میں شامل نہیں، حنفیہ نے یہ جو تفسیر کی ہے، یہ مذکورہ حدیث شریف میں آئی ہے اور مذکورہ الفاظ کے بعد آئی ہے، پس معلوم ہوا کہ يَزْهو اور يَبْيَضّ سے مراد آفات سے محفوظ ہوجانا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ نے بدو صلاح کی تفسیر وہی کی ہے جو حدیثوں میں آئی ہے، جیسے کھجور کے بارے میں حتی يَزْهُوَ آیا ہے، پس جب کھجور سرخ یا پیلی پڑے گی: بدوّ صلاح ہوگا، گیہوں کے بارے میں حَتّٰى يَبْيَضّ آیا ہے، لہٰذا بالیوں کا بدو صلاح ان کا سفید ہوجانا ہے اور انگور کے بارے میں حَتّٰى يَسْوَدّ آیا ہے، پس انگور کا کالا پڑجانا اس کا بدو صلاح ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے (جو اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں) موطا میں بدو صلاح کو احمرار اور اصفرار سے تعبیر کیا ہے ـــــ بعض پھل کا رنگ تبدیل نہیں ہوتا، شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ رہتا ہے، اس کا بدو صلاح یہ ہے کہ وہ میٹھا ہوجائے یا اس میں گٹھلی پڑجائے، بعض پھل کا بدو صلاح اس میں پانی پیدا ہونے سے یا اس کے نرم پڑجانے سے ہوگا، بعض کا بدو صلاح یہ ہے کہ وہ بڑھنا بند ہوجائے۔ غرض: حاصل سب کا یہی ہے کہ پھل اس درجہ میں پہنچ جائے کہ آفت و بیماری سے محفوظ ہوجائے تو اس کا بدو صلاح ہوگیا۔

[۵۱-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاَ تَبْتَاعُوْا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهُ وَتَذْهَبَ عَنْهُ الآفَةُ" قَالَ: يَبْدُوَ صَلاَحُهُ، حُمْرَتُهُ وَصُفْرَتُهُ.

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ يَحْيىٰ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهُ، لَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ.

حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ عَبْدِ الْوَهَّابِ.

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنِي مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ مَالِكٍ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ.

سند کی وضاحت: یہ حدیث حضرت نافعؒ سے متعدد تلامذہ: امام مالکؒ، عبید اللہؒ، ایوب سختیانی، یحییٰ بن سعیدؒ، ضحاکؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ روایت کرتے ہیں، ان میں اکثر تلامذہ ویأمن العاھة (یا اس کے ہم معنی جملہ) روایت نہیں کرتے صرف ایوب سختیانی یہ جملہ روایت کرتے ہیں اور یحییٰ بن سعید کے بعض تلامذہ (جریر) اسے روایت کرتے ہیں ـــــ عبداللہ بن دینار نے بھی یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، وہ بھی یہ جملہ روایت کرتے ہیں (بخاری حدیث ۱۴۸۶) پس یہ اضافہ غیر محفوظ نہیں۔

قولہ: یَبْدُو صَلاحُہ: حُمرتُہ و صُفرتُہ: کھجوریں شروع میں ہری ہوتی ہیں اور پکنے کے قریب بعض سرخ ہوجاتی ہیں اور بعض پیلی پڑ جاتی ہیں، پھر پک جاتی ہیں، اب وہ بیماریوں سے محفوظ ہوجاتی ہیں، جیسے آم کے درخت پر جب پھل آتا ہے تو ایک وقت تک گٹھلی نہیں بنتی، اس وقت تک کوئی بھی بیماری اور آفت آسکتی ہے، اور جب گٹھلی بن گئی تو اب کوئی بیماری نہیں آتی، آم میں گٹھلی بن جانا، کھجور کا سرخ ہوجانا، کھجور کا زرد پڑ جانا، بدو صلاح ہے۔

[۵۲-]حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ يَحيىٰ وَيَحْيىَ بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالَ يَحْيىَ بْنُ يَحْيىٰ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرُوْنَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ؛ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " لاتَبِيعُوْا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاحُهُ"
وحَدَّثَنِيه زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كِلاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ: فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ: مَا صَلاحُهُ؟ قَالَ: تَذْهَبُ عَاهَتُهُ.

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث اسماعیل بن جعفرؒ اور شعبہؒ نے بواسطہ عبداللہ بن دینار روایت کی ہے، اور شعبہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا: کھجور کا بدوّ صلاح کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اس کا بیماریوں سے محفوظ ہوجانا (بدو صلاح ہے)

لغات: العَاهَة: آفت، بیماری، عَاهَ يَعِيهُ عَيْهًا: آفت پہنچنا ـــــ بَدَا (ن) بَدْوًّا وَبَدَاءً: ظاہر ہونا ـــــ الثَّمَر: ثِمار کی جمع، کوئی بھی پھل، مگر عربی میں ثَمَر سے کھجور مراد لیتے ہیں۔

[۵۳-] حَدَّثَنَا يَحْيىَ بْنُ يَحْيىَ، أَخْبَرَنَا أَبُوْ خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ (ح) وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهٰى أَوْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَطِيْبَ.

وضاحت: یہ حدیث ابو خیثمہ اور زُہیر دونوں ابو الزبیر سے روایت کرتے ہیں، مگر ابو خیثمہ نے بصیغۂ عن

روایت کیا ہے اور زہیر نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ خوش ذائقہ ہو جائیں ــــ حَتّٰى يَطِيْبَ: بدو صلاح سے کنایہ ہے۔

[۵۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، (ح) وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهُ.

وضاحت: یہ حدیث ابو عاصم اور رَوح دونوں زکریا سے روایت کرتے ہیں، اور انھوں نے عمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور گذشتہ حدیث ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے۔

[۵۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ؟ فَقَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَأْكُلَ مِنْهُ أَوْ يُؤْكَلَ، وَحَتّٰى يُوْزَنَ، قَالَ فَقُلْتُ: مَا يُوْزَنُ؟ فَقَالَ رَجُلٌ عِنْدَهُ: حَتّٰى يُحْزَرَ.

ترجمہ: ابو البختری کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کھجور کے درختوں (پھل) کی بیع کے بارے میں پوچھا: پس انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے کھجور کے درخت (پھل) بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس میں سے کھایا جائے ـــ یا فرمایا ـــ وہ کھانے کے قابل ہو جائے، اور یہاں تک کہ وہ وزن کئے جائیں، ابو البختری نے پوچھا: وزن کرنے کا کیا مطلب ہے؟ پس ابن عباسؓ کے پاس موجود ایک شخص نے کہا: یہاں تک کہ اندازہ کر لیا جائے۔

وضاحت: حَزَرَ (ن،ض) حَزْرًا وَمَحْزَرَةَ الشيئَ کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، تخمینہ کرنا.......... ابو البختری کو اشکال ہوا کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کیسے وزن کئے جاسکتے ہیں؟ تو مجلس میں موجود کسی شخص نے جواب دیا کہ اس سے پھلوں کا اندازہ کرنا مراد ہے، غرض یہ بدوّ صلاح سے کنایہ ہے۔

راوی کا تعارف: ابو البختری کا نام سعید ہے اور باپ کا نام عمران، یا ابو عمران یا فیروز ہے، حاکم ابو احمد نے اپنی کتاب الأسماء والکنی میں ان کی تضعیف کی ہے، مگر یہ صحیح نہیں، چنانچہ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں ہیں اور عام طور پر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، اور ہلال بن خباب نے ان کو کوفہ کے اکابرین میں شمار کیا ہے۔ اور عجلی کہتے ہیں: ابو البختری تابعی اور ثقہ راوی ہیں، مگر ان میں شیعیت کا اثر تھا، ۸۳ ہجری میں انتقال ہوا (دیکھئے: تہذیب التہذیب ۴: ۷۳)

فائدہ: پہلے شیعہ ہونا کچھ زیادہ برا نہیں تھا، رافضی ہونا برا تھا، شیعہ تو ہر اس شخص کو کہہ دیتے تھے جو آلِ رسول سے محبت کرتا تھا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ پر بھی یہ الزام لگا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مشہور شعر ہے:

إن كَانَ الرَّفْضُ حُبَّ آلِ مُحَمَّدٍ ❁ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلانِ أَنِّيْ رَافِضُ

(اگر آلِ رسول سے محبت کرنا رفض ہے÷ تو جن وانس گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں)

اور رافضی اس شخص کو کہتے ہیں جو چند صحابہ کے علاوہ سب سے بغض رکھتا ہو، یہ گمراہی ہے (تحفۃ الالمعی ۱:۲۷۵)

[۵٦-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ نُعْمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَ تَبْتَاعُوْا الثِّمَارَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهَا"

قولہ: لا تَبْتَاعُوا: فعل نہی جمع مذکر حاضر، ابتاع الشیئ: خریدنا۔

[۵۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ ابْنُ حَرْبٍ، وَاللَّفْظُ لَهُمَا، قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهُ، وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ.

قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَحَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِيْ رِوَايَتِهِ: أَنْ تُبَاعَ.

خشک چھوہارے اور تازہ کھجور کی باہم بیع کا حکم

قولہ: عن بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ: ثمر سے مراد رُطب (پختہ، تازہ کھجور) ہے اور تمر کے معنی ہیں: خرما، چھوہارے، نبی ﷺ نے تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے بدل بیچنے سے منع فرمایا —— خشک چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کی بیع کی دو صورتیں ہیں: ایک: درخت پر موجود کھجوروں کو چھوہاروں کے بدل بیچنا، یعنی درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس پھلوں کے عوض بیچنا، یہ مزابنہ ہے، جو بالاجماع حرام ہے، اس لئے کہ پھل ربوی (سودی) چیز ہے، اس کی ہم جنس سے بیع میں مساوات ضروری ہے، کمی بیشی حرام ہے، درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا صحیح اندازہ ممکن نہیں، پس کمی بیشی کے احتمال کی وجہ سے یہ بیع ممنوع ہے۔ دوم: کٹی ہوئی تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض بیچنا، یعنی خشک چھوہارے اور تازہ کھجور کی باہم بیع کرنا، اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ فی الحال اگرچہ مساوات ہے، مگر فی المآل وہ مساوات باقی نہیں رہے گی، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے ان کے نزدیک فی الحال

برابری کافی ہے، فی المآل برابری ضروری نہیں۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ربوی چیزوں میں مساوات صرف فی الحال ضروری ہے یا فی المآل بھی؟ جمہور کے نزدیک فی الحال بھی ضروری ہے اور فی المآل بھی، پس چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کو باہم بیچنے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ اگر فی الحال مساوات ہوگی بھی تو فی المآل باقی نہیں رہے گی، تازہ کھجوریں: چھوہارے بننے کے بعد ناپ تول میں کم ہوجائیں گی اور اگر ''سوکھ'' کا اندازہ کر کے کم وبیش بیچیں گے تو فی الحال مساوات نہیں رہے گی، حالانکہ فی الحال بھی مساوات ضروری ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف فی الحال برابری ضروری ہے، فی المآل مساوات ضروری نہیں، لہٰذا چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کی باہم بیع جائز ہے، بشرطے کہ بوقت عقد مساوات ہو، دونوں ہم وزن یا ہم کیل ہوں، خواہ بعد میں مساوات باقی رہے یا نہ رہے۔ کیونکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ ربوی چیزیں اگر ہم جنس بیچی جائیں تو بوقت بیع مساوات ضروری ہے بعد میں برابری باقی رہنا ضروری نہیں۔ چنانچہ نئے چھوہارے قدیم چھوہاروں کے عوض ہم کیل بیچنے جائز ہیں، حالانکہ وہ نئے چھوہارے پرانے ہوکر گھٹ جائیں گے۔

دلائل:

جمہور کا استدلال مذکورہ حدیث کے عموم سے ہے اور وہ روایت بھی ان کا مستدل ہے جو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے: عبداللہ بن یزید کہتے ہیں: زید ابوعیاش نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے گندم کو سُلت یعنی بغیر چھلکوں کے جو کے عوض خریدنے کے بارے میں پوچھا، آپؓ نے دریافت کیا: ان دونوں میں افضل (عمدہ) کون ہے؟ زید ابوعیاش نے کہا: گندم! پس حضرت سعدؓ نے اس بیع سے منع فرمایا (یہاں تک حضرت سعد کا فتوی ہے) اور حضرت سعدؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا: آپؐ سے چھوہاروں کو تر کھجور کے عوض (جو درخت پر ہوں) خریدنے کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے ان صحابہ سے جو آپؐ کے پاس موجود تھے پوچھا: کیا تر کھجور کا وزن سوکھنے کے بعد کم ہوجائے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! پس آپؐ نے اس بیع سے منع فرمایا (ترمذی حدیث ۱۲۱۰) اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ ربوی چیزوں میں مساوات فی الحال بھی ضروری ہے اور فی المآل بھی، پس چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کو باہم بیچنے کی کوئی صورت نہیں۔

جمہور کے دلائل پر نظر:

زید ابوعیاش کی مذکورہ حدیث سخت مضطرب ہے۔ ابن الترکمانی الجوہر النقی میں فرماتے ہیں: إنه مُضطرب سنداً ومتناً اضطراباً شديداً (تفصیل اعلاء السنن ۱۴: ۳۲۱-۳۲۵ میں ہے) ثانیا: زید ابوعیاش مجہول راوی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو مجہول قرار دیا ہے، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ

اللہ نے بغداد میں ایک مناظرہ (۱) کے دوران اس حدیث کا یہ جواب دیا تھا کہ اس حدیث کا مدار زید ابوعیاش پر ہے، اور اس کی روایت قبول کرنے کے لائق نہیں، وہ مجہول راوی ہے ـــــ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بہت سے حضرات نے تعاقب کیا ہے، چنانچہ خطابی اور منذری وغیرہ فرماتے ہیں کہ: زید ابوعیاش کو مجہول کہنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سے دو ثقہ راوی عبداللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں مسلم شریف کے راوی ہیں (اعلاء السنن ۱۴: ۳۲۰) دو ثقہ راوی جس سے روایت کریں وہ مجہول العین نہیں ہوسکتا، اور وہ مجہول الحال بھی نہیں، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے تمام تر احتیاط کے باوجود موطا میں ان کی روایت کی تخریج کی ہے، اور ابن خزیمہ اور ابن الجوزیؒ نے ان کی توفیق کی ہے، اور امام ترمذیؒ نے ان کی حدیث حسنٌ صحیحٌ (اعلیٰ درجہ کی صحیح) قرار دیا ہے۔ (۲)

زید ابوعیاش کی حدیث کا محمل:

غرض: زید ابوعیاش مجہول راوی ہے اور حدیث میں اضطراب بھی ہے، لیکن اس سب کے باوجود اگر حدیث کو صحیح بھی

---

(۱) امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول پر کہ چھوہارے ترکھجور کے عوض بیچے خریدے جاسکتے ہیں، اہل بغداد بہت ناراض تھے، ان کے خیال میں امام صاحب کا یہ قول حدیث کے معارض تھا، جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو اہل بغداد نے آپ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی، آپ نے فرمایا: رُطب (ترکھجور) دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ تمر ہے یا تمر نہیں، اگر تمر ہے تو عقد جائز ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے کھجور کو کھجور کے عوض بیچنے کی اجازت دی ہے اور اگر رُطب (ترکھجور) تمر نہیں ہے تو بھی بیع جائز ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: إذا اختلَفَ النَّوعان فَبِيعُوْا كيف شِئْتُمْ: جب جنس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو، علامہ ابن الہمامؒ نے یہ واقعہ فتح القدیر میں باب الربا میں بیان کیا ہے۔

(۲) جاننا چاہئے کہ زید ابوعیاش کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے مجہول قرار دیا ہے، چنانچہ ابن حزم محلّی میں فرماتے ہیں: ''وہ مجہول آدمی ہے، معلوم نہیں کون ہے'' (۸: ۴۶۶) اور حاکم مستدرک میں فرماتے ہیں: شیخین نے اسی جہالت کے خوف سے صحیحین میں ان کی حدیث کی تخریج نہیں کی (۲: ۳۹) اور حافظ التلخیص میں فرماتے ہیں: بہت سے محدثین نے ان کی روایت کو معلول گردانا ہے، جیسے امام طحاوی، طبری، ابومحمد بن حزم اور عبدالحق وغیرہ حضرات ان کی روایت کو معلول گردانتے ہیں، کیونکہ وہ مجہول آدمی ہے، اور عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں: کون کہتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس حدیث سے واقف نہیں تھے، انھوں نے (دورانِ مناظرہ فرمایا کہ اس حدیث کا مدار زید ابوعیاش پر ہے اور زید کی روایت معتبر نہیں، یہ دلیل ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس روایت سے واقف تھے، اور جن حضرات نے زید ابوعیاش کی توثیق کی ہے ان کا قول امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں (اعلاء السنن) اور شیخ سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کی توثیق ضمناً ہے، اس معنی کر ہے کہ انھوں نے موطا میں اس کی حدیث کی تخریج کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جرح صریح ہے اور صریح جرح کے مقابلہ میں ضمنی توثیق معتبر نہیں (بذل المجہود ۱۵: ۱۹، بحوالہ تکملہ فتح الملہم)

مان لیں تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ربا النسیئۃ پر محمول ہے یعنی تر کھجور اور خشک چھوہاروں کی باہم ادھار بیع ممنوع ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جو ابوداؤد میں یحییٰ بن ابی کثیر کے طریق سے مروی ہے اس میں نسیئۃ کا اضافہ ہے، یحییٰ بن ابی کثیر: عبداللہ بن یزید سے، وہ زید ابوعیاش سے، وہ حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نھٰی رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بیع الرُّطب بالتَّمر نسیئۃً اس میں صاف صراحت ہے کہ تازہ کھجور چھوہاروں کے بدل ادھار بیچنا خریدنا ممنوع ہے، نقد معاملہ کرنے کا حدیث میں تذکرہ نہیں۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی حدیث پر نقد اور جواب:

علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر اس اضافہ کے ساتھ متفرد ہیں، جبکہ امام مالک، اسماعیل بن امیہ، ضحاک بن عثمان اور اسامہ بن زید بھی عبداللہ بن یزید سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں وہ سب یہ اضافہ روایت نہیں کرتے، تنہا یحییٰ بن ابی کثیر یہ اضافہ روایت کرتے ہیں۔

جواب: علامہ بیہقی رحمہ اللہ کے اس اعتراض کے دو جواب ہیں: (۱) یحییٰ ابن ابی کثیر ثقہ راوی ہیں، وہ اپنے زمانہ میں حدیث میں سب سے زیادہ باوثوق سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ شُعبہ اور امام احمد ان کو ابن شہاب زہریؒ پر بھی فوقیت دیتے تھے، اور اصولِ حدیث کا یہ متفق علیہ قاعدہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے (۲) امام مالکؒ وغیرہ یحییٰ کی مخالفت نہیں کرتے، بس وہ حضرات یہ اضافہ روایت نہیں کرتے، ان کی روایت اس سلسلہ میں خاموش ہے، پس یحییٰ کی روایت نہ لینے کی کوئی وجہ نہیں، علاوہ ازیں یحییٰ بن ابی کثیر متفرد بھی نہیں، ان کے متابع موجود ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے تکملہ فتح الملہم ۱:۴۰۴)

سوال: جب اس حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ تر کھجور چھوہاروں کے عوض ادھار بیچنا ممنوع ہے، مساوات مراد نہیں، تو پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے یہ سوال کیوں کیا کہ: ’’کیا تر کھجوروں کا وزن سوکھنے کے بعد کم ہو جاتا ہے؟‘‘ تر کھجور کی چھوہاروں کے بدل ادھار بیع تو مطلقاً ممنوع ہے چاہے وہ بیع برابری کے ساتھ ہو یا کمی بیشی کے ساتھ؟

جواب: علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے العرف الشذی میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی ﷺ نے جو کھجور کے سوکھنے کے بعد اس کا وزن کم ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس پر حکم کا مدار ہے، بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ تر کھجور چھوہاروں کے عوض ادھار بیچنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ رُطب سوکھنے کے بعد کم ہو جائیں گے (تکملہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا محمل:

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جو باب میں ہے وہ بیع مزابنہ پر محمول ہے، یعنی اس میں درخت پر موجود

پھلوں کی چھوہاروں کے بدل بیع کی ممانعت کا تذکرہ ہے، اور قرینہ یہ ہے کہ اسی حدیث میں بیع عریّہ کا استثناء بھی مروی ہے (وہ حدیث آئندہ باب میں ہے) اور ظاہر ہے کہ عریّہ کا استثناء بیع مزابنہ میں ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں جگہ جگہ اس حدیث کی تخریج کی ہے اور جو ابواب قائم فرمائے ہیں ان میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حدیث بیع مزابنہ پر محمول ہے، اور بخاری شریف کی کتاب المساقات کے آخری باب میں حضرت رافع اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن المزابنة: بيع الثَّمَر بالتَّمْر إلا اصحاب العَرَايا فإنه أذِنَ لهم: اس میں صاف ہے کہ جو تر کھجور اور چھوہاروں کی باہم بیع کی ممانعت ہے اس کا محمل بیع مزابنہ ہے، غرض: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بیع مزابنہ پر محمول ہے، یعنی اس میں ثَمر سے وہ رطب مراد ہے جو ابھی درخت پر ہیں، کیونکہ اگر ٹوٹی ہوئی کھجوریں مراد لیں گے تو رطب کی رطب کے ساتھ بیع بھی ناجائز ٹھہرے گی، اس صورت میں بھی خشک ہونے کے بعد مساوات باقی رہنی ضروری نہیں، جبکہ اس بیع کو عام طور پر فقہاء جائز کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو تر کھجور اور خشک کھجور کی باہم بیع کو جائز کہتے ہیں ان کا مستدل واضح ہے کہ رطب بھی کھجور ہے اور چھوہارے بھی کھجور ہے، اور ایک جنس کو باہم جنس کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ بیع نقد اور برابر سرابر ہو، کیونکہ کھجور ربوی چیز ہے، چنانچہ دورانِ مناظرہ آپ نے یہی استدلال کیا تھا کہ رطب کو چاہے کھجور فرض کریں یا نہ، دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی (دیکھئے: گذشتہ حاشیہ)

اور بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک عامل خیبر سے کھجوریں لے کر آیا وہ سب جَنیب تھیں ـــــ اعلاء السنن میں ہے کہ جنیب سے تازہ کھجور مراد ہیں ـــــ آپؐ نے پوچھا: "کیا خیبر میں سب کھجوریں ایسی عمدہ ہوتی ہیں؟" عامل نے کہا: نہیں، ہر طرح کی کھجوریں ہوتی ہیں مگر ہم معمولی کھجوروں کے دو صاع دے کر عمدہ کھجوروں کا ایک صاع لے لیتے ہیں یا تین صاع دے کر دو صاع لے لیتے ہیں، آنحضور ﷺ نے فرمایا: یہ تو سود ہوا! تم معمولی کھجوریں دراہم میں بیچ دو پھر ان پیسوں سے عمدہ کھجوریں خرید لو: یہ درست ہے (بخاری حدیث ۲۲۰۱) اس حدیث میں جنیب (رطب) وتمر کی باہم بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مستدل ہے۔

اشکال:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے رطب وتمر کی باہم بیع کو جائز کہا ہے اور حدیث التَّمر بالتَّمر سے استدلال کیا ہے، ان پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو چھلکوں والا گیہوں اور صاف (بغیر چھلکوں کا) گیہوں کی باہم بیع بھی جائز ہونی چاہئے، کیونکہ دونوں ہی گیہوں ہیں، اور حدیث میں ہے: الحنطة بالحنطة: یعنی گیہوں کی گیہوں کے ساتھ باہم بیع جائز ہے، جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں؟

جواب: علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ربوی چیزوں میں ہم جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں فی الحال مساوات ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ چھلکوں والا گیہوں اور صاف گیہوں باہم بیچیں گے تو فی الحال مساوات ممکن نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے اس بیع کو ناجائز کہا، برخلاف رطب وتمر کے، وہاں فی الحال مساوات ممکن ہے، اگرچہ فی المآل مساوات نہیں رہے گی، مگر ربوی چیزوں میں فی الحال مساوات کافی ہے، فی المآل مساوات ضروری نہیں، پس رطب وتمر کی باہم بیع جائز ہے۔

قولہ: وحدثنا زید بن ثابت: حدیث شریف میں دو مضمون ہیں: **ایک:** بیع مزابنہ کی ممانعت، یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضور ﷺ سے براہ راست روایت کرتے ہیں، اور دوسرا مضمون ہے: بیع عریہ کی اجازت، یہ بات حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، بیع عریہ کی وضاحت آئندہ باب میں آرہی ہے۔

[۵۸-] وَحَدَّثَنِيْ أَبُوْ الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ (وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ) قَالاَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَحَدَّثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، مِثْلَهُ، سَوَاءً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھل (کھجور) نہ خریدو تا آنکہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر ہو جائے اور نہ رُطب چھوہارے کے عوض خریدو'' ـــــ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے سالم بھی اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

۱۴- بَابُ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ إِلَّا فِي الْعَرَايَا

تازہ کھجور اور خشک کھجور (چھوہارے) کی باہم بیع (بیع مزابنہ) کی حرمت اور بیع عریّہ کا جواز

اس باب میں بیع مزابنہ کی حرمت اور بیع عریہ کے جواز کا بیان ہے۔ مُزابنہ کہتے ہیں: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو، مثلاً کھجوروں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض بیچنا، ابھی بتایا ہے کہ غلہ اور پھل ربوی (سودی) چیزیں ہیں، ان کی ہم جنس سے بیع میں مساوات ضروری ہے، کمی بیشی حرام ہے، اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا صحیح اندازہ ممکن نہیں، پس کمی بیشی کے احتمال کی وجہ سے یہ بیع ممنوع ہے۔

اور عرایا: عَرِيَّة کی جمع ہے، اور اس کے معنی ہیں: عطیہ، کوئی باغ والا کسی حبیب، قریب یا غریب کو چند درخت عطیہ دے تاکہ وہ پھلوں سے فائدہ اٹھائے، یہ عریہ ہے، بیع عریہ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں جو فتح الباری اور تحفۃ الاحوذی میں

دیکھی جاسکتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اگر درخت پر لگے ہوئے پھل مثلاً کھجور ہم جنس پھلوں کے بدلے میں اندازے سے برابری کر کے بیچے جائیں تو یہ بیع مزابنہ ہے اور وہ ربا یا احتمال ربا کی وجہ سے ممنوع ہے، البتہ بیع عریہ مستثنیٰ ہے، اور یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ یعنی بیع عریہ حقیقۃً بیع مزابنہ ہے یا صرف صورۃً؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حقیقۃً بیع مزابنہ ہے یعنی استثناء متصل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صورۃً بیع مزابنہ ہے، پس استثناء منقطع ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے دونوں احتمال لئے ہیں یعنی استثناء متصل بھی ہے اور منقطع بھی، اس لئے عریہ کی تین تفسیریں ہوگئیں: تفصیل ابھی آرہی ہے۔

[۵۹-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا حُجَيْنُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بن الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَاعَ ثَمَرُ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ، وَالْمُحَاقَلَةُ أَنْ يُبَاعَ الزَّرْعُ بِالْقَمْحِ، وَاسْتِكْرَاءُ الْأَرْضِ بِالْقَمْحِ.
قَالَ: وَأَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "لَاتَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ"
وَقَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ أَوْ بِالتَّمْرِ، وَلَمْ يُرَخِّصْ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ اور بیع محاقلہ سے منع فرمایا، اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت کے پھل چھوہاروں کے عوض بیچے جائیں، اور محاقلہ یہ ہے کہ (کھڑی) کھیتی گندم کے عوض بیچی جائے، اور زمین کو گندم کے عوض کرایہ پر لینے سے منع کیا ـــــ ابن شہاب کہتے ہیں: مجھے سالم بن عبداللہ نے بتایا، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "پھل (کھجور) نہ خریدو تا آنکہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے اور نہ رطب (تازہ کھجور) کو تمر (خشک کھجور) کے عوض خریدو"

سالم کہتے ہیں: مجھے (میرے ابا) ابن عمرؓ نے بحوالہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے مروی یہ حدیث بتلائی کہ نبی ﷺ نے اس کے بعد رُطب (تازہ کھجوروں) میں بیع عریہ کی اجازت دی ـــ یا فرمایا: تمر (خشک کھجور) میں بیع عریہ کی اجازت دی، اس کے علاوہ میں اجازت نہیں دی۔

کیا مرسل روایت حجت ہے؟

یہ حدیث آنحضور ﷺ سے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے روایت کی ہے، وہ جلیل القدر تابعی ہیں، اور

حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ بھی جلیل القدر تابعی ہیں، پس یہ دونوں حدیثیں مرسل ہیں —— مرسل: وہ روایت ہے جس کی سند کے آخر سے صحابی کا نام حذف کیا گیا ہو، یعنی تابعی نبی ﷺ کا کوئی قول وفعل روایت کرے، اور یہ نہ بیان کرے کہ اس نے بات کس سے سنی ہے۔

مرسل کی حجیت میں اختلاف تھا: شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ) اس کو حجت مانتے تھے اور صاحبین (امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ) اس کو حجت نہیں مانتے تھے، مگر یہ اختلاف درحقیقت بے معنی تھا، کیونکہ جو حضرات حجت مانتے تھے وہ بھی مطلقاً یعنی ہر مرسل کو حجت نہیں مانتے تھے، بلکہ اس مرسل کو حجت مانتے تھے جس کی اصلیت قرائن سے ثابت ہو، اور جو حضرات اس کی حجیت کا انکار کرتے تھے وہ بھی مطلقاً اس کی حجیت کا انکار نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ بھی مخصوص حضرات کی روایتوں کو معتبر قرار دیتے تھے، پس یہ اختلاف کچھ گہرا اختلاف نہیں تھا (اور اس سلسلہ میں سیر حاصل گفتگو تحفۃ الالمعی (۱۴۹:۱) میں ہے، شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں)

غرض: عام طور پر شوافع کے یہاں مرسل روایت حجت نہیں، مگر حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے مراسیل کو وہ بھی حجت مانتے ہیں، یہ بات علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح المہذَّب کے مقدمہ میں فرمائی ہے (تکملہ)

محاقلہ اور مزابنہ کے معنی اور وجہ تسمیہ:

مُحاقلة: حَقْل (ہری کھیتی) سے باب مفاعلہ ہے حَاقَلَه کے معنی ہیں: کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلہ کے عوض بیچنا.......... اور مزابنة: زبن سے باب مفاعلہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں: دھکا دینا، ہٹانا، اور زَابَنَه کے معنی ہیں: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض اندازہ سے برابری کرکے بیچنا —— گویا مشتری نے درخت والے کو کٹے ہوئے پھل دے کر دھکا دیا اور بائع نے کٹے ہوئے پھل لے کر مشتری کو دھکا دیا، یوں ہر ایک نے دوسرے کو دھکا دیا، اس لئے باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

فائدہ: لوگ بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ کبھی تعاون باہمی کے جذبہ سے کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص کی کھیتی پکنے میں ابھی دیر ہے اور اس کے یہاں کوئی تقریب آئی ہے، اسے گندم کی ضرورت ہے اور اس کے کسی رشتہ دار، پڑوسی یا دوست کی کھیتی پک کر کٹ چکی ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ میرے کھیت کا اندازہ کرکے اس کے بقدر گندم مجھے دیدو، اور جب میری کھیتی پک جائے تو اسے آپ لے لینا۔

مگر تعاون باہمی کا جذبہ تو کم اور نفع کا لالچ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کہ کھڑی کھیتی میں سے جو گھاس نکلے گی وہ نفع میں رہے گی اور یہ سود ہے۔ علاوہ ازیں احتمال ہے کہ جو اندازہ ٹھہرا گیا ہے وہ صحیح نہ ہو، غلہ اندازہ سے زیادہ ہو، پس یہ زیادہ غلہ بھی سود ہے، غرض ربا یا احتمالِ ربا کی وجہ سے یہ دونوں بیوع ممنوع ہیں۔

قوله:واستکراء الأرض: کَارَاہ مُکَارَاۃً و کِرَاءً الدَّارَ: مکان کا کرایہ پر دینا،اسُتکُرَی الدار: مکان کرایہ پر لینا،الکِرَاء والکِرُوَۃ: کرایہ ــــ القَمحُ: قَمُحَۃٌ کی جمع ہے، گیہوں ــــ ایک قول یہ ہے کہ اگر پیداوار کی معین مقدار کے عوض زمین کرایہ پر لی جائے تو یہ استکراء الأرض ہے، اور یہ بالا جماع جائز نہیں، اور کل پیداوار کے تہائی، چوتھائی یا نصف پر زمین کرایہ پر لی جائے تو یہ مزارعہ اور مخابرہ ہے، جو جمہور بشمول صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں، اس کی تفصیل دوابواب کے بعد آئے گی۔

وقال سالمؒ: ابھی تحریر کیا ہے کہ بیع عریہ کی اجازت والا مضمون ابن عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔

قوله:ولم یُرَخِّصُ فی غیر ذلکاس کی وضاحت آگے آئے گی (دیکھئے حدیث نمبر ۹۴ کی شرح)

بیع عریہ کی تفسیریں:

بیع عریہ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، فتح الباری اور تحفۃ الاحوذی میں دیکھی جاسکتی ہیں، ان میں سے تین تفسیریں لکھتا ہوں، مگر پہلے یہ جان لیں کہ اگر زمین میں کھڑی ہوئی کھیتی مثلاً گیہوں کا کھیت ہم جنس غلہ کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچا جائے تو یہ بیع محاقلہ ہے، اور اگر درخت پر لگے ہوئے پھل مثلاً کھجوریں اور انگور ہم جنس پھلوں کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچے جائیں تو یہ بیع مزابنہ ہے، اور دونوں بیوع ممنوع ہیں جیسا کہ ابھی تحریر کیا۔

البتہ بیع عریہ مستثنیٰ ہے اور یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ یعنی بیع عریہ: بیع مزابنہ میں داخل ہے یا خارج؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک داخل ہے یعنی استثناء متصل ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک داخل نہیں اور استثناء منقطع ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی داخل بھی ہے اور خارج بھی یعنی استثناء متصل بھی ہے اور منقطع بھی، اس لئے عریہ کی تین تفسیریں ہیں۔

پہلی تفسیر: کسی باغ والے نے اپنے باغ میں سے کسی حبیب، قریب یا غریب کو کھجوروں کے چند درخت ہبہ کئے، پھر جب کھجوروں کے پکنے کا وقت آیا تو باغ والا اپنی فیملی لے کر باغ میں چلا گیا تا کہ پھلوں کی دیکھ بھال کر سکے، اب وہ شخص جس کو چند درخت دیئے ہیں روزانہ باغ میں آتا ہے تا کہ درختوں پر چڑھ کر پکی ہوئی کھجوریں چن کر لے جائے اس کے اس طرح روز روز آنے سے مستورات کو پریشانی ہوئی، انھوں نے شوہر سے شکوہ کیا کہ ہمیں روزانہ گھنٹہ بھر پردہ میں رہنا پڑتا ہے، باغ کا کام کیسے نمٹے؟ باغ والے نے عورتوں کی پریشانی دیکھ کر اس حبیب قریب یا غریب سے اندازہ کر کے چھوہاروں کے عوض درختوں کے پھل خرید لئے، یہ بیع عریہ ہے اور جائز ہے، اور یہ حقیقتاً بیع نہیں ہے صرف صورۃً بیع ہے کیونکہ درخت کے پھلوں پر ابھی حبیب، قریب یا غریب کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، وہ پھل بدستور مالک کے ہیں، اس صورت میں بیع عریہ: بیع مزابنہ میں داخل نہیں، اور استثناء منقطع ہے۔

اور پانچ وسق سے کم کی شرط اس لئے لگائی کہ عشر کی اتنی ہی مقدار باغ کا مالک غرباء کو دے سکتا ہے اگر عشر کی مقدار اس سے زیادہ ہوگی تو اس کو حکومت وصول کرے گی، تفصیل بخاری کتاب الزکاۃ باب ۵۶ (تحفۃ القاری ۴:۲۶۶) میں ہے۔

عریہ کی یہ تفسیر امام مالک رحمہ اللہ نے کی ہے جو ان کے مذہب کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کو نقل کیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ: عرایا: عریۃ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: عطیہ، باغ والے نے حبیب، قریب یا غریب کو جو چند درخت دیئے ہیں وہ عطیہ ہیں، ابھی موہوب لہ ان پھلوں کا مالک نہیں ہوا کیونکہ اس کا ان پر قبضہ نہیں ہوا، پس اگر وہ پھل خرید لئے جائیں تو وہ ایک عطیہ کے بدلے میں دوسرا عطیہ ہوگا۔

دوسری تفسیر: امام مالک رحمہ اللہ سے دوسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ کسی باغ میں دو آدمی شریک ہیں اور ایک کے نوے درخت ہیں دوسرے کے دس، پس زیادہ درخت والا اپنی فیملی لے کر باغ میں جائے گا اور کم درخت والا روز آئے گا، اس سے زیادہ درخت والے کی فیملی کو پریشانی ہوگی، پس اگر وہ اندازہ سے چھوہاروں کے عوض اپنے شریک کے درختوں کے پھل خرید لے تو یہ جائز ہے، یہ حقیقۃً بیع عریہ ہے اور حقیقتاً بیع مزابنہ ہے، اس صورت میں استثناء متصل ہوگا۔

تیسری تفسیر: امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں کی ہے کہ کسی کے پاس چھوہارے ہیں، مگر پیسے نہیں ہیں اس لئے جب موسم آیا تو اس کے بچوں نے تازہ کھجوروں کے لیے اصرار کیا اس نے کسی باغ والے سے اندازہ سے برابری کر کے چھوہاروں کے عوض درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خرید لیں پس یہ حقیقۃً بیع مزابنہ ہے اور پانچ وسق تک کی اجازت ہے۔ نبی ﷺ نے حاجت مندوں کی حاجت کے پیش نظر اجازت دی ہے، اتنی مقدار ایک گھرانے کی ضرورت کے لئے کافی ہے، اس صورت میں حقیقتاً بیع مزابنہ سے استثناء ہوگا، اور استثناء متصل ہوگا۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے عریہ کی جو تفسیر کی ہے اس کی کوئی معقول وجہ تسمیہ بیان نہیں کی جاسکتی، ان کی تفسیر پر بیع عریہ پر عطیہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، پھر ان کی تفسیر پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں، ایک: پانچ وسق ان کے نزدیک تقریباً ساڑھے چھ کوئنٹل کھجوریں ہوتی ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تقریباً دس کوئنٹل، جو ایک فیملی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں پھر اتنی بڑی مقدار کا استثناء آخر کیوں کیا گیا؟ دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر کوئی حیلہ کرے اور پانچ وسق سے کم کی چند بیعیں کر کے پورا باغ خرید لے تو یہ جائز ہوگا۔ پس بیع مزابنہ کی ممانعت گاؤ خورد ہوگئی!

اور امام اعظم رحمہ اللہ نے جو تفسیر لی ہے وہ عریہ کے لغوی معنی عطیہ سے ہم آہنگ ہے اور پانچ وسق سے کم کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عشر کی اتنی ہی مقدار مالک از خود غریبوں کو دے سکتا ہے اور اس سے زیادہ عشر حکومت وصول کرتی ہے، تفصیل کتاب الزکاۃ میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

[۶۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ.

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عطیہ والوں کو اندازہ سے درخت پر موجود پھل چھوہاروں کے بدلے میں بیچنے کی اجازت دی ہے۔

[۶۱-] وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، يُحَدِّثُ؛ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا، يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا.
وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ، يَقُولُ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عریہ (عطیہ) میں اجازت دی اس بات کی کہ گھر کے لوگ کھانے کے لئے اندازہ کرکے رطب کے بدلہ میں کھجور لے لیں۔

سند: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ اور محمد بن المثنی سے روایت کی ہے، پھر یحییٰ بواسطہ سلیمان اور محمد بن المثنی بواسطہ عبدالوہاب یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ سے اوپر سند ایک ہی ہے اور دونوں کی حدیثیں ہم مثل ہیں۔

تشریح: احناف نے جو عریہ کی تفصیل کی ہے اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بخاری شریف (کتاب البیوع، باب تفسیر العرایا) میں یہی تفسیر لی ہے، اور یہی امام مالکؒ کی ایک تفسیر ہے۔

[۶۲-] وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: وَالْعَرِيَّةُ: النَّخْلَةُ تُجْعَلُ لِلْقَوْمِ فَيَبِيعُونَهَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا.

وضاحت: یحییٰ بن یحییٰ نے بواسطہ ہُشیم بھی یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کیا ہے اور اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے سلیمان بن بلالؒ نے روایت کیا ہے، مگر اس سند سے متن حدیث ذرا مختلف ہے —— ترجمہ: عریہ یہ ہے کہ کھجور کا درخت کسی کو دیا جائے، پس وہ اس کے پھل اندازہ کرکے چھوہاروں کے عوض بیچ دے۔

قولہ: تُجعل للقوم: اس سے معلوم ہوا کہ عریہ کے معنی عطیہ اور ہبہ کے ہیں، پھر اگر خود صاحب عریہ مشتری ہے تو یہ حدیث احناف و مالکیہ کی بیان کردہ تفسیر کی مؤید ہے، اور اگر مشتری کوئی غیر ہے تو حنابلہ کی بیان کردہ تفسیر کی مؤید ہے۔

فائدہ: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عریہ کی تفسیر یہ ہے کہ کسی شخص کو کھجور ہدیہ میں ملے، پس وہ کھجور موہوب لہ (جس کو ہدیہ ملا ہے) واہب کے علاوہ کسی کو بیچ دے، ان کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں یہ بیع جائز ہے۔

[۶۳-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا، قَالَ يَحْيَى: الْعَرِيَّةُ: أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ ثَمَرَ النَّخَلَاتِ لِطَعَامِ أَهْلِهِ رُطَبًا بِخَرْصِهَا تَمْرًا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع عریہ میں رخصت دی تر کھجور کا اندازہ کر کے خشک کھجور ـــــ یحییٰ کہتے ہیں: عریہ یہ ہے کہ آدمی کھجور کے درختوں پر لگے ہوئے پھل گھر والوں کے کھانے کے لئے خرید لے، تر کھجور کا اندازہ کر کے خشک کھجور (خریدنے کی اجازت دی)

قوله: ان يَشتري الرجلُ: ان الفاظ سے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے تفسیر فرمائی ہے وہ بھی مفہوم ہوتی ہے، اور جو احناف و مالکیہ نے تفسیر کی ہے، وہ بھی مفہوم ہوتی ہے اور یہ دوسری تفسیر راجح ہے، چنانچہ سلیمان بن بلال نے حضرت یحییٰ سے یہی دوسری تفسیر روایت کی ہے جو اوپر گذری ہے۔

[۶۴-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلاً.

قوله: ان تُبَاع بِخَرْصِهَا: یعنی چھوہارے ناپ تول کر اور تر کھجور جو درخت پر ہے اندازہ کر کے باہم بیچنے کی اجازت دی ـــــ الخَرص: اندازہ، کہتے ہیں: كم خرص أرضك: تمہاری زمین کا کیا اندازہ ہے، شرح نووی میں ہے: الخرص: بفتح الخاء: مصدر ہے اور بکسر الخاء: اسم ہے: اندازہ کی ہوئی چیز۔

[۶۵-] وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بِهٰذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: أَنْ تُؤْخَذَ بِخَرْصِهَا.

وضاحت: یہ حدیث عبید اللہ سے یحییٰ بن سعید بھی روایت کرتے ہیں اور اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے نمیر نے روایت کیا ہے، اور اس روایت میں تُباع کی جگہ تُؤخذ ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

[۶۶-] وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ، وَأَبُو كَامِلٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (ح) وَحَدَّثَنِيْهِ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ یہ حدیث ابوالربیع، ابوالکامل اور علی بن حجر سے روایت کرتے ہیں، پھر اول دو حضرات بواسطہ حماد اور آخر الذکر بواسطہ اسماعیل: ایوب سختیانی سے اور وہ نافع سے روایت کرتے ہیں، اُسی طریق سے جس طریق سے عبیداللہ روایت کرتے ہیں۔

[۶۷-] وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ -يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ- عَنْ يَحْيٰى -وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ- عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ مِنْهُمْ سَهْلُ بْنُ أَبِيْ حَثْمَةَ؛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ. وَقَالَ: "ذٰلِكَ الرِّبَا، تِلْكَ الْمُزَابَنَةُ" إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرِيَّةِ، النَّخْلَةِ وَالنَّخْلَتَيْنِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا، يَأْكُلُوْنَهَا رُطَبًا.

ترجمہ: حضرت بُشیر بن یسار نبی ﷺ کے بعض ایسے صحابہ سے روایت کرتے ہیں جو ان کے اہل محلّہ میں سے تھے، ان میں سے ایک سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے رطب کو تمر کے عوض فروخت کرنے سے منع کیا (یعنی درخت پر موجود کھجور کو کٹی ہوئی کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع کیا) اور فرمایا: یہ ربا ہے، یہی مزابنہ ہے، مگر آپؐ نے بیع عریہ میں اس کی اجازت دی (کوئی شخص) ایک یا دو کھجور کے درخت کے پھل اپنے گھر والوں کے لئے خریدے کٹی ہوئی کھجور کے عوض اندازہ سے، تاکہ وہ تر کھجور کھائیں۔

تمام رواۃ مدنی:

اس حدیث شریف کے تمام رواۃ مدنی ہیں، مسلم شریف میں اس کی مثال کم ہے، کسی حدیث کے تمام رواۃ کوفی یا بصری ہوں ایسی مثالیں تو بہت ہیں، کتاب الایمان میں بھی بعض ایسی مثالیں گذری ہیں، مگر تمام رواۃ مدنی، اس کی مثال کم ہے۔ اور دوسری خصوصیت اس سند کی یہ ہے کہ اس میں مسلسل تین انصاری ہیں جو بعض بعض سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ بن سعید، بُشیر اور سہل بن ابی حثمہؓ، تینوں انصاری ہیں، اس کی مثال احادیث میں نادر (نہایت کم) ہے، اور تیسری خصوصیت اس سند کی یہ ہے کہ دو راوی مسلسل تابعی ہیں، جو بعض بعض سے روایت کرتے ہیں، وہ یحییٰ اور بُشیر ہیں، اس کی مثال بہت ہے۔

قولہ: سلیمان یعنی ابن بلال: پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ روایت حدیث میں غایت درجہ محتاط ہیں، استاذ سے جس طرح سنا ہے اسی طرح بعینہٖ روایت کرتے ہیں، ذرا فرق نہیں کرتے، پس یہ عبارت میں خواہ مخواہ طول نہیں ہے، بلکہ حضرت رحمہ اللہ کی غایت درجہ احتیاط کی دلیل ہے، یہ اس سند کی چوتھی خصوصیت ہے۔

قولہ: عن بعض اصحاب إلخ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر راوی نے متعدد ثقہ رواۃ سے کوئی حدیث سنی ہو تو

بعض رواۃ کو حذف کرنا جائز ہے، یہ اس سند کی پانچویں خصوصیت ہے (شرح نووی)

چند رواۃ کا تعارف: عبداللہ بن مسلمہ قَعْنَبِی: یہ دادا کی طرف نسبت ہے، پورا نام ہے: عبد الله بن مسلمة بن قعنب ـــــ بُشَیر بن یسار: بضم الباء، مصغر، یہ سلیمان بن یسار کے بھائی نہیں ہیں، امام نسائی، ابن حبان اور یحییٰ بن معین نے ثقات میں شمار کیا ہے، ابن سعد فرماتے ہیں: بڑے درجہ کے فقیہ اور شیخ تھے، اکثر صحابہ کا زمانہ پایا، اور قلیل الروایہ تھے، محمد بن اسحاق نے ابو کیسان کنیت بتائی ہے ـــــ سہل بن ابی حثمہ: باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں، ابو حثمہؓ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے اور صلح حدیبیہ میں درخت کے نیچے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت فرمائی جو بیعتِ رضوان کہلاتی ہے اور صاحبزادے سہل صغار صحابہ میں سے ہیں، آنحضور ﷺ کی وفات کے وقت آٹھ سال عمر تھی (شرح نووی وتکملہ)

[۶۸-] وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُمْ قَالُوا: رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا.

وضاحت: یہ حدیث یحییٰ بن سعیدؒ سے لیثؒ نے روایت کی ہے، اور گذشتہ حدیث ان سے سلیمان بن بلالؒ نے روایت کی تھی۔

[۶۹-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، جَمِيعًا عَنِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، مِنْ أَهْلِ دَارِهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى، غَيْرَ أَنَّ إِسْحَاقَ وَابْنَ الْمُثَنَّى جَعَلَا (مَكَانَ الرِّبَا) الزَّبْنَ، وَقَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: الرِّبَا.

وضاحت: یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے تین اساتذہ سے روایت کی ہے: محمد بن المثنیٰ، اسحاق بن ابراہیم اور ابن ابی عمر سے، وہ تینوں عبدالوہاب ثقفی سے اور وہ یحییٰ بن سعید سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے سلیمان بن بلال روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایتوں میں ایک فرق ہے، اسحاق اور محمد بن المثنیٰ الرِّبَا کی جگہ الزَّبن کہتے ہیں، اور ابن ابی عمر کی روایت میں الرِّبا ہے، یعنی اسحاق اور محمد بن المثنیٰ کی روایت سلیمان بن بلال کی روایت کے ہم معنی ہے اور ابن ابی عمر کی روایت ہم مثل ہے (سلیمان کی گذشتہ سے پیوستہ روایت ہے)

راوی کا تعارف: عبدالوہاب ثقفی کی کنیت ابو محمد اور باپ کا نام عبدالمجید بن الصلت ہے، مسلم شریف میں ان کی

روایات بکثرت ہیں، اور جو احادیث وہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ سب سے عمدہ اور مضبوط روایت سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ علی المدینیؒ کہتے ہیں: ”دنیا میں یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے مروی کوئی کتاب عبدالوہاب ثقفی کی کتاب سے اصح نہیں ہے“ کہا جاتا ہے کہ ان کی سالانہ آمدنی چالیس سے پچاس ہزار تھی اور وہ سب محدثین پر خرچ کر دیا کرتے تھے، آخر عمر میں حافظہ میں تغیر آ گیا تھا، حافظ رحمہ اللہ نے هدی الساری میں فرمایا ہے کہ حافظہ متاثر ہونے کے بعد انھوں نے گھر والوں کے کہنے پر احادیث بیان کرنی چھوڑ دی تھیں، لہٰذا ان کی روایتیں اختلاط سے محفوظ ہیں (تکملہ)

وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيثِهِمْ.

وضاحت: یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے سفیان بن عیینہؒ روایت کرتے ہیں ــــ حديثهم: جمع کی ضمیر ثقفی، لیث اور سلیمان بن بلال کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی سفیان ان تینوں کے ہم معنی روایت کرتے ہیں۔

[۷۰-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ، أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَسَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، إِلاَّ أَصْحَابَ الْعَرَايَا، فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ.

وضاحت: یہ حدیث بُشیر بن یسار سے ولید بن کثیر روایت کرتے ہیں، اور اس میں یہ صراحت ہے کہ بشیر بن یسار، انصار کے معروف قبیلہ بنو حارثہ کے مولیٰ تھے، دورِ اول میں تین نسبتیں چلتی تھیں: ایک نسبی نسبت، دوم: نسبت عتاقہ، سوم: ولاء، آباؤ اجداد کی طرف نسبت: نسبی نسبت کہلاتی ہے، اور مُعتِق (آزاد کرنے والے) کے قبیلہ کی طرف نسبت: نسبت عتاقہ کہلاتی تھی، اور اسلام میں داخل کرنے والے کی طرف نسبت: نسبتِ ولاء کہلاتی تھی، امام بخاری رحمہ اللہ جُعفی اسی لئے کہلاتے ہیں، آپ کے پردادا مُغیرہ حاکم بخاری ایمان بن اخنس جُعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے اس لئے آپ جُعفی کہلاتے تھے (تحفۃ القاری ۱:۳۹)

دوسری بات: اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے جو ثمر (رطب) اور تمر کو باہم بیچنے سے منع کیا ہے اس سے بیع مزابنہ مراد ہے، کٹی ہوئی تازہ کھجور اور چھوہارے باہم بیچنے کی ممانعت اس حدیث کا مدعیٰ نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے، اور اس کی تفصیل گذشتہ باب میں آخر سے دوسری حدیث کی شرح میں گذری ہے۔

[۷۱-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ (ح) وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ: قُلْتُ لِمَالِكٍ: حَدَّثَكَ دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ (مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةِ (يَشُکُّ دَاوُدُ قَالَ: خَمْسَةٌ أَوْ دُونَ خَمْسَةٍ) قَالَ: نَعَمْ.

ہمزہ استفہام بڑھا کر حدیث پڑھنا:

قولہ: حَدَّثَکَ دَاوُد بن الحصین: حدیث شریف پڑھانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ شاگرد حدیث پڑھے اور استاذ سنے، اس صورت میں شاگرد سند کے شروع میں ہمزۂ استفہام بڑھاتا تھا، کہتا تھا: أحدَّثک فلانٌ؟ کیا فلاں استاذ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے؟ اور کبھی ہمزۂ استفہام کو حذف کرتا تھا، پھر جب طالب علم حدیث پڑھ کر فارغ ہوجاتا تو استاذ نعم کہتا، اس طریقہ کا نام "عرض علی المحدث" تھا "قراءت علی المحدث" بھی یہی ہے۔ تفصیل ایضاح المسلم (۸۶:۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ: یشک داوٗد: صحیح دون خمسة أوسق ہے یا خمسة أوسق؟ اس میں داؤد کو شک ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک پانچ وسق میں عریہ کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قول ہیں، جواز کا بھی اور عدم جواز کا بھی، اور راجح عدم جواز ہے، اس لئے کہ دون خمسة أوسق یقینی ہے اور خمسة أوسق میں شک ہے، اور شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، پس راجح یہی ہے کہ صرف پانچ وسق سے کم میں بیع عریہ جائز ہے، مکمل پانچ وسق میں جائز نہیں (شرح نووی)

عریہ میں پانچ وسق کی تخصیص کیوں؟

شوافع کی طرف سے مالکیہ نے جو تفسیر کی ہے، جس کو احناف نے بھی لیا ہے، یعنی عریہ در حقیقت ہبہ ہے اور وہ صورۃً بیع ہے، حقیقۃً بیع نہیں، اس لئے کہ موہوب لہ کا ابھی شئ موہوب (پھل) پر قبضہ نہیں ہوا ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا؟ کہ پھر پانچ وسق کی تخصیص کیوں؟ جب وہ پھل عطیہ ہیں اور واہب ہی ملکیت ہیں تو پھر پانچ وسق کی تخصیص کیوں ہے؟ پھر تو علی الاطلاق یہ بیع جائز ہونی چاہئے؟

جواب: اس کا جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے اور علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے بھی دیا ہے (دیکھئے فیض الباری ۲۴۸:۳) اور صاحب افادات حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے تحفۃ القاری شرح بخاری میں یہ جواب دیا ہے؟ کہ پانچ وسق سے کم کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عشر کی اتنی ہی مقدار مالک از خود غریبوں کو دے سکتا ہے، اس سے زیادہ پیداوار کا عشر حکومت وصول کرتی ہے۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک پیداوار میں جو عشر واجب ہوتا ہے وہ اس وقت واجب ہوگا جب پیداوار پانچ وسق سے زیادہ ہو، پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں ہوگا، اور ان کا استدلال حدیث: لیس فیما أقل

مِن خَمْسَةِ اَوْ سُقٍ صدقةٌ: سے ہے، یعنی پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ (عشر) واجب نہیں (بخاری حدیث ۱۴۸۴) اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیداوار کی ہر مقدار میں عشر واجب ہے، خواہ وہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، اور وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عریہ کا بیان ہے، یعنی شریعت نے پانچ وسق سے کم میں عریہ کی اجازت دی ہے، یعنی جب ساعی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے آئے اور مالک اسے بتائے کہ میں نے یہ درخت یا کیاریاں عریہ دی ہیں، یعنی میں نے عشر ادا کر دیا ہے (عریہ متعدد غرباء کو دے سکتے ہیں) تو پانچ وسق سے کم میں اس کی بات مان لی جائے گی، ساعی اس پیداوار کا عشر نہیں لے گا، اور اگر پیداوار پانچ وسق سے زیادہ ہے تو مالک کی بات قبول نہیں کی جائے گی، مصدِّق ان کا عشر وصول کرے گا (تحفۃ القاری ۴: ۲۶۷)

[۷۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيْبِ كَيْلاً.

قولہ: والمزابنة بيع الثمر إلخ: یعنی رطب جو درخت پر ہوں ان کا اندازہ کر کے کٹی ہوئی کھجور کے عوض ناپ تول کر بیچنا، یا درخت پر موجود انگور کا اندازہ کر کے کشمش کے عوض ناپ تول کر بیچنا جائز نہیں، اور یہی حکم تمام پھلوں کا ہے یعنی درخت پر موجود کسی بھی پھل کو اندازہ کر کے اس کے ہم جنس پھل کے ساتھ بیچنا جائز نہیں، خواہ ناپ تول کر یا بغیر ناپے تولے، کیونکہ اس میں ربا یا احتمالِ ربا ہے۔

قولہ: الكَرْمُ (بسكون الراء) انگور کا درخت اور یہاں پھل مراد ہیں ـــــ ایک حدیث شریف میں انگور کو کرم کہنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ نہی تنزیہی ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے، اس میں انگور پر کرم کا اطلاق آیا ہے (فتح)

[۷۳-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، بَيْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعِ الْعِنَبِ بِالزَّبِيْبِ كَيْلاً، وَبَيْعِ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ كَيْلاً.

وَحَدَّثَنَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَهُ.

وضاحت: یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو عبیداللہ نے بواسطہ نافع روایت کی ہے، اور عبیداللہ سے محمد بن بشر اور ابن ابی زائدہ روایت کرتے ہیں ـــــ قولہ: وبيع الزرع: گندم کی کھڑی کھیتی کو اندازہ کر کے کٹے ہوئے گندم کے عوض ناپ تول کر بیچنے کا نام محاقلہ ہے اور یہ بھی ربا یا احتمالِ ربا کی وجہ سے ممنوع ہے۔

[۷۴-] حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيْسٰى، قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعُ الزَّبِيْبِ بِالْعِنَبِ كَيْلاً، وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهِ.

قوله: وعن كل ثمر بخرصه اس سے معلوم ہوا کہ تمام پھلوں میں بیع مزابنہ حرام ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ بیع عریہ کی اجازت تمام پھلوں میں ہے یا صرف کھجور میں؟ اس میں اختلاف ہے: امام احمد رحمہ اللہ، بعض شوافع اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف کھجور میں بیع عریہ جائز ہے، دیگر پھلوں میں نہیں، اور ان کی دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو باب کی پہلی حدیث ہے، اس میں ہے: **ولم یرخص فی غیر ذلک**: یعنی حضور اکرم ﷺ نے کھجور میں بیع عریہ کی اجازت دی، اس کے علاوہ پھلوں میں اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ عنب (انگور) رُطب (کھجور) کے ساتھ لاحق ہے، کیونکہ بہت سی باتوں میں دونوں میں مماثلت ہے، مثلاً: دونوں میں زکوٰۃ (عشر) واجب ہوتی ہے، دونوں کا سوکھ کر وزن کم ہو جاتا ہے، دونوں میں وسق پیمانہ جاری ہوتا ہے، پس کھجور کی طرح انگور میں بھی بیع عریہ کی اجازت ہوگی۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ پھل جو ذخیرہ کیا جا سکتا ہے وہ کھجور کے ساتھ لاحق ہے اور اس میں بیع عریہ جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک ہر پھل میں بیع عریہ جائز ہے، جب ہر پھل میں مزابنہ جاری ہوتا ہے تو بیع عریہ کی اجازت بھی ہر پھل میں ہوگی۔

اور **ولم یُرخص فی غیر ذلک** کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دیگر پھلوں میں صراحتاً بیع کی اجازت نہیں دی، ان کے بارے میں حدیث ساکت ہے اور فقہاء نے قیاس کیا ہے، چنانچہ ہر مجتہد نے اپنے اجتہاد کے موافق حکم شرع بیان کیا ہے۔

[۷۵-] حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ (وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيْمَ) عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَاعَ مَا فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ، بِكَيْلٍ مُسَمًّى، إِنْ زَادَ فَلِيْ، وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ.
وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا، اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کٹی ہوئی کھجور کے عوض ناپ تول کر متعین کر کے بیچی جائے (اور بائع کہے) اگر زیادہ نکلے تو میری اور کم نکلے تو میرا نقصان ـــــ اس حدیث کو ایوبؒ سے (اسماعیل بن ابراہیمؒ کے علاوہ) حمادؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

[۷۶-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ، إِنْ كَانَتْ نَخْلاً، بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا، أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا، أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ. وَفِي رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ: أَوْ كَانَ زَرْعًا.

ترجمہ:ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا (مزابنہ یہ ہے کہ) کوئی شخص اپنے باغ کا پھل بیچے، اگر کھجور ہو (جو درخت پر لگی ہو) کٹی ہوئی کھجور کے عوض ناپ تول کر متعین کر کے، اور اگر انگور کی بیل ہو، اس کا پھل بیچے کشمش کے عوض ناپ تول کر متعین کر کے، اور اگر کھیتی ہو یہ کہ اس کو بیچے ناپ تول کر متعین غلہ کے عوض (یہ محاقلہ ہے) آپؐ نے ان سب سے منع فرمایا، اور قتیبہؒ کی روایت میں إن كان زرعا کی جگہ أو كان زرعا ہے۔

قوله:الحائط: اس سے مراد باغ ہے اور اس کی جمع حوائط ہے اور دیوار بھی اس کے معنی ہیں اور اس کی جمع حیطان ہے۔

قوله:بكيل طعام: اگر کھڑی کھیتی کو ہم جنس غلہ کے ساتھ اندازہ سے بیچیں تو یہ بیع محاقلہ ہے اور ربا یا احتمالِ ربا کی وجہ سے حرام ہے، البتہ اگر غیر جنس غلہ کے ساتھ کھڑی کھیتی اندازہ سے بیچیں تو یہ بیع جائز ہے، بشرطیکہ معاملہ ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہو، تفصیل شروع باب میں آچکی ہے۔

وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، ح: وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنِي الضَّحَّاكُ. ح: وَحَدَّثَنِيهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ.

وضاحت:امام مسلم رحمہ اللہ یہ حدیث ابوالطاہرؒ، ابن رافعؒ اور سوید بن سعیدؒ سے بھی روایت کرتے ہیں اور وہ سب حضرات مختلف واسطوں سے نافع سے اسی طریق سے روایت کرتے ہیں جس طریق سے لیثؒ، ایوبؒ، عبید اللہؒ اور امام مالکؒ روایت کرتے ہیں، یعنی عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے ــــ نحو حديثهم: جمع کی ضمیر: لیث، ایوب، عبید اللہ اور امام مالک کی طرف راجع ہے۔

۱۵- بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلاً عَلَيْهَا ثَمَرٌ

جس نے کھجور کا درخت بیچا جس پر پھل ہے تو پھل کس کا؟

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ کسی نے نخلِ مؤبّر (گابھا دیئے ہوئے کھجور کے درخت) بیچے، یعنی پھل نہیں بیچے بلکہ کھجور

کے درخت بیچے، اور مالک گابھا دے چکا ہے تو پھل مشتری کا ہوگا یا بائع کا؟ حدیث میں ہے کہ پھل بائع کا ہوگا، کیونکہ اس نے تابیر کی ہے، البتہ اگر سودے میں صراحت ہو کہ وہ پھل کے ساتھ بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو پھل مشتری کا ہوگا، اور اگر ایسی صراحت نہ ہو تو پھل بائع کا ہوگا۔

جو چیز مبیع کے ساتھ متصل ہو اس کا حکم:

جاننا چاہئے کہ کھیتی اور باغ وغیرہ کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز مبیع کے ساتھ علی الدوام متصل ہو، اس میں صراحت کرے یا نہ کرے: وہ بیع میں شامل ہوگی اور جو چیز عارضی طور پر متصل ہو اس میں صراحت ضروری ہے، مثلاً مکان بیچا اس میں پنکھے لٹک رہے ہیں، یہ پنکھے مکان کے ساتھ علی الدوام جڑے ہوئے نہیں ہیں اس لئے صراحت ہوگی تو وہ بیع میں داخل ہونگے ورنہ بائع اتار لے گا۔ اور دروازے بھی مکان کے ساتھ متصل ہیں مگر وہ ہمیشہ کے لئے متصل ہیں اس لئے وہ بہر حال بیع میں داخل رہیں گے، پس کھیتی علی الدوام زمین کے ساتھ متصل نہیں، ایک وقت کے بعد کٹ جائے گی اس لئے اس میں صراحت ضروری ہے۔

دوسری بات یہ جاننی چاہئے کہ گابھا دینے سے کیا مراد ہے؟ حنفیہ کے نزدیک یہ "ظہور ثمرہ" سے کنایہ ہے، گابھا دینے کے بعد عام طور پر جلدی پھل ظاہر ہو جاتے ہیں، پس اگر پھل درخت پر نمودار ہو چکے ہیں تو اس میں صراحت ضروری ہے اور اگر گابھا دیا ہے مگر پھل ظاہر نہیں ہوئے تو وہ پھل مشتری کا ہوگا، کیونکہ وہ اس کی ملک میں ظاہر ہوا ہے۔

[۷۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ، فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کھجور کے تابیر کئے ہوئے درخت بیچے تو اس کے پھل بائع کے ہیں، مگر یہ کہ (بیع کے وقت) مشتری (پھلوں کی) شرط لگا دے (پس پھل مشتری کے ہونگے)

لغت: أَبَّرَ النَّخْلَ: گابھا دینا، مادہ درخت کا پھول پھاڑ کر نر درخت کے پھول میں سے کچھ حصہ اس میں داخل کرنا، ایسا کرنے سے پھل عمدہ اور بڑا ہوتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مدعی یہ ہے کہ اگر درخت گابھا دینے کے بعد بیچے گئے ہیں تو پھل بائع کے ہونگے، ہاں اگر مشتری نے بیع کے وقت ہی پھل سمیت درخت خریدنے کی صراحت کر دی ہو تو پھل مشتری کے ہونگے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر درخت تابیر (گابھا دینے) سے قبل بیچے ہیں تو پھل مشتری کے ہونگے، مگر یہ کہ بیع کے وقت بائع نے پھل کا استثناء کیا ہو، پس پھل بائع کے ہونگے، جمہور اسی کے قائل ہیں۔ اور احناف کے یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں، اور

حدیث شریف میں گابھا دینا ''ظہورِ ثمرہ'' سے کنایہ ہے، پس پھل جس کی ملکیت میں ظاہر ہوئے اس کے، خواہ گابھا دینے سے پہلے درختوں کی بیع ہوئی ہو یا گابھا دینے کے بعد۔ اور یہ اختلاف کوئی گہرا اختلاف نہیں، اس لئے کہ تأبیر کے بعد جلدی ہی پھل ظاہر ہو جاتے ہیں، پس وہ پھل بائع کے ہونگے مگر یہ کہ مشتری نے اس کی صراحت کردی ہو۔

قولہ: إلا ان يشترط المبتاع: اس سے معلوم ہوا کہ بیع میں ایسی شرط لگانا جو عقد کے مقتضی کے خلاف نہ ہو جائز ہے، درخت کی بیع میں پھلوں کی شرط درحقیقت مبیع میں زیادتی کی شرط ہے، مگر یہ شرط عقد کے مقتضی کے خلاف نہیں، پس یہ شرط جائز ہے۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تأبیر کے بعد مشتری پھلوں کی شرط لگا سکتا ہے، اور تأبیر سے قبل خود بائع بھی اپنے لئے یہ شرط لگا سکتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بائع شرط نہیں لگا سکتا، پس تأبیر سے قبل پھل بہرصورت مشتری کے ہونگے، خواہ بائع نے ان کی شرط لگائی ہو (شرح نووی)

[۷۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيْعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ — وَاللَّفْظُ لَهُ — حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أَيُّمَا نَخْلٍ اشْتُرِيَ أُصُوْلُهَا وَقَدْ أُبِّرَتْ فَإِنَّ ثَمَرَهَا لِلَّذِيْ أَبَّرَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الَّذِيْ اشْتَرَاهَا"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جونسے درخت کی جڑیں خریدی گئیں (یعنی درخت خریدے گئے پھل نہیں) درانحالیکہ ان کی تأبیر کردی گئی ہے تو اس کے پھل اس شخص کے ہونگے جس نے ان کی تأبیر کی ہے مگر یہ کہ پھل کی وہ شخص شرط لگا دے جس نے درخت خریدے ہیں''

[۷۹-] وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ بَاعَ أَصْلَهَا فَلِلَّذِيْ أَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (ح) وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کھجور کے درخت کی تأبیر کی، پھر ان کی جڑوں کو (درختوں ہی کو) بیچا، پس درخت کے پھل اس شخص کے لئے ہیں جس نے تأبیر کی ہے، مگر یہ کہ مشتری نے شرط لگادی ہو''

سند: اس حدیث کو حمادؒ اور اسماعیلؒ دونوں نے ایوبؒ سے روایت کیا ہے، وہ نافع سے روایت کرتے ہیں اور اسی طریق سے روایت کرتے ہیں جس طریق سے عبیداللہ روایت کرتے ہیں۔

[۸۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلَّذِيْ بَاعَهَا إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا فَمَالُهُ لِلَّذِيْ بَاعَهُ إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے صاحبزادے سالمؒ نے روایت کی ہے اور اس میں ایک مضمون زائد ہے۔

قوله: ومن ابتاع عبدًا: کسی شخص کا کوئی غلام ہے اس کی بازار میں دکان ہے یعنی وہ عبد ماذون ہے اب مالک نے وہ غلام بیچ دیا تو اس کی دکان بیع میں شامل ہوگی یا نہیں؟ یہاں بھی وہی مسئلہ ہے: اگر بیع میں صراحت ہے کہ غلام کو اس کی دکان کے ساتھ خریدتا ہے تو وہ بھی بیع میں شامل ہوگی ورنہ نہیں۔ اسی طرح باندی بیچی اس نے زیور پہن رکھا ہے، یہ زیور بائع کا ہے، البتہ اگر معاملہ میں صراحت ہو کہ مشتری زیور کے ساتھ خریدتا ہے تو پھر زیور مشتری کا ہوگا۔

کیا غلام مال کا مالک بن سکتا ہے؟

پہلا مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام کو اس کا مالک کسی مال کا مالک بنادے تو وہ اس مال کا مالک ہوجائے گا، ان کا استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں غلام کی طرف مال کی نسبت کی گئی ہے (ترمذی کی روایت میں وله مالٌ ہے (حدیث ۱۲۲۸) پس وہ مال کا مالک بن سکتا ہے، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم ہے، اور حضرت کا قول جدید اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ غلام کسی بھی مال کا مالک نہیں بن سکتا، چنانچہ اس حدیث میں جو غلام کے پاس مال ہے وہ بائع (آقا) کا مال ہے اور غلام کی طرف مال کی نسبت اس کو خرچ کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے ہے، ملکیت کے اعتبار سے نہیں، پس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غلام بیچا گیا اور اس کے تصرف میں اس کے آقا کا مال ہے تو وہ مال بائع کا ہوگا، مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگادے۔

غلام کو مال سمیت خریدے تو کیا علی الاطلاق بیع صحیح ہے؟

دوسرا مسئلہ: اگر کوئی شخص غلام کو مال سمیت خریدے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع مطلقاً صحیح ہے، خواہ وہ مال جو غلام کے پاس ہے ثمن کی جنس سے ہو، یا غیر جنس سے، ثمن سے زیادہ ہو یا کم، بہر صورت بیع جائز ہے، ان کا استدلال

حدیث کے عموم سے ہے، اور غلام کا مال اس کے تابع ہوگا، اور ثمن کو اس کے مقابل نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سود لازم نہ آئے —— پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر غلام کے پاس دراہم ہیں تو دراہم سے بیع ناجائز اور دینار سے جائز ہوگی، اور غلام کے پاس دینار ہیں تو دینار سے بیع ناجائز اور دراہم سے جائز ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے کہ غلام کے پاس جو مال ہے اگر وہ غیر ثمن کی جنس سے ہے تو بیع صحیح ہے اور ثمن کی جنس سے ہے تو بیع کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مال ثمن سے کم ہو، تاکہ ثمن کے بقدر مال ثمن کے مقابل ہو جائے، اور زائد مال غلام کے مقابل، اور اگر ثمن اور غلام کا مال برابر ہو یا غلام کا مال ثمن سے زیادہ ہو تو بیع فاسد ہوگی (مزید تفصیل کے لئے شرح نووی اور فتح الباری دیکھیں)

یہ جزء مرفوع ہے یا موقوف؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو راویے ہیں —— جس راوی کو اپنے استاذ کی سب مرویات محفوظ ہوں وہ اس کا راویہ کہلاتا ہے —— ایک: سالم جو آپ کے صاحبزادے ہیں۔ دوسرے: نافع جو آپ کے مولیٰ (آزاد کردہ) ہیں، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن میں فرمایا ہے کہ سالم و نافع کے درمیان ابن عمرؓ کی چار حدیثوں میں اختلاف ہوا ہے، ان میں سے ایک یہ روایت بھی ہے، اس حدیث میں دو مضمون ہیں: ایک: نخل مؤبَّر کی بیع۔ دوم: غلام کی بیع، سالم دونوں جزء مرفوع روایت کرتے ہیں اور نافع نخل مؤبَّر کو مرفوع اور غلام والے مضمون کو موقوفاً روایت کرتے ہیں، عن ابن عمر عن عمر کے طریق سے موقوف روایت کرتے ہیں، یعنی غلام والا مضمون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، آنحضور ﷺ کا ارشاد نہیں، محدثین میں سے بہت سے حضرات جیسے امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ نافع کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور امام بخاری، امام احمد اور دیگر بہت سارے محدثین سالم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے نزدیک دونوں مضمون مرفوع ہیں، چنانچہ نافع کے بھی بعض تلامذہ مثلاً: یحیٰ بن سعید، عبدربہ بن سعید اور سلیمان بن موسیٰ وغیرہ نے غلام والے مضمون کو حضرت نافع سے مرفوعاً روایت کیا ہے، پس اس کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی سالم کی روایت کو اصح کہا ہے، کیونکہ عکرمہ ان کے متابع ہیں (کتاب البیوع باب ۲۵)

وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَىٰ بْنُ يَحْيَىٰ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ يَحْيَىٰ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَىٰ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ بِمِثْلِهِ.

وضاحت: سالم سے ابن شہاب زہری نے روایت کیا ہے، اور ان سے لیث، سفیان اور یونس روایت کرتے ہیں۔ گذشتہ حدیث لیث کی روایت کردہ تھی اور یہاں پہلی سفیان کی اور دوسری یونس کی روایت ہے۔

۱۶- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَعَنِ الْمُخَابَرَةِ وَبَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلاَحِهَا وَعَنْ بَيْعِ الْمُعَاوَمَةِ وَهُوَ بَيْعُ السِّنِيْنَ

مُحاقلہ، مُزابنہ اور مُخابرہ کی ممانعت اور پھل بدوّ صلاح سے پہلے بیچنے کی ممانعت، اور بیع مُعاومہ یعنی بیع سنین کی ممانعت

محاقلہ اور مزابنہ کا بیان گذشتہ باب میں اور بدوّ صلاح کا بیان گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکا ہے۔ اور مخابرہ اور مزارعہ ایک ہیں یعنی زمین بٹائی پر دینا، اور باغ بٹائی پر دینا مساقات ہے، اور بہار بیچنا مُعاومہ ہے، جس کا دوسرا نام بیع سنین ہے ـــــ جمہور کے نزدیک مخابرہ اور مزارعہ یعنی زمین بٹائی پر دینا جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور بیع سنین یعنی بہار بیچنا بالاجماع ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے۔

مُعاوَمَه: عَامٌ سے ہے جس کے معنی ہیں: سال، اور اصطلاحی معنی ہیں: ایک سال کی یا زیادہ سالوں کی بہار بیچنا، یہ بالاتفاق ناجائز ہے اور بیع باطل ہے، کیونکہ ابھی مبیع کا وجود نہیں۔

[۸۱-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوْا جَمِيْعًا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلاَحُهُ، وَلاَ يُبَاعُ إِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ، إِلَّا الْعَرَايَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "نبی ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع کیا، اور بدوّ صلاح سے پہلے پھل بیچنے سے منع کیا اور پھل نہ بیچے جائیں مگر دینار ودرہم کے عوض، مگر بیع عریہ مستثنیٰ ہے"

مخابرہ کی وجہ تسمیہ اور زمین و باغ بٹائی پر دینے کا حکم:

مخابرہ اور مزارعہ مترادف الفاظ ہیں[۱]، مزارعہ: زَرْعٌ (کھیتی) سے ہے اور اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اور مخابرہ: خیبر

(۱) بعض لوگ مزارعہ اور مخابرہ میں فرق کرتے ہیں، اگر بیج مالک کا ہے تو مزارعہ اور مزدور وعامل کا ہے تو مخابرہ۔

سے ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے خیبر کی زمین یہود کو بٹائی پر دی تھی اس لئے خیبر سے مخابرہ بنا۔[1]

زمین کرایہ پر دینا بالاجماع جائز ہے اور جز معین پر دینا بالاجماع جائز نہیں، مثلاً: زمین گیہوں بونے کے لئے دی اور دس من گیہوں کی شرط لگائی کہ اتنا گیہوں مجھے دینا، باقی تمہارا، یا کسی معین جگہ کی پیداوار کی شرط لگائی تو یہ بالاجماع جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے: اس معین جگہ میں کچھ پیدا نہ ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دس من ہی یا اس سے بھی کم پیدا ہو۔

اور جزءِ مشترک پر یعنی بٹائی پر زمین دینے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، اور جزءِ مشترک پر بٹائی پر دینا یہ ہے کہ کل پیداوار میں سے مثلاً: نصف یا تہائی یا تین تہائی پیداوار ایک کی اور باقی دوسرے کی، یہ جائز ہے یا نہیں؟ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، اور جمہور کے نزدیک بشمول صاحبین جائز ہے، پھر امام شافعی اور امام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں بھی مزارعت جائز نہیں۔

مساقات: سَقْیٌ سے باب مفاعلہ ہے اس کے معنی ہیں درختوں کو پانی پلانا، سینچائی کرنا، کسی نے اپنا باغ کسی کو پرداخت پر دیا اور کل پیداوار میں سے نصف یا تہائی یا تین تہائی پر معاملہ کیا تو یہ مساقات ہے، اب وہ شخص درختوں کی ہر طرح کی خدمت کرے گا اور جو پھل پیدا ہوگا اس میں سے حسب معاملہ لے گا۔

امام شافعی اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہیں، اور امام اعظمؒ کے نزدیک مزارعت اور مساقات دونوں ناجائز ہیں، غرض امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے مثلاً ایک باغ جز مشترک پر پرداخت کے لئے دیا، اس میں خالی زمین بھی ہے، باغ کے مالک نے اس میں مزارعت کا معاملہ بھی کرلیا تو یہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔[2]

---

(۱) مخابرہ کی چند اور بھی وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں: (۱) مُخابرہ: خَبار (بفتح الخاء) سے مشتق ہے، جس کے معنی نرم زمین کے ہیں (۲) خبیر سے مشتق ہے جس کے معنی کاشت کار کے ہیں (۳) خُبْرَۃٌ (بضم الخاء) سے مشتق ہے جس کے معنی حصہ کے ہیں (۴) اور راجح یہ ہے کہ یہ خیبر سے ہے اس لئے کہ خیبر کی زمین یہود کو بٹائی پر دی گئی تھی اس لئے خیبر سے مُخابرہ بنا۔

(۲) امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے چند شرطوں کے ساتھ (۱) دونوں کا معاملہ علاحدہ علاحدہ ہوا ہو (۲) دونوں کا معاملہ ایک ساتھ ہوا ہو، اگر یکے بعد دیگرے معاملہ کیا تو جائز نہیں، کیونکہ تبعیت باقی نہیں رہی (۳) پہلے مساقات کا معاملہ ہوا ہو، اگر برعکس کیا تو جائز نہیں (۴) وہ خالی زمین جس میں مزارعت کا معاملہ ہوا ہے باغ کے ساتھ اس طرح متصل ہو کہ اس کو دیوار وغیرہ سے علاحدہ اور ممتاز کرنا مشکل ہو (۵) بیج مالک کا ہو۔ اور بعض شوافع یہ بھی شرط بیان کرتے ہیں کہ ارض زراعت باغ کی بہ نسبت کم ہو، مگر اصح یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک یہ شرط نہیں ـــــ اور امام ←

جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں احناف کے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے، اور شوافع کے یہاں بھی جواز کا فتوی ہے، امام شافعیؒ کے قول پر فتوی نہیں۔

تشریح: اس حدیث کی بناء پر امام شافعی، امام مالک اور امام اعظم رحمہم اللہ نے مزارعت کو ناجائز کہا ہے، پھر امام اعظمؒ نے مزارعت پر قیاس کر کے مساقات کو بھی ناجائز کہا، اور امام شافعیؒ نے قیاس نہیں کیا، اباحتِ اصلیہ پر باقی رکھا، کیونکہ اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں (تفصیل کتاب المساقات میں آئے گی)

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے خیبر کی زمین میں یہود کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا یہی مزارعت ہے، پس ثابت ہوا کہ مخابرہ جائز ہے، اب دو حدیثوں میں تعارض ہو گیا اور دونوں حدیثیں صحیح قابل استدلال ہیں اور تطبیق ممکن نہیں اس لئے تاویل ناگزیر ہے۔

امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ نے قولی روایت کو لیا اور فعلی روایت کی یہ تاویل کی کہ آنحضور ﷺ نے خیبر کے یہود کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ خراجِ مقاسمہ کا معاملہ تھا، مزارعت کا معاملہ نہیں تھا۔[1]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے یہود پر ذمی ہونے کی وجہ سے خراج واجب تھا، مگر ان سے مقررہ رقم کے بجائے کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف لیا گیا، یہ تاویل صاحب ہدایہ نے کی ہے، مگر یہ تاویل صحیح نہیں، کیونکہ خراج گورنمنٹ لیتی ہے جبکہ خیبر میں مجاہدین کی بھی زمینیں تھیں اور ان کی پیداوار کا نصف مالکان لیتے تھے۔

اور جمہور نے فعلی روایت کو لیا اور قولی روایت کی تاویل کی کہ وہ ممانعت لغیرہ تھی۔ بہ الفاظ دیگر: وہ ممانعت مبنی بر مصلحت تھی۔ اس کی نظیر: یہ ہے: ایک سال قربانی کے دنوں میں مدینہ میں باہر سے بہت لوگ آگئے تو آپؐ نے اعلان کرایا: کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے، یہ اعلان اس لئے کرایا تھا کہ باہر سے آنے والوں کو گوشت پہنچے، مگر لوگوں نے اس کو حکم شرعی سمجھ لیا اور آئندہ سال بھی تین دن کے بقدر گوشت رکھ کر باقی گوشت تقسیم کرنا شروع کر دیا تو آپؐ نے سابق اعلان کی مصلحت سمجھائی اور تین دن سے زائد گوشت رکھنے کی اجازت دی (ترمذی حدیث ۱۴۹۸)

اسی طرح مخابرہ کی ممانعت بھی بربنائے مصلحت تھی، اور وہ مصلحت یہ تھی کہ لوگ ہر طرف سے ہجرت کر کے مدینہ چلے

← مالک رحمہ اللہ کے یہاں بھی تقریباً یہی شرائط ہیں، البتہ امام مالکؒ نے موطا میں یہ شرط ذکر کی ہے کہ ارض زراعت باغ کی بہ نسبت کم ہو، اور امام شافعیؒ کے یہاں اصح قول کے مطابق یہ شرط نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱: ۴۳۶)

---

(۱) زمین پر جو خراج اور لگان لیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) خراجِ موظف (۲) خراجِ مقاسمہ۔ خراجِ موظف: یہ ہے کہ غلہ کی یا رقم کی کوئی مقرر مقدار زمین والوں پر مقرر کی جائے۔ اور خراجِ مقاسمہ: یہ ہے کہ پیداوار کا معین جزء مشاع، مثلاً: تہائی، چوتھائی یا نصف مقرر کیا جائے ——— کسی علاقہ کو فتح کرنے کے بعد امام المسلمین کو اختیار ہے کہ وہ غیر مسلم اقوام اور ان کی زمینوں کے ساتھ جو چاہے برتاؤ کرے، ایک طریقہ یہ ہے کہ ان پر احسان کرے اور زمین پر خراج مقاسمہ مقرر کرے۔

آرہے تھے، اور وہ تہی دست تھے، جبکہ مدینہ کے اصل باشندوں کے پاس زمینیں تھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے توازن قائم کرنے کے لئے وقتی طور پر مزارعت سے منع کیا تا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہو اور وہ خود اسے نہ بو سکتا ہو تو وہ اپنی زمین کسی مہاجری کو دیدے تا کہ وہ اس میں کھیتی کر کے اپنی ضرورت پوری کرے، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ بنونضیر کا علاقہ فتح ہوا، پس آپ ﷺ نے انصار سے مشورہ کیا اور فرمایا: اگر تم اجازت دو تو میں یہ ساری زمین مہاجرین میں تقسیم کردوں، اور ان کے پاس تمہاری جو زمینیں ہیں وہ تمہیں واپس کردیں، انصار نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! آپ بنونضیر کی زمینیں بھی ان کو دیں اور ہماری زمینیں بھی ان کے پاس رہنے دیں، مگر آپ ﷺ نے اس کو قبول نہ کیا اور انصار کی زمینیں واپس کرادیں۔ اس طرح توازن قائم کردیا، پس بعد میں مزارعت کی ممانعت کا حکم ختم ہو گیا کیونکہ مصلحت باقی نہیں رہی، چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے بھی مزارعت کا معاملہ کیا اور صحابہ نے بھی کیا، یہ ایک معقول تاویل ہے، چنانچہ حنفیہ نے بھی اور شوافع نے بھی مزارعت کے جواز کا فتوی دیا۔

فائدہ (۱): امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مزارعت کے مسائل بیان فرمائے ہیں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ مزارعت کو فاسد کہتے ہیں تو پھر مزارعت کے مسائل کیوں بیان فرمائے؟ علامہ شامی رحمہ اللہ نے خلاصہ کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے: وفي الشرنبلالية عن الخلاصة أن الإمام فرّع هذه المسائل في المزارعة على قول من جوّزها لِعلْمِه أن الناس لايأخذون بقوله: یعنی امام صاحب ؒ کو احساس تھا کہ لوگ ان کا قول نہیں لیں گے، اس لئے جن لوگوں نے جائز قرار دیا ہے ان کے قول کو مدنظر رکھ کر امام صاحب رحمہ اللہ نے مزارعت کے مسائل کو متفرع کیا ہے ـــــ اس بناء پر علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "امام صاحب کا مزارعت کے مسائل بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے جو مزارعت کو فاسد کہا ہے وہ بطور تحریم نہیں ہے، قَضى أبو حنيفة بفسادها بلاحد ولم ينه عنها أشد النّهي كما في الحقائق ويدل عليه أنه فرّع عليها مسائل كثيرة (علامہ ابن عابدین نے یہ بات ردالمحتار میں كتاب المزارعة کے شروع میں فرمائی ہے)

اور علامہ کشمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مجھے اس پر تعجب تھا کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں تو پھر انھوں نے اس سلسلہ کے مسائل کیوں بیان کئے؟ ثم رأيتُ في حاوي القدسي، كرهها أبو حنيفة ولم ينه عنها أشد النهي وحينئذ نشطت من العقال وثاج الصدر: پھر میں نے حاوی القدسی میں یہ عبارت دیکھی: ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مزارعت کو مکروہ کہا ہے، حرام نہیں کہا، اس کے بعد مجھے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوا (فیض الباری ۳:۲۹۵) ان سب باتوں کا حاصل یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو مزارعت کو ناجائز کہا ہے وہ حرمت کی بناء پر نہیں، بلکہ احتیاط اور ورع وتقوی کی بناء پر اس کو ناجائز (مکروہ) کہا ہے۔

قوله: ولا يُبَاع إلا بالدينار: درخت پر جو پھل ہیں ان کو روپیوں سے خریدنا اور بیچنا جائز ہے اور یہ اجماعی مسئلہ

ہے، جاننا چاہئے کہ یہ حصر اضافی ہے، یعنی ہم جنس پھل کے عوض حصر ہے، پس روپیوں کے عوض ان کو خرید سکتے ہیں، اسی طرح غیر جنس پھل کے عوض بھی خرید سکتے ہیں، ہاں ہم جنس پھل کے عوض نہیں خرید سکتے، کیونکہ اس میں ربا یا احتمال ربا ہے۔

وَحَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَأَبِيْ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُمَا سَمِعَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ.

وضاحت: گذشتہ حدیث ابن جریج سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی تھی، ان کے استاذ الاستاذ تنہا عطاء ہیں، اور یہ روایت ابن جریج سے ابو عاصم نے روایت کی ہے اور استاذ الاستاذ دو ہیں: عطاء اور ابو الزبیر، علاوہ ازیں: عطاء کی گذشتہ حدیث حضرت جابرؓ سے بصیغہ عن ہے اور یہاں سماعت کی صراحت ہے، یہ اضافۂ مزید ہے۔

[۸۲-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ الْجَزَرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نهٰى عن الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ، وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُطْعِمَ، وَلاَ تُبَاعُ إِلاَّ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ، إِلاَّ الْعَرَايَا.
قَالَ عَطَاءٌ: فَسَّرَ لَنَا جَابِرٌ، قَالَ: أَمَّا الْمُخَابَرَةُ فَالْأَرْضُ الْبَيْضَاءُ يَدْفَعُهَا الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فَيُنْفِقُ فِيْهَا، ثُمَّ يَأْخُذُ مِنَ الثَّمَرِ، وَزَعَمَ أَنَّ الْمُزَابَنَةَ، بَيْعُ الرُّطَبِ فِي النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَالْمُحَاقَلَةُ فِي الزَّرْعِ عَلٰى نَحْوِ ذٰلِكَ يَبِيْعُ الزَّرْعَ الْقَائِمَ بِالْحَبِّ كَيْلاً.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مخابرہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا، اور پھل بیچنے سے منع کیا تا آنکہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں (بدو صلاح ہو جائے) اور نہ بیچی جائے (کھجور) مگر درہم و دینار کے عوض، مگر بیع عریہ مستثنیٰ ہے ـــــ عطاءؒ کہتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے اس کی وضاحت کی، فرمایا: رہا مخابرہ (وہ یہ ہے کہ) ایک شخص صاف (خالی) زمین دوسرے شخص کو دے، پس وہ اس میں خرچ کرے (یعنی اس کو بوئے) پھر وہ (زمین کا مالک) اس کی پیداوار میں سے کچھ لے، اور انھوں نے بیان کیا کہ مزابنہ: درخت پر موجود کھجور کو (اندازہ کر کے) چھوہاروں کے عوض ناپ تول کر بیچنا ہے، اور محاقلہ: کھیتی میں اسی طرح کا معاملہ کرنا ہے (یعنی) کھڑی کھیتی کو (اندازہ کر کے) کٹے ہوئے دانوں کے عوض (ہم جنس غلہ کے عوض) ناپ تول کر بیچنا ہے۔

[۸۳-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِيْ خَلَفٍ، كِلاَهُمَا عَنْ زَكَرِيَّا، قَالَ ابْنُ أَبِيْ خَلَفٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ، حَدَّثَنَا أَبُوْ الْوَلِيْدِ الْمَكِّيُّ وَهُوَ جَالِسٌ عِنْدَ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى

عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ، وَأَنْ تُشْتَرَى النَّخْلُ حَتّٰى تُشْقِهَ (وَالإِشْقَاهُ أَنْ يَحْمَرَّ أَوْ يَصْفَرَّ أَوْ يُؤْكَلَ مِنْهُ شيئٌ) وَالْمُحَاقَلَةُ أَنْ يُبَاعَ الْحَقْلُ بِكَيْلٍ مِنَ الطَّعَامِ مَعْلُوْمٍ، وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَاعَ النَّخْلُ بِأَوْسَاقٍ مِنَ التَّمْرِ، وَالْمُخَابَرَةُ الثُّلُثُ وَالرُّبُعُ وَأَشْبَاهُ ذٰلِكَ.

قَالَ زَيْدٌ: قُلْتُ لِعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ: أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَذْكُرُ هٰذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع کیا، اور اس بات سے (منع کیا) کہ کھجور کے درخت (پھل) خریدے جائیں تا آنکہ اس کے پھل سرخ یا زرد ہو جائیں یا اس کا کچھ پھل کھانے کے قابل ہو جائے (یعنی بدوّ صلاح ہو جائے) اور محاقلہ یہ ہے کہ (کھڑا) کھیت بیچا جائے، طعام (ہم جنس غلہ) کے عوض جس کی مقدار ناپ کر معلوم کر لی گئی ہو، اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجور بیچی جائے وسق کے ذریعہ، معلوم المقدار تمر کے عوض، اور مخابرہ: (زمین کی پیداوار میں عامل کے ساتھ) تہائی کا یا چوتھائی کا یا اس جیسا معاملہ کرنا ہے، زید کہتے ہیں: میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا: کیا آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث نبی ﷺ کے حوالہ سے ذکر کرتے سنا ہے؟ حضرت عطاء نے کہا: ہاں۔

لغات ووضاحت:

قولہ: حَتّٰی تُشْقِهَ: اور اگلی روایت میں تُشْقِحَ (بالحاء) ہے، دونوں باب افعال سے ہیں اور دونوں درست ہیں ...... اَشْقَحَ الْبُسْرُ: گدر کھجور میں سرخی اور زردی آجانا اور کھانے کے قابل ہو جانا، اَشْقَحَ النخل بھی کہتے ہیں، الشُّقْحَةُ: اسم مصدر، رنگ برنگی گدر کھجور، جمع شِقَاح ...... تُشْقِهَ: بعض نے کہا کہ اصل میں تُشْقِحَ تھا، حاء کو ہاء سے بدل دیا (لغات الحدیث)

قولہ: نعم: پوری حدیث نقل کرنے کے بعد زید بن ابی اُنَیْسَہ نے حضرت عطاء سے یہ سوال کیا تھا، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جو محاقلہ اور مزابنہ وغیرہ کی تفسیر مروی ہے وہ مرفوع ہے، یعنی آنحضور ﷺ نے وہ تفسیر کی ہے، لیکن ماقبل حدیث میں صراحت ہے کہ وہ تفسیر حضرت جابرؓ نے کی ہے ـــــ اسی طرح اس حدیث میں أن تُشْتَرىٰ النَّخْلُ إلخ: سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر آنحضور ﷺ نے کی ہے، لیکن اس کے بعد والی روایت میں یہ صراحت ہے کہ سلیم بن حیانؒ نے سعید بن یسارؒ سے پوچھا کہ مَا تُشْقِحُ؟ اشقاح کیا ہے؟ تو سعیدؒ نے کہا: تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ ويُؤْكَلُ مِنها، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر سعید بن بیناء کی ہے، لیکن حافظ اسماعیل نے حضرت جابر کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ سعید بن بیناء کہتے ہیں: میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا: مَا تُشْقِحُ؟ تو انھوں نے مذکورہ تشریح کی،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر حضرت جابرؓ کی ہے، غرض یہ تفسیر صراحتاً مرفوع تو مروی نہیں اور حضرت جابرؓ کی یہ تفسیر ہے یا سعید بن میناء کی؟ اس میں اختلاف ہے (تکملہ)

[۸۴-] وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ، حَتّٰى تُشْقِحَ، قَالَ: قُلْتُ لِسَعِيْدٍ: مَا تُشْقِحُ؟ قَالَ: تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَيُؤْكَلُ مِنْهَا.

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سعید بن میناء روایت کرتے ہیں اور گذشتہ حدیث حضرت عطاءؒ نے روایت کی ہے۔

[۸۵-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ - وَاللَّفْظُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ- قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ مِيْنَاءَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَالْمُخَابَرَةِ- قَالَ أَحَدُهُمَا: بَيْعُ السِّنِيْنَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ- وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا.

وضاحت: یہ حدیث ایوبؒ سے حمادؒ روایت کرتے ہیں، ان کے استاذ الاستاذ دو ہیں: سعید بن میناء اور ابو الزبیر، اگلی روایت ایوب سے ابن علیہ نے روایت کی ہے اور ان کے استاذ الاستاذ تنہا ابو الزبیر ہیں، اور اس روایت میں ایک مزید ممنوع بیع کا ذکر ہے اور وہ بیع ثُنیا (بیع میں استثناء کرنا) ہے۔

ثُنیا: دنیا کے وزن پر بمعنی استثناء ہے، اگر بیع میں کوئی استثناء کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس پر عقد وارد ہو سکتا ہے اس کا استثناء بھی ہو سکتا ہے، اور ہر وہ چیز جس پر عقد وارد نہیں ہو سکتا اس کا استثناء بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً: بکریوں کے ریوڑ میں سے تعیین کے بغیر دس بکریاں بیچنا جائز نہیں کیونکہ بکریوں کے افراد میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے اس لئے مبیع کی تعیین کے وقت جھگڑا ہوگا، پس ریوڑ میں سے دس بکریوں کا استثناء کرنا بھی جائز نہیں، یہاں بھی جھگڑے کا احتمال ہے، مشتری دبلی اور مریل بکریاں علحدہ کرے گا اور بائع اچھی بکریاں چھانٹے گا، اور ریوڑ میں سے دس بکریاں متعین کر کے فروخت کرنا جائز ہے، پس متعین دس بکریوں کا استثناء بھی جائز ہے، اور گیہوں کے ڈھیر میں سے بغیر تعیین کئے پانچ کلو گیہوں بیچنا جائز ہے، کیونکہ گیہوں کے دانوں میں کوئی خاص تفاوت نہیں ہوتا، پس ڈھیر میں سے پانچ کلو کا استثناء بھی جائز ہے۔

فائدہ: ترمذی شریف میں (حدیث نمبر ۱۲۷۵) والثُنیا کے بعد إلا أن تُعلم کا اضافہ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بیع

میں سے مجہول استثناء تو جائز نہیں، مثلاً: بائع یہ کہے کہ غلہ کے اس ڈھیر کو بیچتا ہوں مگر اس کا کچھ حصہ نہیں بیچتا تو یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ مبیع کی مقدار مجہول ہے، اور اگر مبیع اور استثناء دونوں کی مقدار معلوم ہو، مثلاً: یہ کہے کہ بکریوں کا یہ ریوڑ بیچتا ہوں مگر فلاں فلاں بکری نہیں بیچتا تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر استثناء معلوم اور مبیع کی مقدار مجہول ہو، جیسے یہ کہے کہ گندم کا یہ ڈھیر بیچتا ہوں مگر اس میں سے پانچ کلو مستثنیٰ کرتا ہوں تو یہ بیع امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، ان کے یہاں استثناء کے ساتھ مبیع کا بھی معلوم ہونا شرط ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت (بروایت حسن) یہی ہے، اور امام صاحب رحمہ اللہ کا دوسرا قول جو ظاہر الرایہ [1] ہے یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کو مستقلاً بیچنا صحیح ہے اس کا استثناء کرنا بھی صحیح ہے۔

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ — وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ — عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يَذْكُرُ بَيْعُ السِّنِينَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ.

وضاحت: یہ حدیث ایوبؒ سے ابن علیہؒ روایت کرتے ہیں، ان کے استاذ الاستاذ تنہا ابو الزبیر ہیں، اور ان کی روایت حماد کی روایت کے مثل ہے، مگر وہ یہ ٹکڑا: بیع السنین ھی المعاومۃ روایت نہیں کرتے۔

[۸۲--] وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ، حَدَّثَنَا رَبَاحُ بْنُ أَبِي مَعْرُوفٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ وَعَنْ بَيْعِهَا السِّنِينَ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيبَ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عطاء بن رباحؒ روایت کرتے ہیں، اور کراء الأرض کی وضاحت اور احکام اگلے باب میں آرہے ہیں —— طَابَ، يَطِيبُ، طِيبًا وَطِيبَةً لذیذ ہونا، میٹھا ہونا، اچھا اور عمدہ ہونا، یہ بدو صلاح سے کنایہ ہے۔

۱۷- بَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ

زمین کرایہ پر (بٹائی پر) دینے کا بیان

كَارَاهُ مُكَارَاةً وَكِرَاءً الْأَرْضَ کے معنی ہیں: زمین کرایہ پر دینا، کرایہ پر زمین دینے کی چار صورتیں ہیں: تین

(۱) امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں: جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، زیادات اور مبسوط میں جو قول ہو وہ ظاہر الروایہ کہلاتا ہے اور وہی قول راجح ہوتا ہے۔

صورتوں میں اتفاق ہے، ایک کے جواز پر اور دو کے عدم جواز پر اور چوتھی صورت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ اور جمہور جواز کے، وہ چار شکلیں یہ ہیں:

۱- زمین روپیوں کے عوض کرایہ پر دینا، ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے۔

۲- زمین بٹائی پر دینا اور شرط لگانا کہ زمین کے مخصوص حصہ کی پیداوار ایک کی اور دوسرے حصہ کی پیداوار دوسرے کی، یہ بالاجماع ناجائز ہے۔

۳- زمین بٹائی پر دینا اور پیداوار کی خاص مقدار مالک کے لئے یا عامل کے لئے طے کرنا، یہ بھی بالاجماع ناجائز ہے۔

۴- زمین بٹائی پر دینا، اور فی صد پیداوار تقسیم کرنا یعنی آدھا آدھا کرنا یا ایک تہائی اور دو تہائی کرنا، اس کو امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ ناجائز کہتے ہیں، مگر احناف اور شوافع کے نزدیک فتوی جواز پر ہے۔ اور باقی فقہاء جائز کہتے ہیں۔ اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی جواز کے قائل ہیں اور انھوں نے اس سلسلہ میں مختلف آثار پیش کئے ہیں (دیکھئے کتاب المزارعة ۸)

ملحوظہ: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطعومات (کھانے پینے کی چیزوں) کے عوض زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں، خواہ وہ مطعوم غلہ ہو یا کچھ اور، جیسے: شہد، گھی اور تیل وغیرہ، غیر مطعوم اور روپے پیسوں کے عوض جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، مطعوم کے عوض بھی اور غیر مطعوم کے عوض بھی، اور حضرت حسن بصریؒ اور ابن حزمؒ وغیرہ کے نزدیک کرایہ پر زمین دینا مطلقاً جائز نہیں، نہ روپیوں کے عوض اور نہ اجناس کے عوض، انھوں نے ممانعت والی احادیث کے عموم سے استدلال کیا ہے (شرح نووی)

[۸۷-] وَحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا۔

تشریح: ابن حزم ظاہری اور حسن بصریؒ وغیرہ نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے اور کرایہ پر زمین دینے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے، رقم کے عوض بھی اور اجناس واشیاء کے عوض بھی، وہ کہتے ہیں کہ کراء الأرض (زمین کا کرایہ) کا اطلاق رقومات پر بھی ہوتا ہے اور پیداوار اور دیگر اشیاء پر بھی، پس کرایہ پر زمین دینا مطلق ناجائز ٹھہرا، کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایتیں بھی جو باب میں آرہی ہیں، ان کا مستدل ہیں، ان کے عموم سے بھی عدم جواز کے قائلین نے استدلال کیا ہے۔

اور جمہور جو جواز کے قائل ہیں ان کا مستدل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو نسائی شریف میں

ہے:نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذٰلک وأَمَرنا أن نُكريها بذهب وفضة: نبی ﷺ نے ہمیں مزارعت سے منع کیا اور یہ حکم دیا کہ اگر زمین کرایہ پر دینی ہی ہے تو درہم و دینار کے عوض دو، ابوداؤد شریف میں بھی اس کے مثل روایت ہے، اور باب میں یہ روایت آرہی ہے کہ حنظلہ بن قیس نے حضرت رافعؓ سے پوچھا: درہم و دینار کے بدلے زمین کرایہ پر دینے کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا: أما بالذهب والورق فلا بأس به: یعنی درہم و دینار کے عوض کرایہ پر زمین دینے میں کچھ مضائقہ نہیں، ان کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جن سے جواز اخذ ہوتا ہے ـــــ اور بٹائی پر زمین دینا بھی جمہور کے نزدیک جائز ہے، اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا تھا، حضرات صحابہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، اور خلفاء راشدین کے زمانوں میں بھی، بلکہ آج تک امت کا اس پر تعامل ہے۔

اور مذکورہ حدیث اور اس قسم کی دیگر روایات کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت کی وہ شکلیں جن میں مخاطرہ (خطرہ) تھا ان کی ممانعت فرمائی تھی، مطلقاً مزارعت کی ممانعت نہیں فرمائی تھی، مخاطرہ کے معنی ہیں: خطرہ یعنی وہ معاملہ جو نفع نقصان کے درمیان دائر ہو، یہی سٹہ کی حقیقت ہے، اور مزارعت کی ایسی دو شکلیں مدینہ میں رائج تھیں۔

پہلی شکل: زمین بٹائی پر دیتے تھے اس شرط پر کہ بولوں کی پیداوار ایک کی ہوگی اور کیاری کی دوسرے کی، پھر کبھی بولوں پر پیداوار ہوتی تھی اور کیاری میں نہیں ہوتی تھی، اور کبھی اس کے برعکس ہوتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے اجارہ سے منع کیا۔

دوسری شکل: پیداوار کی خاص مقدار مثلاً دس من ایک کی، اور باقی دوسرے کی، اس میں بھی امکان تھا کہ دس من بھی پیدا نہ ہو، اس لئے نبی ﷺ نے منع کیا کہ اس طرح معاملہ مت کرو۔

[۸۸-] وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ (لَقَبُهُ عَارِمٌ، وَهُوَ أَبُو النُّعْمَانِ السَّدُوسِيُّ) حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ، حَدَّثَنَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا، فَإِنْ لَمْ يَزْرَعْهَا فَلْيُزْرِعْهَا أَخَاهُ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کے پاس زمین ہو تو چاہئے کہ وہ خود اسے بوئے، اگر وہ خود نہ بوئے تو اپنے بھائی کو بونے کے لئے دے"

تشریح: ہجرت کے بعد مدینہ میں جو معاشی عدم توازن پیدا ہو گیا تھا کہ آدھے باشندوں کے پاس ساری زمینیں اور باغات تھے اور آدھوں کے پاس کچھ نہیں تھا، اس لئے نبی ﷺ نے توازن قائم کرنے کے لئے وقتی طور پر مخابرہ (مزارعہ) سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ کسی کے پاس زائد زمین ہو تو وہ مہاجرین کو مفت بونے کے لئے دے یہ ممانعت غم خواری کے

نقطۂ نظر سے تھی۔ اس کی تفصیل گذشتہ باب کے شروع میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[۸۹-] حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا هِقْلٌ (يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ) عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ لِرِجَالٍ فُضُولُ أَرَضِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ كَانَتْ لَهُ فَضْلُ أَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ حضرات کے پاس ان کی ضرورت سے زائد زمینیں تھیں، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس زائد زمین ہو تو یا تو وہ خود اسے بوئے یا اپنے بھائی کو عطیہ کے طور پر دے (تا کہ وہ بوئے) پس اگر وہ (مفت دینے سے) انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس روکے رہے (اجرت پر دوسرے سے بوانا جائز نہیں)

[۹۰-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَخْنَسِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُؤْخَذَ لِلْأَرْضِ أَجْرٌ أَوْ حَظٌّ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ (زرعی) زمین کا کرایہ یا حصہ لیا جائے ـــــ أجرٌ کے معنی: ثواب اور کرایہ، اور مزدوری کو بھی اجر کہتے ہیں، اور الحظُّ کے معنی ہیں: حصہ، یعنی زرعی زمین کا کرایہ یا پیداوار میں سے حصہ لینے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَزْرَعَهَا وَعَجَزَ عَنْهَا فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُؤَاجِرْهَا إِيَّاهُ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس (زرعی) زمین ہو تو چاہئے کہ وہ خود اس کو بوئے، اگر خود کاشت کرنے کی طاقت نہ ہو اور وہ کاشت کاری سے عاجز ہو تو اپنے بھائی کو منیحہ (عطیہ) کے طور پر دے یعنی مفت بونے کے لئے دے، اور اس سے اس زمین کا کرایہ نہ لے"

[۹۲-] وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: سَأَلَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى عَطَاءً فَقَالَ: أَحَدَّثَكَ

جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلاَ يُكْرِهَا؟" قَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: سلیمان بن موسیٰ نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا: کیا آپ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود بوئے، یا اپنے (مسلمان) بھائی کو بونے کے لئے دے، اور اس زمین کو کرایہ پر نہ دے" عطاء نے کہا: ہاں (یہ عرض علی المحدث ہے، دیکھئے: ایضاح المسلم ١: ٨٦)

اسناد: یہاں تک سب حدیثیں عطاء بن ابی رباحؒ کی ہیں جو انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں، اور عطاءؒ سے سلیمانؒ بن موسیٰ، عبد الملکؒ، بکیر بن الاخنسؒ، امام اوزاعیؒ اور مطر الورّاقؒ نے روایت کیا ہے اور مطر الوراق سے روایت کرنے والے دو حضرات: مہدی بن میمونؒ اور حماد بن زیدؒ ہیں۔

[٩٣-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ.

[٩٤-] وَحَدَّثَنِيْ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ، حَدَّثَنَا سَلِيْمُ بْنُ حَيَّانَ، حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ أَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلاَ تَبِيْعُوْهَا" فَقُلْتُ لِسَعِيْدٍ: مَا قَوْلُهُ: وَلاَتَبِيْعُوْهَا، يَعْنِيْ: الْكِرَاءَ؟ قَالَ: نَعَمْ.

وضاحت: یہ دونوں حدیثیں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ اول: سفیان نے بواسطہ عمر روایت کی ہے، اور ثانی: سلیم بن حیان نے بواسطہ سعید بن میناء ـــــ دوسری حدیث کا ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس زائد زمین ہو تو وہ خود اس کو بوئے یا اپنے (مسلمان) بھائی کو کاشت کے لئے دے، اور تم زمین کو نہ بیچو" (ابن حیان کہتے ہیں) میں نے سعید بن میناء سے پوچھا: کیا بیچنے سے مراد کرایہ پر دینا ہے؟ سعید نے کہا: ہاں۔

تشریح: یہ سب ایک ہی قسم کی احادیث ہیں، اور ان احادیث میں جو اجرت اور بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت فرمائی ہے وہ نہی ارشادی ہے، مدینہ منورہ کے انصار کو ایک مصلحت کے پیش نظر مہاجرین کے ساتھ خیبر جیسا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا تھا، تاکہ معاشی عدم توازن ختم ہو، ورنہ مزارعت فی نفسہ جائز ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ملک میں معاشی توازن بگڑ جاتا ہے، کچھ لوگ انتہائی مالدار ہوتے ہیں، ان کے پاس بڑی بڑی کوٹھیاں ہوتی ہیں جن میں چوہے رہتے ہیں اور دوسرے لوگ فٹ پاتھ پر سوتے ہیں ان کے پاس سر چھپانے

کے لئے جھونپڑا بھی نہیں، تو یہ معاشی تفاوت مسائل پیدا کرتا ہے، پھر کیمونزم وہاں ڈیرا ڈالتا ہے، ایسی صورت میں توازن قائم کرنا ضروری ہے، چنانچہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور انصار کے پاس زمینیں تھیں اور باغات تھے، اس لئے نبی ﷺ نے انصار کو زمینیں بٹائی پر دینے سے منع کیا، پس یہ شرعی مسئلہ نہیں، اور نہی ارشادی تھی، اور ممانعت وقتی طور پر تھی جو بعد میں ختم ہوگئی، اس سے زیادہ تفصیل گذشتہ باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

[۹۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا نُخَابِرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَنُصِيْبُ مِنَ الْقِصْرِيِّ وَمِنْ كَذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ فَلْيُحْرِثْهَا أَخَاهُ وَإِلَّا فَلْيَدَعْهَا"

ترجمہ: ابوالزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "ہم نبی ﷺ کے مبارک زمانہ میں مخابرہ کیا کرتے تھے (یعنی زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے) پس ہم حصہ پاتے تھے بالیوں میں باقی ماندہ دانوں سے اور اس طرح سے (یعنی شروط معاملہ ہوتا تھا) پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس کاشت کی زمین ہو تو وہ اس کو خود بوئے، یا اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے، ورنہ اس کو یونہی چھوڑ دے (کرایہ پر نہ دے)

قولہ: من القِصْرِيِّ: اس کو مختلف طرح پڑھا گیا ہے: (۱) قِصْرِيّ (ق اور ر مکسور، ص ساکن، ی مشدد) بروزن قِبطِيّ (۲) قَصْرَى (ق مفتوح، الف مقصورہ) بروزن قَتْلٰی (۳) قُصْرَى (ق مضموم) بروزن حُبْلٰی، صحیح اول ہے، اور اس کے معنی ہیں: غلہ گاہنے کے بعد خوشہ میں رہ جانے والے دانے جو گاہنے سے الگ نہ ہو سکے ہوں (شرح نووی) — یہ شامی لغت ہے اور معروف لغت القُصارۃ ہے، بعض روایات میں یہی لفظ آیا ہے۔

اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زمینوں میں مزارعت کا معاملہ مشروط ہوتا تھا، مثلاً: بولوں کی پیداوار ایک کی ہوگی اور کیاری کی دوسرے کی، یا برعکس، یا جو غلہ گاہنے کے وقت بالیوں سے الگ ہو جائے وہ مالک کا ہوگا اور باقی ماندہ مزارع (عامل و مزدور) کا یا برعکس، اس میں مخاطرہ (خطرہ) تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے اجارہ سے منع فرمادیا۔

[۹۶-] حَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى جَمِيْعًا، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ ابْنُ عِيْسٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ وَهْبٍ — حَدَّثَنِيْ هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَّ حَدَّثَهُ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: كُنَّا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَأْخُذُ الْأَرْضَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ بِالْمَاذِيَانَاتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَإِنْ لَمْ يَزْرَعْهَا فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ لَمْ يَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَلْيُمْسِكْهَا"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم لوگ زمین پانی کی نالیوں کے

کناروں پر پیدا ہونے والی پیداوار کے تہائی یا چوتھائی حصہ پر لیا کرتے تھے، یعنی مزارعت کا معاملہ مشروط کرتے تھے، پس نبی ﷺ اس سلسلہ میں (بغرض تقریر) کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: "جس کی کوئی زمین ہو تو اسے چاہئے کہ خود اسے بوئے، اور اگر خود نہیں بوتا تو اپنے (مسلمان) بھائی کو منیحہ (عطیہ) کے طور پر دے، پس اگر وہ اپنے بھائی کو عطیہ کے طور پر نہ دے تو اس کو یونہی روکے رہے (اجرت پر نہیں دے سکتا)"

لغت: الماذیانات: ذال پر کسرہ اور بعض فتح پڑھتے ہیں: نہر، نالی، پانی بہنے کا راستہ، مراد ہے نالیوں پر یا اس کے آس پاس اُگی ہوئی پیداوار، محل بول کر حال مراد لیا ہے۔

تشریح:

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے جو اجرت اور بٹائی پر زمین دینے سے منع کیا تھا وہ نہی ارشادی تھی، اور ممانعت وقتی طور پر تھی، جو بعد میں ختم ہو گئی تھی، چنانچہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اور خلفاء راشدین کے زمانوں میں بھی مسلسل مزارعت کا معاملہ کیا کرتے تھے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتا تھا، بلکہ آج تک امت میں اس کا تعامل ہے، پس یہ نہی ارشادی تھی، مصلحت پر مبنی تھی، جو بعد میں ختم ہو گئی تھی، البتہ مزارعت کی وہ شکلیں جن میں مخاطرہ تھا، جو نفع ونقصان کے درمیان دائر تھا اس کی ممانعت بدستور باقی ہے۔

[۹۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا أَبُوسُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَهَبْهَا أَوْ لِيُعِرْهَا"

[۹۸-] وَحَدَّثَنِيهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوَّابِ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ فَلْيُزْرِعْهَا رَجُلاً"

قوله: أو لِيُعِرْهَا: اس کو عاریت پر (بغیر معاوضہ کے) دے ـــــ العاريةُ: عارضی طور پر لی ہوئی چیز، اعری اعراء النخلةَ: کسی کو ایک سال کے لئے پھل ہبہ کرنا۔

قوله: بهذا الإسناد: اَعمش بھی اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے ابوسفیان روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت کے الفاظ مختلف ہیں۔

قوله: فَلْيَزْرَعْها إلخ: خود اس کو بوئے یا کسی اور کو بونے کے لئے دے ـــــ زَرَع (ف) زرعًا الأرضَ: جوتنا، أزرع الزرعُ: (افعال) کھیتی کرنے پر قادر ہونا۔

[۹۹-] وَحَدَّثَنِي هَارُوْنُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو (وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ) أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ؛ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ، حَدَّثَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ،

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ.

قَالَ بُكَيْرٌ: وَحَدَّثَنِيْ نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: كُنَّا نُكْرِيْ أَرْضَنَا ثُمَّ تَرَكْنَا ذٰلِكَ حِيْنَ سَمِعْنَا حَدِيْثَ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ.

قولہ: نهى عن كراء الأرض: پہلے بتایا جاچکا ہے کہ رقومات کے عوض زمین کرایہ پر دینا بالاجماع جائز ہے (ابن حزم کے علاوہ) اور پیداوار کے معین جزء مشاع کے عوض بھی جمہور کے نزدیک جائز ہے، اسی پر امت کا عمل ہے اور جن احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے وہ یا تو مصلحت پر مبنی ہیں، یا کراہت تنزیہی پر، یا وہ منسوخ ہیں، اور راجح یہی ہے کہ ممانعت والی روایات ان صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن صورتوں میں مخاطرہ ہے، ورنہ مزارعت فی نفسہ جائز ہے۔

قال بُكير: یہ تحویل ہے اور علامت تحویل لکھی ہوئی نہیں ہے، پہلے بتایا جاچکا ہے کہ تحویل کبھی مصنف کی طرف سے ہوتی ہے اس کی مثال بار بار آتی ہے، اور کبھی سند کے بیچ میں سے اوپر کی طرف ہوتی ہے، یہاں یہی صورت ہے، بُکیر دو سندوں سے یہ روایت بیان کرتے ہیں: (۱) عبداللہ بن ابی مسلمہ کے طریق سے (۲) نافع کے طریق سے، تحویل کی اس دوسری صورت میں ح لکھنے کا معمول نہیں۔

قولہ: كنا نكرى أرضا إلخ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "ہم اپنی زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے، پھر ہم نے کرایہ پر دینا چھوڑ دیا، جب ہم نے رافع بن خدیج کی حدیث سنی۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں، خلفاء راشدین کے زمانہ میں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے شروع میں اپنا کھیت کرایہ پر دیتے تھے، پھر ان کو کسی نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے کھیت کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، پس ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے، نافعؒ کہتے ہیں: میں بھی ان کے ساتھ گیا، پس ابن عمرؓ نے رافعؓ سے پوچھا، حضرت رافعؓ نے کہا: نبی ﷺ نے کھیت کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے؛ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ہم عہد نبوی میں اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدل جو بولوں پر ہوتی تھی، اور بھوسے کی کسی مقدار پر۔ یعنی نبی ﷺ نے مخاطرہ والی شکلوں سے منع کیا ہے، مطلقاً مزارعت سے منع نہیں کیا، ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں جانتا تھا کہ عہد نبوی میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی، پھر ابن عمرؓ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے نبی ﷺ نے مزارعت کے سلسلہ میں کوئی نیا حکم دیا ہو، جو ان کے علم میں نہ آیا ہو، چنانچہ انھوں نے زمین کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔

یہ حدیث بخاری شریف میں ہے اور باب میں بھی آرہی ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت رافعؓ سے حدیث سن کر احتیاطاً مزارعت کا معاملہ چھوڑ دیا تھا، مگر اس کو ناجائز نہیں کہتے تھے، بلکہ اس کے بعد بھی یہی کہتے تھے کہ

ممانعت ان شرائط کی بنیاد پر تھی ـــــ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی جو مزارعت سے منع کیا ہے وہ بھی بربناء احتیاط ہے، تفصیل ہم باب کے شروع میں فائدہ کے ضمن میں لکھ چکے ہیں۔

[۱۰۰-] وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْأَرْضِ الْبَيْضَاءِ سَنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے سفید زمین (یعنی خالی زمین جو بوئی ہوئی نہ ہو) دو تین سال کے لئے بیچنے سے منع کیا، یعنی زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا ـــــ ممانعت مخصوص صورتوں کے ساتھ خاص ہے۔

[۱۰۱-] وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيقٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ السِّنِينَ. وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ سِنِينَ.

وضاحت: بيع سنين: یعنی بہار بیچنا، یہ بالاجماع باطل ہے اس لئے کہ مبیع معدوم ہے۔

[۱۰۲-] حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ"

وضاحت: یہ مضمون بار بار گذرا، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات تھیں اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔

[۱۰۳-] وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ يَزِيدَ بْنَ نُعَيْمٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْحُقُولِ، فَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: الْمُزَابَنَةُ الثَّمَرُ بِالتَّمْرِ، وَالْحُقُولُ كِرَاءُ الْأَرْضِ.

[۱۰۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ) عَنْ سُهَيْلِ ابْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[۱۰۵-] وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِي رُؤُسِ النَّخْلِ، وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْأَرْضِ.

وضاحت: یہ حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں، اور ان میں بیع مزابنہ، بیع محاقلہ اور حقول یعنی کرایہ پر زمین دینے کی ممانعت مذکور ہے، ان سب کے احکام اور وضاحتیں گذر چکی ہیں۔

[۱۰۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، وَأَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ (قَالَ أَبُو الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا وَقَالَ يَحْيىٰ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ) عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: كُنَّا لاَ نَرَىٰ بِالْخِبْرِ بَأْسًا حَتّٰى كَانَ عَامُ أَوَّلَ، فَزَعَمَ رَافِعٌ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْهُ.

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: ہم مخابرہ (مزارعت) میں حرج نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ موجودہ سال سے پہلے سال (گذشتہ سال) حضرت رافعؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے مخابرہ سے منع کیا ہے —— شرح پہلے گذر چکی ہے (دیکھئے حدیث نمبر ۹۹ کی شرح)

قولہ: الخِبر: خاء پر کسرہ اور فتحہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، اور راجح کسرہ ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: جوہری وغیرہ نے دو ہی اعراب پڑھے ہیں، اور قاضی عیاضؒ کے نزدیک تینوں اعراب درست ہیں، راجح کسرہ ہے، پھر فتح، اور یہ مخابرہ کے معنی میں ہے (شرح نووی)

[۱۰۷-] وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، ح: وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَإِبْرَاهِيمُ ابْنُ دِينَارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ) عَنْ أَيُّوبَ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَهُ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ فَتَرَكْنَاهُ مِنْ أَجْلِهِ.

سند: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن حجر، ابراہیم بن دینار اور اسحاق بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں: (۱) ابوبکر بواسطہ سفیان (۲) علی بن حجر اور ابراہیم بن دینار: بواسطہ ابن علیہ اور ایوب (۳) اور اسحاق بن ابراہیم: بواسطہ وکیع اور سفیان: عمرو بن دینار سے اسی طریق سے روایت کرتے ہیں جس طریق سے حماد بن زید نے روایت کیا ہے، اور حماد بن زید کے مثل روایت کرتے ہیں، البتہ سفیان کے طریق میں آخر میں یہ اضافہ ہے: فترکنا من اجلہ: اس وجہ سے ہم نے مزارعت کا معاملہ چھوڑ دیا۔

[۱۰۸-] وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَقَدْ مَنَعَنَا رَافِعٌ نَفْعَ أَرْضِنَا.

قولہ: لقد منعنا رافع إلخ: ہمیں نافع نے ہماری اپنی زمینوں سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا، یعنی مزارعت پر

دینے سے منع کر دیا ـــــ ان الفاظ میں صاف اشارہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے خیال میں مخابرہ غیر مشروع نہیں تھا، ورنہ آپ ممانعت کی نسبت شریعت کی طرف کرتے، بلکہ ان کے خیال میں مزارعت کا معاملہ جائز تھا، مگر حضرت رافعؓ کی حدیث کی وجہ سے احتیاطاً انھوں نے مزارعت کا معاملہ ترک کر دیا تھا۔

[۱۰۹-] وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَفِيْ إِمَارَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، وَصَدْرًا مِنْ خِلاَفَةِ مُعَاوِيَةَ، حَتّٰى بَلَغَهُ فِيْ آخِرِ خِلاَفَةِ مُعَاوِيَةَ، أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ، يُحَدِّثُ فِيْهَا بِنَهْيٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَأَنَا مَعَهُ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ بَعْدُ، وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْهَا، بَعْدُ، قَالَ: زَعَمَ رَافِعُ ابْنُ خَدِيْجٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْهَا.

وَحَدَّثَنَا أَبُوْ الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح: وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، كِلاَهُمَا عَنْ أَيُّوْبَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ: قَالَ: فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَكَانَ لاَ يُكْرِيْهَا.

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی زرعی زمین کرائے پر (بٹائی پر) دیا کرتے تھے، اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں بھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع سالوں میں بھی، یہاں تک کہ آپ کو حضرت معاویہؓ کی خلافت کے آخری دنوں میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اس بارے میں نبی ﷺ سے ممانعت کی حدیث روایت کرتے ہیں، پس ابن عمرؓ ان کے پاس تشریف لے گئے، میں (نافع) آپ کے ساتھ تھا، ابن عمرؓ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کاشت کی زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا کرتے تھے، چنانچہ اس کے بعد ابن عمرؓ نے اس معاملہ کو ترک کر دیا اور اس کے بعد جب بھی ان سے اس بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ ابن خدیج کہتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے'' شرح کے لئے دیکھئے: حدیث نمبر ۹۹۔

سند: یہ حدیث حماد اور اسماعیل بھی ایوب سے روایت کرتے ہیں اور اسی طریق سے روایت کرتے ہیں جس طریق سے یزید بن زریع نے روایت کیا ہے، اور ان کے مثل روایت کرتے ہیں، البتہ اسماعیل ابن علیہ کی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: ''ابن عمرؓ نے اس کے بعد مزارعت کا معاملہ چھوڑ دیا تھا، پس آپ زمین بٹائی پر نہیں دیا کرتے تھے''

قوله: من خلافة معاوية: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ ابن عمرؓ نے ان سے بیعت نہیں کی تھی،

وہ متفق علیہ امام ہی سے بیعت کرتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اتفاق نہیں ہوا تھا (تحفۃ القاری ۵:۴۸۷)

[۱۱۰-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: ذَهَبْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ إِلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، حَتّٰى أَتَاهُ بِالْبَلَاطِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ.

قولہ: بالبلاط: مسجدِ نبوی سے متصل ایک جگہ تھی، جس کے فرش پر پتھر بچھائے گئے تھے، بَلَطَ (ن) بَلْطًا الدارَ: پتھروں کا فرش لگانا، باہر سے آنے والے قافلے یہیں اپنا سامان اتارتے تھے، اور اسی جگہ میں اپنے جانور باندھتے تھے۔

وَحَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي خَلَفٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ زَيْدٍ، عَنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ أَتٰى رَافِعًا فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

سند: یہ حکم کی بواسطہ نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

[۱۱۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ (يَعْنِي ابْنَ حَسَنِ بْنِ يَسَارٍ) حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَأْجُرُ الْأَرْضَ، قَالَ: فَنُبِّئَ حَدِيثًا عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: فَانْطَلَقَ بِي مَعَهُ إِلَيْهِ قَالَ: فَذَكَرَ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهِ، ذَكَرَ فِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ. قَالَ: فَتَرَكَهُ ابْنُ عُمَرَ فَلَمْ يَأْجُرْهُ.

وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَقَالَ: فَحَدَّثَهُ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحتیں:

قولہ: كان يأجُرُ الأرضَ: ابن عمرؓ زرعی زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے، بعض نسخوں میں یاخذُ الأرضَ ہے (کرایہ پر لیا کرتے تھے) وہ تصحیف ہے، اسی طرح حدیث شریف کے آخر میں لم یأجُرہ: ہی صحیح ہے۔ اور بعض نسخوں میں لم یأخُذہ: ہے، وہ بھی تصحیف ہے، اور بعض نسخوں میں یُؤاجِرُ ہے، وہ صحیح ہے (شرح نووی) —— آجَرَ مُؤاجَرةً الرجلَ: کے معنی ہیں: مزدور بنانا —— إیجار الدّار: کرایہ پر دینا —— أَجَرَ (ض،ن) أَجْرًا وإجارةً الرجلَ علی کذا: بدلہ دینا، مزدوری دینا —— فَنُبِّئَ حدیثًا إلخ: ان کو رافع سے مروی ایک حدیث کی خبر دی گئی —— بعض عمومته: عَمٌّ کی جمع، اور أعْمَام بھی جمع آتی ہے —— حضرت رافعؓ کبھی براہ راست روایت کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ میرے

بعض چچانے بیان کیا، کبھی ایک چچا ظہیر کا نام لیتے ہیں، علاوہ ازیں: کبھی علی العموم ممانعت کے ساتھ روایت کرتے ہیں، کبھی ایسی شکل بیان کرتے ہیں جس کے فساد پر اجماع ہے —— بھٰذا الإسناد: یزید بن ہارون نے بھی ابن عون سے اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے حسین بن حسن نے روایت کیا ہے، ان کی روایت میں فذکر عن بعض الخ کی جگہ فحدّثه عن بعض الخ ہے، یعنی تحدیث کی صراحت ہے۔

[۱۱۲-] وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ، حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ ابْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُكْرِيْ أَرَضِيْهِ، حَتّٰى بَلَغَهُ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ الْأَنْصَارِيَّ، كَانَ يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ، فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ: يَا ابْنَ خَدِيْجٍ، مَاذَا تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ كِرَاءِ الْأَرْضِ؟ قَالَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ لِعَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعْتُ عَمَّيَّ (وَكَانَا قَدْ شَهِدَا بَدْرًا) يُحَدِّثَانِ أَهْلَ الدَّارِ؛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّ الْأَرْضَ تُكْرٰى، ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُ اللّٰهِ أَنْ يَكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَحْدَثَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلِمَهُ، فَتَرَكَ كِرَاءَ الْأَرْضِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سالم سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر اپنی زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج انصاریؓ کرایہ پر زمین دینے سے منع کرتے ہیں، پس ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا: اے ابن خدیج! تم نبی ﷺ سے زمین کرایہ پر دینے کی بابت کیا روایت کرتے ہو؟ حضرت رافعؓ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا: میں نے اپنے دو چچاؤں سے سنا ہے —— وہ دونوں بدر میں شریک ہوئے تھے[1] —— وہ دونوں گھر والوں سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، عبداللہؓ نے فرمایا: البتہ تحقیق میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ بات کہ نبی ﷺ کے مبارک زمانہ میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے متعلق کوئی نیا ارشاد فرمایا ہو، جو ان کے علم میں نہ آیا ہو، پس انھوں نے کرایہ پر زمین دینے کا معاملہ ترک فرما دیا —— یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ورع اور تقویٰ تھا کہ محض ایک خدشہ کی بناء پر اس کام کو ترک کر دیا جس کو وہ جائز سمجھتے تھے، اور جس پر ان کا آنحضور ﷺ کے عہد مبارک سے برابر عمل تھا۔

(۱) حضرت ظہیر بن رافع: بدریین میں سے ہیں؟ اس سلسلہ میں اصحاب سیر کی آراء مختلف ہیں، اور جو حضرات بدر میں شریک ہونے کی بات کہتے ہیں یہ حدیث ان کی مؤید ہے۔

وضاحت:

قولہ: أَرَضِيه: بعض نسخوں میں أَرَضِيَه (راء پر فتح ضاد پر کسرہ) جمع ہے اور بعض نسخوں میں أَرْضِہ مفرد ہے، دونوں صحیح ہیں (شرح نووی)

قولہ: عَمَّيَّ: یہ عَمٌّ کا تثنیہ ہے، جو یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہے ـــــ ایک چچا کا نام ظُہیر تھا، جو آگے روایت میں آرہا ہے، اور دوسرے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک: مُظَهِّر (باب تفعیل سے اسم فاعل) دوم: مُہیر، حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ دوسرا قول اقرب ہے وہ ظہیر کا وزن ہے، اور ظہیر اور مہیر دونوں مصغر ہیں۔

[۱۱۳-] وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ) عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: كُنَّا نُحَاقِلُ الْأَرْضَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَنُكْرِيهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى، فَجَاءَ نَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مِنْ عُمُومَتِي، فَقَالَ: نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا، وَطَوَاعِيَةُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ أَنْفَعُ لَنَا، نَهَانَا أَنْ نُحَاقِلَ بِالْأَرْضِ فَنُكْرِيهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى، وَأَمَرَ رَبَّ الْأَرْضِ أَنْ يَزْرَعَهَا أَوْ يُزْرِعَهَا، وَكَرِهَ كِرَاءَ هَا، وَمَا سِوَى ذٰلِكَ.

وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ يَعْلَى بْنُ حَكِيمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: كُنَّا نُحَاقِلُ بِالْأَرْضِ فَنُكْرِيهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ، ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ.

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، ح: وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، مِثْلَهُ.

وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَمْ يَقُلْ: عَنْ بَعْضِ عُمُومَتِهِ.

ترجمہ: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے عہد مبارک میں زرعی زمین میں مزارعت کا معاملہ کیا کرتے تھے، پس اس کو تہائی اور چوتھائی اور غلہ کی معین مقدار کے عوض کرایہ پر دیا کرتے تھے، ہمارے پاس ایک دن میرے چچا آئے اور انھوں نے فرمایا: ہمیں نبی ﷺ نے ایک ایسے کام سے روکا ہے جو ہمارے لئے سودمند تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری زیادہ سودمند ہے، ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم زمین میں مزارعت کا معاملہ کریں،

پس ہم اس کو تہائی اور چوتھائی اور غلہ کی معین مقدار کے عوض کرایہ پر دیں، اور زمین کے مالک کو حکم دیا کہ وہ خود اس کو بوئے یا اس کو بُوائے (یعنی دوسرے کو بونے کے لئے مفت دیدے) اور کرایہ پر زمین دینے کو اور اس کے علاوہ طریقہ کو ناپسند کیا۔

سند: یہ حدیث ایوب سختیانی سے ابن علیہ کی طرح حماد بن زید بھی روایت کرتے ہیں، مگر ان کی روایت میں یہ بات ہے کہ حضرت یعلی نے ایوب کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی تھی، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ یعلی کی سلیمان سے سماعت اور ان کی حضرت رافع سے تحدیث کی صراحت ہے۔

مناولہ اور مکاتبہ کا حکم:

مناولہ: یہ ہے کہ شیخ اپنی اصل کتاب یا اس کی نقل تلمیذ کو دے یا تلمیذ شیخ کی کتاب نقل کر کے شیخ کے روبرو پیش کرے اور دونوں صورتوں میں شیخ کہے: میں اس کتاب کو فلاں سے روایت کرتا ہوں اور میں آپ کو اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

شرط: مناولہ سے روایت کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ تلمیذ کا اصل کتاب پر یا اس کی نقل پر قبضہ ہو، اگر محض اجازت دی ہو اور تلمیذ کا اصل کتاب یا اس کے نقل پر قبضہ نہ ہو تو وہ مناولہ نہیں —— پھر مناولہ کی دو قسمیں ہیں: با اجازت اور بے اجازت، اول بالاتفاق معتبر ہے اور ثانی میں اختلاف ہے۔

اور مکاتبہ: یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیثیں لکھ کر کسی کے پاس بھیجے پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں با اجازت اور بے اجازت، اول معتبر ہے اور اگر روایت کی اجازت نہیں دی تو پھر بالاتفاق اس سے روایت کرنا درست نہیں (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۱:۱۴۶)

ملحوظہ: مگر یہ سب باتیں اس زمانہ کی ہیں جب کتابیں قلمی تھیں، اور زبانی روایت کی جاتی تھیں، اب زمانہ بدل گیا ہے، اب معتبر کتابوں سے حدیثیں بیان کی جاتی ہیں، اس لئے اب یہ محض ایک مسئلہ ہے۔

دوسری سند: ابو عروبہ نے بھی یعلی سے روایت کیا ہے اس طریق سے جس طریق سے ایوب نے روایت کیا ہے، اور ایوب کے مثل روایت کیا ہے۔

تیسری سند: جریر بن حازم نے بھی یعلی سے اسی طریق سے روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں بعض عمومته نہیں ہے۔

تشریح: باب کے شروع میں بتایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطعومات کے عوض زمین مزارعت پر دینا جائز نہیں، خواہ وہ مطعوم غلہ ہو یا کچھ اور جیسے شہد اور گھی وغیرہ، یہ حدیث ان کی دلیل ہے، اس میں صراحت ہے کہ آنحضور ﷺ نے طعام کے عوض زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، جمہور کے نزدیک طعام کے عوض بھی زمین کرایہ پر دے

سکتے ہیں، پیداوار کے معین جزء مشاع کے عوض بھی اور رقم کے عوض بھی، اور مذکورہ حدیث میں طعام کے عوض مزارعت کو علی الاطلاق ممنوع قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس صورت کی ممانعت کی جس میں پیداوار کی خاص مقدار مقرر کرلی جائے، مثلاً: دس مَن پیداوار ایک کی اور باقی دوسرے کی، یہ جائز نہیں، اس میں یہ امکان ہے کہ دس مَن پیدا ہی نہ ہو، یا کل دس مَن ہی پیدا ہو۔

غرض: فنُکریها بالثلث والربع والطعام المسمّٰی کا مطلب: جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ مزارعت میں غلہ کی خاص مقدار مقرر کرلی جائے یا کسی خاص حصہ کی پیداوار کا تہائی یا چوتھائی مقرر کرلیا جائے، یعنی خاص حصہ کی پیداوار کا تہائی اور چوتھائی ایک کا باقی کل پیداوار اس خاص حصہ کی بقیہ پیداوار سمیت دوسرے کی، یہ دونوں صورتیں جائز نہیں، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس خاص حصہ میں کچھ پیدا ہی نہ ہو، یا مقررہ مقدار غلہ ہی پیدا نہ ہو، اس لئے نبی ﷺ نے مزارعت کی ان دونوں شکلوں سے منع فرمایا۔

[۱۱۴-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُسْهِرٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ، حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ، مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ رَافِعٍ، أَنَّ ظُهَيْرَ بْنَ رَافِعٍ (وَهُوَ عَمُّهُ) قَالَ: أَتَانِي ظُهَيْرٌ، فَقَالَ: لَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا، فَقُلْتُ: وَمَا ذٰلِكَ؟ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَهُوَ حَقٌّ، قَالَ: سَأَلَنِي كَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ؟ فَقُلْتُ: نُؤَاجِرُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَى الرُّبَيْعِ أَوِ الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ أَوِ الشَّعِيْرِ، قَالَ: "فَلَا تَفْعَلُوْا، ازْرَعُوْهَا أَوْ أَزْرِعُوْهَا أَوْ أَمْسِكُوْهَا"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ، عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ، عَنْ رَافِعٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا، وَلَمْ يَذْكُرْ: عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرٍ.

ترجمہ: حضرت رافعؓ سے مروی ہے کہ ظہیر بن رافع ـــــ حضرت رافع کے چچا ـــــ ان کے پاس آئے اور فرمایا: البتہ تحقیق نبی ﷺ نے ہمیں ایک ایسے کام سے روکا جس میں ہمارے لئے آسانی تھی، میں نے عرض کیا: وہ کیا کام ہے؟ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حق ہے۔ ظہیر نے کہا: نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا: تم اپنی کھیتیوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اس کو نالیوں پر اگنے والے غلہ کے عوض یا کچھ وسق کھجور یا جَو کے عوض کرایہ پر دیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: "ایسا نہ کرو، یا تو تم خود اس کو بوؤ یا دوسرے سے بواؤ (یعنی دوسرے کو بلا معاوضہ بونے کے لئے دو) یا اس کو یونہی چھوڑے رہو"

سند: یہ حدیث ابو النجاشی سے ابو عمرو اوزاعی کے علاوہ عکرمہ بن عمار بھی روایت کرتے ہیں، مگر وہ رافع کے چچا ظہیر کا

ذکر نہیں کرتے۔

لغات: رِفْقًا: أی ذارفق ویُسر...... مَحَاقِل: کھیتی، مفرد: مَحْقِلَة......الحَقْل: عمدہ قابل کاشت زمین، جمع حُقُوْل، واحد: حَقْلَة ......الرَّبیع: چھوٹی نہر، جمع أربعاء۔

قوله: أتاني ظُهير: اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، اور تقدیر عبارت ہے: عن رافع أن ظهيرا عمّه حدّثه بحديث، قال رافع في بيان ذالک الحديث أتاني ظهير فقال إلخ: عبارت کا سیاق وسباق اس تقدیر پر دلالت کرتا ہے اور بعض نسخوں میں أتاني کی جگہ أنباني ہے، مگر منتظم اور مرتب عبارت أتاني ہے۔

تشریح: اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ مزارعت کی مطلقاً ممانعت نہیں، بلکہ مدینہ منورہ میں جو دو صورتیں رائج تھیں ان کی ممانعت فرمائی تھی: ایک: زمین بٹائی پر دیتے تھے اس شرط پر کہ بولوں کی پیداوار ایک کی ہوگی اور کیاری کی دوسرے کی۔ دوم: پیداوار کی خاص مقدار ایک کی اور باقی دوسرے کی، ان دونوں شکلوں میں مخاطرہ (خطرہ) تھا اس لئے نبی ﷺ نے ان کی ممانعت فرمائی تھی (دیکھئے: پہلی حدیث کی شرح)

[۱۱۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، أَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ، عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ؟ فَقَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ. قَالَ فَقُلْتُ: أَبِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ؟ فَقَالَ: أَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، فَلاَ بَأْسَ بِهِ.

ترجمہ: حنظلۃ بن قیسؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت رافعؓ سے زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے، حنظلہ نے پوچھا: سونے اور چاندی کے عوض کیا حکم ہے؟ پس رافعؓ نے کہا: رہا سونا اور چاندی تو اس کے عوض کچھ حرج نہیں (دیکھئے: باب کی پہلی حدیث کی شرح)

[۱۱۶-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا عِيْسٰى بْنُ يُوْنُسَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنِيْ حَنْظَلَةُ بْنُ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ؟ فَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ، وَأَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ، وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ، فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا، وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا، فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلاَّ هٰذَا، فَلِذٰلِكَ زُجِرَ عَنْهُ، فَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ، فَلاَ بَأْسَ بِهِ.

ترجمہ: حنظلۃ بن قیسؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیجؓ سے سونے اور چاندی کے عوض زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: اس میں کچھ حرج نہیں (مگر) لوگ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں زمین

اجارہ پر دیا کرتے تھے نہر اور پانی کی نالیوں کے کناروں پر پیدا ہونے والی پیداوار کے عوض، اور بعض دیگر زرعی اشیاء کے عوض، پس کبھی یہاں کی پیداوار خراب ہو جاتی اور وہاں کی محفوظ رہتی، اور کبھی یہاں کی محفوظ رہتی اور وہاں کی خراب ہو جاتی، پس لوگوں کو اجارہ میں کچھ نہ ملتا مگر بچا کچا، پس اسی وجہ سے لوگوں کو اجارہ کی بابت ڈانٹا گیا، اور رہی ایسی چیز جو معلوم اور مضمون ہو (ضمان میں ہو) تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

لغات: الماذيانات: (بكسر الذال) نہر، نالی، پانی بہنے کی جگہ، وہ پیداوار جو پانی بہنے کی جگہ ہو،...... اقبال الجداوال: أقبال: قبل (بضم القاف) کی جمع، آگے کا حصہ، جداول: جدول کی جمع: چھوٹی نہر۔

قوله: فأما شيئٌ معلومٌ: اس سے معلوم ہوا کہ زرعی زمین میں اجارہ اور مزارعت کا معاملہ ایسی چیز کے عوض جو معلوم و مضمون ہو جائز ہے، خواہ وہ شئ مطعوم کے قبیل سے ہو یا غیر مطعوم کے، رقم ہو یا جنس، پس یہ جمہور کی دلیل ہے۔

[۱۱۷-] حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ يَقُوْلُ: كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلاً، قَالَ: كُنَّا نُكْرِى الْأَرْضَ عَلٰى أَنَّ لَنَا هٰذِهِ وَلَهُمْ هٰذِهِ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هٰذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ هٰذِهِ، فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ، وَأَمَّا الْوَرِقُ فَلَمْ يَنْهَنَا.

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ. حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت رافعؓ کہتے ہیں: ہم انصار میں سب سے زیادہ کھیتی باڑی والے تھے ـــــ کہتے ہیں ـــــ ہم زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے اس شرط پر کہ اِس حصہ کی پیداوار ہماری اور اُس حصہ کی اُن کی، پس بعض مرتبہ اِس حصہ میں پیداوار ہوتی اور اس حصہ میں نہ ہوتی، پس ہمیں نبی ﷺ نے اس سے منع کیا۔ اور رہی چاندی! تو اس کے عوض کرایہ پر دینے سے ہمیں منع نہیں کیا ـــــ حقلاً: عمدہ قابل کاشت زمین، جمع حُقول، واحد: حَقْلَة۔

سند: حماد اور یزید بن ہارون نے بھی یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے، اسی طریق سے جس طریق سے ابن عیینہؒ نے روایت کی ہے، اور ہم معنی روایت کی ہے۔

[۱۱۸-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَعْقِلٍ عَنِ الْمُزَارَعَةِ؟ فَقَالَ: أَخْبَرَنِيْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ: نَهٰى عَنْهَا، وَقَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ، وَلَمْ يُسَمِّ عَبْدَ اللّٰهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن السائبؒ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن معقلؒ سے مزارعت کے بارے میں پوچھا: انھوں نے

فرمایا: مجھے ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ: ''نبی ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے'' ـــــ اور ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں عن المزارعۃ کے بجائے عنھا ہے یعنی اسم ظاہر کے بجائے اسم ضمیر ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ان کی روایت میں صرف ابن معقل ہے ان کا نام عبداللہ نہیں لیا۔

تشریح: یہ حدیث تفردات مسلم میں سے ہے، یعنی صحاح ستہ میں سے صرف مسلم شریف میں یہ حدیث ہے، اور اس حدیث میں اگر چہ علی العموم مزارعت کی ممانعت ہے مگر درحقیقت وہ ممانعت مخصوص صورتوں کے ساتھ خاص ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

[۱۱۹-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ، فَسَأَلْنَاهُ عَنِ الْمُزَارَعَةِ؟ فَقَالَ: زَعَمَ ثَابِتٌ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ، وَقَالَ: ''لَا بَأْسَ بِهَا''

ترجمہ: ابن السائبؒ کہتے ہیں: ہم ابن معقل کے پاس گئے اور ہم نے ان سے مزارعت کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: ثابت بن الضحاک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا اور مؤاجرہ کا (اجرت پر دینے کا) حکم فرمایا، اور کہا: اس میں کچھ حرج نہیں۔

تشریح: ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک زرعی زمین نہ مزارعت پر دینا جائز ہے اور نہ اجرت پر، اس حدیث سے ان کی تردید ہوتی ہے، نبی ﷺ نے اجرت پر (رقم کے عوض) زمین دینے کی اجازت دی ہے اور جو مزارعت سے منع فرمایا وہ ممانعت کچھ مخصوص صورتوں کے ساتھ خاص ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

[۱۲۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرٍو، أَنَّ مُجَاهِدًا قَالَ لِطَاوُسٍ: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى ابْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، فَاسْمَعْ مِنْهُ الْحَدِيْثَ، عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ فَانْتَهَرَهُ. قَالَ: إِنِّيْ وَاللّٰهِ! لَوْ أَعْلَمُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْهُ مَا فَعَلْتُهُ وَلٰكِنْ حَدَّثَنِيْ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِهِ مِنْهُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ''لَأَنْ يَمْنَحَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَعْلُوْمًا''

ترجمہ: عمرو کہتے ہیں: مجاہدؒ نے طاؤسؒ سے کہا: آپ میرے ساتھ رافع بن خدیجؓ کے پاس چلیں اور ان سے وہ حدیث سنیں جو وہ اپنے ابا کے واسطہ سے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں ـــــ عمرو کہتے ہیں ـــــ پس طاؤسؒ نے مجاہد کو جھڑک دیا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے تو میں یہ کام نہ کرتا، لیکن مجھ

سے ایسے شخص نے بیان کیا ہے جو صحابہ میں ان سے (رافع سے) زیادہ اس بارے میں جانتے تھے، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "البتہ ایک شخص اپنے بھائی کو زمین منیحہ (عطیہ) دے، یہ اس کے لئے بہتر ہے، اس سے کہ وہ اس پر کوئی مقررہ اجرت لے۔

[۱۲۱-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عَمْرٍو، وَابْنُ طَاوُسٍ عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّهُ كَانَ يُخَابِرُ، قَالَ عَمْرٌو: فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! لَوْ تَرَكْتَ هٰذِهِ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ، فَقَالَ: أَيْ عَمْرُو! أَخْبَرَنِي أَعْلَمُهُمْ بِذٰلِكَ (يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ) أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَنْهَ عَنْهَا، إِنَّمَا قَالَ: " يَمْنَحُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَعْلُومًا"

ترجمہ: عمرو اور طاؤسؒ کے صاحبزادے سے مروی ہے کہ حضرت طاؤسؒ مخابرہ کا معاملہ کیا کرتے تھے، پس عمرو نے ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! کاش آپ اس مخابرہ کے طریقہ کو چھوڑ دیں، اس لئے کہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے، پس طاؤس نے کہا: اے عمرو! اس کے بارے میں مجھے اس شخص نے بتلایا ہے جو صحابہ میں بڑے ذی علم تھے، یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، کہ نبی ﷺ نے مخابرہ سے منع نہیں کیا، صرف اتنا فرمایا تھا: "تم میں سے ایک اپنے بھائی کو زمین منیحہ (عطیہ) دے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ اس پر کوئی مقررہ اجرت لے۔

حدثنا سفيان عن عمرو: یہ سفیان ثوریؒ اور عمرو بن دینارؒ ہیں، اور طاؤس کے صاحبزادے کا نام عبداللہ ہے، یہ حدیث ثوری: عمرو بن دینار اور عبداللہ بن طاؤس دونوں سے روایت کرتے ہیں (تکملہ)

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو مخابرہ سے منع فرمایا تھا وہ نہی ارشادی تھی، مدینہ منورہ کے انصار کو ایک مصلحت کے پیش نظر مہاجرین کے ساتھ خیبر جیسا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا تھا، تاکہ معاشی عدم توازن ختم ہو، ورنہ مزارعت فی نفسہ جائز ہے، تفصیل گذشتہ باب کے شروع میں گذری ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، ح: وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ شُعْبَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيثِهِمْ.

سندیں: امام مسلم رحمہ اللہ عمرو بن دینار والی حدیث ابن ابی عمر، ابوبکر بن ابی شیبہ، اسحاق بن ابراہیم، محمد بن رمح اور علی

بن حجر سے بھی روایت کرتے ہیں۔

[۱۲۲-] وَحَدَّثَنِي عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ (قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ) أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَأَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا كَذَا وَكَذَا" (لِشَيْءٍ مَعْلُومٍ) قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ الْحَقْلُ، وَهُوَ بِلِسَانِ الْأَنْصَارِ الْمُحَاقَلَةُ.

[۱۲۳-] وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَإِنَّهُ أَنْ يَمْنَحَهَا أَخَاهُ خَيْرٌ"

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ایک اپنے بھائی کو زمین منیحہ (عطیہ) دے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ اس پر اتنا اور اتنا لے یعنی کوئی معین اجرت لے" اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حقل: انصار کی زبان میں محاقلہ کو کہتے ہیں۔

قوله: لِشيءٍ معلوم: یہ راوی نے کذا و کذا کی تفسیر کی ہے۔
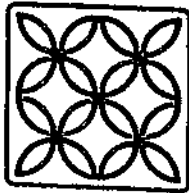
۲۲- كتابُ المُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ

باغات پرداخت پر اور کھیتی بٹائی پر دینے کا بیان

مُساقات: سَقْیٌ سے باب مفاعلہ ہے، اس کے معنی ہیں: درختوں کو پانی پلانا، سینچائی کرنا، کسی نے اپنا باغ کسی کو پرداخت پر دیا اور کل پیداوار میں سے نصف یا تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کیا تو یہ مساقات ہے، اب وہ شخص درختوں کی ہر طرح کی خدمت کرے گا اور جو پھل پیدا ہوگا اس میں سے حسب معاملہ لے گا، امام شافعی اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ اس کو جائز کہتے ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مزارعت اور مساقات دونوں ناجائز ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ نے مزارعت پر قیاس کر کے مساقات کو بھی ناجائز کہا، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے قیاس نہیں کیا، اباحت اصلیہ پر باقی رکھا، کیونکہ اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، اور امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ دونوں کو جائز کہتے ہیں، تفصیل گذشتہ سے پیوستہ باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

ملحوظہ: ابھی کتاب البیوع چل رہی ہے، ختم نہیں ہوئی، درمیان میں کتاب المساقاة آ گئی ہے، جیسے امام ترمذیؒ نے أبواب البیوع کے درمیان میں أبواب الأحکام داخل کیے ہیں اور اس کے دونوں طرف أبواب البیوع ہیں، یہاں بھی درمیان میں کتاب المساقاة داخل ہے (۳ باب تک) اور اس کے دونوں طرف کتاب البیوع ہے۔

۱- بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُعَامَلَةِ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ

[۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ) قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ (وَهُوَ الْقَطَّانُ) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اہل خیبر سے پھل اور غلہ کی نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا۔

تشریح:

۱- اس سے معلوم ہوا کہ مزارعت و مساقات جائز ہیں، نیز ابوداؤد شریف میں باب الخراج والفيء والإمارة میں حضرت بُشیر بن یسار کے طریق سے مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہوگیا اور وہاں کی زمینوں کے مسلمان مالک بن گئے، اور ان

زمینوں میں مسلمانوں کے لئے خود کھیتی باڑی کرنا مشکل تھا (وہاں سے مدینہ منورہ آٹھ برید پر واقع ہے) اور کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے کے لئے عمال (مزدور) بھی دستیاب نہیں تھے، پس نبی ﷺ نے یہود کو بلا کران کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا اور حضرت ابن عباس ؓ سے بھی اس کے مثل مروی ہے، جو ابوداؤد کی کتاب البیوع باب المساقاۃ میں ہے، اس میں ہے: نحن أعلم بالأرض منكم، فأعطناها على أن لكم نصف الثمرة ولنا نصف: یعنی یہود نے کہا کہ ہم کھیتی باڑی کرنا آپ لوگوں سے بہتر جانتے ہیں، پس نبی ﷺ نے وہ زمینیں ان کو دیدیں، اور یہ شرط طے پائی کہ جو پھل پیدا ہونگے اس میں سے آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہوگا ـــــ غرض یہ سب احادیث صریح ہیں کہ نبی ﷺ نے یہود کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا تھا، اور ان سے جو نصف پیداوار لی جاتی تھی وہ خراج مقاسمہ نہیں تھی۔

مساقات مطلقاً جائز ہے یا کچھ پھلوں کے ساتھ خاص ہے؟

۲- جو حضرات مساقات کے جواز کے قائل ہیں ان کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ یہ جواز مطلقاً ہے یا کچھ پھلوں کے ساتھ خاص ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ صرف کھجور اور انگور میں مساقات جائز ہے، دیگر پھلوں میں مساقات جائز نہیں، یہی امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے، اور داؤد ظاہری کے نزدیک صرف کھجور میں مساقات جائز ہے، دیگر پھلوں میں نہیں، اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب، امام شافعی کا قول قدیم، صاحبین اور جمہور رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تمام پھلوں میں مساقات جائز ہے۔

دلائل: امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل یہ ہے کہ مساقات کا جواز ایک رخصت ہے اور جو احکام رخصت کی بناء پر مشروع ہوتے ہیں وہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاتا، اور خیبر میں کھجور کے علاوہ انگور کے بھی باغ تھے، بعض روایات سے یہ ثابت ہے، اور آنحضور ﷺ کا اہل خیبر کے ساتھ مساقات کا معاملہ کرنا معروف ہے، پس انگور میں بھی عقد مساقات جائز ہوگا۔

اور جمہور نے لفظ ثمر سے استدلال کیا ہے، یہ لفظ تمام پھلوں کے لئے عام ہے، علاوہ ازیں: بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خیبر میں کھجور کے علاوہ بھی باغ تھے، سنن بیہقی میں بطریق حماد بن سلمہؒ ایک حدیث مروی ہے، اس میں ہے: فأعطاهم خيبر على أن لهم الشطر من كل زرع ونخل وشجر: یعنی اہل خیبر کے ساتھ آدھے آدھ پر معاملہ کیا کھیتی میں بھی، کھجور کے درختوں میں بھی اور دیگر درختوں میں بھی، معلوم ہوا کہ خیبر میں کھجور کے علاوہ بھی باغات تھے، اور ان میں بھی عقد مساقات ہوا تھا۔

[۲-] وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيٌّ (وَهُوَ ابْنُ مُسْهِرٍ) أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ،

فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ كُلَّ سَنَةٍ مِائَةَ وَسْقٍ، ثَمَانِينَ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ، وَعِشْرِينَ وَسْقًا مِنْ شَعِيرٍ، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ قَسَمَ خَيْبَرَ، خَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ الْأَرْضَ وَالْمَاءَ، أَوْ يَضْمَنَ لَهُنَّ الْأَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ، فَاخْتَلَفْنَ، فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ وَالْمَاءَ، وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ، فَكَانَتْ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنِ اخْتَارَتَا الْأَرْضَ وَالْمَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اہل خیبر کو پھل اور غلہ کی نصف پیداوار دی، یعنی آدھے آدھ پر معاملہ کیا (نبی ﷺ کی بھی خیبر میں زمینیں تھیں، جب اس کی آمدنی ہوتی تھی تو) —— اور آپ ازواج مطہرات کو سو وسق سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) اسّی وسق چھوہارے اور بیس وسق جو۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے خیبر کی زمینیں تقسیم کردیں —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہودیوں کو خیبر سے دوسری جگہ منتقل کردیا تھا تو وہاں کی سب زمینیں خالی ہوگئیں، پس وہ ان کے مالکوں کو سونپ دیں۔

اور ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو وہ ان کو ان کے حصہ کی زمین پانی کے ساتھ الگ کرکے دیدیں، یا ان کے لئے ہر سال کے وسقوں کا ضامن بنے رہیں —— یعنی ازواج مطہرات کو دو باتوں کا اختیار دیا: ایک: یہ کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ ہر زوجۂ مطہرہ کو سو وسق دیا کرتے تھے، میں بھی دیتا رہوں، اور زمینوں کا میں ہی منتظم رہوں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اتنی زمین جس میں سو وسق پیدا ہوں میں پانی کے ساتھ تمھیں دیدوں تم خود بوؤ یعنی بٹائی پردو۔

پس ازواج مطہرات کی رائیں مختلف ہوگئیں، ان میں سے بعض نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض نے ہر سال کے لئے وسقوں کو اختیار کیا، اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین اور پانی کو اختیار کیا تھا (وہ خود کھیتی اور باغبانی کرواتی تھیں یعنی بٹائی پر دیتی تھیں، اس سے بھی مزارعت ومساقات کا جواز ثابت ہوا۔

تشریح: آنحضور ﷺ کا خیبر کی زمینوں میں جو حصہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو اسی میں اختیار دیا تھا، اور یہ آنحضور ﷺ کی میراث نہیں تھی، بلکہ ازواجِ مطہرات کا نفقہ تھا جو آنحضور ﷺ کے ترکہ میں ان کا حق تھا۔ ارشادِ نبوی ہے: ما تركت بعد نفقة نسائي فهو صدقة: یعنی میرے ترکہ میں سے ازواج کا نفقہ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کیا تھا، اور سالانہ نفقہ کے طور پر ان کو زمین کی پیشکش کی تھی، عمدۃ القاری (۵:۲۴۷) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کو مذکورہ نفقہ کے علاوہ سالانہ بارہ ہزار درہم دیا کرتے تھے، اور اس کے علاوہ بھی سال بھر داد و دہش کرتے رہتے تھے۔ غرض: آنحضور ﷺ کے ترکہ میں ازواجِ مطہرات کا جو حق تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی دیا تھا، وہ آنحضور ﷺ کی میراث نہیں تھی۔

[۳-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ أَوْ ثَمَرٍ، وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فَكَانَتْ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنِ اخْتَارَتَا الْأَرْضَ وَالْمَاءَ، وَقَالَ: خَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَقْطَعَ لَهُنَّ الْأَرْضَ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَاءَ.

وضاحت: عبید اللہ سے نُمیر نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، اور انھوں نے بھی علی بن مُسہر کی طرح مذکورہ واقعہ روایت کیا ہے، مگران کی روایت دو جگہ مختلف ہے: ایک: حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین اور پانی کو اختیار کیا تھا، یہ مضمون ان کی روایت میں نہیں ہے اور پانی کا بھی ذکر نہیں ہے یعنی ان کی روایت میں صرف زمین کی پیشکش کرنے کا بیان ہے۔

[۴-] وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ اللَّيْثِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: لَمَّا افْتُتِحَتْ خَيْبَرُ سَأَلَتْ يَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقِرَّهُمْ فِيْهَا عَلٰى أَنْ يَعْمَلُوْا عَلٰى نِصْفِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أُقِرُّكُمْ فِيْهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا" ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ ابْنِ نُمَيْرٍ وَابْنِ مُسْهِرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَزَادَ فِيْهِ وَكَانَ الثَّمَرُ يُقْسَمُ عَلَى السُّهْمَانِ مِنْ نِصْفِ خَيْبَرَ فَيَأْخُذُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْخُمُسَ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو یہود نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو وہاں رہنے دیں، اس شرط پر کہ وہ ان زمینوں میں کاشت کریں گے، اور نصف پیداوار خواہ پھل ہو یا غلہ دیں گے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں یہاں رہنے دوں گا اس شرط پر کہ جب تک ہم چاہیں گے رہنے دیں گے" پھر حدیث بیان کی ابن نمیر اور ابن مسہر کی حدیث کی طرح جو عبید اللہ سے مروی ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے: اور خیبر کی نصف پیداوار دو حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی، اور نبی ﷺ خمس لیا کرتے تھے۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، اٹھارہ حصے بیت المال کے لئے مختص فرمائے تھے اور اٹھارہ حصے غانمین میں تقسیم فرمائے تھے۔ اور یہود کو ان زمینوں پر برقرار رکھا تھا، ان کو جلاوطن نہیں کیا تھا، اب وہ زمینیں مسلمانوں کی ملکیت تھیں، اور یہود ان میں بطور مزارع کام کرتے تھے، اور آمدنی آدھی آدھی تقسیم ہوتی تھی، یعنی جو پھل اور غلہ پیدا ہوتا تھا اس میں سے آدھا مزارع (یہودی) کا اور آدھا مسلمانوں کا ہوتا تھا۔

۲- اور آنحضور ﷺ نے اس کی بھی صراحت فرمادی تھی کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں یہاں برقرار رکھیں گے، اور جب چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔

۳- اور آنحضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ غانمین کے جو حصے تھے اس کی آمدنی میں سے خمس نکال کر باقی آمدنی یعنی پھل اور غلہ غانمین میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے، اور اپنے حصہ کی آمدنی میں سے ازواج مطہرات کو سالانہ نفقہ دیا کرتے تھے، تفصیل اوپر حدیث میں گذر چکی ہے۔

مزارعت ومساقات عقود لازمہ میں سے ہیں یا غیر لازمہ میں سے؟

۴- عقود و معاملات دو قسم کے ہیں: اول: عقود جائزہ: یعنی وہ عقود جن کو اپنے طور پر فسخ کیا جاسکتا ہو، خواہ دوسرا فریق راضی ہو یا نہ ہو ـــــ پھر ایسے معاملات کی دو قسمیں ہیں:

۱- دونوں فریقوں کو فسخ کا اختیار ہو، جیسے: شرکت، مضاربت، وکالت، عاریت ودیعت اور وصیت وغیرہ ان معاملات کو ہر فریق جب چاہے ختم کرسکتا ہے، دوسرے کی رضامندی ضروری نہیں۔

۲- صرف ایک فریق کو فسخ کا اختیار ہو، جیسے رہن: صرف مرتہن کو حق فسخ ہے، راہن کو نہیں، کتابت: صرف غلام کو حق فسخ ہے آقا کو نہیں، کفالت: صرف مکفول لہ (قرض خواہ) کو حق فسخ ہے، کفیل کو نہیں۔

دوم: عقود لازمہ: یعنی وہ عقود جو منعقد ہونے کے بعد فریقین کی رضامندی کے بغیر فسخ نہیں ہوسکتے، جیسے: بیع، صرف، سَلم، تولیہ، مرابحہ، اجارہ، مزارعت اور مساقات وغیرہ۔

مذاہبِ فقہاء:

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت اور بعض ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ مزارعت ومساقات عقود غیر لازمہ (عقود جائزہ) میں سے ہیں، جیسے: مضاربت میں کسی مدت کا مقرر کرنا ضروری نہیں، اسی طرح مزارعت ومساقات میں بھی مدت کی تعیین ضروری نہیں، ان کا استدلال واضح ہے، نبی ﷺ نے فرمایا تھا: أقركم فيها على ذلك ماشئنا: جب تک ہم چاہیں گے تمہیں یہاں برقرار رکھیں گے، آنحضور ﷺ نے اس کی کوئی مدت مقرر نہیں فرمائی تھی۔

اور ائمہ ثلاثہ اور امام احمد رحمہم اللہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عقود لازمہ میں سے ہے، یعنی جس طرح اجارہ میں مدت مقرر کرنا ضروری ہے مزارعت ومساقات میں بھی مدت مقرر کرنا ضروری ہے ـــــ اور مذکورہ حدیث کی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، آنحضور ﷺ کو شروع اسلام میں اس کی اجازت تھی، مگر صحیح بات یہ ہے کہ: أقركم فيها على ذلك الخ: کا مطلب یہ ہے کہ یہود نے جو آنحضور ﷺ سے وہاں رہنے کی اجازت مانگی تھی اس کے ساتھ اس جملہ کا تعلق ہے، عقد مساقات ومزارعت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں، یعنی یہ بیان کرنا مقصود

کہ ہمارے درمیان جو مساقات ومزارعت کا معاملہ طے پایا ہے وہ بیع ونکاح کی طرح لازم نہیں، بلکہ مدت ختم ہونے کے بعد ہم چاہیں گے تو تمہیں برقرار رکھیں گے اور دوسرا معاملہ کریں گے، اور چاہیں گے تو نکال باہر کریں گے (شرح نووی)

کیا مزارعت ومساقات میں مدت کی تعیین ضروری ہے؟

احناف کے یہاں مفتی بہ قول کے مطابق مزارعت ومساقات میں مدت مقرر کرنا ضروری نہیں، اگر ان کی ابتداء اور انتہا کا وقت عرفاً معلوم ہو تو بلا تعیین مدت بھی مزارعت ومساقات جائز ہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ ردالمحتار کی کتاب المساقات کے شروع میں فرماتے ہیں: بيانُ المدّة ليس بشرطٍ استحساناً للعلم بوقتِه عادةً لأن الثَّمَرَة لإدراكِها وقتٌ معلومٌ قَلَّما يَتفاوَت بخلافَ الزَّرْع: یعنی مساقات میں مدت بیان کرنا استحساناً ضروری نہیں، اس لئے کہ عرفاً اس کا وقت معلوم ہوتا ہے، کیونکہ پھل پکنے کا وقت تقریباً طے ہوتا ہے، اس میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، برخلاف مزارعت کے، اس میں جہالت زیادہ ہوتی ہے ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی، اس لئے کہ بعض لوگ جلدی بیج بو دیتے ہیں، پس وہ کھیتی جلدی کاٹ لیں گے، اور بعض دیر سے بوتے ہیں پس وہ دیر سے کاٹیں گے، پس مزارعت میں ابتداء میں بھی جہالت ہے اور انتہاء میں بھی —— پھر فرماتے ہیں: فإذا كان ابتداءُ الزَّرع وقتٌ معلومٌ عُرفا جاز أيضا، وتَقدَّم أن عليه الفتوى: اگر مزارعت میں جہالت نہ ہو، عرفاً اس کی ابتداء اور انتہا کا وقت معلوم ہو تو مزارعت بھی مدت کی تعیین کے بغیر صحیح ہے۔ اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے۔

غرض: مزارعت ومساقات میں مدت کی تعیین ضروری نہیں، ایک موسم کے پھل اور ایک پیداوار پر یہ عقد ہوگا، پھر فریقین میں سے کسی نے معاملہ فسخ نہیں کیا اور عامل نے اپنا کام شروع کر دیا تو دوسرے موسم کے لئے عقد منعقد ہو جائے گا، درمختار میں ہے: آجَرَ حانُوتًا كلَّ شهرٍ بكذا صحَّ في واحدٍ فقط...... وَإِذَا مَضَى الشهرُ فلِكلٍّ فَسخ...... وفي كل شهر سَكَنَ في أوَّله صحَّ العقدُ فيه: یعنی دوکان کرایہ پر دی اور مہینہ کے حساب سے کرایہ مقرر کر لیا اور مدت مقرر نہیں کی، تو صرف ایک مہینہ کے لئے اجارہ صحیح ہوگا، اور مہینہ گذرنے کے بعد ہر فریق کو فسخ اجارہ کا حق ہوگا، جب دوسرا مہینہ شروع ہو گیا اور کسی فریق نے اجارہ فسخ نہیں کیا اور وہ اس میں بدستور رہا تو دوسرے مہینہ کے لئے اجارہ ہو جائے گا، یہی حکم یہاں بھی ہوگا۔ جب ایک موسم گذر کر دوسرا موسم شروع ہو گیا اور کسی فریق نے عقد فسخ نہیں کیا اور عامل نے اپنا کام شروع کر دیا تو دوسرے موسم کے لئے عقد منعقد ہو جائے گا (درمختار ۹:۶۸، کتاب الإجارة باب الإجارة الفاسدة)

[۵-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ دَفَعَ إِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا، عَلٰى أَنْ يَعْتَمِلُوْهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَطْرُ ثَمَرِهَا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغات اور وہاں کی زرعی زمینیں دیں، اس شرط پر کہ وہ اپنے اموال کے ساتھ اس میں کام کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے پھل کا آدھا حصہ دیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مزارعت میں بیج اور دیگر ضروری ساز وسامان عامل کے ہوں تو بھی عقد صحیح ہے، مالک کا بیج ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

[٦-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ - وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ - قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا ظَهَرَ عَلَى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا وَكَانَتِ الْأَرْضُ حِينَ ظُهِرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فَأَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا فَسَأَلَتِ الْيَهُودُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا، عَلَى أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا، وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذٰلِكَ، مَا شِئْنَا" فَقَرُّوا بِهَا حَتّٰى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلٰى تَيْمَاءَ وَأَرِيحَاءَ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود ونصاری کو سرزمین حجاز سے باہر نکالا، اور بیشک رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر پر غلبہ حاصل کیا تھا تو وہاں سے یہود کو نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور جب خیبر فتح ہوگیا تو وہاں کی زمینیں اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ملکیت ہوگئی تھیں، پس آپ نے وہاں سے یہود کو نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تھا، پس یہود نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں وہاں رہنے دیں، اس شرط پر کہ وہ ان کے کام نمٹائیں گے، اور پھل کا آدھا حصہ ان کو دیں گے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ہم تمہیں یہاں جب تک چاہیں گے رہنے دیں گے" پس وہ وہاں رہتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کردیا۔

تشریح:

۱- جزیرۃ العرب پانچ ڈویژن پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک ڈویژن حجاز ہے، مگر اس حدیث میں حجاز سے مراد پورا جزیرۃ العرب ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے وصیت کی تھی: اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب: پس اس حدیث میں جزیرۃ العرب کو مجازاً حجاز کہا گیا ہے۔

۲- ملک کے شہری کو ملک بدر کرنا جائز نہیں، اور یہود ونصاری اس وقت اسلامی مملکت کے شہری تھے، اور اسلامی حکومت صرف جزیرۃ العرب کی حد تک تھی، مگر جب دوسرے علاقے اسلامی قلمرو میں آئیں گے تو ان کو جزیرۃ العرب

سے نکال کر باہر بسایا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی حدود میں وسعت ہوئی تو آپ نے ان کو جزیرۃ العرب سے باہر تیماء اور اریحاء میں بسایا جو جزیرۃ العرب کے باڈر پر ملک شام کا حصہ ہیں، جو اسلامی قلم رُو میں آ گئے تھے، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بسایا، اپنی حکومت سے نہیں نکالا، اور جزیرۃ العرب کو ان سے خالی کرنے کی وجہ تحفۃ الالمعی (کتاب الزکاۃ باب ۱۱) میں ہے۔

۲- بَابُ فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ

درخت لگانے کی اور کھیتی باڑی کی فضیلت!

الغَرْس: مصدر، غَرَس (ض) غَرْسًا وَغِرَاسَةً الشجرَ: درخت کا پودا لگانا، الغرس: پودا، اور الزَّرع (مصدر) کے معنی ہیں: کھیت، زَرَعَ (ف) زَرْعًا اور اِزْدَرَع کے معنی ہیں: بونا، بیج ڈالنا، الأرضَ: جوتنا۔

کھیتی باڑی کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں موضعِ امتنان میں فرمایا ہے: "اچھا پھر بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ (اللہ ہی اُگاتے ہیں، یہ اضافت تشریف کے لئے ہے، اور یہی کھیتی باڑی کی فضیلت ہے) اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں، پھر تم حیرت میں رہ جاؤ" یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف کھیتی اُگاتے ہیں، بلکہ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں، اس سے بھی کھیتی باڑی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے (الواقعہ آیات ۶۴ و ۶۵)

[۷-] حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بھی مسلمان کوئی پودا لگائے جس میں سے کھایا جائے وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، اور اس میں سے جو چوری کیا جاتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، اور اس میں سے جو درندے کھالیں وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، اور جو پرندے کھالیں وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، اور اس کو کوئی شخص کم نہیں کرتا (کھا کر) مگر وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے ــــ رَزَأَ (ف) رَزْأً وَرُزْأً مالَه: کم کرنا۔

تشریح:

۱- مسلمان کے لگائے ہوئے درخت سے اور کھیتی سے جب کوئی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے تو اس مسلمان کو اس کا ثواب ملتا ہے، یعنی تسبُّب کی وجہ سے اس کو ثواب ملتا ہے، اگرچہ کھیتی کرنے والے کی اور درخت لگانے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی مگر جب اس میں سے انسان، پرندے اور چوپائے کھاتے ہیں تو اس کو ثواب ملتا ہے۔

۲-اور مسلمان کی قید احترازی ہے، یعنی یہ ثواب مسلمان ہی کو ملتا ہے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے: ما من رجل يغرس کے ساتھ مروی ہے، اس لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں مسلمان کی قید اتفاقی ہے، اور یہ ثواب مسلمان اور غیر مسلم ہر ایک کو ملتا ہے، مگر کافر کو اس کا ثواب دنیا ہی میں کسی صورت میں کھلا دیا جاتا ہے۔ اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلق حدیث کو مقید پر محمول کریں گے یعنی ما من رجل میں رجل سے مسلمان ہی مراد ہے اور قید احترازی ہے۔

۳-علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: اگر اس درخت یا کھیتی سے مزید درخت یا کھیتی پیدا ہو تو اس کا بھی ثواب ملے گا اور یہ سلسلہ یونہی برابر جاری رہے گا۔

لطیفہ: جس دن کسان ہل بیل لے کر جوتائی کے لئے کھیت میں اترتا ہے یا باڑی لگانے کی تیاری کرتا ہے اس دن اگر وہ تمام مخلوقات جو اس کھیت یا باڑی سے فائدہ اٹھائے گی، حاضر ہو اور کسان سے کہے: بوؤ، ہم کھائیں گے تو کسان یہ کہہ کر لوٹ جائے گا کہ کھالو بابا! میں بوتا ہی نہیں! غرض بے شمار مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں اور کسان کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

سوال: اس حدیث سے کھیتی باڑی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے جبکہ بعض احادیث میں اس کی برائی آئی ہے۔ بخاری شریف (حدیث نمبر ۲۳۲۱) میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپ نے کسی گھر میں ہل کی پھار یا کھیتی کا کوئی آلہ دیکھا تو کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: لايدخل هذا بيتَ قوم إلا أدخله الله الذُّلَّ: یہ آلات جس گھر میں بھی داخل ہوتے ہیں اس گھر میں اللہ تعالیٰ رسوائی داخل کر دیتے ہیں۔

جواب: ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ کی بھی ایک حد ہے، اس حد سے کوئی آگے بڑھ جائے تو برے انجام سے دوچار ہوگا، مثلاً: ملازمت کی ایک حد ہے، جو اس حد سے آگے بڑھ گیا، حج فرض ہو گیا اور حج کے لئے نہیں گیا، اسی طرح تجارت کی بھی ایک حد ہے، اگر اس میں خود غرضی شامل ہو گئی تو پھر یہ چیزیں بری ہیں، غرض: کھیتی باڑی فی نفسہ بری چیز نہیں، اس کی تو فضیلت آئی ہے، مگر کھیتی باڑی میں ایسا مشغول ہونا کہ دین کی ضروری باتیں رہ جائیں اس کے نتائج برے ہیں۔

[۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلٰى أُمِّ مُبَشِّرٍ الْأَنْصَارِيَّةِ فِي نَخْلٍ لَهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ؟ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ؟" فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ. فَقَالَ: "لَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا، وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا شَيْءٌ، إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ ام مبشر انصاریہؓ کے باغ میں تشریف لے گئے،

پس ان سے پوچھا: "یہ کھجور کا درخت کس نے لگایا ہے، مسلمان نے یا کافر نے؟" ام مبشرؓ نے عرض کیا: مسلمان نے، پس آپ ﷺ نے فرمایا: "جو بھی مسلمان کوئی باغ لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے، پس اس میں سے انسان، چوپائے اور دیگر مخلوق کھاتے ہیں تو یہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے"

تشریح:

۱-ام مبشر انصاریہؓ معروف صحابیہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں، ام معبد اور ام مبشر بھی ان کی کنیت ہے، کبارِ صحابہ میں ان کا شمار تھا، آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت سلوک کی تھی (شرح نووی)

۲-قوله: ولا يزرع زرعا: حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زراعت کی نسبت انسان کی طرف کرنا جائز ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مرفوعا مروی ہے: لا يقُل أحدكم: زرعتُ ولكن لِيقُل: حَرثتُ، ألم تَسمَعْ لقول الله تعالىٰ: ﴿ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ﴾: ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا ایک راوی مسلم بن ابی مسلم الجرمی ضعیف ہے، ابن حبان اس کے بارے میں فرماتے ہیں: رُبّما أخطأ: چنانچہ عبد بن حمید نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کے طریق سے انہی الفاظ سے روایت کیا ہے مگر موقوفاً روایت کیا ہے، یعنی یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے، غرض یہ حدیث موقوف ہے اور جو مرفوع ہے وہ ضعیف ہے، پس وہ مسلم شریف کی روایت کے معارض نہیں ہوسکتی۔

[۹-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَغْرِسُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا زَرْعًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ سَبُعٌ أَوْ طَائِرٌ أَوْ شَيْءٌ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ" و قَالَ ابْنُ أَبِي خَلَفٍ: "طَائِرٌ شَيْءٌ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو بھی مسلمان شخص کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس میں سے کوئی درندہ یا پرندہ کھاتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے ــــ امام مسلم رحمہ اللہ کے دوسرے استاذ ابن ابی خلف کی روایت میں طائرٌ شیئٌ ہے (درمیان میں او نہیں ہے)

[۱۰-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ: "يَا أُمَّ مَعْبَدٍ مَنْ غَرَسَ هَذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ؟" فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ، قَالَ: "فَلَا يَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا طَيْرٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

قوله: مَن غرَس هذا النَّخلَ: حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے درخت لگایا ہے اس کو ثواب ملتا رہے گا، خواہ اس نے وہ درخت بیچ دیا ہو، اس لئے کہ نبی ﷺ جانتے تھے کہ یہ ام مبشر رضی اللہ عنہا کا باغ ہے، پھر بھی آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ درخت مسلمان نے لگایا ہے یا کافر نے؟ اور ام مبشر رضی اللہ عنہا کو ثواب کی بشارت نہیں سنائی، بلکہ جس نے درخت لگایا تھا اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

قوله: إلى يوم القيامة: اگر کوئی درخت قیامت تک باقی رہے خواہ بالواسطہ مثلاً ایک درخت سے کئی درخت پیدا ہوئے اور ان سے اور، اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو جس نے پہلا درخت لگایا تھا اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا، اور دوسروں کے ثواب میں کوئی کٹوتی نہیں ہوگی۔

[۱۱-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا، عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ (ح) وحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ مُحَمَّدٍ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ زَادَ عَمْرٌو فِي رِوَايَتِهِ: عَنْ عَمَّارٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ فِي رِوَايَتِهِ: عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، فَقَالَا: عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ فُضَيْلٍ: عَنِ امْرَأَةِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَفِي رِوَايَةِ إِسْحَاقَ: عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، قَالَ: رُبَّمَا قَالَ: عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرُبَّمَا لَمْ يَقُلْ، وَكُلُّهُمْ قَالُوا: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ.

سندیں:

امام مسلم رحمہ اللہ یہ حدیث متعدد اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ سب اعمش کے واسطہ سے ابوسفیان سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، مگر ان میں سے بعض حضرت جابر اور نبی ﷺ کے درمیان ام مبشرؓ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض واسطہ ذکر نہیں کرتے، پھر جو حضرات واسطہ ذکر کرتے ہیں ان میں سے بعض ام مبشر نام لیتے ہیں اور بعض امرأة زید بن حارثة کہتے ہیں، اور یہ سب سندیں صحیح ہیں، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہو، اور آنحضور ﷺ سے براہ راست سن کر بھی روایت کیا ہو۔

[۱۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ - وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى - قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا و قَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ"

[۱۳-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ نَخْلًا لِأُمِّ مُبَشِّرٍ، امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ؟ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ؟" قَالُوا: مُسْلِمٌ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ.

وضاحت: یہ دونوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں، اور دوسری حدیث کا ایک راوی ابان بن یزید عطار ہے جس کی کنیت ابو یزید اور نسبت بصری ہے، یہ مسلم، ابوداؤد اور نسائی کا راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی تخریج نہیں کی، البتہ استشہاد میں پیش کی ہے (بخاری کتاب المساقات باب ۱) بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، چنانچہ ابن الجوزیؒ نے ضعفاء میں ان کا ذکر کیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ ثقہ راوی ہے، ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ "یحییٰ قطان ان سے روایت کرتے ہیں اور اس کو ہمام سے زیادہ پسند کرتے تھے، اگرچہ مجھے ہمام زیادہ پسند ہے" غرض یہ ثقہ اور معتبر راوی ہے، یحییٰ قطان کا ان سے روایت کرنا اس کی دلیل ہے (تکملہ)

۳- بَابُ وَضْعِ الْجَوَائِحِ

نقصان وضع کرنے کا بیان

الجوائح: جائحۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: آفت، مصیبت، حادثہ، اور فقہاء کی اصطلاح میں اس آفت سماوی کو کہتے ہیں جس کے باعث کل یا بعض پھل ضائع ہوجائیں۔ اور وضع الجوائح سے مراد: بائع کا پھلوں کی قیمت میں سے کل یا بعض ساقط کرنا ہے، جب پھل کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوجائیں، احکام حدیثوں کے بعد آئیں گے۔

[۱۴-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا" ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟"

وحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو اپنے (مسلمان) بھائی کو پھل بیچے پھر ان پھلوں کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو تیرے لئے اس کی قیمت میں سے کچھ لینا مناسب نہیں، تو اپنے بھائی کا مال

بغیر استحقاق کے کیسے لے سکتا ہے؟

سند: ابوعاصم بھی یہ حدیث ابن جریج سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے ابن وہب نے روایت کی ہے۔

مذاہبِ فقہاء:

اگر پھل بدوّ صلاح کے بعد بیچے گئے ہوں اور تخلیہ ہوگیا ہو یعنی پھل اور مشتری کے درمیان سے بائع ہٹ گیا ہو، اور مشتری کو پھلوں پر اختیار دیدیا ہو پھر پھل توڑنے سے پہلے کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوجائیں تو یہ نقصان کس کا، بائع کا یا مشتری کا؟ یعنی یہ پھل بائع کے ضمان میں ہلاک ہوئے یا مشتری کے؟ اس میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید (راجح قول) یہ ہے کہ یہ مشتری کا نقصان ہے، اس لئے کہ مبیع سونپ دی گئی تھی، پھل مشتری کے ضمان میں تھے، پس یہ اسی کا نقصان ہے، اور اس پر پوری قیمت واجب ہوگی، اور بائع کے لئے وہ ثمن حلال و جائز ہوگا۔ البتہ نقصان کے بقدر قیمت کم کردینا مستحب ہے، واجب و لازم نہیں۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ پھل بائع کے ضمان میں ہیں، اور یہ اسی کا نقصان ہے، اس لئے اس پر نقصان کے بقدر قیمت کم کرنا واجب ہے۔

جائحہ کا اطلاق کب ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کل پھل کا ایک تہائی یا اس سے زیادہ ہلاک ہوا ہے تو یہ جائحہ ہے اور اس صورت میں بائع پر نقصان کے بقدر قیمت واپس کرنا واجب ہوگا، اس سے کم ہلا نہیں، یہی امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے اور دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ جائحہ کی کوئی مقدار متعین نہیں، عرف پر اس کا مدار ہے، جس نقصان کو عرف میں جائحہ سمجھا جاتا ہے اس نقصان کی قیمت کم کرنا بائع پر واجب ہوگی، تھوڑا بہت نقصان تو ہوتا ہی ہے، جیسے ہوا سے کچھ پھل گر گئے یا پرندوں نے چگ لئے یہ جائحہ نہیں، اور اس نقصان کی قیمت وضع کرنا لازم و واجب نہیں۔

استدلال:

مذکورہ حدیث امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مستدل ہے، اس میں نبی ﷺ نے جائحہ کی صورت میں مشتری سے قیمت وصول کرنے کو ناجائز اور غیر کا مال بغیر استحقاق کے (باطل طریقہ پر) کھانا قرار دیا ہے۔ اور احناف و شوافع کہتے ہیں کہ جب بیع درست ہوگئی اور مبیع پر مشتری کا قبضہ ہوگیا تو اب نفع نقصان سے بائع کو کیا لینا دینا؟ اب نقصان کا ذمہ دار مشتری ہوگا، کیونکہ نفع اسی کا ہے، اور شریعت کا ضابطہ ہے: الخراج بالضّمان (کما ورد فی حدیث الترمذی)

اور ان کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اسی باب میں آرہی ہے، ایک صحابی نے باغ خریدا، اس میں ان کو نقصان ہوگیا تو نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا: تَصَدَّقُوا علیه: ان کو خیرات دو، مگر وہ بھی قرض کے بقدر جمع نہ ہوئی تو آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا: خُذُوا ما وَجَدتُم ولیس لکم إلا ذلک: جو تمہیں مل گیا اس پر بس

کرو، تمہارے لئے یہی ہے، یعنی باقی قرضہ چھوڑ دو، اس واقعہ میں آپؐ نے نقصان کا ذمہ دار مشتری کو ٹھہرایا ہے۔

اور یہاں جو حدیث ہے اس کا تعلق اخلاقیات سے ہے، یعنی اگر مشتری کا نقصان ہوجائے تو بائع کو سمجھنا چاہئے، جو قیمت طے ہوئی ہے اس میں سے کچھ گھٹا دینا چاہئے۔ مثلاً: پچاس ہزار میں باغ بیچا، مشتری کو صرف تیس ہزار کی آمدنی ہوئی، بیس ہزار کا نقصان ہوگیا، پس بائع مشتری سے کہے کہ چل پچیس ہزار دیدے، پس یہ اخلاقی بات ہے، آمدنی میں سے بھی پانچ ہزار چھوڑ دے تاکہ مشتری نے جو محنت کی ہے اس کا کچھ نفع اس کو مل جائے۔

فائدہ: مذکورہ مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں: —— (۱) بدو صلاح سے قبل بشرط الترک بیع ہوئی، پھر کسی آفت سماوی کی وجہ سے پھل ہلاک و برباد ہوگئے، تو بالاتفاق یہ نقصان بائع کا ہے، اس لئے کہ یہ بیع فاسد ہے، پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع میں مشتری کا فائدہ ہے اور جس بیع میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو وہ بیع فاسد ہوتی ہے (تفصیل بدو صلاح کے باب میں گذری ہے) —— (۲) بشرط القطع بیع ہوئی، خواہ بدو صلاح سے پہلے یا بعد میں، اور ابھی تخلیہ (قبضہ) نہیں ہوا تھا کہ کسی آفت کی وجہ سے پھل ہلاک و برباد ہوگئے تو یہ نقصان بھی بالاتفاق بائع کا ہے، کیونکہ مبیع پر قبضہ نہیں ہوا تھا، پس پھل بائع کے ضمان میں تھے —— (۳) مشتری نے پھلوں پر قبضہ کرلیا تھا، اور ابھی پھل توڑے نہیں تھے کہ کسی آفت کی وجہ سے پھل ہلاک ہوگئے تو یہ بالاجماع مشتری کا نقصان ہے —— (۴) بدو صلاح کے بعد مطلق بیع ہوئی تھی، یعنی بیع کے وقت نہ پھل توڑ لینے کی شرط تھی اور نہ نہ توڑنے کی، اور تخلیہ ہوگیا تھا، یعنی بائع درمیان سے ہٹ گیا تھا، مشتری کے لئے کوئی مانع نہیں تھا، وہ پھل توڑ سکتا تھا، مگر اس سے پہلے ہی نقصان ہوگیا، یہی اختلافی صورت ہے اور یہی اس باب کا مدعیٰ ہے جس کی تفصیل اوپر گذری۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ، فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: مَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: تَحْمَرُّ وَتَصْفَرُّ، أَرَأَيْتَكَ إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ؟

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَىٰ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّىٰ تُزْهِيَ. قَالُوا: وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ: تَحْمَرُّ، فَقَالَ: إِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ، فَبِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ؟

[۱۶-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنْ لَمْ يُثْمِرْهَا اللّٰهُ، فَبِمَ يَسْتَحِلُّ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ؟"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا تا آنکہ وہ خوش منظر

ہو جائیں، یعنی بدو صلاح ہو جائے، طلبہ نے پوچھا: کھجور کا خوش منظر ہونا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کا سرخ یا زرد ہو جانا، تیرا کیا خیال ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک دیں یعنی کسی سماوی آفت سے پھل ہلاک ہو جائیں تو تو اپنے بھائی کا مال کیسے کھا سکتا ہے؟

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے بدو صلاح کے باب میں گذر چکی ہے، شرح وہاں پڑھیں، اور یہاں یہ حدیث حمید طویل کے واسطہ سے اسماعیل بن جعفر، امام مالک اور عبدالعزیز بن محمد نے روایت کی ہے۔

[۱۷-] حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ (وَاللَّفْظُ لِبِشْرٍ) قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيقٍ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ (وَهُوَ صَاحِبُ مُسْلِمٍ) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ عَنْ سُفْيَانَ بِهٰذَا.

وضاحت: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سفیان بن عیینہ نے یکے بعد دیگرے دو واسطوں سے ذکر کی ہے، اور ان سے بشر بن الحکم، ابراہیم بن دینار اور عبدالجبار نے بھی روایت کی ہے اور ابو اسحاق نے بھی —— جو امام مسلمؒ کے شاگرد ہیں —— اول تین حضرات براہ راست سفیان سے روایت کرتے ہیں اور ابو اسحاق بواسطہ عبدالرحمٰن بن بشر روایت کرتے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے اول تین حضرات کی سند سے یہ حدیث تخریج کی، وہ عالی سند ہے، اور ابو اسحاق والی سند نازل ہے، ایک واسطہ بڑھا ہوا ہے، اس لئے اس سند سے تخریج نہیں کی۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ" فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ "خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ"

حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص پھلوں میں مصیبت سے دوچار ہوا، جن کو اس نے (درخت پر لگے ہوئے) خریدا تھا، پس قرضہ بہت ہو گیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "اس کو خیرات دو" پس لوگوں نے اس کو خیرات دی، لیکن وہ صدقہ قرضہ کی بھرپائی کو نہیں پہنچا، پس نبی ﷺ نے

اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: "جو کچھ تم اس کے پاس پاؤ وہ لے لو، اور تمہارے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں"

سند: عمرو بن الحارث بھی بکیر الاشج سے اسی طریق سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، جس طریق سے لیث نے روایت کی ہے، اور ہم مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح:

۱- یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے جن کو باغ میں بھاری نقصان ہوا تھا، اور باغ یہودی کا تھا، نبی ﷺ نے اس سے قرض معاف کرنے کی یا تخفیف کرنے کی درخواست کی مگر اس نے انکار کردیا، پس نبی ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کی ترغیب دی، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے نقصان کا ذمہ دار مشتری کو ٹھہرایا تھا اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مستدل ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

قوله: وليس لكم إلا ذلك: فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قاضی مقروض کو دیوالیہ قرار دے سکتا ہے، اور اس صورت میں اس کے پاس اس کی ضرورت کا ضروری سامان چھوڑ کر باقی سب فروخت کردے گا، اور قرض خواہوں میں حصہ رسد تقسیم کردے گا، اور اعلان کردے گا کہ اب کوئی اس سے قرض کا مطالبہ نہ کرے، جب اس کے پاس مال آئے گا تو وہ دے گا، تفصیل کے لئے ردالمحتار کی کتاب الحجر کی مراجعت کریں (آئندہ باب ۵ میں بھی یہ مسئلہ آرہا ہے)

۴- بَابُ اسْتِحْبَابِ الْوَضْعِ مِنَ الدَّيْنِ

بعض قرضہ معاف کردینا مستحب ہے

گذشتہ باب باغ کے ساتھ خاص تھا، اور یہ عام باب ہے، اگر مقروض تنگ دست اور لاچار ہو تو قرض خواہ کو اس کے ساتھ احسان و مُروّت کا معاملہ کرنا چاہئے اور کل یا بعض قرضہ چھوڑ دینا چاہئے، یہ مستحب ہے واجب ولازم نہیں۔

[۱۹-] وحَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِنَا قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ (وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ) عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أُمَّهُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُومٍ بِالْبَابِ، عَالِيَةً أَصْوَاتُهُمَا وَإِذَا أَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْآخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهُ فِي شَيْءٍ، وَهُوَ يَقُولُ: وَاللَّهِ لَا أَفْعَلُ. فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمَا، فَقَالَ: "أَيْنَ الْمُتَأَلِّي عَلَى اللَّهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوفَ؟" قَالَ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَلَهُ أَيُّ ذَلِكَ أَحَبَّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے دروازہ پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی، فریقین

زور زور سے بول رہے تھے، اچانک ان میں سے ایک نے دوسرے سے قرضہ کم کرنے کی درخواست کی، اور وہ قرض کے معاملہ میں نرمی طلب کر رہا تھا، اور دوسرا کہہ رہا تھا، خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا، پس نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم کھانے والا کہاں ہے جو کہتا ہے کہ وہ نیکی کا کام نہیں کرے گا یعنی قرض کم نہیں کرے گا؟ اس نے عرض کیا: میں ہوں اے اللہ کے رسول! اور اس کے لئے اس میں سے وہ ہے جو وہ پسند کرے۔

وضاحت: حَدَّثَنِيْ بَعْضُ الثِّقَةِ کا حکم:

قولہ: حدثنی غیر واحد من اصحابنا: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کا نام نہیں لیا، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہت سے حفاظ نے اس حدیث کو مقطوع قرار دیا ہے، اور اس قسم کے مقطوعات مسلم شریف میں چودہ ہیں، لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہ منقطع ہے، نہ مرسل ہے اور نہ معضل، بلکہ یہ مجہول سے روایت ہے، اگر راوی حدّثنی بعضُ أصحابنا کہہ کر، یا حدثنی الثّقۃ کہہ کر، یا حدثنی غیرُ واحد کہہ کر کوئی روایت بیان کرے تو اس حدیث میں ابہام تو ہے مگر وہ منقطع، مرسل یا معضل نہیں —— جاننا چاہئے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اگرچہ یہاں اپنے شیخ کا نام نہیں لیا، مگر کتاب الحج میں اسماعیل بن ابی اویس سے براہ راست روایت کیا ہے اور کتاب اللعان اور کتاب الفضائل میں احمد بن یوسف کے واسطہ سے اسماعیل سے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی اویس کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی ہے (بخاری حدیث نمبر ۲۷۰۵) پس ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ حدیث لی ہو، مگر ان کا نام نہیں لیا، حضرت رحمہ اللہ نے پوری مسلم میں امام بخاری رحمہ اللہ کا نام نہیں لیا ہے۔ غرض حدیث شریف کا متن صحیح طریق سے ثابت ہے، پس ابہام سے فرق نہیں پڑتا (شرح نووی)

قولہ: عن ابی الرجال: یہ روای کا لقب ہے، کنیت نہیں، ان کے بارہ لڑکے تھے، اس لئے یہ لقب پڑا، اور ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، ان کے دادا حارثہ بن النعمان بدری صحابی ہیں، اور یہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔

قولہ: عمرۃ بنت عبد الرحمن: معروف انصاری تابعیہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہؓ کی صاحبزادی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی پرورش ہوئی، حضرت عائشہؓ کی روایات کی سب سے بڑی عالمہ تھیں، ابن المدینی ان کو بڑے درجہ کی محدثہ بتاتے تھے اور سفیان کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ کی جو حدیثیں بواسطہ عمرہ مروی ہیں وہ سب سے زیادہ قوی ہیں (تکملہ)

تشریح:

۱- امام مالک رحمہ اللہ نے عمرۃ بنت عبدالرحمٰن سے مرسلاً یہ روایت بیان کی ہے اور اس روایت میں واقعہ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ کے مبارک زمانہ میں ایک شخص نے باغ خریدا، اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہا، مگر اس کو نقصان ہوا، پس مشتری نے باغ کے مالک سے قیمت گھٹانے کی یا معاملہ ختم کردینے کی درخواست کی، مگر مالک نے انکار کیا اور قسم کھالی کہ وہ

معاملہ ختم کرے گا اور نہ قیمت میں سے کچھ گھٹائے گا، چنانچہ مشتری کی ماں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پورا واقعہ عرض کیا (امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث موطا میں باب الجائحة فی بیع الثمار والزروع میں بیان کی ہے)
—— یہ بظاہر اس حدیث کے معارض ہے اس لئے کہ یہاں یہ ہے کہ نبی ﷺ جھگڑے کا شور سن کر خود باہر تشریف لائے تھے، کسی نے آپ کو خبر نہیں کی تھی، اور موطا کی روایت میں ہے کہ مشتری کی ماں نے آنحضور ﷺ کو خبر دی تھی، اور یہ کوئی خاص تعارض نہیں، تطبیق ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ مشتری کی ماں آنحضور ﷺ سے واقعہ عرض کر رہی ہو، اسی دوران بائع اور مشتری کا مسجد میں جھگڑا ہوا ہو، اور آنحضور ﷺ شور سن کر باہر تشریف لائے ہوں، شیخ زکریا قدس سرہٗ نے اوجز المسالک میں یہ تطبیق دی ہے۔

۲-عالِيَةً: اس پر نصب اور جر دونوں پڑھ سکتے ہیں، جر پڑھیں تو خصوم کی صفت ہوگا، اور نصب پڑھیں تو حال، اور أصوات: دونوں صورتوں میں مرفوع ہوگا اس لئے کہ عالية کا فاعل ہے (عمدۃ القاری ۶:۴۲۳ بحوالہ تکملہ)

۳-المُتَأَلِّیٰ: قسم کھانے میں مبالغہ کرنے والا، یہ أَلِيَّة (ہمزہ مفتوح، لام مکسور، یا مشدد) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں، وہ شخص بھلائی نہ کرنے کی قسم کھا رہا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے اس کی قسم کو ناپسند فرمایا۔

[۲۰-] حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ: فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادَى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، فَقَالَ: "يَا كَعْبُ!" فَقَالَ: لَبَّيْكَ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَأَشَارَ إِلَيْهِ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ، قَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قُمْ فَاقْضِهِ"

[۲۱-] وحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّهُ تَقَاضَى دَيْنًا لَهُ عَلَى ابْنِ أَبِي حَدْرَدٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ وَهْبٍ.

قَالَ مُسْلِمٌ: وَرَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّهُ كَانَ لَهُ مَالٌ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ، فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ فَتَكَلَّمَا حَتّٰى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَمَرَّ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا كَعْبُ!" فَأَشَارَ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ النِّصْفَ، فَأَخَذَ نِصْفًا مِمَّا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا.

ترجمہ: حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی حدردؓ سے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد نبوی میں قرض کا مطالبہ کیا جو کعبؓ کا ان پر تھا (في المسجد: تَقاضی کے ساتھ متعلق ہے) پس دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی آوازیں سنیں، درانحالیکہ آپ حجرہ میں تھے، پس آپؐ ان کی طرف نکلے یہاں تک کہ آپؐ نے اپنے حجرہ کا پردہ کھولا، یعنی پردہ ہٹا کر حجرہ سے باہر سر نکالا، اور پکار کر کہا: اے کعب! انھوں نے عرض کیا: حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: اپنے قرض میں سے اتنا معاف کردو، اور ان کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، آدھا قرض معاف کردو، حضرت کعبؓ نے عرض کیا: میں نے کیا اے اللہ کے رسول! یعنی میں نے آدھا قرض معاف کردیا، آپؐ نے ابن ابی حدردؓ سے کہا: کھڑے ہوؤ اور آدھا قرض ادا کرو۔

سند: یہ حدیث عبداللہ بن وہب کی طرح عثمان بن عمر نے بھی یونس سے روایت کی ہے۔

قال: مسلمؒ: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تعلیقاً بیان کی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یحیٰ بن بکیر کے طریق سے موصولاً بیان کی ہے (بخاری، حدیث نمبر ۲۴۲۴، كتاب الخصومات، بابٌ في الملازمة)

قولہ: فَلَزِمَه: ملازمت کے معنی ہیں: سایہ کی طرح ساتھ لگا رہنا، اگر کوئی نادہند مقروض کے ساتھ لگا رہے تو یہ جائز ہے اور یہ بھی ایک طرح کی سزا ہے —— کعب بن مالکؓ کا عبداللہ بن ابی حدردؓ پر قرضہ تھا، مسجد نبوی میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ ان کے ساتھ لگ گئے اور کہا: جب تک قرضہ نہیں لوں گا چھوڑوں گا نہیں، دونوں زور زور سے بولنے لگے، نبی ﷺ نے گھر میں سے سنا تو مصالحت کرائی کہ آدھا قرضہ چھوڑ دو، اور آدھا فوراً ادا کرو۔

قولہ: لبیک: وسعدیک: کی تحقیق وتقدیر کے لئے دیکھئے: ایضاح المسلم ۱: ۱۴۴۔

قولہ: سجف حجرته: السَّجْفُ: درمیان سے کٹا ہوا پردہ (کہ وقت ضرورت آدھا اٹھایا جاسکے) دو ملے ہوئے پردے، جمع: اَسْجَاف وسُجُوْف۔

تشریح:

۱- یہ روایت مختلف طرح سے مروی ہے، بعض روایت میں یہ ہے کہ جس وقت جھگڑا ہو رہا تھا، نبی ﷺ وہاں سے گذرے، حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کا جواب دیا ہے، مگر صاحب افادات حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا مزاج ایسے جھگڑوں میں پڑنے کا نہیں تھا، وہ ایسے تمام موقعوں پر واقعہ کے متعلقات کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر فرماتے تھے۔

۲- اور یہ جملہ کہ آپؐ ان کی طرف نکلے یہاں تک کہ حجرہ کا پردہ کھولا، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے پردہ ہٹا کر سر مبارک نکالا، اور پکار کر حضرت کعبؓ سے وہ بات فرمائی۔

۳- اور مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت ہے، مگر یہاں مسجد عرفی مراد ہے، مسجد شرعی مراد نہیں، جیسے بخاری شریف

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، اس میں ہے: والحبشة یلعبون فی المسجد (بخاری حدیث نمبر ۴۵۴) وہاں حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں امام مالک رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ کھیل مسجد کے باہر کھیلا گیا تھا، یعنی مسجد شرعی سے باہر تھا، مسجد نبوی میں آگے کی طرف صحن تھا جس کو روایتوں میں بلاط کہا گیا ہے، اس میں وہ کھیل کھیلا گیا تھا۔ حضرت کعب اور ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع ہوا تھا وہ مسجد عرفی میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

۵- بَابُ مَنْ أَدْرَکَ مَا بَاعَهُ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ وَقَدْ أَفْلَسَ فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِیْهِ

جو شخص مشتری کے پاس اپنا فروخت کردہ مال پائے درانحالیکہ وہ دیوالیہ ہوگیا ہو تو اسے اپنا مال واپس لینے کا حق ہے

اگر کوئی شخص دیوالیہ ہوجائے یعنی اس پر اتنا قرض ہوجائے کہ اس کا سارا مال سامان بیچ کر بھی قرض ادا نہیں ہوسکتا تو قرض خواہ قاضی کے پاس جائیں گے، قاضی اس کو دیوالیہ قرار دے کر اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد جو مال سامان ہوگا وہ بیچ دے گا اور ماحصل حصہ رسد قرض خواہوں میں تقسیم کردے گا اور باقی قرضہ ان لوگوں کو اس وقت ملے گا جب دیوالیہ کے پاس مال آئے گا، اس سے پہلے ان کو مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، یہ ہر دیوالیہ کا حکم ہے، أَفْلَسَ فلانٌ کے معنی ہیں: مفلس ہوجانا، دیوالیہ ہوجانا، فراخی کے بعد تنگی آجانا، اور فَلَّسَ القاضی فلانًا کے معنی ہیں: قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا، کسی کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے دیوالیہ ہونے کا قاضی اعلان کردے اور کوئی شخص اپنا فروخت کیا ہوا سامان دیوالیہ کے پاس بحالہ پائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص نے زید کو بکری فروخت کی، ابھی قیمت وصول نہیں ہوئی تھی کہ زید دیوالیہ قرار دیدیا گیا، اور وہ بکری اس کے پاس بحالہ موجود ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع وہ بکری لے لیگا، اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک اس بکری کو بھی فروخت کیا جائے گا اور بائع قرض خواہوں کی صف میں کھڑا ہوگا اور حصہ رسد پائے گا۔ دلائل حدیثوں کے بعد آئیں گے۔

[۲۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یُوْنُسَ، حَدَّثَنَا زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ، أَخْبَرَنِی أَبُوْ بَکْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّ أَبَا بَکْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ هِشَامٍ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (أَوْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ) "مَنْ أَدْرَکَ مَالَهُ بِعَیْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ (أَوْ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ) فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَیْرِهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اپنا مال بعینہ پائے کسی شخص کے پاس — یا فرمایا کسی انسان کے پاس، شک راوی ہے — جو دیوالیہ ہو گیا ہو تو وہ اس مال کا زیادہ حق دار ہے اس کے علاوہ سے"

مذاہب فقہاء:

قاضی نے جس کو دیوالیہ قرار دیا ہے اس نے مثلاً کسی سے سائیکل خریدی ہے اور ابھی اس کا ثمن باقی ہے اور وہ سائیکل دیوالیہ کے پاس بعینہٖ موجود ہے تو یہ سائیکل بائع لے جائے گا یا فروخت کی جائے گی، اور بائع قرض خواہوں کی لائن میں کھڑا ہوگا؟ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک وہ لائن میں کھڑا نہیں ہوگا، وہ اپنی سائیکل لے جائے گا، یہ سائیکل بائع کا سامان ہے، جو دیوالیہ کے پاس بعینہٖ موجود ہے۔ اور احناف کہتے ہیں: وہ سائیکل بائع کی نہیں رہی تبدل ملک سے تبدل شئ ہو جاتی ہے پس اس سائیکل کو قاضی بیچے گا اور بائع قرض خواہوں کی لائن میں کھڑا ہوگا، اس کے حصہ میں جتنی رقم آئے گی لے گا اور باقی باقی۔

استدلال:

اس باب میں نص فہمی کا اختلاف ہے، حدیث میں مَالَه (اس کا مال) سے کیا مراد ہے؟ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد بیع، قرض اور ودیعت وغیرہ سب کو شامل ہے، یعنی دیوالیہ کے پاس جو مال بعینہٖ موجود ہے اس کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے، وہ اس کو لے جائے گا، خواہ مالک بائع ہو یا قرض دینے والا ہو یا امانت رکھنے والا ہو۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بیع وقرض اس حدیث کا مصداق نہیں، یعنی بیع اور قرض میں وہ اس کا مال نہیں رہا، ملکیت بدلنے سے چیز بدل گئی، اگر بیچنے کے بعد بھی وہ چیز بائع کی رہے گی تو بائع اس کی دوسری بیع کر سکتا ہے، جبکہ یہ بالاتفاق جائز نہیں، معلوم ہوا کہ بیچنے کے بعد وہ چیز اس کی نہیں رہی، قرض کا بھی یہی حکم ہے، پس بیع وقرض اس حدیث کا مصداق نہیں، بلکہ غصب وامانت اور عاریت اس حدیث کا مصداق ہیں، کیونکہ ملکیت نہیں بدلی۔

غرض: ائمہ ثلاثہ ودیعت وامانت وغیرہ میں مَالَه کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، اور بیع اور قرض میں مجازی، جبکہ احناف کے یہاں حقیقت ومجاز کو جمع کرنا جائز نہیں، یا تو حقیقی معنی مراد لیں گے یا مجازی، دونوں کو ایک ساتھ جمع نہیں کر سکتے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے احناف کی تائید ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: إذا ضاع لأحدكم متاعٌ او سُرِق له متاعٌ فوَجَده في يَدِ رَجُلٍ بعينه فهو أحَقُّ به إلخ: یعنی جب کسی کا کوئی سامان ضائع ہو جائے، یا اس کو کوئی چرا لے، پھر مالک اپنا مال بعینہٖ چور کے پاس پائے تو وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے[1]

(۱) یہ حدیث سنن بیہقی میں کتاب التفلیس میں ہے، اور اس کا ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے، اگرچہ بعض علماء نے ان کی تضعیف کی ہے مگر کذب کے ساتھ کسی نے متہم نہیں کیا، بلکہ تدلیس وارسال کا ان پر الزام ہے، اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ نے ان کی توثیق کی ہے، عجلی نے بھی ثقہ قرار دیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حفاظ میں ان کو گنا ہے (تہذیب التہذیب)

ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ چرائے ہوئے مال کا یہ حکم ہے، جو مال بیچ دیا گیا اس کا یہ حکم نہیں، کیونکہ بیچنے کے بعد وہ مال بائع کا نہیں رہا، مشتری کا ہو گیا ہے، اور وہ اسی کے ضمان میں ہے اور وہی اس کے نفع و نقصان کا مالک ہے، اور یہ متفق علیہ ضابطہ ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، ح: وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، جَمِيعًا عَنْ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَيَحْيَى بْنُ حَبِيبِ الْحَارِثِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ- يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ- (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ، بِمَعْنَى حَدِيثِ زُهَيْرٍ، وقَالَ ابْنُ رُمْحٍ مِنْ بَيْنِهِمْ فِي رِوَايَتِهِ: "أَيُّمَا امْرِءٍ فُلِّسَ"

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ سات اساتذہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، اور وہ سب مختلف واسطوں سے زہیر کی طرح یحییٰ بن سعید سے ان کے مثل روایت کرتے ہیں، البتہ ایک استاذ محمد بن رمح کی روایت ذرا مختلف ہے، ان کی روایت میں أفلسَ (ماضی از افعال) کے بجائے فُلِّس (ماضی از تفعیل) ہے، فَلَّسَ القاضی فلانًا کے معنی ہیں: قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا، کسی کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا۔

[۲۳-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ - وَهُوَ ابْنُ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيُّ - عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حُسَيْنٍ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَهُ عَنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ الَّذِي يُعْدِمُ إِذَا وُجِدَ عِنْدَهُ الْمَتَاعُ وَلَمْ يُفَرِّقْهُ: " أَنَّهُ لِصَاحِبِهِ الَّذِي بَاعَهُ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ایسے شخص کے بارے میں جو نادار ہو گیا ہو، جب اس کے پاس سامان پایا جائے جس کو اس نے جدا نہ کیا ہو: "وہ مال اس کے اس مالک کا ہوگا جس نے اس کو بیچا تھا" ـــــ أعْدَم إعْدامًا الرجل محتاج ہونا العَدِم و العَدِيْم محتاج و فقیر۔

تشریح:

الذي باعَه: یہ جملہ ائمہ ثلاثہ کے لئے مؤید ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غصب و امانت اور عاریت کے علاوہ بیع بھی اس حدیث کا مصداق ہے، یعنی اگر بائع کسی دیوالیہ کے پاس اپنا مال بعینہ پائے تو وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے ـــــ مگر یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چھ حضرات روایت کرتے ہیں: ابوبکر بن عبد الرحمٰن، ہشام مخزومی، بشیر بن

نہیک، عراک، ابوسلمہ اور عمرو بن خلدة رحمہم اللہ، آخری چار حضرات لفظ بیع روایت نہیں کرتے، نہ ان کی روایتوں میں کوئی اختلاف ہے۔

اور ہشام مخزومی یہ لفظ روایت کرتے ہیں مگر ایک تو وہ مجہول ہے، دوسرے متفرد ہے، یعنی وہ تنہا یہ لفظ روایت کرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دیگر تلامذہ یہ لفظ روایت نہیں کرتے۔ اور ایک شاگرد ابوبکر بن عبدالرحمٰن (جن کی روایت باب کے شروع میں گذری ہے) کی روایت میں اختلاف ہے، ان سے عمر بن عبدالعزیز اور ابن شہاب زہریؒ روایت کرتے ہیں، پھر عمر بن عبدالعزیزؒ سے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ روایت کرتے ہیں اور ان سے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہیں ان میں سے صرف ابن ابی الحسین یہ لفظ روایت کرتے ہیں، یہاں انہی کی روایت ہے، چنانچہ یحییٰ بن سعیدؒ انصاری بھی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ کے واسطہ سے عمر بن عبدالعزیزؒ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، مگر وہ یہ لفظ روایت نہیں کرتے، اور حفاظ کی ایک بڑی جماعت جیسے زہیر، ہشیم، لیث بن سعد، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، عبد الوہاب، یحییٰ قطان، حفص بن غیاث، انس بن عیاض، ابوخالد احمر، یزید بن ہارون اور امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ ابوبکر بن حزمؒ کے واسطہ سے عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کرتے ہیں مگر کوئی یہ لفظ روایت نہیں کرتا۔

اور سفیان ثوریؒ بھی یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إذا ابتاع رجلٌ سلعةً ثم أفلس إلخ: مگر اس پر ان کا عمل نہیں، وہ اس مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں۔

غرض: عمر بن عبدالعزیزؒ والی روایت چودہ طرق سے مروی ہے، ان میں سے صرف دو طرق میں یہ لفظ بیع ہے: ایک: ابن ابی الحسین کے طریق میں جو یہاں ہے۔ اور دوسرے: ثوریؒ کے طریق میں، مگر ان کا بر بناء شک اپنی روایت پر عمل نہیں، پس عمر بن عبدالعزیزؒ کے طریق میں راجح یہی ہے کہ اس میں یہ لفظ بیع نہیں ہے، چنانچہ مسند عمر بن عبدالعزیز چھپ چکی ہے اس میں اس لفظ کے بغیر یہ حدیث ہے۔

اور ابن شہاب زہریؒ بھی ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور اس لفظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں، مگر ان کی روایت مرسل اور مسند دونوں طرح مروی ہے، اور اس کا مرسل ہونا اصح ہے، اور ابن شہاب زہریؒ کے مراسیل بالاتفاق ضعیف ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱: ۴۹۸)

غرض: اس لفظ بیع میں تردد ہے، اور اس کو صحیح بھی مان لیں تو پھر حدیث اس صورت پر محمول ہوگی جب کہ بائع نے خیارِ شرط کے ساتھ بیچا ہو، اور اس دوران مشتری دیوالیہ قرار دیا گیا ہو، اس صورت میں سامان بعینہ حالت میں موجود ہے کیونکہ ابھی بائع کی ملکیت باقی ہے، پس وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا اور یہ تاویل کرنی اس لئے ضروری ہے تا کہ خرید وفروخت کے بنیادی اصول جو کہ متفق علیہ ہیں اس کے خلاف لازم نہ آئے اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں اس کو بیع قبل القبض پر

محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم

[۲۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَفْلَسَ الرَّجُلُ، فَوَجَدَ الرَّجُلُ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ"

وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، ح: وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ ابْنُ حَرْبٍ أَيْضًا. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَهُ. وَقَالَا "فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ"

[۲۵-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُوسَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ (قَالَ حَجَّاجٌ: مَنْصُورُ بْنُ سَلَمَةَ) أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ خُثَيْمِ بْنِ عِرَاكٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِذَا أَفْلَسَ الرَّجُلُ، فَوَجَدَ الرَّجُلُ عِنْدَهُ سِلْعَتَهُ بِعَيْنِهَا، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا"

وضاحت: پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بشیر بن نہیکؒ نے روایت کی ہے اور ان سے قتادہؒ: نضر بن انس کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور قتادہؒ سے شعبہؒ بھی روایت کرتے ہیں، اور سعید اور ہشام بھی، اور ان دونوں کی روایت میں من الغُرَماء زائد ہے ـــــ الغُرَماء کے معنی ہیں: قرض خواہ، اور یہ غریم کی جمع ہے۔

اور دوسری حدیث کے راوی عراک ہیں ـــــ السِّلعَة: سامان، سامان تجارت اور متاعؔ کے معنی ہیں: چاندی سونے کے علاوہ سامان زندگی، ہر وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے۔

٦- بَابٌ فَضْلِ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ

تنگ دست کو مہلت دینے کی فضیلت

إنظار کے معنی ہیں: مہلت دینا، ڈھیل دینا، اگر مقروض تنگ دست اور غریب آدمی ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دینی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے۔ اور اگر قرضہ بالکل معاف کردے تو نورٌ علی نور، اور یہ بات بیوع کے ساتھ خاص نہیں، مگر بیوع میں عام طور پر یہ بات پیش آتی ہے اس لئے یہ حدیث یہاں لائے ہیں، ترمذی شریف میں حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا قرضہ معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے عرش کے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا" (ترمذی حدیث نمبر ۱۲۹۲)

اور یہاں یہ حدیث ہے کہ: نبی ﷺ نے گذشتہ کسی امت کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا کہ جب اس کا انتقال ہوا اور اس کا حساب جانچا گیا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہیں تھی صرف ایک نیکی تھی کہ وہ مالدار آدمی تھا اور اس کے لوگوں سے معاملات رہتے تھے اور اس نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی گاہک تنگ دست ہو تو اس سے درگذر کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: اس خوبی کے ہم زیادہ سزاوار ہیں: اس سے درگذر کرو! (معلوم ہوا کہ کسی تنگ دست کو معاف کرنا بڑا افضیلت کا کام ہے)

[۲۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ أَنَّ حُذَيْفَةَ حَدَّثَهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَالُوا: أَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا، قَالُوا: تَذَكَّرْ، قَالَ: كُنْتُ أُدَايِنُ النَّاسَ، فَآمُرُ فِتْيَانِي أَنْ يُنْظِرُوا الْمُعْسِرَ وَيَتَجَوَّزُوا عَنِ الْمُوسِرِ، قَالَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: تَجَوَّزُوا عَنْهُ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "ان امتوں میں سے جو تم سے پہلے گذری ہیں فرشتوں نے ایک آدمی کی روح وصول کی، پس انھوں نے پوچھا: کیا تو نے کبھی کوئی خیر کا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، فرشتوں نے کہا: یاد کر، اس نے کہا: میں لوگوں کو ادھار دیا کرتا تھا، اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست کو ڈھیل دو اور مالدار سے درگذر کرو، یعنی نوکروں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی گاہک تنگ دست ہو تو اس سے درگذر کرنا اور مالدار اور مہلت مانگے تو اسے مہلت دیدینا، نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تم اس سے درگذر کرو" —— دایَنَه مُدَایَنَةً: قرض کا معاملہ کرنا۔

[۲۷-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ حُجْرٍ) قَالَا: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، قَالَ: اجْتَمَعَ حُذَيْفَةُ وَأَبُو مَسْعُودٍ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ "رَجُلٌ لَقِيَ رَبَّهُ فَقَالَ: مَا عَمِلْتَ قَالَ مَا عَمِلْتُ مِنَ الْخَيْرِ، إِلَّا أَنِّي كُنْتُ رَجُلًا ذَا مَالٍ، فَكُنْتُ أُطَالِبُ بِهِ النَّاسَ، فَكُنْتُ أَقْبَلُ الْمَيْسُورَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمَعْسُورِ، فَقَالَ تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي" قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ.

ترجمہ: ربعی بن حراشؒ کہتے ہیں: حضرت حذیفہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہما ایک جگہ جمع ہوئے، پس حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: ایک بندہ نے اپنے پروردگار سے ملاقات کی، اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا: تو نے کوئی خیر کا کام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا مگر یہ کہ میں مالدار آدمی تھا، پس جب میں لوگوں سے قرض کا مطالبہ کرتا تو مالدار (کی مہلت کی درخواست) کو قبول کرتا تھا اور تنگ دست سے درگذر کرتا تھا، اللہ عزوجل نے (فرشتوں

ہے) فرمایا: تم میرے بندے سے درگذر کرو (یہ سن کر) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح فرماتے سنا ہے۔

[۲۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ. عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ رَجُلًا مَاتَ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ فَقِيلَ لَهُ: مَا كُنْتَ تَعْمَلُ؟ (قَالَ: فَإِمَّا ذَكَرَ وَإِمَّا ذُكِّرَ) فَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ. فَكُنْتُ أُنْظِرُ الْمُعْسِرَ وَأَتَجَوَّزُ فِي السِّكَّةِ أَوْ فِي النَّقْدِ. فَغُفِرَ لَهُ" فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص مرنے کے بعد جنت میں گیا، اس سے پوچھا گیا: تو نے کیا خیر کا کام کیا تھا؟ —— راوی کہتا ہے: یا تو اس کو یاد آ گیا یا اس کو یاد دلایا گیا —— اس نے کہا: میں لوگوں کے ساتھ کاروبار کیا کرتا تھا، پس میں تنگ دست کو ڈھیل دیا کرتا تھا اور ثمن میں درگذر کیا کرتا تھا، پس اس عمل پر اس کی مغفرت کردی گئی، ابو مسعودؓ کہتے ہیں: اور میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

لغات: السِّكَّة: سونے چاندی وغیرہ کا ڈھلا ہوا سکہ، سَکَّ النقودَ (ن) سَكًّا: سکے ڈھالنا، کرنسی بنانا —— النَّقد: کرنسی، سکہ، رقم، روپیہ، پیسہ، جمع نُقود —— حدیث میں شک راوی ہے۔

[۲۹-] حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ. قَالَ: " أُتِيَ اللَّهُ بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِهِ، آتَاهُ اللَّهُ مَالًا. فَقَالَ لَهُ: مَاذَا عَمِلْتَ فِي الدُّنْيَا؟ (قَالَ: وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا) قَالَ: يَا رَبِّ! آتَيْتَنِي مَالَكَ. فَكُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ. وَكَانَ مِنْ خُلُقِي الْجَوَازُ فَكُنْتُ أَتَيَسَّرُ عَلَى الْمُوسِرِ، وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ. فَقَالَ اللَّهُ: أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي" فَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ الْجُهَنِيُّ، وَأَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ: هَكَذَا سَمِعْنَاهُ مِنْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس کا ایک بندہ لایا گیا، جس کو اللہ پاک نے دولت سے نوازا تھا، اس سے اللہ عزوجل نے پوچھا: تو نے دنیا میں کیا خیر کا کام کیا ہے؟ —— اور بندے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے —— اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! آپ نے اپنے پاس سے مجھے مال عطا فرمایا تھا، پس میں لوگوں کے ساتھ کاروبار کیا کرتا تھا، اور میری عادت درگذر کرنے کی تھی، چنانچہ میں مالدار کو (وصولیابی میں) سہولت دیا کرتا تھا اور تنگ دست کو مہلت دیا کرتا تھا، پس اللہ عزوجل نے فرمایا: میں اس برتاؤ کا تجھ سے زیادہ سزاوار ہوں

(اور فرشتوں سے فرمایا) تم میرے بندے سے درگزر کرو، حضرت عقبہ اور حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں: ہم نے یہ حدیث نبی پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔

قوله: عقبة بن عامر: یہ راوی ابو خالد الاحمر کا وہم ہے، صحیح عقبۃ بن عمرو ہے جو ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ ہی کا نام ہے، اور ابو مسعود کنیت ہے، اور عقبۃ بن عامر الگ صحابی ہیں اور یہ حدیث ان کی مرویات میں نہیں ہے۔

[۳۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) (قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ) عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ، وَكَانَ مُوسِرًا. فَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: نَحْنُ أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْهُ، تَجَاوَزُوا عَنْهُ“

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ”ان امتوں میں سے جو تم سے پہلے گزری ہیں ایک شخص کا حساب جانچا گیا، اس کے نامۂ اعمال میں کوئی خیر کا کام موجود نہیں تھا، مگر یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا، اور وہ مالدار آدمی تھا، اور اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست سے درگزر کیجیو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: ہم اس سے زیادہ اس برتاؤ کے سزاوار ہیں (اور فرشتوں سے فرمایا) تم اس سے درگزر کرو ــــــ حاسبه مُحَاسَبَةً وحِسَابًا: حسابات کی جانچ کرنا۔

[۳۱-] حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ (قَالَ مَنْصُورٌ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، و قَالَ ابْنُ جَعْفَرٍ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ (وَهُوَ ابْنُ سَعْدٍ) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ: إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، لَعَلَّ اللهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا، فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ“

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ؛ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص لوگوں کو ادھار دیا کرتا تھا اور اس نے اپنے نوجوانوں (نوکروں) سے کہہ رکھا تھا، جب تمہارے پاس کوئی تنگ دست آئے تو اس سے درگزر کیجیو شاید اللہ عزوجل ہمارے گناہوں سے درگزر کریں، پھر اس کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ عزوجل نے اس سے

درگذر فرمایا۔

سند: یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے یونسؒ اور ابراہیم بن سعدؒ نے روایت کی ہے۔

[٣٢-] حَدَّثَنَا أَبُو الْهَيْثَمِ، خَالِدُ بْنُ خِدَاشِ بْنِ عَجْلَانَ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ؛ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ طَلَبَ غَرِيمًا لَهُ فَتَوَارَى عَنْهُ، ثُمَّ وَجَدَهُ. فَقَالَ إِنِّي مُعْسِرٌ. فَقَالَ آللّٰهِ؟ قَالَ آللّٰهِ. قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ"

وحَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا ایک شخص پر قرضہ تھا، جب بھی حضرت اس کے پاس قرض کا تقاضہ کرنے جاتے تو وہ چھپ جاتا تھا، ایک دن گھر جا کر جب پکارا تو بچہ باہر نکلا اور اس نے بتایا کہ وہ خربوزہ کھا رہا ہے، حضرت ابوقتادہؓ نے پکار کر کہا اے فلاں! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تو گھر ہی میں ہے، باہر نکل، پس وہ مجبوراً باہر نکلا اور تنگ دستی اور لاچاری کا رونا رونے لگا، اس موقعہ پر حضرت ابوقتادہؓ نے یہ حدیث سنائی۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قتادہؓ سے مروی ہے کہ ان کے ابا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مقروض کو (گھر سے باہر) بلایا، وہ ان سے چھپ گیا، پھر دوسرے وقت ابوقتادہؓ نے اس کو پکڑ لیا، اس نے کہا: میں تنگ دست ہوں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی سختیوں سے نجات دیں تو چاہئے کہ وہ تنگ دست پر نرمی کرے یا اس کے قرض کو معاف کردے"

سند: جریر بن حازم نے بھی ایوب رحمہ اللہ سے اسی طریق سے روایت کیا ہے جس طریق سے حماد بن زیدؒ نے روایت کیا ہے۔

لغات: غریم کے معنی یہاں قرض دار یعنی مقروض کے ہیں، اس لفظ کے معنی قرض خواہ کے بھی آتے ہیں، جمع: غُرماء ـــــ آللّٰہُ: قسم کی با محذوف ہے، ای: اباللّٰہ ـــــ اول قسم سوال اور ثانی قسم جواب ہے ـــــ اور رضی کہتا ہے: جب اللّٰہ پر سے قسم کی باحذف کردی جائے تو اس کو منصوب پڑھنا اولیٰ ہے اور کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور باقسمیہ کے عوض ہمزہ استفہامیہ لاتے ہیں اور کبھی عوض کے بغیر بھی استعمال کرتے ہیں ـــــ سَرَّہ (ف) سُرُوْرًا وَمَسَرَّةً: خوش کرنا ـــــ اَنْجَی الرجلُ اِنْجاءً: رہائی دلانا، اور نَجَا یَنْجُو نَجَاۃً وَنَجَاءً کے معنی ہیں: رہائی پانا ـــــ کُرَب: کُرْبَۃٌ کی جمع: غم، مشقت ـــــ نَفَّسَ تَنْفِیْسًا الکُربۃَ: غم دور کرنا، غم سے رہائی دینا ـــــ یَضَعْ عنه ای لِیَضَعْ عنه، توسُّعاً لام کو حذف کردیا۔

۷- بَابُ تَحْرِيمِ مَطْلِ الْغَنِيِّ وَصِحَّةِ الْحَوَالَةِ وَاسْتِحْبَابِ قُبُوْلِهَا إِذَا أُحِيْلَ عَلٰى مَلِيٍّ

مالدار کا ٹال مٹول کرنا حرام ہے، اور حوالہ صحیح ہے، اور حوالہ کی درخواست قبول کرنا مستحب ہے جب قرضہ کسی مالدار پر اتارا جائے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے، مقروض اگر واقعی تنگ دست ہو تو اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ مالدار ہو یعنی قرض دے سکتا ہو مگر نادہند ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا، اس کو سزا دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ: مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، لہٰذا اس کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے جانا چاہئے اور سزا دلوانی چاہئے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔

اور باب میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مقروض کسی مالدار پر اپنا قرض اتارے یعنی قرض خواہ سے کسی دوسرے سے قرض وصول کرنے کے لئے کہے جبکہ محتال علیہ (جس پر قرض اتارا گیا ہے) راضی ہو تو قرض خواہ کو وہ درخواست قبول کر لینی چاہئے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو حوالہ کہتے ہیں، اس کے احکام حدیثوں کے بعد آئیں گے۔

[۳۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ"
حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا جَمِيعًا: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور جب پیچھے لگایا جائے تم میں سے کوئی کسی مالدار کے تو چاہئے کہ وہ اس کا پیچھا کرے۔

سند: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہمام بن منبہ نے بھی روایت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: مقروض اگر قرضہ ادا کرنے کی پوزیشن میں ہو تو قرضہ ادا کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرنا چاہئے، ہاں تنگ دست ہو تو دوسری بات ہے، گذشتہ باب میں حدیث گذری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تنگ دست سے درگذر کرنا چاہئے یعنی اس کا قرضہ چھوڑ دینا چاہئے اور مالدار سے نرمی کرنی چاہئے یعنی اس کو مہلت دینی چاہئے، یہ بات کب ہے؟ جبکہ وہ نادہند نہ ہو، اگر وہ مالدار ہے، قرض دے سکتا ہے مگر ٹال مٹول کرتا ہے تو اس کے ساتھ نرمی کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور بعض حدیث میں يُحِلُّ عُقُوْبَتَهُ بھی ہے، جائز کرتا ہے وہ ٹال مٹول کرنا اس کی سزا

وہی کو(ابوداؤد باب فی الأقضية) یعنی قاضی سے اس کی شکایت کرنی چاہئے، وہ قرضہ دلوائے گا۔

دوسری بات: جب تم میں سے کوئی کسی مالدار کے پیچھے لگایا جائے تو چاہئے کہ وہ اس کا پیچھا کرے، قرض خواہ آیا، باپ نے کہا: میرے پاس پیسے نہیں، میرا یہ بیٹا آپ کا قرض ادا کرے گا اور بیٹا قبول کرتا ہے، پھر بھی قرض خواہ اکڑتا ہے، وہ کہتا ہے: میں کیا جانوں تیرے بیٹے کو؟ میرا قرضہ تجھ پر ہے، میں تو تجھی سے لونگا! حضور ﷺ نے فرمایا: ایسی ضدمت کرو، بیٹے سے قرض وصول کرنے پر راضی ہو جاؤ، آم سے مطلب رکھو، پیڑ سے کیا لینا ہے! پس یہ حسن اخلاق کی تعلیم ہے۔

حوالہ کے لغوی وشرعی معنی:

حوالہ کے لغوی معنی: انتقال کے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں: نَقْلُ دَيْنٍ مِنْ ذِمَّةٍ إِلَى ذِمَّةٍ: اپنا قرضہ کسی دوسرے پر اتارنا۔ مقروض نے قرض خواہ سے کہا: آپ کا قرضہ میرا بھائی یا میرا دوست دے گا: یہ حوالہ ہے [1] اور حوالہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں: اول: اصل مقروض جس نے اپنا قرضہ دوسرے پر اتارا ہے، اسے مُحِیل کہتے ہیں۔ مُحِیل اسم فاعل ہے أحال علیہ کے معنی ہیں: دوسرے پر قرضہ اتارنا۔ دوم: قرض خواہ اس کو مُحتال: حوالہ قبول کرنے والا کہتے ہیں۔ سوم: وہ شخص جس پر قرضہ اتارا گیا ہے اس کو مُحتال علیہ کہتے ہیں۔ چہارم: وہ قرضہ جو کسی دوسرے پر اتارا گیا ہے، اس کو مُحتال بہ کہتے ہیں۔

کیا حوالہ قبول کرنا ضروری ہے؟ مذاہب فقہاء مع دلائل:

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر محتال علیہ پر اصیل (محیل) کے قرضہ کے بقدر یا زائد قرضہ ہے اور وہ مالدار ہے، قرضہ دے سکتا ہے تو محتال پر حوالہ قبول کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اصل مقروض (محیل) کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا قرض خواہ خود ادا کرے یا کسی دوسرے سے دلوائے محتال کے لئے حوالہ رد کرنے کی گنجائش نہیں، اور ان کا استدلال فَلْيَتَّبِعْ: صیغۂ امر سے ہے، امر وجوب کے لئے آتا ہے، یعنی نبی ﷺ نے حوالہ قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حوالہ قبول کرنا مستحب ہے، فرض وواجب نہیں، اور ان کا استدلال حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: على اليد ما أخذت حتى تؤدي: یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مقروض جب تک خود اپنا قرض چکا نہ دے اس کا ذمہ بری نہیں ہوتا، لہٰذا خود قرضہ ادا کرنا ضروری ہے، اور قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا، اور یہ اس کا حق ہے، مگر یہ کہ وہ دوسرے پر قرضہ اتارنے پر راضی ہو، پس اس سے مطالبہ کرے گا ــــــ اور یہی بات مصلحت کے عین مطابق ہے، اس لئے کہ لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض ٹال مٹول زیادہ کرتے ہیں، بعض کم، بعض زیادہ نادہند ہوتے ہیں بعض کم، اور اصل قرض خواہ کی جو وقعت مقروض کی نظروں میں ہوتی ہے محتال کی وہ وقعت نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اگر محتال کی رضامندی ضروری نہ ہو تو وہ کسی اور

(۱) آج کل ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک کی کرنسی سے بدلنے کا اور دوسرے ملک میں رقم پہنچانے کا نام 'حوالہ کا کاروبار' ہے، یہ یہاں مراد نہیں۔

پر بھی قرضہ اتار سکتا ہے اور یہ سلسلہ دراز بھی ہوسکتا ہے، اس میں محتال کا ضرر ہے اور اس کے قرض کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے بھی محتال کی رضامندی ضروری ہے اور حدیث شریف میں امر استحباب کا ہے۔

حوالہ میں محتال کی رضامندی ضروری ہے؟

غرض: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محتال کی رضامندی ضروری ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک محتال کی رضامندی ضروری نہیں، اگر محیل کا محتال علیہ پر قرض کے بقدر قرض ہے تو محتال پر حوالہ قبول کرنا لازم ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے، اور یہی مسئلہ اس باب کا مدعیٰ ہے۔

محتال علیہ کی رضامندی ضروری ہے؟

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک محتال علیہ کی رضامندی ضروری نہیں، البتہ حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ محیل کا قرض کے بقدر محتال علیہ کے ذمہ قرضہ ہو، اور وہ اپنے اس قرض کے بدلے میں محتال علیہ پر قرض اتار رہا ہو، گویا خود وصول کرنے کے بجائے دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا رہا ہے، اگر محتال علیہ کے ذمہ محیل کا کوئی قرض نہیں ہے تو محتال علیہ کی رضامندی بالاتفاق ضروری ہے۔

اور احناف کے نزدیک محتال علیہ کی رضامندی بہر صورت ضروری ہے، خواہ اس کے ذمہ محیل کا قرض ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ وہ محیل کا مقروض ہے محتال کا مقروض نہیں، اور وصول کرنے والے مختلف ہوتے ہیں، کوئی نرم مزاج ہوتا ہے تو کوئی تندخو اور سخت مزاج، اس لئے محتال علیہ کی رضامندی بہر حال ضروری ہے۔

جب حوالہ درست ہوگیا تو قرضہ اصل مقروض سے مطلقاً اتر گیا یا کوئی شرط ہے؟

انعقاد حوالہ کے بعد اصل مقروض (محیل) بری ہوجاتا ہے اور محال علیہ پر قرضہ اتر جاتا ہے، اب محال اپنے قرضہ کا محال علیہ سے مطالبہ کرے گا، محیل سے مطالبہ نہیں کرے گا، اور اصل مقروض (محیل) سے یہ قرضہ مطلقاً اتر گیا یا کوئی شرط ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اصل (مقروض) بری ہوتا ہے بشرط اداء المحتال علیہ، یعنی اگر محتال علیہ قرضہ ادا کرے گا تو اصیل بری ہوگا اور اگر وہ قرضہ ادا نہ کرے، قرضہ کا یا حوالہ کا انکار کرے یا محال علیہ کا انتقال ہوجائے اور اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے قرضہ وصول کیا جاسکے تو قرض اصل کی طرف لوٹ آئے گا۔ اب قرض خواہ اپنا قرضہ پھر اسی سے مانگے گا، ترمذی شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لیس علی مَالِ المسلم تَوِیً: مسلمان کا مال ضائع نہیں ہوتا، یا تو محتال علیہ ادا کرے یا پھر اصل مقروض ادا کرے دونوں میں سے کسی ایک کو تو دینا ہی ہوگا (تَوِی (س) تَوًی: مال کا برباد ہونا، آدمی کا ہلاک ہونا)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حوالہ کے بعد ہمیشہ کے لئے اصیل کا ذمہ بری ہوجاتا ہے، اب اصیل پر قرض واپس نہیں لوٹے گا، خواہ محتال علیہ ادا کرے یا نہ کرے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر قرض خواہ بوقت حوالہ یہ سمجھتا

تھا کہ محتال علیہ مالدار ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو کنگال ہے اس کے پاس کچھ نہیں تو حوالہ درست نہیں، قرض اصل پر باقی رہے گا اور قرض خواہ اسی سے مانگے گا، اور اگر محتال علیہ غریب ہے اور قرض خواہ یہ بات جانتا تھا یا وہ بوقت حوالہ مالدار تھا مگر بعد میں غریب ہو گیا، یا مر گیا تو اب اصیل پر قرض واپس نہیں لوٹے گا، خواہ محتال علیہ قرض ادا کرے یا نہ کرے، بعض حنابلہ کے یہاں بھی یہی تفصیل ہے (دیکھئے المغنی ۴:۵۲۶)

کفالہ کے لغوی وشرعی معنی:

اور حوالہ ہی سے ملتا جلتا کفالہ ہے، کفالہ کے لغوی معنی: ضمانت کے ہیں، اسی سے ضامن کو کفیل کہتے ہیں، اور اصطلاحی معنی ہیں: ضَمُّ ذمَّةٍ إلى ذمَّة فى المطالبة یعنی جس کے ذمہ قرض ہے اس کے ساتھ کسی اور سے بھی قرض کے مطالبہ کا حق ہو جانا، کفالہ میں اصل (مقروض) بری نہیں ہوتا، قرضہ اسی کے ذمہ رہتا ہے، البتہ جو اس قرضہ کا ضامن بنتا ہے اس سے بھی قرض کے مطالبہ کا حق ہو جاتا ہے۔

٨- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ الَّذِىْ يَكُوْنُ بِالْفَلَاةِ، وَيُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِرَعْيِ الْكَلَأ وَتَحْرِيمِ مَنْعِ بَذْلِهِ، وَتَحْرِيمِ بَيْعِ ضِرَابِ الْفَحْلِ

وہ پانی جو جنگل میں ضرورت سے زائد ہو، جس کی چرواہوں کو ضرورت ہو اس کو بیچنے کی ممانعت، عطاء وبخشش روکنے کی ممانعت اور بجار کی اجرت کی ممانعت

الفَلاةُ کے معنی ہیں: وسیع بیابان، جنگل ــــ اور البَذْل کے معنی ہیں: عطاء، بخشش، رجلٌ بَذْلٌ: فیاض مرد کو کہتے ہیں ــــ اور فَحْل کے معنی ہیں: سانڈ، بجار، وہ نر جو نسل کشی کے لئے ہوتا ہے ــــ اور ضِراب الفحل کے معنی ہیں: بجار کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینا۔

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ پانی کی بیع جائز نہیں اور نہ بجار کی اجرت جائز ہے، تفصیل حدیثوں کے بعد آئے گی۔

[٣٤-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "نبی ﷺ نے ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے"

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ دریاؤں، نہروں اور سمندروں کا پانی مباح الاصل ہے، ہر شخص کو اس سے استفادے کا حق حاصل ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا مباح پانی کو اپنے برتن میں یا اپنی ٹنکی میں سمیٹ لے تو وہ اس پانی کا مالک ہو جاتا ہے، اب اس پانی کو فروخت کرنا جائز ہے، اور حدیث باب میں جو پانی کو بیچنے کی ممانعت ہے وہ اس قسم کے پانی کے بارے میں نہیں ہے، اور اپنے ذاتی کنویں کا پانی فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احناف کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پانی کا مالک نہیں، پس اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ــــ یہ قول ظاہر الروایہ ہے ــــ اور دوسرا قول جو غیر ظاہر الروایہ ہے یہ ہے کہ وہ اس پانی کا مالک ہے، پس اس پانی کو بیچنا جائز ہوگا، البتہ لوگوں کو پینے سے اور جانوروں کو پلانے سے منع نہیں کر سکتا، علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی شوافع کے یہی دو قول بیان فرمائے ہیں ــــ اور صاحب افادات حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی رائے یہ ہے کہ اپنے کنویں کا پانی مملوکہ ہے، اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے جن لوگوں کے پاس زیادہ جانور ہوتے تھے وہ اپنے جانوروں کو پلانے کے لئے (امیر کی اجازت سے) چراگاہ میں کنواں کھود لیتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا: اگر کوئی شخص تمہارے کنویں سے اپنے جانوروں کو پانی پلانا چاہے اور پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو تو اس کو منع نہ کرو، کسی کو پانی سے روکنا یا اس سے پانی کی قیمت وصول کرنا مروّت وانسانیت کے خلاف ہے (تحفۃ الالمعی ۴:۱۹۹)

[۳۵-] وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ لِتُحْرَثَ، فَعَنْ ذٰلِكَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اونٹ کی جفتی کی اجرت سے اور پانی وزمین کو فروخت کرنے سے تاکہ اس کو بویا جائے، ان چیزوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

قولہ: عن بیع ضراب الجمل: مذکر جانور کو مؤنث جانور پر چڑھانے اور جفتی کرانے کے عمل کو ضراب الجمل کہتے ہیں، اس کی اجرت جائز نہیں، کیونکہ مادہ پر جست کرنے سے حمل ٹھہرا یا نہیں، یہ بات معلوم نہیں، پس منفعت مجہول ہے، اس لئے اجارہ فاسد ہے، البتہ نذرانہ جائز ہے، یعنی اگر کوئی شخص بجار کے گھاس دانہ وغیرہ کے لئے پیسے دے یا بجار کے مالک کو ہدیہ دے یا اس کی عزت افزائی کرے تو یہ جائز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ کلاب کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بجار کی اجرت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اس کو منع کیا، پس اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نر کو (مادہ پر) جست کراتے ہیں، پس ہم نذرانہ دیئے جاتے ہیں، پس آپؐ نے نذرانہ قبول کرنے کی

اجازت دی (ترمذی حدیث نمبر ۱۲۵۹)

غرض: بجار کی اجرت جائز نہیں، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اجارہ جائز ہے، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں اس کا رواج تھا، مگر جمہور علماء اہل مدینہ کے رواج کو ہدیہ ونذرانہ پر محمول کرتے ہیں، وہ جائز ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

قوله: عن بیع الأرض لتحرث: یعنی زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا، اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

[۳۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ. ح و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ كِلاهُمَا عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلأُ"

[۳۷-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ (وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ) أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ؛ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ الْكَلأَ"

[۳۸-] وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي زِيَادُ بْنُ سَعْدٍ؛ أَنَّ هِلالَ بْنَ أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلأُ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "بچا ہوا پانی نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعہ گھاس روک لی جائے"

سند: یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے اعرج اور ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں، اور ابوسلمہ سے ابن المسیب اور ہلال بن اسامہ نے روایت کیا ہے، اور ان کی روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر ہم معنی ہیں۔

تشریح: سرکاری چراگاہ کی خودرو گھاس مباح الاصل ہے، ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، پس سرکاری چراگاہ میں جس نے اپنے جانوروں کی سیرابی کے لئے کنواں کھودا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو اس گھاس سے روکے، اور نہ کوئی حیلہ کرنا جائز ہے، مثلاً ایک شخص کنویں کے اردگرد کی گھاس اپنے جانوروں کے لئے خاص کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ لوگوں کو کنویں کے پانی سے منع کرتا ہے، جب جانور پانی پینے کے لئے نہیں آئیں گے تو گھاس خود بخود محفوظ ہو جائے گی۔ نبی ﷺ نے ایسا حیلہ کرنے سے منع کیا، معلوم ہوا کہ پانی فروخت کرنا تو فی نفسہ جائز ہے مگر گھاس کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں۔ اگر کنویں کا پانی مباح الاصل ہوتا اور اس کو بیچنا ممنوع ہوتا تو حدیث میں فضل (زائد) کی قید نہ

ہوتی، کیونکہ جو چیز مباح الاصل ہے وہ ضرورت کے بقدر ہو یا ضرورت سے زائد ہر صورت میں اس کی بیع ممنوع ہے۔
غرض دونوں حدیثیں سرکاری چراہ گاہ میں جو کنویں کھودے جاتے ہیں ان کے بارے میں ہیں اور پہلی حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے اور دوسری حدیث میں گھاس بچانے کے لئے حیلہ کرنے کی ممانعت ہے۔

ذاتی کنویں کا پانی اور ذاتی زمین کی گھاس بیچنا جائز ہے:

فائدہ: باب کی پہلی حدیث کی شرح کے ضمن میں یہ بات بیان کی تھی کہ ذاتی کنویں کے پانی کے سلسلہ میں احناف کے یہاں دو قول ہیں، اور صاحب افادات حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی رائے یہ ہے کہ ذاتی کنویں کا پانی مملوکہ ہے، اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ فقہ کا طے شدہ ضابطہ ہے کہ مملوکہ شئ کے زوائد مملوک ہوتے ہیں جیسے آم کے درخت پر بارش کے پانی سے پھل آئے تو وہ درخت کے مالک کے مملوکہ ہیں، پس مملوکہ زمین میں جو گھاس خود بخود اگتی ہے وہ مملوکہ زمین کے زوائد ہیں، پس زمین کا مالک اس کا بھی مالک ہوگا اور جب وہ اس گھاس کا مالک ہے تو وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یہی حکم کنویں کے پانی کا ہے، البتہ سرکاری زمین میں جو خودرو گھاس ہوتی ہے اس کا کوئی مالک نہیں، کیونکہ زمین کا کوئی مالک نہیں، پس نہ صرف یہ کہ اس کو فروخت کرنا یا کسی کو اس سے روکنا جائز نہیں بلکہ اس گھاس کو اپنے لئے ریزرو کرنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا بھی جائز نہیں۔
غرض باب کی پہلی حدیث مکارم اخلاق (مروّت وحسن سلوک) کے باب سے ہے اور اس حدیث میں گھاس روکنے کے لئے حیلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ان حدیثوں سے ہر پانی اور ہر گھاس کے مباح الاصل ہونے پر استدلال کرنا شاید درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۴:۱۹۹-۲۰۱)

۹- بَابُ تَحْرِيمِ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَالنَّهْيِ عَنْ بَيْعِ السِّنَّوْرِ

کتے کا ثمن، کاہن کی مٹھائی (نذرانہ) اور رنڈی کی فیس حرام ہے، اور بلی کی بیع ممنوع ہے

[۳۹-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور رنڈی کی فیس سے اور کاہن (جوتشی) کے حلوے مانڈے (نذرانے) سے منع فرمایا۔
تشریح: اس حدیث میں تین مسئلے ہیں:

۱- کتے کے ثمن کا حکم! مذاہبِ فقہاء:

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کتے کی بیع مطلقاً حرام ہے اور اس کا ثمن بھی حرام ہے، خواہ کتا معلَّم ہو یا غیر معلَّم، اور احناف کے نزدیک: جن کتوں کو پالنا جائز ہے جیسے شکاری کتا، چوکیداری کا کتا، جاسوسی کا کتا، ان کی خرید وفروخت جائز ہے، پس ان کا ثمن بھی حلال ہے، اور کلب عقور (کٹکھنا کتا) اور عام غیر معلَّم کتے کی نہ بیع جائز ہے اور نہ ان کا ثمن حلال ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے اقوال مختلف ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے موافق بھی اور احناف کے موافق بھی۔

مستدلات:

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے، اس میں نبی ﷺ نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے، نیز بعض احادیث میں کتے کے ثمن کو خُبث اور سُحت (ہر وہ کمائی جو قبیح وخبیث ہو، جس سے عار لازم آئے) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ احادیث بھی امام شافعیؒ کی مستدل ہیں۔

اور احناف کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو نسائی شریف میں ہے: نَهَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب والسِّنَّور إلا كلب صَيْدٍ یعنی حضورِ پاک ﷺ نے بلی اور کتے کے ثمن سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کا استثناء فرمایا —— امام نسائی رحمہ اللہ نے یہ حدیث نسائی شریف کی كتاب الصيد میں بیان کی ہے اور اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے، مگر اس کی وجہ بیان نہیں کی، جبکہ اس حدیث کے تمام روات ثقہ ہیں، حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۴:۳۵۴) میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث کے مرفوع وموقوف ہونے میں اختلاف ہے، حجاج بن محمدؒ نے بواسطہ حماد بن سلمہؒ مرفوع روایت کیا ہے اور وہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ ہیثم بن جمیل اور عبد اللہ بن موسیٰ ان کے متابع ہیں، یعنی وہ بھی حماد بن سلمہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، نیز حسن بن ابی جعفر: حماد کے متابع ہیں، یعنی وہ بھی حماد کی طرح بواسطہ ابو الزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں —— غرض: مرفوع روایت اصح ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مرفوع وموقوف کرنے میں اگر ثقہ روات کے درمیان اختلاف ہو جائے تو مرفوع روایت اصح ہوگی، اس لئے کہ رفع ایک زیادتی ہے، اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق معتبر ہے۔

حضرت جابرؓ کی یہ حدیث: إلا الكلب المعلَّم کے استثناء کے ساتھ بھی مروی ہے، اور وہ نسائی کے علاوہ مسند احمد میں بھی ہے، اس کے ایک راوی حسن بن ابی جعفر کی اگرچہ متعدد ائمہ نے تضعیف کی ہے، مگر مسلم بن ابراہیم اور ابن مہدی وغیرہ نے ان کی تحسین کی ہے، ابن عدیؒ کہتے ہیں: احاديثه صالحة —— عام طور پر اس راوی کو صرف محمد بن جُحادہ اور

جارودی کی روایات میں غیر معتبر مانا گیا ہے، اور یہ روایت عباد بن العوّام سے ہے، پس یہ روایت صحیح ہے (تفصیل تہذیب التہذیب میں ہے)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے: اس میں بھی إلا کلب الصید کا استثناء ہے ـــــ یہ حدیث ترمذی شریف باب کراھیة ثمن الکلب والسِّنَّوْر میں ہے، جو حماد بن سلمہ کے طریق سے مروی ہے، اس کا ایک راوی ابو المہزّم ضعیف ہے، مگر ولید بن عبد اللہ اور مثنی بن الصباح: اس کے متابع ہیں، یہ دونوں عطاء کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، مثنی کی روایت دار قطنی اور بیہقی میں ہے، اور ولید کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہے، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور ابن معین نے بھی ان کی توثیق کی ہے، اور مثنی ابن الصباح کا شمار بھی ثقات میں ہے (تہذیب التہذیب)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے: وہ فرماتے ہیں: رَخَّص رسولُ اللہ علیہ وسلم فی ثمن صید الکلب: یہ حدیث مسانید ابی حنیفہ میں ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ حدیث ہیثم سے، وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۴:۵۴) میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

غرض: متعدد قابل استدلال احادیث میں شکاری اور معلَّم کتے کا استثناء مروی ہے، پس اس کی خرید و فروخت جائز اور ثمن حلال ہوگا ـــــ علاوہ ازیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر جس نے شکاری کتا قتل کر دیا تھا، ضمان لازم کیا تھا، اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بھی ایک شخص پر جس نے شکاری کتا قتل کر دیا تھا چالیس درہم ضمان لازم کیا تھا، یہ واقعات بھی شکاری (اور معلم) کتے کی بیع کے جواز اور ثمن کے حلال ہونے کی دلیل ہیں، اس لئے کہ جن چیزوں کی خرید و فروخت جائز نہیں، ان کا ضمان لازم نہیں ہوتا (یہ روایتیں طحاوی اور سنن بیہقی میں ہیں)

باب کی حدیث کا محمل:

اور احناف نے باب کی حدیث کے متعدد جواب دیئے ہیں: ایک جواب یہ دیا ہے کہ اس ممانعت کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے، جب کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا، تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگانے کی اجرت کو خبیث کہا ہے جبکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوانے کے بعد اجرت دی ہے، اور چاروں ائمہ کے نزدیک وہ اجرت حلال ہے، مگر یہ پیشہ مناسب نہیں، اس معنی کر اس پر خبیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ پیشے اور خرید و فروخت اگرچہ فی نفسہ جائز ہوتی ہے مگر شریعت اس کو پسند نہیں کرتی، مثلاً کمانے کا پیشہ یعنی بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ، اسی طرح پچھنے لگانے کا پیشہ اور بدن کی چمپی کرنے کا پیشہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس میں نجاست سے قرب ہے، گندہ خون بار بار منہ میں لینا پڑتا ہے اور ننگا پے پر نظر پڑتی ہے، مگر

جائز پیشہ ہے۔ ابوطیبہؓ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے ہیں اور آپؐ نے ان کو اجرت میں دو صاع غلہ دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ پیشہ جائز ہے، پھر بھی آپؐ نے اس پیشہ سے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا غلام پچھنے لگانا جانتا ہے پس کیا میں اس سے یہ دھندا کرا سکتا ہوں؟ آپؐ نے منع فرمایا۔ اس نے دوسری مرتبہ پوچھا: آپؐ نے پھر منع کیا، اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو آپؐ نے اجازت دی اور فرمایا: وہ جو اجرت لائے اسے خود نہ کھانا بلکہ اپنی اونٹنی کو اور اپنے غلام کو کھلا دینا، حالانکہ جانوروں کو اور غلاموں کو وہی چیز کھلا سکتے ہیں جو اپنے لئے حلال ہے اور جو اپنے لئے حلال نہیں وہ جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، نہ غلاموں کو کھلانا جائز ہے، پس معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی اجرت جائز ہے مگر یہ کام پسندیدہ نہیں، اسی طرح کچھ بیوع ہیں مثلاً کتے اور بلی کی خرید و فروخت اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر چونکہ یہ کاروبار پسندیدہ نہیں اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

فائدہ(۱): صاحب ہدایہ کے نزدیک ہر کتے کی بیع جائز ہے اور جب کتے کی بیع جائز ہے تو ثمن حلال ہے، اور علامہ سرخسیؒ کے نزدیک جو صاحب ہدایہ کے استاذ الاستاذ ہیں: صرف معلَّم کتے کی بیع جائز ہے یعنی وہ کتا جس کو کوئی فن سکھایا گیا ہو اس کی بیع جائز ہے، اور غیر معلَّم کتے کی بیع ناجائز ہے۔ علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے اس رائے کو پسند کیا ہے۔

فائدہ(۲): امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، پس اس کی بیع اور ثمن کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر کتے کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں۔

۲-رنڈی کی فیس حرام ہے:

البَغِیُّ: کے معنی ہیں: بدکار و زناکار عورت، اور مہر سے زنا کی اجرت مراد ہے، تشبیہاً اس کو مہر کہا گیا ہے، عقد اجارہ میں منفعت کا مباح ہونا ضروری ہے، اگر منفعت مباح نہیں تو اجارہ باطل ہے، چنانچہ فقہی ضابطہ ہے: اَلِاسْتِیْجَارُ علی الْمَعْصِیَةِ لاَ یَجُوْزُ: یعنی جو کام شرعاً ناجائز ہے اس پر اجارہ جائز نہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ آقا اپنی باندی کو زنا کرنے پر مجبور کرتا تھا اور اس کی آمدنی کھاتا تھا۔ اس حدیث میں اس سے کہا گیا ہے کہ یہ رقم تیرے لئے حرام ہے اور جب آقا کے لئے حرام ہے تو خود رنڈی کے لئے بھی حرام ہے، اور یہ بات سورۃ النور آیت ۳۳ میں صراحۃً آئی ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یعنی تم اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تاکہ تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہو یعنی اس ذریعہ سے پیسے کماؤ۔

۳-کاہن کا نذرانہ حرام ہے:

کاہن: وہ شخص کہلاتا ہے جو غیب دانی کا دعوی کرتا ہے اور زمانۂ آئندہ کی خبریں دیتا ہے، اس کو اس عمل کے معاوضہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے اس کو حُلوان (مٹھائی، شیرینی) کہا جاتا ہے، شریعت مطہرہ نے کہانت کو جڑ بنیاد سے ختم کیا ہے اور

کاہن کے پاس جانے کو اور اس سے غیب کی باتیں پوچھنے کو حرام قرار دیا ہے، پس اس کا نذرانہ بھی حرام ہوگا، اس لئے کہ جو کام شرعاً جائز نہیں اس کی اجرت حرام ہے۔

وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَسْعُودٍ.

وضاحت: گذشتہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کی تھی، اور یہ لیث اور ابن عیینہ کی سندیں ہیں، وہ دونوں بھی ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور لیث کی روایت میں سماعت کی صراحت ہے۔

[۴۰-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ وَثَمَنُ الْكَلْبِ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ"

ترجمہ: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، سب سے بُری کمائی رنڈی کی فیس، اور کتے کا ثمن اور پچھنے لگانے کی اجرت ہے۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ ایک سلسلۂ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، یہ اس کی مثال ہے، رنڈی کی فیس قطعاً حرام ہے اور کتے کا ثمن اور پچھنے لگانے کی اجرت کی حرمت ہلکی ہے، یعنی اختیار اولیٰ کے طور پر ممانعت ہے۔

[۴۱-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ قَارِظٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ، وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ"
حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.
وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

وضاحت: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ان سے سائب بن یزید نے روایت کی ہے، اور ان سے محمد بن

یوسف، ابراہیم بن قارظ اور ابراہیم بن عبداللہ روایت کرتے ہیں، گذشتہ حدیث محمد بن یوسف کی تھی، اور یہ ابراہیم بن قارظ اور ابراہیم بن عبداللہ کی روایتیں ہیں جن کو یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا ہے۔

[۴۲-] حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ قَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: ابوالزبیر کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کے ثمن کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اس سے ڈانٹا ہے، یعنی اس کی خرید وفروخت اور ثمن سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: بعض علماء نے بلی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، حضرات طاؤس، مجاہد اور جابر بن زید وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور ابن حزم ظاہری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (المحلی ۹:۱۳) مگر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء بلی کی خرید وفروخت کو جائز کہتے ہیں اور انھوں نے مذکورہ حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔

١٠- بَابُ الْأَمْرِ بِقَتْلِ الْكِلَابِ وَبَيَانِ نَسْخِهِ، وَبَيَانِ تَحْرِيمِ اقْتِنَائِهَا إِلَّا لِصَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ أَوْ مَاشِيَةٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ

کتوں کو مار ڈالنے کا حکم، اور اس حکم کا منسوخ ہونا، اور کتا پالنے کی حرمت اور شکار یا کھیت یا جانور وغیرہ کی حفاظت کی خاطر کتا پالنے کا جواز

عربوں کے مزاج میں کتا اتنا دخیل ہو گیا تھا جتنا اب یوروپ کے مزاج میں دخیل ہے، انھوں نے God (خدا) کو چھوڑ کر Dog (کتے) کو پکڑ لیا تھا، اسلام آیا تو اس نے اس محبت کو لوگوں کے دلوں سے نکالنا چاہا، اور اس کے لئے بتدریج چند احکام دیئے، سب سے پہلے لوگوں کو بتایا کہ اگر کوئی شوقیہ کتا پالے گا تو روزانہ اس کے ثواب میں سے ایک قیراط کم ہو جائیگا، اور ایک روایت میں ہے کہ دو قیراط کم ہو جائیں گے، پس محتاط لوگوں نے تو اسی وقت کتے کو رخصت کر دیا کیونکہ ثواب ندارد گناہ لازم! پھر دوسرا حکم برتن کو سات مرتبہ دھونے کا اور ایک مرتبہ مٹی سے مانجھنے کا دیا، کتا گھر میں ہر طرف گھومتا ہے اور صبح سے شام تک کتنے ہی برتنوں میں منہ ڈالتا ہے، پس لوگ برتن دھوتے دھوتے تنگ آ گئے، اس لئے اس کو رخصت کر دیا، پھر آخری حکم کتوں کو مار ڈالنے کا دیا، پھر جب کتوں کی محبت دلوں سے نکل گئی بلکہ مدینہ میں کوئی کتا رہا ہی نہیں، اور قبائل کی کوئی عورت کتے کے ساتھ مدینہ میں آتی تو لوگ دوڑ پڑتے اور اس کو مار ڈالتے، جب نفرت اس درجہ تک پہنچ گئی تو آخری حکم ـــــ کالے کتے کو مستثنیٰ کر کے ـــــ اٹھا لیا۔

[۴۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ.

[۴۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، فَأَرْسَلَ فِي أَقْطَارِ الْمَدِينَةِ أَنْ تُقْتَلَ.

[۴۵-] وحَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، حَدَّثَنَا بِشْرٌ (يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ أُمَيَّةَ) عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْكِلَابِ فَنَنْبَعِثُ فِي الْمَدِينَةِ وَأَطْرَافِهَا فَلَا نَدَعُ كَلْبًا إِلَّا قَتَلْنَاهُ، حَتَّى إِنَّا لَنَقْتُلُ كَلْبَ الْمُرَيَّةِ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ يَتْبَعُهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مارڈالنے کا حکم دیا۔

دوسری حدیث: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے کتوں کو مارڈالنے کا حکم دیا، پس آپؐ نے مدینہ منورہ کے اطراف میں کتوں کو مارڈالنے کے لئے (لوگوں کو) بھیجا۔

تیسری حدیث: ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ کتوں کو مارڈالنے کا حکم دیا کرتے تھے، پس ہم مدینہ اور اس کے اطراف میں بھیجے جاتے تھے، پس ہم کسی کتے کو نہیں چھوڑتے تھے مگر ہم اس کو مارڈالتے تھے، یہاں تک کہ ہم دیہاتی کی دودھ والی اونٹنی کے ساتھ جو کتا ہوتا تھا اس کو بھی مارڈالتے تھے۔

لغات: اقطار: القُطر کی جمع: گوشہ، جانب، اقطار الدنیا: دنیا کی چاروں جہتیں —— قوله: فَنَنْبَعِثُ: مضارع معروف جمع متکلم، إِنْبَعَثَ إِنْبِعَاثًا (از انفعال) کے معنی ہیں: بھیجا جانا، کسی چیز کا تیزی سے ظاہر ہونا —— قوله: المُرَيَّة (بضم الميم، وفتح الراء وتشديد الياء) مراة کی تصغیر، عام طور پر شارحین اتنا ہی لکھتے ہیں مگر لغات الحدیث (۴۹:۴) میں ہے: لِنَقْتُلَ كَلْبَ الْمَرِيَّة: (بفتح الميم وكسر الراء) تا کہ دودھیل اونٹنی کا کتا مارڈالیں —— دو، دھیل: دودھ دینے والی، (فیروز اللغات) —— اور القاموس الوحید میں ہے: المَرِيُّ: بہت دودھ دینے والی اونٹنی، جمع: مَرَايَا —— عام طور پر اس قسم کی اونٹنی کے ساتھ کتا ہوتا تھا جو حفاظت کے لئے پیچھے پیچھے چلتا تھا، اسی کو کلب المريّة کہا گیا ہے، پھر عام اونٹوں کے ریوڑ پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ واللہ اعلم

تشریح: کلب عقور (کٹکھنا کتا) کو مارڈالنا بالاجماع جائز ہے، البتہ عام بے ضرر کتے کو مارڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک کتوں کو قتل کرنے کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں، دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے، پس عام بے ضرر کتوں کو قتل کرنا جائز نہیں، ان کا مستدل حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لولا أنّ الكلابَ أمّةٌ من الأُمَمِ لأمرْتُ بِقَتْلِهَا: یعنی کے

بھی اللہ تعالیٰ کی ایک امت (مخلوق) ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں ان کو مار ڈالنے کا حکم دیتا، یہ حدیث ناسخ ہے، اب عام بے ضرر کتوں کو مار ڈالنا جائز نہیں (یہ حدیث سنن اربعہ میں ہے)

[۴۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ، أَوْ مَاشِيَةٍ، فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّ لِأَبِي هُرَيْرَةَ زَرْعًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا، مگر شکاری کتے کو، یا بکریوں کے ریوڑ یا مویشیوں کے ساتھ رہنے والے کتے کو مستثنیٰ کیا، پس ابن عمرؓ سے کہا گیا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: او کلبَ زرع: یعنی کھیت کی حفاظت کرنے والے کتے کو بھی مستثنیٰ کیا، پس ابن عمرؓ نے فرمایا: بیشک ابو ہریرہؓ کے پاس کھیتی کی زمین ہے۔

تشریح:

۱- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کارآمد کتوں کو قتل سے مستثنیٰ فرمایا، پس ان کو پالنا، ان کی خرید و فروخت اور ثمن جائز ہوگا۔

۲- اس حدیث سے بعض ملاحدہ نے حدیثوں کے ناقابل اعتبار ہونے پر استدلال کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ سے یہ بات عرض کی گئی کہ ابو ہریرہؓ او کلبَ زرع: (کھیتی کی حفاظت کرنے والا کتا) کا اضافہ کرتے ہیں تو انھوں نے یہ نکیر کی کہ ابو ہریرہؓ کے پاس زراعت کی زمین ہے، یعنی انھوں نے اپنی غرض کے مطابق حدیث میں اضافہ کیا ہے، جو معتبر نہیں، یعنی ابن عمرؓ نے ابو ہریرہؓ کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا اور اپنی مرضی کے مطابق حدیث میں اضافہ کرنے کا الزام لگایا، معلوم ہوا کہ بعض صحابہ دیگر بعض صحابہ کی مرویات پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور یہ بات حدیثوں کے ناقابل اعتبار ہونے کی واضح دلیل ہے۔

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر نکیر نہیں بلکہ ان کی تائید ہے اور ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ زمین کے مالک ہیں، پس انھوں نے زیادہ یاد رکھا ہے، اس لئے کہ مبتلی بہ کو بات زیادہ محفوظ رہتی ہے، غرض: ابن عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تائید فرمائی ہے، ان پر نکیر نہیں کی ہے، چنانچہ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ بھی اُس اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کیا کرتے تھے۔

[۴۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، ح: وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، حَتَّى إِنَّ الْمَرْأَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِيَةِ بِكَلْبِهَا فَنَقْتُلُهُ. ثُمَّ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا، وَقَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ الْبَهِيمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں نبی ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ کوئی عورت جنگل (گاؤں) سے اپنا کتا ساتھ لے کر آتی تو ہم اس کو مار ڈالتے تھے، پھر نبی ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا اور فرمایا: "لازم پکڑو تم کالے، بجھنگے، دو نقطے والے کتے کو یعنی صرف اس کو مارو، اس لئے کہ وہ شیطان ہے"

تشریح: امام الحرمین ؒ[1] فرماتے ہیں کہ ابتداء میں آنحضور ﷺ نے ہر قسم کے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا، پھر عام بے ضرر کتوں کو مارنے سے منع فرمادیا، البتہ کالا، بجھنگ کتا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید یا مٹیالے رنگ کے نقطے ہوتے ہیں صرف اس کو مارنے کا حکم برقرار رکھا، پھر وہ حکم بھی منسوخ ہوگیا، اب صرف ضرر رساں کتے کو مارنے کا حکم ہے، دیگر تمام کتے جو ضرر رساں نہ ہوں خواہ وہ کالا بجھنگ ہو اس کو مارنے کا حکم نہیں، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث جو سنن اربعہ میں ہے اس کی دلیل ہے۔

قوله: فإنّه شيطان: یہ شریعت کی تعبیر ہے، شریعت ہر نازیبا بات کو شیطان کی طرف منسوب کرتی ہے اور ہر اچھی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے، کالا، بجھنگ کتا خوفناک، ڈراونا اور ضرر رساں ہوتا ہے، اس لئے اس کو شیطان کہا گیا۔

[۴۸-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ الْمُغَفَّلِ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، ثُمَّ قَالَ: "مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ" ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ.

ترجمہ: عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا، پھر فرمایا: "ان کا کتوں سے کیا سروکار؟" یعنی کتے تمہارا کیا بگاڑتے ہیں؟ پھر آپ ؐ نے شکاری اور بکریوں کے ریوڑ کی حفاظت کرنے والے کتوں کو مستثنیٰ فرمادیا۔

تشریح: بلاضرورت شوقیہ کتا پالنا ممنوع ہے، مگر کارآمد کتا جیسے شکاری کتا یا گھر بار اور مویشیوں کی حفاظت کی خاطر کتا پالنا جائز ہے۔

(۱) امام الحرمین: دو بڑے علماء کا لقب ہے، ایک شافعی عالم ہیں اور دوسرے حنفی...... حنفی عالم سے مراد: ابوالمظفر یوسف القاضی الجرجانی ہیں، اور شافعی عالم: ابوالمعالی عبدالملک ہیں، متاخرین شوافع میں ان کا بڑے علماء میں شمار ہے (الاشباہ والنظائر ۱:۱۵۸، حاشیہ)

[۴۹-] وحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) ح: وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ح: وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ح: وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ، ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ. و قَالَ ابْنُ حَاتِمٍ فِي حَدِيثِهِ عَنْ يَحْيىٰ: وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْعِ.

وضاحت: یہ حدیث خالد بن الحارث، یحیٰ بن سعید، محمد بن جعفر، نضر اور وہب بن جریر بھی شعبہؒ سے روایت کرتے ہیں اور اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے معاذ نے روایت کیا ہے، البتہ امام مسلمؒ کے استاذ محمد بن حاتم کی سند میں کلب الزرع (کھیتی کی حفاظت کرنے والا کتا) کا اضافہ ہے۔

[۵۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِی، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطَانِ"

[۵۱-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ، نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطَانِ"

[۵۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ (قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ) (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ؛ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ ضَارِيَةٍ أَوْ مَاشِيَةٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطَانِ"

[۵۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ (قَالَ يَحْيىٰ: أَخْبَرَنَا. وَقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ مُحَمَّدٍ) (وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ كَلْبَ صَيْدٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطٌ"

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: "أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ"

[۵۴-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ ضَارٍ أَوْ مَاشِيَةٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطَانِ"

قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُ: "أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ" وَكَانَ صَاحِبَ حَرْثٍ.

[۵۵-] حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " أَيُّمَا أَهْلِ دَارٍ اتَّخَذُوا كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ كَلْبَ صَائِدٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطَانِ"

[۵۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْحَكَمِ. قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ زَرْعٍ أَوْ غَنَمٍ أَوْ صَيْدٍ، يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطٌ"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے کوئی کتا پالا ـــ مویشیوں کے کتے اور شکاری کتے کے علاوہ ـــ تو اس کے ثواب میں سے ہر دن دو قیراط کم ہونگے ـــ باقی حدیثیں بھی ابن عمرؓ ہی کی ہیں اور اسی کے مثل ہیں۔

وضاحتیں:

قولہ: من اقتنی: اِقْتَنَی الشیئَ اقتناءً کے معنی ہیں: حاصل کرنا، کمانا، کارآمد چیز جمع کرنا، یہاں مراد کتا پالنا ہے۔

قولہ: کلبَ ماشیۃٍ: یہ مَاشِي کا مؤنث ہے، جمع: مَوَاشٍ: چار پایہ، جیسے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ، مویشیوں کے ریوڑ میں ایک کتا ہوتا ہے جو مویشیوں کی حفاظت کے لئے رکھا جاتا ہے اس کو کلب ماشیۃ کہتے ہیں۔

قولہ: او کلب ضار: وہ شکاری کتا جو شکار کا اس قدر حریص ہو کہ گویا شکار اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو ـــ ضَرِيَ يَضْرَىٰ ضَرَاوَةً وَضَرَاءً بالشيءِ کے معنی ہیں: حریص ہونا ـــ ضَرِيَ وضِرَاءً وَضَرَاءً الکلب بالصید کے معنی ہیں: کتے کا شکار پر خوگر ہونا، خون کے ساتھ گوشت کو چٹ کر جانا ـــ صفت: ضَرِيَ وَضَارٍ، مؤنث: ضَارِيَةٌ، جمع: ضَوَارٍ ـــ ضَرَّی وأضرَی الکلبَ بالصید: شکار پر کتے کو بھڑکانا ـــ اسْتَضْرَی للصید: شکار کو بے خبری میں پکڑنا ـــ جاننا چاہئے کہ بعض روایت میں إلا کلباً ضاریًا ہے، بعض میں کلبَ ضاری (یا کے ساتھ) بعض میں کلب ضار (یا کے بغیر) بعض میں کلبَ ضاریۃ اور بعض میں کلب صید ہے سب سے مراد شکاری کتا ہے ـــ کلباً ضاریًا کی ترکیب واضح ہے ـــ اور کلب ضاری یاضار: مرکب اضافی: درحقیقت مرکب توصیفی ہے، یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، عبارت کو آسان اور سبک بنانے کے لئے مرکب توصیفی کو مرکب اضافی بنایا گیا ہے، جیسے ماء البارد: اس میں بھی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے ـــ کلب ضاریۃ: ای کلب ذی کلاب ضاریۃ (موصوف محذوف ہے)

قولہ: قیراطان: بعض روایت میں دو قیراط ثواب کم ہونے کی بات ہے اور بعض روایت میں ایک قیراط، علماء نے ان کے درمیان مختلف طرح سے تطبیق دی ہے: (۱) شہری اور دیہاتی کتوں کا فرق ہے، یعنی شہری کے کتے سے دو قیراط اور دیہاتی کے کتے سے ایک قیراط ثواب کم ہوگا (۲) ضرر رساں اور غیر ضرر رساں کا فرق ہے، یعنی اگر کتا ضرر رساں ہے تو دو قیراط ورنہ ایک قیراط ثواب کم ہوگا (۳) مدینہ اور غیر مدینہ کا فرق ہے، یعنی مدینہ منورہ کے کتوں سے دو قیراط اور دیگر جگہوں کے کتوں سے ایک قیراط ثواب کم ہوگا (۴) زیادتی کا اعتبار ہے، یعنی دو قیراط ثواب کم ہوگا، جیسے ایک حدیث میں ہے کہ پانچ چیزیں امور فطرت میں سے ہیں اور دوسری حدیث میں ہے کہ دس چیزیں امور فطرت میں سے ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد کا جزء ہوتا ہے، آنحضور ﷺ نے پہلے ایک قیراط ثواب کم ہونے کی بات فرمائی، پھر نفرت بڑھانے کے لئے دو قیراط کی بات فرمائی۔ واللہ اعلم

فائدہ: شکاری کتا، ریوڑ اور کھیتی کی حفاظت کرنے والے کتے کا استثناء منصوص ہے اور فقہاء نے دیگر کارآمد کتوں کو اس پر قیاس کیا ہے، پس چوکیداری اور جاسوسی کرنے والا کتا، گھربار اور محلّہ پڑوس کی حفاظت کرنے والا کتا بھی پالنا جائز ہے۔

[۵۷-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اقْتَنىٰ كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَلَا مَاشِيَةٍ وَلَا أَرْضٍ، فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ، كُلَّ يَوْمٍ"

وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي الطَّاهِرِ "وَلَا أَرْضٍ"

[۵۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ، انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطٌ"

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَذُكِرَ لِابْنِ عُمَرَ قَوْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ: يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا هُرَيْرَةَ! كَانَ صَاحِبَ زَرْعٍ.

[۵۹-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطٌ، إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ"

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَرْبٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

[٦٠-]حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ (يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ) عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ سُمَيْعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو رَزِينٍ. قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَلَا غَنَمٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ"

وضاحت: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں جو چھ مختلف سندوں سے مروی ہیں، ان میں بھی وہی مضمون ہے جو اوپر حدیثوں میں گذرا۔

قوله: يرحم الله أبا هريرة: جب ابن عمرؓ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ أو كلب زرع کا اضافہ کرتے ہیں تو انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور فرمایا کہ وہ صاحب زراعت یعنی کسان ہیں، یعنی ان کو حدیث زیادہ محفوظ ہے اس لئے کہ مبتلی بہ کو بات زیادہ یاد رہتی ہے۔

[٦١-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ؛ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ (وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ شَنُوءَةَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنِ اقْتَنَىٰ كَلْبًا لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ، كُلَّ يَوْمٍ، قِيرَاطٌ" قَالَ: آنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: إِي، وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ!

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ؛ أَنَّهُ وَفَدَ عَلَيْهِمْ سُفْيَانُ بْنُ أَبِي زُهَيْرٍ الشَّنَئِيُّ فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: سفیان بن ابی زہیر جو قبیلۂ شنوءہ کے ہیں اور صحابی ہیں، کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے کوئی کتا پالا جو نہ کھیتی کے کام کا ہے اور نہ تھن یعنی بکریوں کے کام کا ہے تو ہر دن اس کے عمل میں سے ایک قیراط گھٹ جائے گا۔ طالب علموں نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے خود یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اس مسجد کے پروردگار کی قسم!

سند: حضرت سفیان بن ابی زہیر کی حدیث کے راوی یزید بن خُصَیفہ ہیں، انھوں نے سائب بن یزید کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور یزید سے امام مالک رحمہ اللہ بھی روایت کرتے ہیں، اور اسماعیل بھی، اور اسماعیل کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت سفیان نے سائب بن یزید کے قبیلہ میں پہنچ کر یہ حدیث بیان کی تھی۔

لغت: وَفَدَ يَفِدُ وَفْدًا وَوُفُودًا: إلى أو على الأمير: قاصد بن کر آنا۔

تشریح: یہ بات بار بار آ چکی ہے کہ شوقیہ کتا پالنا ممنوع ہے، مگر کسی ضرورت سے کتا پالنا جائز ہے، اور حدیثوں میں جو دو تین مستثنیٰ صورتوں کا بیان ہے ان میں حصر نہیں، اب کتوں کو بے شمار ہنر سکھائے جاتے ہیں، اور ان سے بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں، اس کی اجازت ہے، شوقیہ جیسے یوروپ اور امریکہ کے لوگ پالتے ہیں اور اولاد سے زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں، یہ ممنوع ہے، کیونکہ جو Dog (کتے) کو پکڑے گا وہ God (خدا) سے کٹ جائے گا۔

۱۱- بَابُ حِلِّ أُجْرَةِ الْحِجَامَةِ

پچھنے لگانے والے کی آمدنی کا جواز

سینگی لگوانا فساد خون کا بہترین علاج ہے اور یہ بھی ایک پیشہ ہے، مگر گندہ پیشہ ہے، اس لئے ایک حدیث میں اختیار اولیٰ کے طور پر حجام کی آمدنی سے منع کیا گیا ہے۔

[۶۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ) عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ؟ فَقَالَ: احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ: فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ، وَقَالَ:" إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ، أَوْ هُوَ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمْ"

ترجمہ: حمید طویل کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پچھنے لگانے کی اجرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کو ابو طیبہ نے پچھنے لگائے، پس آپؐ نے اس کو دو صاع غلہ دینے کا حکم فرمایا، اور (اس کی درخواست پر) آپؐ نے اس کے آقاؤں سے بات فرمائی، پس انھوں نے اس کا خراج کم کر دیا، یعنی آقاؤں نے جو آمدنی لازم کی تھی اس کو کم کر دیا، اور آپؐ نے فرمایا: "بیشک بہترین چیز جس کے ذریعہ تم علاج کرتے ہو پچھنے لگوانا ہے — یا فرمایا — پچھنے لگوانا سب سے بہترین علاج ہے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث دلیل ہے کہ پچھنے لگانے کی آمدنی جائز ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے ابو طیبہ کو پچھنے لگانے کی اجرت دی ہے، مگر یہ پیشہ کچھ اچھا نہیں، جیسے کمانے کا پیشہ یعنی بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس میں نجاست سے قرب ہوتا ہے اسی طرح پچھنے لگانے میں گندہ خون منہ میں لینا پڑتا ہے اس لئے یہ پیشہ اچھا نہیں، حدیث: كَسْبُ الحجّام خبيثٌ کا یہی مطلب ہے۔

۲- ابو طیبہ عبد ماذون تھا اور اس کے آقاؤں نے اس پر زیادہ آمدنی لازم کر رکھی تھی اس کی درخواست پر نبی ﷺ نے

اس کے آقاؤں سے بات کی اور اس کا محصول کم کرادیا یعنی اس کے آقاؤں نے اس پر جو آمدنی لازم کی تھی اس کو کم کرادیا۔

کون پچھنے لگوائے؟ حدیثوں کا مخاطب کون؟

۳- حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو پچھنے لگوانے کو بہترین علاج قرار دیا ہے اس میں خطاب اہل حجاز سے ہے، اور اس جگہ کے باشندوں سے ہے جہاں کا موسم حجاز کی طرح گرم ہے، اس لئے کہ حرارت کی وجہ سے ان کا خون پتلا ہوتا ہے اور بدن کے ظاہری حصہ کی طرف خون کا میلان ہوتا ہے، بوڑھوں کو بھی یہ خطاب نہیں ہے، کیونکہ ان کی بدنی حرارت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ طبری میں سند صحیح کے ساتھ ابن سیرینؒ سے مروی ہے: إذا بَلَغ الرجلُ أربعين سنةً لم يَحتَجِمْ: یعنی چالیس سال عمر ہوجانے کے بعد پچھنے نہ لگوائے، کیونکہ بدن کمزور ہوجاتا ہے، پس خروج دم سے مزید کمزوری کا اندیشہ ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں، دوسری: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات قسم دوم کی ہیں، اس لئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ احکام شرعیہ نہیں ہیں۔

[۶۳-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ (يَعْنِي الْفَزَارِيَّ) عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ، عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ؟ فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ، وَلَا تُعَذِّبُوا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ"

ترجمہ: یہ حدیث حمید طویل سے مروان فزاری نے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حجام کی آمدنی کے بارے میں دریافت کیا گیا، پس انھوں نے حسب سابق بیان کیا، علاوہ ازیں انھوں نے فرمایا: آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: "بہترین چیز جس کے ذریعہ تم علاج کرتے ہو پچھنے لگوانا ہے اور عود ہندی ہے اور تم اپنے بچوں کو دبا کر تکلیف نہ پہنچاؤ"

قولہ: القسطُ البحری: یہ ہندوستان میں پیدا ہونے والی ایک خوشبودار لکڑی ہے، جو بطور دواء اور بطور بخور استعمال کی جاتی ہے، اس کو کست بھی کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک: ہندی، وہ کالی ہوتی ہے، دوسری: بحری: وہ سفید ہوتی ہے، اور ہندی زیادہ گرم ہوتی ہے۔

قولہ: ولا تُعذِّبُوا إلخ: منہ کے اندر گلٹی (غدود) نکلتی ہے جس کی وجہ سے حلق میں درد ہوتا ہے، اس کو عُذرۃ (عین پر ضمہ، ذال ساکن) کہتے ہیں، عام طور پر بچوں کو یہ تکلیف ہوتی ہے، عرب عورتیں منہ کے اندر انگلی ڈال کر اور اس کو دبا کر علاج کرتی تھیں، جس سے بچے کو شدید تکلیف ہوتی تھی، اس لئے نبی ﷺ نے اس طرح علاج کرنے سے منع فرمایا،

اور عود ہندی کے ذریعہ علاج کرنے کا مشورہ دیا۔

[۶۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ مُدٍّ أَوْ مُدَّيْنِ وَكَلَّمَ فِيهِ فَخُفِّفَ عَنْ ضَرِيبَتِهِ.

ترجمہ: یہ حدیث حمید طویلؒ سے شعبہؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ہمارے ایک غلام کو بلایا جو سینگی لگاتا تھا، پس اس نے نبی ﷺ کو سینگی لگائی، پس آپؐ نے اس کو ایک صاع — یا فرمایا — ایک مد — یا فرمایا — دو مد غلہ (اجرت میں) دینے کا حکم فرمایا، اور آپؐ نے اس کے سلسلہ میں (اس کے آقاؤں سے) بات کی، پس اس کا محصول کم کر دیا گیا۔

لغت: الضريبة: ٹیکس (مال کی مقررہ مقدار جو آمدنی وغیرہ پر حکومت کو قانوناً دی جاتی ہے) جمع: ضَرَائِب۔

ملحوظہ: دواء کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے، یعنی یہ جاننا ضروری ہے کہ دواء مفرد استعمال کی جائے یا مرکب؟ پھر ہر دوائی کی مقدار کیا ہو؟ اور دواء کتنی مقدار میں اور کتنی مرتبہ استعمال کی جائے؟ ان سب باتوں کا علم ضروری ہے، مگر یہ سب تفصیلات روایات میں نہیں آئیں، اس لئے اب طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں۔

[۶۵-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، ح: وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْمَخْزُومِيُّ، كِلَاهُمَا عَنْ وُهَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ، وَاسْتَعَطَ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے، اور حجام کو اس کی اجرت دی، اور ناک میں دواء ڈالی۔

لغت: السَّعوط (بفتح السین) اسم ہے، ناک میں ڈالنے کی دواء، نسوار، عطوس، اور السُّعوط (بضم السین) مصدر ہے، سَعَطَ الدواءَ: ناک میں دواء چڑھانا، اسْتَعَطَ الدواءَ: کے بھی یہی معنی ہیں۔

تشریح:

۱- دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دواء ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کونسی دواء ناک میں ٹپکائی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا، اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق حکیم علاج کرتے ہیں۔

ایک واقعہ: راقم الحروف کے دادا قدس سرہ نے بیان کیا کہ ایک بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا تھا، اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اتفاق سے ایک ہالی (ہل چلانے والا) آیا، دادا ابا نے اس سے تذکرہ کیا کہ یہ بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا ہے، ہالی کھیت میں گیا اور ایک پودا لایا، اور اس کو کوٹ لیا، پھر اس نے دادا ابا سے کہا: بیل کے منہ کو اوپر پکڑے رہو، اور اس نے وہ کوٹا ہوا پودا ہتھیلیوں میں لے کر دونوں نتھنوں میں نچوڑا، بیل نے بہت چپر مچر کی مگر دادا ابا نے نہیں چھوڑا، پھر جب ہالی نے کہا: اب چھوڑ دو تو بیل نے ایک زوردار چھینک لی اور اس کی ناک سے ایک مینڈک نکلی، پانی پیتے ہوئے دماغ میں چڑھ گئی ہو گی، اس کے بعد بیل ٹھیک ہو گیا۔

[٦٦-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ (وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ) قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ: حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لِبَنِي بَيَاضَةَ، فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَهُ، وَكَلَّمَ سَيِّدَهُ فَخَفَّفَ عَنْهُ مِنْ ضَرِيبَتِهِ. وَلَوْ كَانَ سُحْتًا لَمْ يُعْطِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ کو قبیلہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے پچھنے لگائے، پس نبی ﷺ نے اس کو اجرت دی اور اس کے آقا سے گفتگو فرمائی، پس آقا نے اس کے محصول میں کمی کر دی، اگر پچھنے لگانے کی اجرت حرام ہوتی تو نبی ﷺ اس کو اجرت نہ دیتے۔

تشریح: ایک فقہی ضابطہ ہے: إجازةُ الشَّيئِ إجازةٌ لِمَا يُحَصِّلُه: یعنی اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو جو اس کا موقوف علیہ ہوتا ہے اس کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے، جب نبی ﷺ نے پچھنے لگانے کو بہترین علاج قرار دیا تو پچھنے لگوانا جائز ہوا، پس اس کی اجرت بھی جائز ہوئی۔

نیز یہ بھی ضابطہ ہے: مَا حَرُمَ أَخذُه حَرُم اعطاءُ ہ: جو چیز لینا حرام ہے وہ چیز دینا بھی حرام ہے، پس اگر پچھنے لگانے والے کے لئے اجرت لینا حرام ہوتا تو اجرت دینا بھی حرام ہوتا، جبکہ نبی ﷺ نے اجرت دی ہے، جمہور بشمول ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔

ملحوظہ: امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول حجام کی اجرت کے حرام ہونے کا ہے، مگر دوسرا قول جواز کا ہے اور وہی راجح ہے۔

۱۲- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ

شراب کا کاروبار حرام ہے

شراب مسلمانوں کے حق میں مال متقوم نہیں، اس لئے مسلمان نہ شراب بیچ سکتا ہے اور نہ خرید سکتا ہے، غیر مسلموں

کے حق میں شراب سرکہ کی طرح مال متقوم ہے، پس غیر مسلم آپس میں شراب بیچ خرید سکتے ہیں۔

[۶۷-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَبُو هَمَّامٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ سَيُنْزِلُ فِيهَا أَمْرًا فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلْيَبِعْهُ وَلْيَنْتَفِعْ بِهِ" قَالَ: فَمَا لَبِثْنَا إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى حَرَّمَ الْخَمْرَ، فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هَذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ" قَالَ: فَاسْتَقْبَلَ النَّاسُ بِمَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمَدِينَةِ، فَسَفَكُوهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی پاک ﷺ کو مدینہ منورہ میں دوران خطبہ یہ فرماتے ہوئے سنا: لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب کی (حرمت کی) طرف اشارہ فرمایا ہے، شاید اللہ تعالیٰ عنقریب اس سلسلہ میں کوئی حکم نازل فرمائیں گے، پس جس کے پاس کچھ بھی شراب ہو تو وہ اس کو بیچ دے، اور اس سے (اس کی قیمت سے) فائدہ اٹھالے، ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: پس ہم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑے (یعنی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا) یہاں تک کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کردیا ہے پس جس شخص کو یہ آیت پہنچے اور اس کے پاس کچھ بھی شراب ہو تو وہ اس کو نہ پیئے اور نہ بیچے، ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: پس لوگوں کے پاس جو بھی شراب تھی وہ اس کو لے کر مدینہ منورہ کے راستہ میں آگئے اور اس کو بہادیا۔

خمر کیا چیز ہے؟

حرام شرابیں چار ہیں:

۱- خمر: انگور کا کچا شیرہ (رس) جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آئے، خمر کی یہ تعریف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں، جب اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے تو خمر بن گیا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک: انگور کے کچے شیرے کی کچھ تخصیص نہیں، ان کے نزدیک: ہر نشہ آور مشروب خمر ہے، اور حرام ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۲- طِلاء: انگور کا شیرہ، جب اس کو پکایا جائے، اور دو تہائی سے کم جلایا جائے، پھر جب اس میں نشہ پیدا ہو یعنی اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آجائے (امام اعظمؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں) تو وہ طلاء بن گیا، طلاء کے چند نام اور بھی ہیں: (۱) باذق (یہ بادہ کا معرب ہے) (۲) عصیر (شیرہ) (۳) منصَّف (آدھا جلایا ہوا) (۴) مطبوخ ادنی طبخة (تھوڑا پکایا ہوا)

ملحوظہ: اگر انگور کا شیرہ پکا کر دو تہائی یا زیادہ جلا دیا جائے تو پھر وہ بگڑتا نہیں، نہ اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے، نہ اب اس کا سرکہ بن سکتا ہے، اس لئے وہ حلال ہے، لوگ اس طرح پکا کر قوام بنا کر رکھ لیتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔

۳-سَکَر: چھوہارے یا تازہ کھجوریں پانی میں بھگودی جائیں، وہ گل کر پانی میٹھا ہو جائے، پھر اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے، اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ سکر ہے، اس کو نَقِيعُ التَّمْرِ بھی کہتے ہیں، نقیع: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منقوع ہے یعنی پانی میں بھگوئے ہوئے چھوہارے، نَقَعَ الشئَ نَقْعًا کے معنی ہیں: کسی چیز کو پانی وغیرہ میں بھگونا، تر کرنا۔

۴-نقیع الزبیب: خشک انگور، منقّی پانی میں بھگودی جائے، پھر جب وہ گل جائے اور اس میں جوش پیدا ہو، اور وہ اٹھے اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ نقیع الزبیب ہے۔

بہ الفاظ دیگر: شرابوں کی تین قسمیں ہیں: ۱-خمر ۲-باقی تین شرابیں یعنی طلاء، سکر اور نقیع الزبیب ۳-ان کے علاوہ نشہ آور چیزیں جو نبیذیں کہلاتی ہیں، جیسے گیہوں، جو، شہد اور مکئی وغیرہ کی شرابیں۔

ملحوظہ: نبیذ: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منبوذ ہے، نَبَذَ الشئَ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی بھی چیز ڈالی جائے، جب وہ گل جائے اور پانی میٹھا ہو جائے اور ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ بالاتفاق حلال ہے، اور جب نشہ پیدا ہو جائے تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

خمر کا حکم:

خمر بالاجماع حرام ہے، اور اس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، قرآن کریم نے اس کو رجس (گندگی) قرار دیا ہے، چنانچہ: ۱-اس کی ذات حرام ہے، اس کی حرمت نشہ ہونے پر موقوف نہیں۔ ۲-وہ ناپاک بہ نجاستِ غلیظہ ہے جیسے پیشاب، ۳-اس کو حلال قرار دینے والا کافر ہے، اس لئے کہ وہ نص قطعی کا منکر ہے، ۴-خمر: مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں، پس اگر کوئی اس کو ضائع کردے یا غصب کرلے تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔ ۵-جو اس کو پیئے اس کو حد ماری جائے گی، چاہے نشہ نہ چڑھا ہو۔ ۶-اس کو پکایا جائے تو پکانا اس میں مؤثر نہیں، وہ بدستور حرام رہے گا، کیونکہ پکانا حرمت کو روکتا ہے، حرمت کو اٹھاتا نہیں۔

البتہ اس کا سرکہ بنانا جائز ہے، کیونکہ ماہیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے، نیز حرمتِ خمر کی علت سکر (نشہ) ہے، سرکہ بن جانے کے بعد وہ علت باقی نہیں رہتی، اور حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، اس لئے سرکہ بننے کے بعد حرمت کا حکم اٹھ جائے گا۔

حرمتِ خمر کی دلیل:

خمر کے سلسلہ میں چار آیتیں بالترتیب نازل ہوئی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ النحل کی آیت ۶۷ ہے: ﴿ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ﴾ ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ سکر (کھجور کی شراب) اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، اس آیت میں کھجور کی شراب کا تذکرہ تو کیا، مگر انگور کی شراب یعنی خمر کا تذکرہ نہیں کیا، پھر سکر کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی، یہ سورت مکی ہے، پس یہ آیت بھی مکی ہے، اس آیت میں واضح حکم تو نہیں مگر ہلکا سا اشارہ ہے، اور وہ اس طرح کہ خمر کا ذکر چھوڑ دیا اور سکر کو بھی کسی وصف کے ساتھ متصف نہیں کیا، اور خمر کا تذکرہ بالکل اس لئے نہیں کیا کہ وہ آگے چل کر حرام ہونے والی ہے، اور سکر کے ساتھ کوئی وصف اس لئے نہیں لایا گیا کہ آگے چل کر درجہ دوم میں اس کی حرمت بھی آنے والی ہے، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ کیوں چھوڑا ہے؟ چنانچہ عرصہ بعد مدنی دور میں دوسری آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ ہے: ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ ترجمہ: لوگ آپؐ سے خمر اور قمار کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ بتادیں کہ دونوں میں بڑا گناہ (خرابی) ہے، اور کچھ فوائد ہیں، اسی وجہ سے لوگ خمر پیتے ہیں اور سٹہ کھیلتے ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، جس کا تذکرہ چوتھی آیت میں آرہا ہے۔ اس آیت کے نزول پر لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر ان کی حرمت ضرور نازل ہوگی، مگر چونکہ صراحۃً منع نہیں کیا تھا اس لئے لوگ پیتے رہے، پھر ایک واقعہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کی دعوت کی، اور دعوت میں ان کو شراب پلائی، پھر مغرب کی نماز کا وقت آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا، انھوں نے سورۃ الکافرون پڑھی، اور نشہ میں سب جگہ سے لا حذف کردیا اور بات کچھ سے کچھ ہوگئی پس تیسری آیت نازل ہوئی۔

تیسری آیت: سورۃ النساء کی آیت ۴۳ ہے: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو، چنانچہ ظہر سے گھنٹہ پہلے پینا بند کرنا پڑا، پھر عشاء تک نہیں پی سکتے تھے، کیونکہ یکے بعد دیگرے نمازیں آرہی تھیں، اب پینے کے دو ہی وقت رہے: ایک عشاء کے بعد فجر سے ایک گھنٹہ پہلے تک، دوسرا فجر کے بعد زوال سے ایک گھنٹہ پہلے تک، گویا لوگ ۲۰ سگریٹ سے ۵ پر آگئے، اس طرح وہ کم پینے کے عادی ہوگئے تو چوتھی آیت نازل ہوئی۔

چوتھی آیت: سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ ہیں: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ؟! ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! انگوری شراب، جوا، غیر اللہ کے لئے قربانی کے تھان اور قرعہ کے تیر: سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، پس ان سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ خمر اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرے، اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے؟! (ضرور ہم ان سے باز رہیں گے)

تفسیر: دوسری آیت میں خمر کی دو خرابیاں بیان فرمائی ہیں: دینی اور دنیوی:

دنیوی خرابی: شرابی لوگوں سے جھگڑتا ہے اور ان پر زیادتی کرتا ہے یعنی جب اس کی عقل ماری جاتی ہے تو وہ گالی گلوچ کرتا ہے، اور دنگا فساد مچاتا ہے اور دوسروں کا مال ضائع کرتا ہے، بلکہ کبھی نوبت قتل کی بھی آجاتی ہے۔

دینی خرابی: شرابی نفس کے تقاضوں میں گھستا چلا جاتا ہے، اس کو نہ نماز یاد رہتی ہے نہ اللہ کا ذکر، کیونکہ شراب سے وہ عقل ہی ناکارہ ہو جاتی ہے جو نیکیوں کی بنیاد ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۳۰)

آیت خاص حکم عام:

اور نصوص میں ایسا ہوتا ہے کہ نص خاص ہو مگر حکم عام ہو اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے الرسالۃ میں اس کی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں، یہاں بھی آیت لفظ خمر کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اور خمر انگوری شراب کو کہتے ہیں، اور اس کے دلائل رحمۃ اللہ (۵: ۳۳۱) میں بیان کئے گئے ہیں، مگر حکم عام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شرابیں رائج تھیں: انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد کی (مگر حرمت ان پانچ میں منحصر نہیں، بلکہ) خمر: ہر وہ شراب ہے جو عقل کو ڈھانک دے (مشکوۃ حدیث ۳۶۳۵) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب خمر حرام کی گئی تو انگوری شراب کا وجود بہت کم تھا، اکثر شرابیں کھجور اور چھوہاروں کی تھیں (مشکوۃ حدیث ۳۶۳۶)

باقی تین شرابوں کا حکم:

دوسری شراب: عصیر (طلاء) احناف کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ بھی انگوری شراب ہے، اگرچہ پکائی گئی ہے اس لئے خمر نہیں رہی، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی حرام ہے، البتہ امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے...... اور تیسری شراب: سَکر: احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس کی حرمت خبر واحد سے ثابت ہے، اور قاضی شریک بن عبداللہ نخعی کوفی کے نزدیک مباح ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے...... اور چوتھی شراب: نقیع الزبیب احناف کے نزدیک حرام ہے اور امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے۔

غرض: احناف کے نزدیک: ان تین شرابوں کی حرمت درجہ دوم میں ہے، چنانچہ وہ ان کے حلال کہنے والے کو کافر نہیں کہتے، اور احناف کے نزدیک ان کی نجاست میں اختلاف ہے کہ غلیظہ ہے یا خفیفہ؟ اور خمر میں کوئی اختلاف نہیں، وہ

پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ ہے، اور جو شخص یہ تین شرابیں پیئے اس کو حد اس وقت لگائی جائے گی جب نشہ چڑھ جائے، ورنہ حد واجب نہیں، اور ان کی بیع درست ہے اور ہلاک کرنے والے پر امام اعظم کے نزدیک ضمان واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک ضمان واجب نہیں، اور ان کی حرمت مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۱۹۸۵) سے ثابت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "خمر: اِن دو درختوں سے ہے اور آپؐ نے کھجور اور انگور کے درختوں کی طرف اشارہ کیا" اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کی حرمت بھی خمر ہی کی طرح ہے، اور ان کے دلائل آگے آرہے ہیں۔

نشہ آور نبیذوں کا حکم:

اور مذکورہ چار شرابوں کے علاوہ جو بھی شراب ہے، خواہ گیہوں کی ہو، جو کی ہو، شہد کی ہو یا مکئی وغیرہ کی ہو، وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے، اس کی تھوڑی مقدار پینے والے کو حد نہیں ماری جائے گی جبکہ اس نے عبادت پر قوت حاصل کرنے کی غرض سے پی ہو، اور جو شخص ان شرابوں سے مست ہو کر بیوی کو طلاق دے: وہ طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے بھنگ پی کر پاگل ہو جائے یا گھوڑی کا دودھ پی کر بے عقل ہو جائے اور طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان شرابوں کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور پینے والے کو سزا دی جائے گی اور ان شرابوں سے مدہوش ہونے والے کی طلاق واقع ہوگی اور فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے ان کے نزدیک ہر شراب اور اس کی ہر مقدار حرام ہے، درمختار (۵: ۳۲۳) میں ہے (وحرّمها محمدٌ) أی الأشربة المتخذة من العسل والتین ونحوهما (مطلقاً) قلیلها وكثیرها (وبه یفتی) ذكر الزیلعی وغیره، واختاره شارح الوهبانیة اور شامی میں دیگر بہت سے فقہاء کی تائیدات مذکور ہیں۔

جمہور کے دلائل:

امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل درج ذیل روایات ہیں:

۱- باب کی حدیث ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔
۲- شہد اور مکئی وغیرہ کی شرابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "ہر وہ شراب جو نشہ کرے حرام ہے"
۳- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے"
۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شراب کا ایک فرق (دس لیٹر) نشہ کرے اس کا ایک چلّو بھی حرام ہے"[1]

---

[1] یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ (کتاب الحدود، باب بیان الخمر) میں ہیں۔ ان میں سے صرف دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور پہلی حدیث صرف مسلم میں ہے، متفق علیہ نہیں، اور باقی حدیثیں سنن کی ہیں، علاوہ ازیں: مزر یعنی ذُرہ (چینا یا مکئی) کی شراب کی روایت بھی مسلم شریف میں ہے وہ بھی حرام ہے جبکہ وہ نشہ آور ہوگئی ہو۔

شیخین کے دلائل:

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ابوداؤد (حدیث ۳۶۹۵، ۳۶۹۶) میں حدیث ہے: ''نقیر، مزفت، دباء اور حنتم میں بنائی ہوئی نبیذ نہ پیو، اور چمڑے کی مشک میں بنائی ہوئی نبیذ جس کا منہ باندھا گیا ہو پیو، پس اگر وہ اٹھے یعنی اس میں جوش آئے اور نشہ پیدا ہوجائے تو اس کو پانی سے توڑو یعنی اس میں ٹھنڈا پانی ملاؤ جوش ختم ہوجائے گا اور نشہ کافور ہوجائے گا (پس پیو) اور اگر وہ تم کو تھکا دے یعنی پانی سے بھی جوش ختم نہ ہو تو اس نبیذ کو پھینک دو'' اس حدیث میں نبیذ میں نشہ پیدا ہونے کے بعد بھی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔

۲- طحاوی (۳۲۶:۲) میں روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، آپؓ کے پاس نبیذ لائی گئی، آپؓ نے اس میں سے پیا تو منہ بگاڑا، پھر فرمایا: طائف کی نبیذ سخت ہوتی ہے، پھر پانی منگوایا اور اس پر ڈالا، پھر اس کو پیا۔ اس کی سند صحیح ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن هذا أصح الآثار۔

۳- طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا اثر ہے کہ نبیذ میں نشہ ہوگیا تھا تو آپؓ نے فرمایا: اس (نشہ) کو پانی سے توڑو (اس کی سند بھی صحیح ہے)

۴- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ایک نبیذ بنائی گئی، مدینہ کے راستہ میں ایک شخص نے اس میں سے گھٹ گھٹ پیا، جس سے اس کو نشہ چڑھ گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑے رکھا، جب اس کا نشہ اتر گیا تو اس کو حد ماری، پھر حضرت عمرؓ نے پانی سے اس کا نشہ توڑا اور اس میں سے پیا، اسی طرح نافع بن عبد الحارث نے جو حضرت عمرؓ کے مکہ کے عامل تھے، مشکیزے میں حضرت عمرؓ کے لئے نبیذ بنائی، حضرت عمرؓ کے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہوگئی، یہاں تک کہ نبیذ اپنی حد سے بڑھ گئی، پھر اور بڑھ گئی، پس حضرت عمرؓ نے اس کو منگوایا تو وہ سخت یعنی نشہ آور ہوگئی تھی، پس اس کو ایک بڑے پیالے میں ڈالا، پھر پانی سے اس کا نشہ توڑا اور خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا (مصنف عبد الرزاق ۹:۲۲۴ حدیث ۱۷۰۱۵ باب الحد فی نبیذ الأسقیۃ) یہ روایت طحاوی (۲۱۸:۴ مصری) میں بھی ہے۔

۵- سنن بیہقی (۲۹۷:۸) میں حضرت ابن عباسؓ کا فتوی ہے: حرمت الخمر بعينها، القليل منها والكثير، والسكر من كل شراب: خمر لذاتہ حرام ہے، قلیل بھی اور کثیر بھی، اور دیگر شرابوں میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔

ان روایات کی وجہ سے شیخین نے نبیذوں کی غیر مسکر مقدار کو جائز رکھا ہے، مگر:

امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا: لو أعطيتُ جميع ما في الدنيا ومثلها لأشرب قطرةَ نبيذ فلا أشربه، فإنه مختلف فيه، ولو أعطيتُ جميع ما في الدنيا لأحرم عليكم النبيذ: لا أُحرمه، لأنه مختلف فيه: اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں اور ایک اور دنیا بھی تا کہ میں نبیذ کا ایک قطرہ پیوں تو میں اس کو نہیں پیوں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے اور

اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں کہ نبیذ کو تمہارے لئے حرام کردوں تو اس کو حرام نہیں کروں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے (امام اعظم کا یہ قول شروح ہدایہ میں ہے) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: فی نفسی من هذه الفتيا كامثال الجبال، ولكن عادة البلد- ای الكوفة - هذا: اس فتوے کا میرے دل پر پہاڑوں جیسا بوجھ ہے، مگر ہمارے شہر کوفہ کا یہی تعامل ہے (یہ قول ابو جعفر نحاس نے الناسخ والمنسوخ میں ذکر کیا ہے)

جمہور کے دلائل کا جواب:

جمہور نے جن روایات کی بنیاد پر ہر شراب کو خمر قرار دیا ہے: وہ سب روایات بیانِ الحاق کے لئے ہیں کیونکہ اگر تمام شرابیں لغۃً خمر ہوتیں تو ان روایات کی ضرورت نہیں تھی، صحابہ اہل لسان تھے، وہ لفظ خمر کے معنی جانتے تھے، پھر ان روایات کی کیا حاجت تھی؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ حقیقی خمر: صرف انگوری شراب ہے، سورۃ یوسف آیت ۳۶ میں ہے: ﴿قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ یعنی ایک قیدی نے کہا: میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں، اس آیت میں انگور پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ وہ آئندہ خمر بننے والے ہیں، اور بلا قرینہ خمر سے انگور اسی وقت سمجھے جاسکتے ہیں: جب لفظ خمر انگوری شراب کے لئے خاص ہو...... اور دیگر تمام شرابیں حکمی خمر ہیں، یعنی ان کو خمر کے حکم میں رکھا گیا ہے اور علتِ سکر کی بنیاد پر رکھا گیا ہے، فرمایا: كُلُّ مُسكرٍ حرام: ہر (بالفعل) نشہ آور چیز حرام ہے، اور فرمایا: الخمر: ماخامر العقل: خمر: ہر وہ شراب ہے جو (بالفعل) عقل کو چھپادے، پس نشہ کی مقدار سے کم پینا اور وہ بھی عبادت پر قوت حاصل کرنے کی نیت سے پینا جائز ہوگا، کیونکہ صحابہ سے خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا پینا ثابت ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کا یہ ارشاد: نعم، كان ناس من الصحابة والتابعين لم يبلغهم الحديث في أول الأمر فكانوا معذورين: یعنی بعض صحابہ وتابعین سے جو غیر انگوری شراب کی تھوڑی مقدار پینا مروی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو شروع میں یہ روایات نہیں پہنچی تھیں، پس وہ معذور تھے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے تعلق سے کیسے تسلیم کرلی جائے گی؟ وہ امیر المؤمنین تھے، ان کا عمل لوگوں کے سامنے ہوتا تھا، پھر کسی نے ان کو یہ روایات کیوں نہیں پہنچائیں؟ بلکہ وہ یہ روایات جانتے تھے، خود حضرت عمرؓ کا ارشاد منبر سے خطاب عام میں مروی ہے کہ جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شراب رائج تھی، پھر قرآنِ کریم میں خمر کی تخصیص کی گئی، تو اس کی کوئی وجہ تھی۔ اور وہ وجہ یہی تھی کہ خمر تو مطلقاً حرام ہے اور دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار حرام ہے۔

فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر کیوں ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب شیخین کے قول کی مضبوط دلیل ہے تو پھر فتوی امام محمدؒ کے قول پر کیوں ہے؟ اور ہر نشہ آور شراب مطلقاً حرام کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت کی تنظیم کا یہی تقاضا ہے، نشیلی چیزوں میں یہ خاصیت ہے کہ ان کا

تھوڑا زیادہ کی دعوت دیتا ہے، جب اس کا چسکا پڑجاتا ہے تو آدمی تھوڑے پر نہیں رکتا، اس لئے سیاستِ ملیہ (مذہبی راہ نمائی) میں ضروری ہے کہ حرمت کا مدار بالقوۃ نشہ آور ہونے پر رکھا جائے، اور جو بھی چیز نشہ آور ہو اس کو حرام قرار دیا جائے، اور قلیل وکثیر: ہر مقدار کو ناجائز ٹھہرایا جائے، حرمت کا مدار بالفعل نشہ ہونے پر نہ رکھا جائے، یہ بات ملت کے مفاد میں نہیں۔

اس کی نظیر: وقف کا مسئلہ ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک موقوفہ جائداد واقف کی ملکیت سے (علاوہ چار صورتوں کے) نہیں نکلتی، اس لئے واقف موقوفہ جائداد فروخت کرسکتا ہے، اگرچہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اور امام اعظم کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی روایت ہے، جو مسئلہ وقف میں واحد نص ہے، اس میں ہے: إن شئتَ حَبَستَ أصلَها وتصدَّقتَ بها: یعنی اگر آپ چاہیں تو خیبر کی زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، اور اس کے منافع خیرات کریں۔ اور صاحبین اور جمہور کہتے ہیں: جب وقف تام ہوجاتا ہے تو جائداد واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، لہٰذا اب واقف اس کو فروخت نہیں کرسکتا، اور فتوی اسی پر ہے، کیونکہ وقف کی مصلحت اسی میں ہے۔

[۶۸-] حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ (رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ) أَنَّهُ جَاءَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، ح: وحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ (وَاللَّفْظُ لَهُ) أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَغَيْرُهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ السَّبَإِيِّ (مِنْ أَهْلِ مِصْرَ) أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ رَجُلًا أَهْدَى لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاوِيَةَ خَمْرٍ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هَلْ عَلِمْتَ أَنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَهَا؟" قَالَ: لَا فَسَارَّ إِنْسَانًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بِمَ سَارَرْتَهُ؟" فَقَالَ: أَمَرْتُهُ بِبَيْعِهَا. فَقَالَ: " إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا" قَالَ: فَفَتَحَ الْمَزَادَةَ حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِيهَا.

ترجمہ: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، ان سے عبدالرحمٰن بن وعلہؒ نے ــــ جو مصر کے باشندہ ہیں ــــ روایت کی ہے، اور ان سے زید بن اسلمؒ نے روایت کی ہے اور ان سے حفص بن میسرہ اور امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن وعلہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس شراب کے بارے میں پوچھا جو انگور سے کشید کی گئی ہو، پس ابن عباسؓ نے فرمایا: ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں شراب کا ایک مشکیزہ بطور ہدیہ پیش کیا، پس اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کردیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: نہیں، پھر اس نے کسی آدمی سے سرگوشی کی، پس رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تو نے اس سے کیا سرگوشی کی؟'' اس نے عرض کیا: میں نے اس کو شراب بیچنے کا حکم دیا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک وہ چیز جس کا پینا حرام ہے اس کو بیچنا بھی حرام

ہے"ابن عباسؓ کہتے ہیں: پس اس شخص نے مشکیزہ کا منہ کھول دیا، یہاں تک کہ جو شراب مشکیزہ میں تھی وہ بہہ گئی۔

لغات: الرَّاوِيَة: پانی کا پکھال، وہ جانور جس پر پانی لاد کر لایا جائے، جمع: رَوَايَا ـــــ سَارَّة: پوشیدہ بات کرنا، کان میں بات کرنا، تَسَارَّ القومُ: باہم سرگوشی کرنا، ایک دوسرے کے بھید پر مطلع ہونا ـــــ المَزَادَة: توشہ دان، جمع: مَزَاوِد۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ وَعْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

وضاحت: یہ حدیث عبدالرحمٰن بن وعلہؒ سے یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کی ہے اور زید بن اسلم کے مثل روایت کی ہے۔

[۶۹-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا وَقَالَ إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَاقْتَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ نَهَى عَنِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو نبی ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور وہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں، پھر شراب کی تجارت سے منع فرمایا۔

تشریح: جب آیاتِ ربا ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (بقرۃ آیات ۲۷۵-۲۷۹) نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے منبر پر یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور سود کی حرمت کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی شراب کی تجارت کی حرمت کا بھی اعلان کیا، آیاتِ خمر سورۂ مائدہ (آیت ۹۰ و ۹۱) میں ہیں، اور وہ سود کی حرمت سے بہت پہلے نازل ہو چکی ہیں، مگر بات میں سے بات نکلتی ہے، سود بھی حرام ہے اور شراب بھی حرام ہے، شرابی بھی مخبوط الحواس ہوتا ہے اور سودی بھی دنیا کی حرص میں ہمیشہ مخبوط الحواس رہتا ہے، اور قیامت کے دن وہ واقعی شرابی کی طرح مخبوط الحواس ہوگا اس مناسبت سے آپؐ نے شراب کا بھی تذکرہ فرمایا۔

[۷۰-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ) (قَالَ: إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ) عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، فِي الرِّبَا، قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے راوی مسروق ہیں، اور ان سے ابوالضحیٰ اور مسلم روایت

کرتے ہیں، گذشتہ حدیث ابوالضحیٰ کی تھی اور یہ مسلم کی ہے۔

۱۳- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کی حرمت

مذکورہ چاروں اشیاء کی تجارت بالاجماع حرام ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں —— جاننا چاہئے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف حلال اشیاء کی تجارت جائز ہے، حرام اشیاء کی تجارت جائز نہیں، اور مذکورہ چاروں چیزیں حرام ہیں، پس ان کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مال متقوم کی تجارت جائز ہے، مال غیر متقوم کی تجارت جائز نہیں، اور مذکورہ اشیاء مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں، پس ان کی تجارت جائز نہیں (دیکھئے قواعد الفقہ (اصول مسائل خلافیہ) قاعدہ نمبر ۷۲)

[۷۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ، وَهُوَ بِمَكَّةَ "إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ" فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: "لَا هُوَ حَرَامٌ" ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ "قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضور ﷺ کو فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں (دورانِ تقریر) یہ فرماتے ہوئے سنا: "بیشک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کردیا" پس عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ مردار کی چربی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ یعنی مردار کی چربی کا استثناء فرمادیں، مردار کی چربی سے کشتیاں باہر سے لیپی جاتی ہیں (تاکہ پانی سے لکڑی خراب نہ ہو) اور وہ چمڑوں پر بھی لگائی جاتی ہے (تاکہ چمڑہ نرم رہے) —— پہلے چمار کے رنگے ہوئے چمڑے کا جوتا بنتا تھا، اس پر کبھی کبھار تیل لگانا پڑتا تھا ورنہ وہ اکڑ کر سخت ہوجاتا تھا۔

اور اس سے لوگ چراغ جلاتے ہیں —— کٹورے میں چربی بھر دیتے ہیں اور اس میں فتیلہ رکھ کر جلادیتے تھے، چربی تھوڑی تھوڑی پگھلتی رہتی اور چراغ جلتا رہتا، ان ضرورتوں میں چربی مستعمل ہے، پس مردار کی چربی کا استثناء فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے، یعنی اس کے خارجی استعمال کی بھی اجازت نہیں، اس وقت رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کریں! بیشک اللہ عزوجل نے جب ان پر چربی حرام کی تو انھوں نے اس کو پگھلایا پھر (گھی بنا کر) اس کو بیچا، پھر اس کے ثمن کو کھایا۔

تشریح:

۱۔مردار مال نہیں، اس لئے اس کی بیع باطل ہے، اور مورتیاں دو طرح کی ہیں ایک وہ جس کو توڑ پھوڑ کر کباڑ کر دیا گیا ہو، اس کو بیچنا جائز ہے، کیونکہ میٹریل مال ہے، دوسری وہ جس کو لوگ خرید کر لے جاتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، ان کا بیچنا جائز نہیں۔ وہ ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کے تحت آتی ہیں۔ غرض مردار، خمر اور خنزیر مسلمان کے حق میں سرے سے مال ہی نہیں اور مورتیوں کی بیع گناہوں میں تعاون کی وجہ سے ممنوع ہے۔

۲۔حضرات صحابہ کرام نے مردار کی چربی کے خارجی استعمال کی اجازت طلب کی تو آنحضور ﷺ نے نہ صرف اس سے منع فرمایا بلکہ یہود کے ایک حیلہ کا بھی تذکرہ فرمایا، یہود پر اللہ تعالیٰ نے ماکول اللحم جانوروں کی چربی حرام کی تھی مگر انھوں نے اس چربی کو پگھلا کر اور گھی بنا کر فروخت کیا اور اس کا ثمن کھایا، ان کے گمان میں یہ چربی کھانا نہیں تھا، جبکہ یہ گمان سرے سے باطل تھا، اس لئے حرام اشیاء کی قیمت کھانا بعینہٖ حرام شیٔ کھانا ہے، اسی طرح یہ بات کہ مردار کی چربی سے صرف خارجی فوائد اٹھائیں گے، یہ بھی ایک حیلہ ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا، صاحب روح المعانی نے سورۂ ص کی آیت ۴۴ ﴿فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلاَ تَحْنَثْ﴾ الخ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی حیلہ کسی شرعی حکم کو ختم کرنے کے لئے کیا جائے تو ایسا حیلہ ہرگز جائز نہیں (اس پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے) البتہ ایسا حیلہ کرنا جس کے ذریعہ اپنے سے یا دوسرے سے مضرت دفع کرنا مقصود ہو یا حرام سے بچنا مقصود ہو تو اس حیلہ کی گنجائش ہے، خود آنحضور ﷺ نے ایسی تدبیر بتلائی ہے، آئندہ پانچویں باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے کہ آنحضور ﷺ نے عامل خیبر سے فرمایا تھا (جو دو صاع معمولی کھجور کے بدلہ میں ایک صاع عمدہ کھجور خرید کر لایا تھا) **لا تفعل: بِعِ الْجَمْعَ على الدَّراهم ثم ابْتَعْ بالدَّراهم جنيبًا:** یعنی دو بیع کر۔ پہلے معمولی کھجور قیمتاً بیچ، پھر اس قیمت سے جنیب (عمدہ کھجور) خرید، یہ حرام سے بچنے کے لئے حیلہ ہے جو بالاجماع جائز ہے۔

قوله: لاهو حرام: هو کا مرجع کیا ہے؟ اکثر شوافع نے بیع کو مرجع قرار دیا ہے، پس ان کے نزدیک حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ مردار کی چربی کی خرید و فروخت تو حرام ہے مگر اس سے انتفاع جائز ہے، اور احناف و جمہور علماء نے انتفاع کو مرجع قرار دیا ہے، یعنی مردار کی چربی سے خارجی انتفاع بھی جائز نہیں، ابن ماجہ شریف کی حدیث کے الفاظ: **لاهُنَّ حرامٌ:** سے جمہور کی تائید ہوتی ہے ـــــ علاوہ ازیں: حضرات صحابۂ کرامؓ نے خارجی استعمال کے فوائد ذکر کئے تھے، یعنی اس کی بنیاد پر استثناء کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں نبی ﷺ نے: **لاهو حرامٌ:** فرمایا، یہ دلیل ہے کہ مرجع انتفاع ہے بیع نہیں۔

قوله: فاكلوا ثمنه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے: إِنَّ اللّٰهَ إِذَا حَرَّمَ علی قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عليهم ثَمَنَهُ: یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتے ہیں تو اس کا ثمن بھی حرام کرتے ہیں، یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ مردار کی چربی اور شراب وغیرہ کے بارے میں ہے، چنانچہ تمام ائمہ متفق ہیں کہ گدھے کا گوشت حرام ہے مگر اس کی بیع جائز ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى. حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ (يَعْنِي أَبَا عَاصِمٍ) عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ. قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ؛ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ، بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ.

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو لیثؒ نے یزید اور عطاء کے واسطوں سے روایت کی ہے، عبدالحمید بن جعفر نے بھی یزید سے انہی واسطوں سے روایت کی ہے ـــــ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے استاذ محمد بن المثنی کی حدیث میں یہ ہے کہ یہ حدیث یزید نے حضرت عطاء سے سنی نہیں بلکہ مکاتبۃً حاصل کی ہے۔

[۷۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ سَمُرَةَ بَاعَ خَمْرًا. فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ سَمُرَةَ، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا"

حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ يَعْنِي (ابْنَ الْقَاسِمِ) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت سمرہؓ نے شراب بیچی ہے؟ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ سمرہ کو ہلاک کریں! کیا وہ جانتا نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ یہود پر لعنت کریں! ان پر چربی حرام کی گئی تھی، پس انھوں نے اس کو پگھلایا اور اس (گھی) کو فروخت کیا"

سند: یہ حدیث عمرو بن دینارؒ سے روح بن القاسم نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔

لغات: جَمَّلَ الشَّحمَ: پگھلانا ـــــ أَجْمَلَ الشَّحْمَ: پگھلانا ـــــ تَجَمَّلَ: پگھلی ہوئی چربی کھانا ـــــ الشحم: پگھلانے سے پہلے چربی کو شَحْمٌ کہتے ہیں، اور پگھلانے کے بعد وَدَکٌ کہتے ہیں۔

تشریح:

قوله: أن سمرة باع خمرًا: حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ نے شراب کیوں فروخت کی، جبکہ شراب کی خرید وفروخت جائز نہیں؟ علماء نے اس کی متعدد توجیہیں کی ہیں، مثلاً: علامہ خطابیؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے: حضرت سمرہؓ نے انگور کا شیرہ فروخت کیا ہو اور اس کو مآل کے اعتبار سے شراب کہا گیا ہو، اس لئے کہ انگور کے شیرہ پر مآل کے اعتبار سے خمر کا اطلاق کردیا جاتا ہے ـــــ اور اسماعیلی نے یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے: حضرت سمرہؓ شراب کی حرمت سے تو واقف ہوں مگر شراب کی بیع جائز نہیں اس سے واقف نہ ہوں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف نکیر فرمائی، کوئی سزا نہیں دی ـــــ اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے: ممکن ہے کہ حضرت سمرہؓ نے شراب کو سرکہ بنا کر فروخت کیا ہو اور وہ اس کے جواز کے قائل ہوں، امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکیر اس لئے کی ہو کہ ان کے نزدیک سرکہ بنا کر بیچنا بھی جائز نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں ـــــ علماء نے ان کے علاوہ بھی توجیہیں کی ہیں۔ واللہ اعلم

قوله: قاتل اللهُ سمرةَ: یہ اگرچہ بددعائی جملہ ہے مگر تکیہ کلام کی طرح بولا جاتا ہے، یعنی معنی کا ارادہ کئے بغیر بس ایسے ہی یہ کلام بولتے ہیں، بددعا دینا مقصود نہیں ہوتا، جیسا کہ تَرِبَتْ یداک، رَغِمَ أنفک، وَيْحَک اور وَيْلَک وغیرہ کلمات تکیہ کلام کے طور پر بولتے ہیں، بددعا مقصود نہیں ہوتی، تفصیل ہم ایضاح المسلم کی پہلی جلد میں لکھ چکے ہیں۔

[۷۳-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ؛ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا"

[۷۴-] حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ حُرِّمَ عَلَيْهِمُ الشَّحْمُ فَبَاعُوهُ وَأَكَلُوا ثَمَنَهُ"

وضاحت: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں، جو ابن شہاب زہریؒ نے بواسطہ سعید بن المسیبؒ روایت کی ہیں، اور ان سے ابن جریج اور یونسؒ روایت کرتے ہیں، یونسؒ کی روایت عنعنہ سے ہے اور ابن جریج کی روایت میں ابو ہریرہؓ سے تحدیث کی صراحت ہے۔

۱۴- بَابُ الرِّبَا

سود کا بیان

ربا کے لغوی معنی: زیادت واضافہ کے ہیں، ارشادِ پاک ہے: ﴿فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا ٱلْمَآءَ ٱهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (حم السجدة، آیت ۳۹) پھر جب ہم اس کے اوپر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور اُبھر آتی ہے ـــــ اور شرعی معنی ہیں: فَضْلُ مالٍ لا يُقابِلُه عوضٌ في مُعاوضَة مالٍ بمالٍ: (فتاوی ہندیہ الفصل السادس في تفصيل الربا واحكامه) یعنی مالی لین دین میں ایسا مالی اضافہ جس میں دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو۔

سود کی حرمت:

سود کی حرمت پر امت کا اجماع ہے، اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں سود کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ ارشادِ پاک ہے: ﴿ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰا۟ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ أَصْحَـٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ ۝ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَـٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝﴾ (البقرة آیات ۲۷۵ و ۲۷۶) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر خبطی (بدحواس) بنا دیا ہو، ان کی یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: "بیع سود ہی کی طرح ہے" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پس جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آئے پھر وہ رُک جائے تو جو ہو چکا ہو چکا، اور اس کا معاملہ اللہ پاک کے سپرد ہے، اور جو دوبارہ ایسا کرے گا تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی گنہ گار ناشکرے سے محبت نہیں کرتے۔

اور سورۃ البقرہ آیات ۲۷۸ و ۲۷۹ ہیں: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے، اور اگر تم توبہ کرو، تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کروگے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

اور سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۳۰) میں ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود مت کھاؤ، اور اللہ عز وجل سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

احادیث شریفہ میں بھی کثرت سے سود کھانے والوں پر لعنت آئی ہے، بلکہ سودی معاملات میں جو کسی بھی طرح حصہ دار اور شریک ہے وہ بھی از روئے حدیث ملعون ہے۔ غرض: سود کی حرمت منصوص اور متفق علیہ ہے۔

ملحوظہ: ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل، ربا کی ایک تیسری قسم ربا النسیئۃ ہے، جو درحقیقت ربا الفضل کا جزء ہے، اور قرآنِ مجید میں صرف ربا القرض کا بیان ہے، ربا الفضل اور ربا النسیئۃ کا تذکرہ صرف احادیث شریفہ میں آیا ہے، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ نہیں، تفصیل کتاب البیوع باب ۹ (باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة إلخ) میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۷۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، اور ایک کو دوسرے پر مت بڑھاؤ، یعنی کمی بیشی جائز نہیں، اور چاندی کو چاندی کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، اور ایک کو دوسرے پر مت بڑھاؤ، اور ان میں سے غائب (غیر موجود) کو ناجز (موجود) کے عوض مت بیچو، یعنی دونوں عوض دست بدست ہونے ضروری ہیں۔

لغات: لَاتُشِفُّوْا: فعل مضارع معروف منفی از باب افعال أَشَفَّ الدِّرْهَمَ، درہم میں کمی بیشی کرنا، یہ اضداد میں سے ہے...... غائب: غیر موجود...... الناجز: حاضر و موجود، کہا جاتا ہے: وعدٌ ناجزٌ: پورا کیا ہوا وعدہ، مجرد نَجَزَ الشَّيئُ (ن) نُجْزًا: مکمل اور پورا ہونا۔

تشریح: بیع صرف میں دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے اگر ایک عوض مجلس میں موجود ہو اور دوسرا عوض موجود نہ ہو تو یہ بیع جائز نہیں، کیوں کہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، تقابض ہی سے متعین ہوتے ہیں، پس اگر اثمان کا آپس میں تبادلہ کیا جائے اور احد العوضین پر مجلس میں قبضہ ہو جائے اور دوسرا عوض مجلس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ثانی عوض متعین نہ ہوگا، پس یہ بیع العین بالدین ہوئی اور بیع العین بالدین ادھار بیع ہے اور اثمان کے تبادلہ میں نسیئہ حرام ہے اس لیے سونے چاندی کے تبادلہ میں بیع الغائب بالناجز جائز نہیں۔

[٧٦-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ؛ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي لَيْثٍ: إِنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَأْثُرُ هٰذَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ: فَذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ وَنَافِعٌ مَعَهُ، وَفِي حَدِيثِ ابْنِ رُمْحٍ، قَالَ نَافِعٌ: فَذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ وَأَنَا مَعَهُ وَاللَّيْثِيُّ، حَتّٰى دَخَلَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا أَخْبَرَنِي أَنَّکَ تُخْبِرُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَعَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَأَشَارَ أَبُو سَعِيدٍ بِإِصْبَعَيْهِ إِلٰى عَيْنَيْهِ وَأُذُنَيْهِ، فَقَالَ أَبْصَرَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ، إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ. وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا شَيْئًا غَائِبًا مِنْهُ بِنَاجِزٍ إِلَّا يَدًا بِيَدٍ"

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قبیلہ بنی لیث کے ایک آدمی نے کہا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں (حدیث آگے آرہی ہے) ـــــ قتیبہ کی روایت میں ہے: پس عبداللہ چلے اور نافع ان کے ساتھ تھے۔

اور ابن رمح کی روایت میں ہے: نافع فرماتے ہیں: پس عبداللہ چلے اور میں اور لیثی ان کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ وہ ابوسعید خدریؓ کے پاس داخل ہوئے، پس ان سے کہا: بیشک اس نے (لیثی نے) مجھے بتلایا ہے کہ آپ خبر دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چاندی کو چاندی کے بدل بیچنے سے منع فرمایا، مگر برابر سرابر، اور سونے کو سونے کے بدل بیچنے سے منع فرمایا مگر برابر سرابر۔

پس ابوسعید خدریؓ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں اور کانوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے: سونے کو سونے کے بدل نہ بیچو اور چاندی کو چاندی کے بدل نہ بیچو، مگر برابر سرابر، اور ایک کو دوسرے پر نہ بڑھاؤ، اور ان میں سے غائب (غیر موجود) کو ناجز (موجود) کے عوض مت بیچو مگر دست بدست، یعنی دونوں عوض نقد ہونے ضروری ہیں۔

تشریح: پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر سونا اور چاندی ہم جنس دست بدست بیچے جائیں تو کمی بیشی جائز ہے اور ان کو غلط فہمی ایک حدیث سے ہوئی تھی، آپؓ بقیع قبرستان کے پاس جانوروں کی مارکیٹ میں اونٹ فروخت کرتے تھے، کبھی اونٹ دیناروں میں بیچتے مگر خریدار کے پاس دینار نہ ہوتے تو ان کی جگہ درہم لیتے، اور کبھی دراہم میں بیچتے اور ان کی جگہ دینار لیتے، کسی نے ان سے کہا: یہ جائز نہیں، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت آپ ﷺ حضرت حفصہؓ کے گھر سے نکل رہے تھے، انھوں نے آپؐ سے یہ مسئلہ پوچھا: آپؐ نے فرمایا: "اس کے بھاؤ سے

ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں" مثلاً: دس دینار میں اونٹ فروخت کیا اور مشتری دینار کے بدلے میں دراہم دینا چاہتا ہے تو اس دن دینار کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے دراہم لینا جائز ہے، یہ حدیث ترمذی (حدیث ۱۲۲۶) میں ہے، اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کو غلط فہمی ہوئی کہ اثمان کا باہم تبادلہ بھی اگر دست بدست ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور غلط فہمی کی بنیاد یہ تھی کہ سونا اور چاندی کیرٹ[1] کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے، پس آپؓ نے خیال کیا کہ اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کر کے دینار کی جگہ دینار اور دراہم کی جگہ دراہم کم وبیش لے سکتے ہیں کیونکہ سونا چاندی یکساں نہیں ہوتے، ان میں کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، پس قیمت کا اعتبار کر کے سونے چاندی کا باہم تبادلہ بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں تھا اس لیے کہ دراہم ودینار الگ الگ جنسیں ہیں، پس اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کر کے دینار کی جگہ دراہم اور دراہم کی جگہ دینار کم وبیش لے سکتے ہیں مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ سونے اور چاندی میں بھی چونکہ کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے اس لئے ان میں بھی کمی بیشی جائز ہے: صحیح نہیں، سونا اور چاندی ربوی اشیاء ہیں اور ربوی اشیاء میں جید اور ردی کا تفاوت ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث سنائی تو حضرت ابن عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ (یہ حدیث آئندہ چوتھے باب میں آرہی ہے)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ:سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ(ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِنَحْوِ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: لیثؒ کی طرح جریر بن حزم، یحییٰ بن سعید اور ابن عون رحمہم اللہ بھی نافع رحمہ اللہ سے یہ واقعہ اور حدیث روایت کرتے ہیں۔

[۷۷-] وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ) عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ، إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ،مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ"

وضاحت: یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جو اوپر گذری، اور اس کو سہیل بن ابی صالح نے اپنے ابا ابوصالح کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔

[۷۸-] حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالُوا:حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي

(۱) کیرٹ انگریزی لفظ ہے، سونے چاندی کی معدنی حالت کو کیرٹ کہتے ہیں، عربی میں اس کو عیار کہتے ہیں ۱۲

مَخْرَمَةُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ: إِنَّهُ سَمِعَ مَالِكَ بْنَ أَبِي عَامِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَبِيعُوا الدِّينَارَ بِالدِّينَارَيْنِ وَلَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ"

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک دینار دو دینار کے بدلے میں اور ایک درہم دو درہم کے بدلے میں نہ بیچو"

تشریح: دینار و درہم ربوی اشیاء ہیں، اور ربوی اشیاء کا ہم جنس کے ساتھ باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں۔

۱۵- بَابُ الصَّرْفِ وَبَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ نَقْدًا

صرف: یعنی سونے چاندی کی نقد بیع کا بیان

ثمن یعنی سونے چاندی (دینار و درہم) کے باہم تبادلہ کا نام بیع صرف ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یعنی سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی ضروری ہے، اور اگر خلافِ جنس سے تبادلہ ہو یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے ـــــ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ایک خوش نصیب باب ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں!

کرنسی نوٹ کا حکم:

فائدہ: اب دینار و درہم کی جگہ کرنسی نوٹ آگئے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ کرنسی نوٹ در اصل سونے چاندی کا حوالہ ہیں، ہر نوٹ پر گورنر کی طرف سے یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ میں حامل کو اتنی رقم ادا کرنے کا ذمہ دار ہوں یعنی اگر کوئی زر کا مطالبہ کرے تو گورنر اس کو اتنا سونا یا چاندی دینے کا ذمہ دار ہے، مگر یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں کھانے کے نہیں، اگر کوئی سو کا نوٹ لیکر بینک جائے اور زر کا مطالبہ کرے تو منیجر اس کو دھتکار دے گا بلکہ پولس کو فون کردے گا، اور پولس یہ کہہ کر گرفتار کرلے گی کہ اس کو حکومت کے نوٹوں پر اعتماد نہیں اور جیل میں ڈال دے گی، اس لئے یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں ان کے پیچھے کوئی سونا چاندی نہیں، اور اس لکھنے کی وجہ سے کرنسی کی ساکھ بنتی ہے اور اعتباریت پیدا ہوتی ہے اور اسی کی بنیاد پر نوٹ چل رہے ہیں، اگر آج حکومت اعلان کردے کہ ہزار کے نوٹ بند، تو کوئی ان کو دھیلے میں نہیں لے گا[1]، پس یہ نوٹ ہی ثمن عرفی ہیں اور ان کے احکام ذو وجہین ہیں، یہ من وجہ ثمن ہیں اور من

(۱) ہندوستانی گورنمنٹ نے ۸/نومبر ۲۰۱۶ء میں پانچ سو اور ایک ہزار کے نوٹ بند کردیئے تھے، پس وہ تمام نوٹ ردی ہوگئے، ایک دھیلے کی بھی قیمت ان کی باقی نہیں رہی۔

وجہ سامان۔ اس لئے دونوں مشابہتوں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

مسئلہ: کرنسی نوٹ میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ باب زکوۃ میں ان کی ثمنیت کا اعتبار ہے، اگر سامان ہونے کا اعتبار کریں گے تو زکوۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور نوٹ تجارت کے لئے نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اسی طرح ایک ملک کی کرنسی باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں، یہاں بھی ثمنیت کا اعتبار ہے۔

مسئلہ: ایک شخص سو کا نوٹ بھنانے کے لئے دوکاندار کے پاس لے گیا اس نے پچاس روپے دیئے اور کہا: باقی تھوڑی دیر میں لے جانا یہ جائز ہے کیونکہ یہاں سامان ہونے کا اعتبار ہے، اگر ثمنیت کا لحاظ کریں گے تو مذکورہ صورت ناجائز ہوگی، کیونکہ بیع صرف میں مجلس عقد میں دست بدست قبضہ ضروری ہے۔

مسئلہ: اسی طرح دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، یہاں بھی سامان ہونے کا لحاظ ہے اور حوالہ میں ایک عوض نقد ہونا ضروری ہے، دوسرا ادھار ہو سکتا ہے، ورنہ بیع کالی بالکالی لازم آئے گی۔

غرض سونا چاندی تو ثمن خلقی ہیں مگر کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں، حکومت کی اعتباریت پر ثمن ہیں، لہٰذا ان میں ثمنیت کا بھی اعتبار ہوگا اور چونکہ خِلْقَةً ثمن نہیں ہیں اس لئے سامان ہونے کا بھی اعتبار ہوگا، دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے (تحفۃ الالمعی ۴: ۱۵۵)

[۷۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ؛ أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ أَقُولُ: مَنْ يَصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ (وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ) أَرِنَا ذَهَبَكَ. ثُمَّ ائْتِنَا، إِذَا جَاءَ خَادِمُنَا، نُعْطِكَ وَرِقَكَ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: كَلَّا، وَاللّٰهِ! لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْلَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ"

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ.

ترجمہ: مالک بن اوس بن الحدثانؒ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ گھر سے سونا لے کر چلا تا کہ میں اس کو بھناؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ صحابہ بیٹھے تھے میں سونا لے کر ان کے پاس گیا اور کہا: کون اس کو دراہم سے بدلے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس طلحہ بن عبید اللہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) بیٹھے تھے، انھوں نے کہا: اپنا سونا مجھے دکھاؤ انھوں نے سونا جانچ پرکھ کر فرمایا: ابھی ہمارا خادم موجود نہیں، جب وہ آجائے تو آپ اپنی چاندی لے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے

فرمایا: بخدا نہیں! یا تو آپ اس کو ابھی چاندی دیں یا اس کا سونا واپس کریں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاندی کا سونے سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست (هَاءَ وَهَاءَ: اسم فعل ہیں ان کے معنی ہیں: لے اور لا، اور مراد ہے دست بدست) اور گندم کا گندم سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، اور جو کا جو سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، اور کھجور کا کھجور سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، یعنی ربوی اشیاء کا خلاف جنس سے تبادلہ ہو یا ہم جنس سے تبادلہ ہو ہر صورت میں عوضین کا نقد ہونا ضروری ہے اور ادھار حرام ہے۔

سند: یہ حدیث سفیان بن عیینہؒ نے بھی ابن شہاب زہریؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے لیث نے روایت کی ہے۔

لغت: اصْطَرَفَ المالَ بمثله: تبدیل کرنا، سکہ بدلنا، ریز گاری لینا یا دینا۔

تشریح: بیع صرف میں دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے اگر ایک عوض مجلس میں موجود ہو اور دوسرا عوض موجود نہ ہو تو یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، تقابض سے متعین ہوتے ہیں، پس اگر اثمان کا آپس میں تبادلہ ہو اور احد العوضین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے اور دوسرا عوض مجلس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ثانی عوض متعین نہ ہوگا، پس یہ بیع العین بالدین ہوئی، اور بیع العین بالدین ادھار بیع ہے اور اثمان کے تبادلہ میں نسیئہ حرام ہے، اس لئے سونے چاندی کے تبادلہ میں بیع الغائب بالناجز جائز نہیں (تحفۃ الالمعی ۴: ۱۵۷)

[۸۰-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: كُنْتُ بِالشَّامِ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ، فَجَاءَ أَبُوالْأَشْعَثِ. قَالَ: قَالُوا: أَبُوالْأَشْعَثِ، أَبُوالْأَشْعَثِ فَجَلَسَ فَقُلْتُ لَهُ: حَدِّثْ أَخَانَا حَدِيثَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: نَعَمْ غَزَوْنَا غَزَاةً وَعَلَى النَّاسِ مُعَاوِيَةُ فَغَنِمْنَا غَنَائِمَ كَثِيرَةً. فَكَانَ، فِيمَا غَنِمْنَا، آنِيَةٌ مِنْ فِضَّةٍ. فَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا أَنْ يَبِيعَهَا فِي أَعْطِيَاتِ النَّاسِ فَتَسَارَعَ النَّاسُ فِي ذٰلِكَ. فَبَلَغَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَقَامَ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَىٰ عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، عَيْنًا بِعَيْنٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَىٰ، فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ فَقَامَ خَطِيبًا فَقَالَ: أَلَا مَابَالُ رِجَالٍ يَتَحَدَّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ. قَدْ كُنَّا نَشْهَدُهُ وَنَصْحَبُهُ فَلَمْ نَسْمَعْهَا مِنْهُ، فَقَامَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَأَعَادَ الْقِصَّةَ، ثُمَّ قَالَ: لَنُحَدِّثَنَّ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَرِهَ مُعَاوِيَةُ (أَوْ قَالَ: وَإِنْ رَغِمَ) مَا أُبَالِي أَنْ لَا أَصْحَبَهُ فِي جُنْدِهِ لَيْلَةً سَوْدَاءَ. قَالَ حَمَّادٌ هٰذَا أَوْ نَحْوَهُ.

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيِّ، عَنْ أَيُّوبَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: ابوقلابہؒ کہتے ہیں: میں ملک شام میں ایک مجلس میں تھا، اس مجلس میں مسلم بن یسار بھی تھے، پس ابوالاشعث تشریف لائے، لوگ کہنے لگے: ابوالاشعث آگئے! ابوالاشعث آگئے! چنانچہ وہ (مجلس میں آکر) بیٹھ گئے، پس میں نے (ابوقلابہ نے) ان سے عرض کیا: آپ ہمارے بھائی سے عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث بیان کیجئے، انھوں نے کہا: اچھا! (پھر انھوں نے حدیث بیان کی کہ) ہم نے ایک غزوہ میں شرکت کی، اور امیر لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، ہمیں بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا، اور اس مال میں جو ہمیں بطور غنیمت ملا تھا، کچھ چاندی کے برتن تھے، پس حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ ان کو بیچے، لوگوں کو تنخواہ ملنے تک، پس لوگوں نے اس کے خریدنے میں جلدی کی، یہ بات حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ (تقریر کرنے کی غرض سے) کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو سونے کو سونے کے بدل، چاندی کو چاندی کے بدل، گندم کو گندم کے بدل، جو کو جو کے بدل، چھوہارے کو چھوہارے کے بدل اور نمک کو نمک کے بدل بیچنے سے منع فرماتے ہوئے سنا، مگر برابر سرابر، دست بدست، پس جس نے زیادہ کیا یا زیادہ لیا اس نے سود کا معاملہ کیا، پس لوگوں نے جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا۔

یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا: سنو! کیا حال ہے ان لوگوں کا جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو ہم نے آپؐ سے نہیں سنیں، حالانکہ ہم آپ کی مجلس میں حاضر رہا کرتے تھے اور ہم آپؐ کے صحبت یافتہ تھے۔

(جب حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر پہنچی تو) حضرت عبادہ (بغرض تقریر) کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ واقعہ (حدیث کے ساتھ) دوبارہ بیان کیا، پھر فرمایا: ہم ضرور بالضرور بیان کریں گے اس حدیث کو جو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، اگرچہ معاویہؓ کو ناگوار ہو ـــ یا فرمایا ـــ اگرچہ معاویہؓ کی ناک خاک آلود ہو، مجھے پرواہ نہیں اس بات کی کہ میں کسی تاریک رات میں معاویہؓ کے لشکر میں ان کے ساتھ نہ رہوں ـــ امام مسلم رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ حمادؒ نے اس طرح یا اس کے مثل بیان کیا۔

سند: یہ حدیث حماد کی طرح عبدالوہاب ثقفی نے بھی ایوبؒ سے اسی سند سے بیان کی ہے اور ہم معنی بیان کی ہے۔

تشریح:

قولہ: حدّث اخانا: عام طور پر شراح نے اخانا کا مصداق مسلم بن یسار کو قرار دیا ہے۔

قولہ: فی اعطیات الناس: اعطیات: جمع الجمع ہے، مفرد: العَطَاءُ وَالْعَطَا ہے۔ اور جمع أَعْطِيَةٌ ہے، جو چیز دی

جائے ـــــ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے سونے چاندی کے برتن دراہم ودنانیر کے بدلہ میں ادھار خریدے تھے، اس لئے حضرت عبادہؓ نے نکیر فرمائی، سنن بیہقی میں اس کی صراحت ہے، اس میں خالد حذاء کے طریق سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے: عن عبادة بن الصامت أنه شَهِدَ الناسَ يَتَبَايَعُوْن آنِيَةَ الذهبِ والفضَّةِ إلى الأَعْطِيَةِ: یعنی حضرت عبادہؓ لوگوں کے پاس تشریف لائے، اس وقت لوگ سونے چاندی کے برتن خرید رہے تھے اور ثمن کی ادائیگی کی مدت عطیہ (انعام) ملنے تک مقرر کر رہے تھے۔

دورِ اول میں فوجیوں کی باقاعدہ تنخواہ مقرر نہیں تھی، مگر سال چھ مہینہ میں تنخواہ (وظیفہ) کے نام پر ان کو کچھ دیا جاتا تھا، اُسی کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کی تھی کہ جب بیت المال سے تنخواہ کے نام پر کچھ ملے گا تو ثمن ادا کریں گے، یہ جائز نہیں، اس لئے کہ سونے چاندی کے برتنوں کی دراہم ودنانیر کے بدلہ میں ادھار خرید وفروخت جائز نہیں، کیونکہ سونا چاندی اموال ربویہ میں سے ہیں، اس لئے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ حدیث بیان کی، اور بیع کو ناجائز قرار دیا، پس لوگوں نے برتن واپس کر دیئے۔

قوله: ينهى عن بيع الذهب إلخ: تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے: معلل بالعلت ہے، پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چیزوں کی علت الگ ہے، مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے چاندی میں علت: ثمنیت ہے اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت: وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے ـــــ اور باقی چار چیزوں میں علت احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا ہے اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے، اور مالکیہ کے نزدیک صرف ربا النسیہ کے لئے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے، اور ربا الفضل اور ربا النسیہ دونوں کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: طعام کا مُقْتَات ہونا، دوم: طعام کا ادخار کے قابل ہونا، تفصیل کتاب البیوع باب ۹ (باب تحريم بيع صُبرة التمر المجهولة إلخ) میں ملاحظہ فرمائیں۔

قوله: عَيْنًا بِعَيْنٍ: یہ جملہ حنفیہ کا مستدل ہے، احناف کے نزدیک صرف سونے اور چاندی میں تقابض ضروری ہے؛ یعنی باہم تبادلہ میں ان کو مجلس کے اندر قبضہ میں لینا ضروری ہے، اشارہ سے ان کی تعیین کافی نہیں، برخلاف دیگر اموال ربویہ کے: ان کی تعیین قبضہ میں لینے سے بھی ہوتی ہے اور اشارہ سے بھی، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام اموال ربویہ میں تقابض ضروری ہے، ان کی اشارہ سے تعیین کافی نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، وہ تقابُض (قبضہ میں لینے) ہی سے

متعین ہوتے ہیں، برخلاف دیگر اموالِ ربویہ کے، وہ اشارہ سے بھی متعین ہو جاتے ہیں، لہٰذا اگر دو شخص ـــ مثال کے طور پر ـــ گندم کا گندم سے باہم تبادلہ کریں اور دونوں یا کوئی ایک اپنے گندم کی اشارہ سے تعیین کرے، پھر قبضہ میں لینے سے پہلے دونوں جدا ہو جائیں تو بھی عقد صحیح ہوگا مگر بیع صرف میں عقد باطل ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال یَدًا بیدٍ اور ھاء وھاء وغیرہ کلمات سے ہے، ان کا مفہوم دونوں عوض قبضہ میں لینا ہے، اور احناف کہتے ہیں کہ عَیْنًا بِعَیْنٍ کا مفہوم یہ ہے کہ اموالِ ربویہ میں اصل بدلین کا مجلس عقد میں موجود ہونا اور ان کا متشخص ہونا ہے، قبضہ میں لینا اصل نہیں، پس اس کے قرینہ سے یَدًا بِیَدٍ وغیرہ کا بھی یہی مطلب ہوگا۔

ملحوظہ: امام اعظم رحمہ اللہ نے اشیاءِ ستہ والی حدیث میں سونے چاندی میں یَدًا بِیَدٍ سے تقابض اور دیگر چیزوں میں تشخیص وتعیین مراد لی ہے، اور یہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنا نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اثمان قبضہ میں لئے بغیر متشخص ہوتے ہی نہیں، اور دیگر چیزیں اشارہ سے بھی متشخص ہو جاتی ہیں، اس لئے اثمان میں قبضہ کو اور دیگر اموالِ ربویہ میں تشخیص وتعیین کو مراد لیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قوله: فلم نسمعها منه: ممکن ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ حدیث نہ ہو، چنانچہ ابن عساکر کی روایت میں جو حسنؒ سے مرسلاً مروی ہے یہ ہے کہ: مذکورہ واقعہ پیش آنے کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت عبادہؓ کو بلوایا، اور ان سے کہا: لئن کنتَ صحبتَ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وسمعتَ منه لقد صحبناه وسمعنا منه: یعنی اگر آپ صحبت یافتہ ہیں اور آپ نے حضور اکرم ﷺ سے حدیثیں سنی ہیں تو ہم بھی تو صحبت یافتہ ہیں اور ہم نے بھی تو آپؐ سے حدیثیں سنی ہیں، ان الفاظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی (تفصیل البدایہ والنہایہ میں ہے)

ملحوظہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، چنانچہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کی تھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ سونے چاندی کی اشیاء بھی دراہم ودنانیر کے بدلے میں برابر سرابر بیچیں، یہ واقعہ بالتفصیل موطا مالک (باب بیع الذھب بالورق عینا وتبراً) میں ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والا واقعہ مقدم اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ والا واقعہ مؤخر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قوله: وإن كره معاوية: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر یہ بیعت کی تھی کہ وہ حق بات برملا کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی بالکل پرواہ نہیں کریں گے، چنانچہ وہ زندگی بھر اپنی بیعت پر قائم رہے، اور ہر منکر پر بلا خوف نکیر کرتے رہے، اور اس بابت کسی کی پرواہ نہ کی (یہ بات حضرت قتادہؒ نے بیان کی ہے جو نسائی شریف میں ہے)

[۸۱-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) (قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ"

قوله: فإذا اختلفت هذه الأصناف: یعنی اگر ربوی اشیاء کا ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہوتو برابری بھی ضروری ہے اور نقد معاملہ کرنا بھی ضروری ہے، اور غیر جنس کے ساتھ تبادلہ ہوتو پھر برابری ضروری نہیں، کمی بیشی بھی جائز ہے، البتہ نقد معاملہ کرنا ضروری ہے۔

[۸۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى الآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ"

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الرَّبَعِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ" فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ.

قوله: فَمَنْ زَادَ إلخ: پس جو شخص ان اشیاء میں زیادتی کرے یا زیادتی طلب کرے تو اس نے سودی معاملہ کیا، اس بابت لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

لغات: زَادَ يَزِيد زِيادة: بڑھنا، زیادہ ہونا ــــ الشيئَ: بڑھانا، زیادہ کرنا ــــ فلانٌ: زیادہ دینا ــــ استزاده: زیادہ طلب کرنا ــــ أَرْبٰى إِرْبَاءً: سود لینا، الشيئَ: بڑھانا۔

سند: یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ابو المتوکل نے روایت کی ہے، اور ان سے سلیمان ربعی اور اسماعیل بن مسلم روایت کرتے ہیں۔

[۸۳-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "التَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْحِنْطَةُ

بِالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى إِلَّا مَا اخْتَلَفَتْ أَلْوَانُهُ"

وحَدَّثَنِيهِ أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ يَدًا بِيَدٍ.

[۸۴-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا"

[۸۵-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ) عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي تَمِيمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ لَافَضْلَ بَيْنَهُمَا وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا"

حَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يَقُولُ: حَدَّثَنِي مُوسَى ابْنُ أَبِي تَمِيمٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

اسناد: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں، جن کو فضیل بن غزوان روایت کرتے ہیں، بعض (اول ودوم) اپنے ابا اور ابوزرعہ کے واسطوں سے اور بعض (سوم) اپنے ابا اور ابن ابی نُعم کے واسطوں سے روایت کی ہیں۔

اور آخری دو حدیثیں موسیٰ بن ابی تمیم نے بواسطہ سعید بن یسار حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہیں۔

۱۶- بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ دَيْنًا

چاندی کو سونے کے بدل ادھار بیچنا ممنوع ہے

اوپر بتایا جاچکا ہے کہ سونے کو سونے کے عوض، یا چاندی کو چاندی کے عوض، یا سونے کو چاندی کے یا چاندی کو سونے کے عوض بدلنے اور بیچنے کا نام بیع صرف ہے، اور بیع صرف میں معاملہ کا نقد ہونا بھی ضروری ہے اور مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ کرنا بھی ضروری ہے، اگر کوئی ایک عوض ادھار ہوتو یہ بیع الغائب بناجز ہے جو جائز نہیں۔

ملحوظہ: اگر سونے یا چاندی کو ہم جنس کے ساتھ بدلا جائے تو نقد معاملہ کرنے کے ساتھ برابری بھی ضروری ہے، اور غیر جنس کے ساتھ بدلا جائے تو نقد معاملہ کرنا تو ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں، کمی بیشی کے ساتھ بھی بیع جائز ہے۔

[۸۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ: بَاعَ شَرِيكٌ لِي وَرِقًا بِنَسِيئَةٍ إِلَى الْمَوْسِمِ، أَوْ إِلَى الْحَجِّ، فَجَاءَ إِلَيَّ فَأَخْبَرَنِي، فَقُلْتُ: هَذَا أَمْرٌ

لَايَصْلُحُ، قَالَ: قَدْ بِعْتُهُ فِي السُّوقِ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ، فَأَتَيْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ فَسَأَلْتُهُ. فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَنَحْنُ نَبِيعُ هٰذَا الْبَيْعَ، فَقَالَ: "مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ، فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَهُوَ رِبًا" وَائْتِ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ تِجَارَةً مِنِّي، فَأَتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: ابوالمنہالؒ کہتے ہیں: میرے ایک (کاروباری) شریک نے کچھ چاندی موسم حج تک ادھار فروخت کی ـــــ الموسم اور الحج میں راوی کو شک ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہے ـــــ پس وہ میرے پاس آیا اور مجھے اس کی خبر دی، تو میں نے کہا کہ یہ معاملہ تو جائز نہیں، اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کو بازار میں بیچا ہے اور کسی نے اعتراض نہیں کیا (ابوالمنہال کہتے ہیں) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور میں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں فروکش ہوئے اس وقت ہم یہ بیع کیا کرتے تھے، یعنی دراہم، دراہم کے بدل ادھار بیچتے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: "جو بیع دست بدست ہو اس میں کچھ حرج نہیں، اور جو ادھار ہو وہ سود ہے" اور تم جا کر یہ مسئلہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھو، وہ مجھ سے بڑے تاجر تھے، پس میں ان کے پاس گیا اور ان سے یہ مسئلہ پوچھا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا ـــــ کہ دست بدست جائز ہے اور ادھار جائز نہیں۔

[۸۷-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الْمِنْهَالِ يَقُولُ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ، عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ: سَلْ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَهُوَ أَعْلَمُ، فَسَأَلْتُ زَيْدًا فَقَالَ: سَلِ الْبَرَاءَ فَإِنَّهُ أَعْلَمُ ثُمَّ قَالَا: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ دَيْنًا.

وضاحت: ابوالمنہال سے یہ حدیث حبیب نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث ان سے عمرو بن دینار نے روایت کی تھی۔

[۸۸-] حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَشْتَرِيَ الْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا، وَنَشْتَرِيَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَدًا بِيَدٍ فَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْتُ.

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ يَحْيَى (وَهُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ) عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا بَكْرَةَ قَالَ: نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے چاندی کو چاندی کے عوض اور سونے کو سونے کے عوض بیچنے سے منع فرمایا، مگر برابر سرابر، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم چاندی کو سونے کے عوض جس طرح چاہیں بیچیں، اور سونے کو چاندی کے عوض جس طرح چاہیں بیچیں، راوی کہتے ہیں: ایک شخص نے ابوبکرہؓ سے پوچھا: یَدًا بِیَدٍ؟ یعنی دست بدست ضروری ہے؟ ابوبکرہؓ نے کہا: میں نے اسی طرح سنا ہے۔

سند: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور ان سے یحییٰ بن اسحاق روایت کرتے ہیں، اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر اور عباد بن العوام نے روایت کی ہے، پہلی حدیث عباد کی ہے اور دوسری ابن کثیر کی۔

تشریح: اگر سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے تو برابری ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی ضروری ہے، اور اگر خلاف جنس سے تبادلہ کیا جائے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی جائز ہے مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

۱۷- بَابُ بَيْعِ الْقِلَادَةِ فِيهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ

نگینے اور سونے والے ہار کی بیع کا حکم

اگر سونے کا ہار جس میں نگینے ہوں سونے کے بدل بیچا جائے تو سونا جدا کر کے اس کی تعیین کرنا اور ثمن میں زیادہ سونا ہونا ضروری ہے، تاکہ سونا سونا برابر ہو جائے اور زائد سونا نگینوں کے مقابل ہو جائے، اور اگر سونے کا ہار: چاندی یا کرنسی کے عوض بیچے تو سونا الگ کرنا ضروری نہیں، یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

البتہ اگر ہار میں سونا کتنا ہے یہ بات بالیقین معلوم ہو تو اس صورت میں سونا الگ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی سونا جدا کرنا ضروری ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری نہیں، کیونکہ جب سونے کی مقدار بالیقین معلوم ہے تو اب جدا کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، جدا کرنے کا حکم اسی تعیین کے لئے تھا۔

[۸۹-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ؛ أَنَّهُ سَمِعَ عُلَيَّ بْنَ رَبَاحٍ اللَّخْمِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ: أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ بِخَيْبَرَ، بِقِلَادَةٍ فِيهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ وَهِيَ مِنَ الْمَغَانِمِ تُبَاعُ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّهَبِ الَّذِي فِي الْقِلَادَةِ فَنُزِعَ وَحْدَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ"

[۹۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ أَبِي شُجَاعٍ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ اشْتَرَيْتُ، يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا، فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنَ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ"

حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ مُبَارَكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی خدمت میں ـــــ درآنحالیکہ آپ خیبر میں تھے ـــــ ایک ہار لایا گیا، جس میں نگینے اور سونا جڑا ہوا تھا، اور وہ مالِ غنیمت میں سے بیچا گیا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس سونے کو (علاحدہ کرنے کا حکم دیا) جو ہار میں تھا، پس اس کو علاحدہ کیا گیا، پھر ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سونے کو سونے کے عوض وزن کے اعتبار سے برابر کر کے بیچو"

دوسری حدیث: حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں: میں نے جنگ خیبر کے موقع پر بارہ دینار میں ایک ہار خریدا جس میں سونا اور نگینے تھے، جب میں نے ان کو جدا کیا تو اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا تھا، میں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: جب تک سونا جدا نہ کیا جائے ہار نہ بیچا جائے۔

سند: یہ حدیث سعید بن یزید سے عبداللہ بن المبارکؒ نے بھی روایت کی ہے اور اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے ابوشجاع نے روایت کی ہے۔

لغات: القِلَادَةُ: ہار، مالا، جمع: قَلَائِد ـــــ قَلَّدَه الْقِلَادَةَ: ہار پہنانا ـــــ العَمَلَ: کام سپرد کرنا ـــــ الدَّيْنَ: قرض سونپنا ـــــ الخَرَزَةُ: ڈورے میں پرویا ہوا گھونگا، مُہرہ، شیشہ وغیرہ کا ہیرا، جمع: خَرَزٌ وَخَرَزَات۔

تشریح: مذاہبِ فقہاء:

اگر سونا یا چاندی کسی چیز میں جڑے ہوئے ہوں اور ان کو ہم جنس کے ساتھ بیچا جائے تو کیا بیچنے سے قبل جڑے ہوئے سونے اور چاندی کو الگ کرنا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جڑا ہوا سونا یا چاندی الگ کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر بیع جائز نہ ہوگی ـــــ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر جڑا ہوا سونا دوسری چیز کے تابع ہو تو اس کو علاحدہ کرنا ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی بیع جائز ہوگی، اور اگر دوسری چیز کے تابع نہ ہو تو پھر علاحدہ کرنا ضروری ہے۔

اور احناف کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر مقابل سونا جڑے ہوئے سونے سے بالیقین زائد ہے تو علاحدہ کرنا ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی بیع جائز ہوگی، اس صورت میں بعض مقابل سونا، جڑے ہوئے سونے کا عوض اور زائد سونا شئ

مخلوط کا عوض ہوگا، اور اگر مقابل سونا برابر یا کم ہو یا جڑے ہوئے سونے کی مقدار بالیقین معلوم نہ ہو تو علاحدہ کئے بغیر بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس میں ربا یا احتمال ربا ہے (۱)۔

اور اگر سونا جڑا ہوا ہار: چاندی یا کرنسی کے عوض بیچا جائے یا چاندی جڑا ہوا ہار: سونے یا کرنسی کے عوض بیچا جائے تو پھر بالاجماع سونا یا چاندی الگ کرنا ضروری نہیں۔

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ حضرت فضالہؓ نے سونا الگ کئے بغیر ہار خریدا تھا، آنحضور ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی اور سونا الگ کر کے خرید وفروخت کا حکم دیا۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے بغیر کسی تفصیل کے سونے کو الگ کر کے بیچنے کا حکم دیا ہے، پس تمام صورتوں میں یہی حکم ہوگا، خواہ مقابل سونا کم ہو، زیادہ ہو یا برابر ہو (شرح نووی) ـــــ مگر حضرت فضالہؓ کی حدیث احناف کے معارض نہیں، اس لئے کہ جو صورت اس حدیث میں مذکور ہے اس کو احناف بھی ناجائز کہتے ہیں، مقابل سونا کم اور جڑا ہوا سونا زائد ہو تو احناف کے نزدیک بھی بلا فصل بیع جائز نہیں۔

البتہ مقابل سونا بالیقین زائد ہو تو پھر الگ کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ الگ کرنے کا حکم ربا یا احتمالِ ربا سے بچنے کے لئے ہے، جو یہاں مفقود ہے، کیونکہ اس صورت میں بعض مقابل سونا، سونے کا عوض اور زائد سونا شیٔ مخلوط کا عوض ہوگا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتوی بھی یہی ہے، ایک شخص نے ان سے عرض کیا: ہمارے یہاں لوگ سود کھاتے ہیں، وہ سونا چاندی ملا ہوا پیالہ چاندی کے عوض بیچتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا بأس به: اس میں کچھ حرج نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے: لا بأس ببیعِ السَّیفِ الْمُحلّٰی بالدراھم نیز طارق بن شہابؒ کا بھی یہی فتوی ہے: کنا نَبِیعُ السَّیفَ الْمُحَلّٰی بالفضۃ وَنَشتَرِیه ہم چاندی ملی ہوئی تلوار چاندی کے بدل بیچتے بھی اور خریدتے بھی تھے۔

غرض: سونا اور چاندی جو الگ کرنے کا حکم ہے وہ ربا یا احتمالِ ربا سے بچنے کے لئے ہے، پس جن صورتوں میں احتمال ہوگا وہاں الگ کئے بغیر بیع جائز نہ ہوگی، اور جس صورت میں یہ احتمال نہ ہو وہاں بلا فصل بھی بیع جائز ہوگی۔

[۹۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنِ الْجُلَاحِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي حَنَشٌ الصَّنْعَانِيُّ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ، نُبَايِعُ الْيَهُودَ، الْوُقِيَّةَ الذَّهَبَ بِالدِّينَارَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ"

(۱) جاننا چاہئے کہ شوافع کے یہاں اصول یہ ہے کہ: جب مجموعہ کا تقابل مجموعہ سے ہوگا تو اس کا انقسام علی طریق الشیوع ہوگا، اور حنفیہ کے یہاں اصول یہ ہے کہ: اس کا انقسام علی طریق التعیین ہوگا۔

ترجمہ: حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم جنگ خیبر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، ہم یہود کو ایک اوقیہ سونا دو، تین دینار کے عوض بیچ رہے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو، مگر وزن کے اعتبار سے برابر کر کے۔

تشریح: ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دینار دس درہم میں بدلا جاتا تھا، چنانچہ آئندہ تیسرے باب میں یہ حدیث آرہی ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اوقیہ چاندی کے عوض اونٹ خریدا تھا، اور ایک روایت میں چار دینار کا ذکر ہے (یہ باب کی آخری حدیث ہے) ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم میں بدلا جاتا تھا، پس جس روایت میں چار دینار مروی ہے اس سے بھی ایک اوقیہ مراد ہے، یہاں بھی ایک اوقیہ سونے سے چار دینار مراد ہونگے جس کو دو یا تین دینار کے عوض بدلا گیا، یہ جائز نہیں، کیونکہ سونا ربوی شئ ہے، اس میں کمی بیشی جائز نہیں، اس لئے آنحضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ تول کر اور برابر وزن کر کے بیچو۔ واللہ اعلم

[۹۲-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَعَافِرِيِّ، وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ وَغَيْرِهِمَا؛ أَنَّ عَامِرَ بْنَ يَحْيَى الْمَعَافِرِيَّ، أَخْبَرَهُمْ عَنْ حَنَشٍ؛ أَنَّهُ قَالَ كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ فِي غَزْوَةٍ. فَطَارَتْ لِي وَلِأَصْحَابِي قِلَادَةٌ فِيهَا ذَهَبٌ وَوَرِقٌ وَجَوْهَرٌ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهَا فَسَأَلْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ فَقَالَ: انْزِعْ ذَهَبَهَا فَاجْعَلْهُ فِي كِفَّةٍ، وَاجْعَلْ ذَهَبَكَ فِي كِفَّةٍ، ثُمَّ لَا تَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ"

ترجمہ: حضرت حَنَش رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پس میرے اور میرے ساتھیوں کے حصہ میں ایک ہار آیا، جس میں سونا، چاندی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، میں نے اس کو خریدنے کا ارادہ کیا، چنانچہ میں نے حضرت فضالہؓ سے مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: اس کا سونا الگ کر لو، پس ایک پلڑے میں اس کو رکھو اور دوسرے پلڑے میں اپنا سونا رکھو، پس تم ہرگز نہ لینا مگر برابر سرابر، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ ہرگز نہ لے مگر برابر سرابر''

لغت: الكِفَّةُ: ترازو کا پلڑا، ہر گول چیز، جمع: كِفَفٌ و كِفَافٌ۔

تشریح: حنشؒ نے جس ہار کو خریدنے کا ارادہ کیا تھا جس میں سونا جڑا ہوا تھا اس سونے کی مقدار یقینی طور پر معلوم نہیں تھی، اس لئے حضرت فضالہؓ نے سونا الگ کر کے اس کو برابر سونے کے بدل خریدنے کا حکم دیا۔

فائدہ: مذکورہ ہار میں سونا اور چاندی دونوں تھے، اور اس کو سونے کے بدل خریدنے کا ارادہ کیا تھا، پس چاندی کو الگ

کرنا ضروری نہیں، کیونکہ غیر جنس عوض میں کمی بیشی جائز ہے، مگر سونا ہم جنس تھا اس لئے صرف اس کو الگ کرنے کا حکم دیا، اگر مقابل سونا زائد ہو تو سونے کو بھی الگ کرنا ضروری نہیں، اس صورت میں سونا: سونے کے بدل اور زائد سونا چاندی وغیرہ کے بدل ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۸- بَابُ بَيْعِ الطَّعَامِ مِثْلاً بِمِثْلٍ

غلہ کو برابر سرابر بیچنے کا بیان

یہ ربا الفضل کا بیان ہے، پہلے بتلایا تھا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل، اور ایک تیسری قسم ربا النسیہ ہے جو ربا الفضل کا بچہ ہے۔ قرآنِ کریم میں صرف ربا القرض کا ذکر ہے اور ربا الفضل اور ربا النسیہ کا ذکر حدیثوں میں ہے۔

قرض پر زیادتی کا نام ربا القرض ہے، اور اشیائے ستہ کی حدیث میں اصالۃً ربا الفضل کا اور ضمناً ربا النسیہ کا ذکر ہے، ربوی اشیاء کا تبادلہ اگر ہم جنس سے کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، کمی بیشی جائز نہیں، نہ ادھار جائز ہے، اگر کمی بیشی کرے گا تو ربا الفضل ہوگا اور ادھار معاملہ کرے گا تو ربا النسیہ ہوگا۔

اب چند باتیں جان لیں:

پہلی بات: ربا القرض کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے، کیونکہ زر سے بلا توسطِ عمل زر پیدا کرنے سے دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں، ایک: دولت کا اکتناز ہو جاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ دوسری: بے روزگاری پھیلتی ہے۔

اور ربا الفضل کی حرمت کی وجہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ تحریر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رفاہیت بالغہ یعنی بہت زیادہ بلند معیار زندگی پسند نہیں، کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی زندگی گذارے گا وہ طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا، اور اس کے بقدر آخرت سے غافل ہوگا۔

اور اعلیٰ معیار زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائے جس کی عملی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہ ہو بلکہ معمولی درجہ کی ہو تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر اس کے بدلے میں اعلیٰ درجہ کی چیز تھوڑی مقدار میں لے لی جائے، اور اس طرح زندگی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا جائے۔ اس لئے رفاہیت بالغہ کی یہ صورت امت مرحومہ کے لئے نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ یعنی وحی غیر متلو کے ذریعہ ممنوع قرار دی گئی۔ اور جنس واحد میں

جیدوردی کا تفاوت لغو کر دیا، تا کہ ہر شخص جو کچھ اس کو میسر ہے اس پر قناعت کرے اور رئیسانہ ٹھاٹ سے بچے (۱) تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۴۶:۴) میں ہے۔

دوسری بات: آنحضور ﷺ نے چھ چیزیں: سونا، چاندی، کھجور، گندم، نمک اور جو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان کا تبادلہ ہم جنس سے کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار، اگر کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے گا تو یہ ربا الفضل ہے اور ادھار معاملہ کرے گا تو یہ ربا النسیئہ ہے، مثلاً کھجور کا کھجور سے تبادلہ کیا جائے تو دو چیزیں ضروری ہیں: مساوات اور دونوں عوضوں کا نقد ہونا، اگر برابر سرابر نہیں ہے، کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا ہے تو یہ ربا الفضل ہے اور یہ بیع ناجائز ہے اور اگر کوئی ایک عوض ادھار ہے تو یہ ربا النسیئہ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے اور اگر دونوں عوض ادھار ہیں تو بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ بھی ناجائز ہے۔

اور اگر غیر جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یعنی ایک طرف کھجور ہو اور دوسری طرف گندم تو کمی بیشی جائز ہے، یہ کمی بیشی ربا الفضل نہیں، البتہ ادھار اب بھی جائز نہیں، اگر کوئی عوض ادھار ہوگا تو یہ ربا النسیئہ ہے اور بیع ناجائز ہوگی، غرض ہم جنس کے ساتھ تبادلہ میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور غیر جنس کے ساتھ تبادلہ میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے، ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔

تیسری بات: ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے یا ان چیزوں میں سے علت نکالی جائے گی؟ اصحابِ ظواہر یعنی غیر مقلدین کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے، ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں، ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلل ہے، ربا کا حکم اُن تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے، پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ، مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت: ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کے لئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں: سونا اور چاندی، پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی، اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت: وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے، پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل، گوشت، آلو اور ٹماٹر وغیرہ ہزاروں چیزیں موزونی ہیں، پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

---

(۱) اگر کسی واقعی ضرورت سے ہم جنس سے تبادلہ کرنا پڑے مثلاً ایک کسان کے پاس معمولی گیہوں ہیں اور اس کو بیج کے لئے عمدہ گیہوں درکار ہیں اور فریقین جیدوردی کا تفاوت ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو بیعیں کی جائیں، اپنے معمولی گیہوں کسی کو نقد بیچ دیئے جائیں پھر اس رقم سے عمدہ گیہوں خرید لئے جائیں، عمدہ گیہوں والے کے ہاتھ ہی ان معمولی گیہوں کو بیچنا ضروری نہیں، پس یہ حیلہ نہیں ۱۲

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے، پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے، خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم، جیسے چاول، چنا، مکئی وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) وہ ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن و کیل ہیں اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ 'قدر' ہے پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیہ دونوں کا تحقق ہوگا، ان میں نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار، بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیہ کا تحقق ہوگا، ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز۔ جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت: طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طُعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں: اول: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں، اور چاول چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے، اور کشمش اور انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک:

(۱) صرف ربا النسیہ کے لئے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دواء کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو، جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے ــــــ اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے، البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور ربا الفضل اور ربا النسیہ دونوں کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: طعام کا مُقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں۔ دوم: طعام کا ادخار کے قابل ہونا، یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو، جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہونگے، پس نہ کم وبیش فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

ملحوظہ: شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت: ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لئے ہوتی ہے، اس

لئے اس سے بہتر وزن کو علت بنانا ہے، کیونکہ لوہے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے، علاوہ ازیں حدیث میں وزن وکیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ بھی ہے۔ (دیکھئے دوسری حدیث)

[۹۳-] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، ح: وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ؛ أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ؛ أَنَّ بُسْرَ بْنَ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ؛ أَنَّهُ أَرْسَلَ غُلَامَهُ بِصَاعِ قَمْحٍ، فَقَالَ: بِعْهُ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ شَعِيرًا، فَذَهَبَ الْغُلَامُ فَأَخَذَ صَاعًا وَزِيَادَةَ بَعْضِ صَاعٍ. فَلَمَّا جَاءَ مَعْمَرًا أَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ. فَقَالَ لَهُ مَعْمَرٌ: لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ؟ انْطَلِقْ فَرُدَّهُ، وَلَا تَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَإِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ" قَالَ: وَكَانَ طَعَامُنَا، يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرَ، قِيلَ لَهُ: فَإِنَّهُ لَيْسَ بِمِثْلِهِ، قَالَ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُضَارِعَ.

ترجمہ: معمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے غلام کو ایک صاع گندم دے کر بھیجا اور اس سے کہا: اس کو بیچ دے پھر اس کے عوض گندم خرید لے، پس وہ غلام چلا گیا اور ایک صاع اور بعض صاع زائد گندم لے کر آیا، جب معمر آئے تو غلام نے ان کو اس کے بارے میں بتلایا، پس غلام سے معمرؓ نے کہا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ جا اور اس کو واپس کر اور تو ہرگز نہ لے مگر برابر سرابر، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "غلہ کو غلہ کے عوض برابر سرابر ہی بیچا جائے" معمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان دنوں ہمارا کھانا جو ہی تھا، حضرت معمرؓ سے کہا گیا: بیشک جو گیہوں کے مثل نہیں (لہٰذا برابری کی ضرورت نہیں) معمرؓ نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ وہ (جو گیہوں کے) مشابہ ہو۔

لغات: ضَارَعَهُ: مشابہ ہونا ـــــ القَمْحُ: گیہوں، واحد: قَمْحَةٌ۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حِنطَةٌ (گندم) سُلْتٌ (بغیر چھلکوں کا جو) اور شعیر (جو) ایک جنس ہیں، کیونکہ ان کی منفعت تقریباً یکساں ہے، پس باہم مبادلہ میں برابری ضروری ہے اور حضرت معمرؓ کا مذکورہ فتوی ان کا مستدل ہے، مگر جمہور کے نزدیک بشمول ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ گندم اور جو الگ الگ جنسیں ہیں پس باہم تبادلہ میں کمی بیشی جائز ہے؛ ان کا استدلال ترمذی شریف کی روایت سے ہے جو خالد حذاء کے طریق سے مروی ہے، اس میں ہے: بِيعُوا الْبُرَّ بِالشَّعِيرِ كَيْفَ شِئْتُمْ: گندم کو گیہوں کے بدلے جس طرح چاہو بیچو (ترمذی باب ۲۳) اور جمہور نے حضرت معمرؓ کے عمل کو تقوی اور احتیاط پر محمول کیا ہے۔

16

[۹۴-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ) عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ ابْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ؛ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَاهُ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَخَا بَنِي عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ فَاسْتَعْمَلَهُ عَلٰى خَيْبَرَ، فَقَدِمَ بِتَمْرٍ

جَنِيبٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟" قَالَ: لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا لَنَشْتَرِى الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ مِنَ الْجَمْعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَاتَفْعَلُوا، وَلٰكِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ، أَوْ بِيعُوا هٰذَا وَاشْتَرُوا بِثَمَنِهِ مِنْ هٰذَا، وَكَذٰلِكَ الْمِيزَانُ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری قبیلہ بنی عدی کے ایک شخص کو خیبر کا گورنر بنا کر بھیجا، وہ وہاں سے عمدہ قسم کی کھجور لے کر آیا، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا خیبر میں سب کھجوریں ایسی عمدہ ہوتی ہیں؟ عامل نے کہا: نہیں! بخدا اے اللہ کے رسول! بیشک ہم معمولی کھجور کے دو صاع دے کر عمدہ کھجور کا ایک صاع لے لیتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا نہ کرو مگر برابر سرابر، یا معمولی کھجور درہم دینار کے عوض بیچو، اور اس کے ثمن سے عمدہ کھجور خریدلو، اور اسی طرح تول کر فروخت کرنے میں بھی وزن برابر رکھو۔

تشریح: خیبر میں صحابہ کی زمینیں تھیں، وہ بٹائی پر یہودیوں کے پاس تھیں، اب ہر صحابی اپنے کھیت اور باغ کو دیکھنے نہیں جاسکتا تھا، وہ جہاد میں مشغول تھے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی طرف سے عامل (کارندہ) بھیج دیا کرتے تھے، وہ سب کے حصے وصول کر کے ان کے گھر پہنچا دیا کرتا تھا، اسی طرح خیبر میں گورنمنٹ کی بھی زمینیں تھیں وہ زمینیں خمس میں ملی تھیں اس کی آمدنی حکومت کے پاس آتی تھی اس کو وصول کرنے کے لیے بھی عامل بھیجا جاتا تھا، چنانچہ ایک عامل خیبر سے کھجوریں لے کر آیا وہ سب جنیب (شاندار کھجوریں) تھیں، آپؐ نے پوچھا: کیا خیبر میں سب کھجوریں ایسی عمدہ ہوتی ہیں؟ عامل نے کہا: نہیں، ہر طرح کی کھجوریں ہوتی ہیں، مگر ہم معمولی کھجوروں کے دو صاع دے کر عمدہ کھجوروں کا ایک صاع لے لیتے ہیں، یا تین صاع دے کر دو صاع لے لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو سود ہوا! تم معمولی کھجوریں دراہم میں بیچ دو، پھر ان پیسوں سے عمدہ کھجوریں خریدلو: یہ درست ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ سود سے بچنے کا حیلہ نہیں ہے، کیونکہ جس کو معمولی کھجوریں بیچی ہیں اسی سے عمدہ کھجوریں خریدنا ضروری نہیں، لیکن اگر کوئی معمولی کھجوروں کی قیمت وصول کرنے سے پہلے اور جدا ہونے سے پہلے اسی خریدار سے عمدہ کھجوریں خریدلے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں اور دوسرے فقہاء جائز کہتے ہیں۔

قوله: وكذلك الميزان: یہ جملہ حنفیہ کا مستدل ہے، پہلے بتلایا ہے کہ اشیاء ستہ والی حدیث بالاتفاق معلّل بالعلت ہے اور احناف وحنابلہ نے وزن وکیل کو علت قرار دیا ہے، مذکورہ جملہ سے احناف کے موقف کی تائید ہوتی ہے، اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تخریج کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: كذالك ما يُكال ويُوزن ايضا: یعنی وہ تمام چیزیں جو ناپ کر یا تول کر بیچی جائیں ان میں بھی اسی طرح برابری کرنا ضروری ہے، یہ زیادہ صریح الفاظ ہیں کہ اشیاء ستہ میں علت وزن وکیل ہیں۔ واللہ اعلم

[۹۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلىٰ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلىٰ خَيْبَرَ، فَجَائَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟" فَقَالَ: لَا، وَاللهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَلَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا"

لغات: اسْتَعْمَلَه: عامل بنانا، عمل کرنے کو کہنا ــــ الجَنِيب: ایک قسم کی عمدہ کھجور ــــ الجَمْعُ: مختلف قسم کی ملی جلی کھجوریں، یعنی ردی کھجور۔

[۹۶-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْوُحَاظِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، ح: وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ (وَاللَّفْظُ لَهُمَا) جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ (وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ) أَخْبَرَنِي يَحْيَىٰ (وَهُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ) قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يَقُولُ: جَاءَ بِلَالٌ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟" فَقَالَ بِلَالٌ: تَمْرٌ، كَانَ عِنْدَنَا، رَدِيءٌ، فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، لِمَطْعَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ عِنْدَ ذٰلِكَ "أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا، لَاتَفْعَلْ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ التَّمْرَ فَبِعْهُ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ" لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ سَهْلٍ فِي حَدِيثِهِ عِنْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس برنی کھجوریں لائے، آپؐ نے ان سے پوچھا: کہاں سے لائے؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: میرے پاس معمولی کھجوریں تھیں، میں نے اس کے دو صاع برنی کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیئے تاکہ میں یہ اچھی کھجوریں آپؐ کی خدمت میں پیش کروں، نبی ﷺ نے فرمایا: اُف! بالکل سود! ایسا مت کرو، البتہ اگر تم اچھی کھجوریں خریدنا چاہو تو معمولی کھجوروں کی الگ بیع کرو، پھر رقم سے اچھی کھجوریں خریدو ــــ امام مسلمؒ کے دوسرے استاذ محمد بن سہل کی روایت میں عند ذلک نہیں ہے۔

تشریح: أَوَّہْ: کا ترجمہ ہے اُف، اردو میں ناگواری کے اظہار کے لئے یہی لفظ استعمال کرتے ہیں، اور عین الربا کے معنی ہیں: یہی تو سود ہے۔

[۹۷-] وحَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي قَزَعَةَ الْبَاهِلِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ، فَقَالَ: "مَا هٰذَا التَّمْرُ مِنْ

تَمْرِنَا" فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! بِعْنَا تَمْرَنَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ مِنْ هٰذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم "هٰذَا الرِّبَا فَرُدُّوهُ، ثُمَّ بِيعُوا تَمْرَنَا وَاشْتَرُوا لَنَا مِنْ هٰذَا"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوریں لائی گئیں، پس آپؐ نے فرمایا: یہ ہماری کھجوروں میں سے تو نہیں ہیں؟ (یعنی مدینہ میں تو ایسی عمدہ کھجوریں نہیں ہوتیں) پس ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے ہماری دو صاع کھجوروں کو اس کے ایک صاع کے عوض میں بیچا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو سود ہے، ان کو واپس کردو، پھر ہماری کھجوریں فروخت کرو، اور اس قیمت سے ہمارے لئے (ان کو) خریدلو۔

[۹۸-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ، فَكُنَّا نَبِيعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "لَا صَاعَيْ تَمْرٍ بِصَاعٍ وَلَا صَاعَيْ حِنْطَةٍ بِصَاعٍ وَلَا دِرْهَمَ بِدِرْهَمَيْنِ"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ملی جلی کھجوریں کھلائے جاتے تھے، یعنی حکومت کی طرف سے جو وظیفہ کے طور پر کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں وہ ملی جلی ہوتی تھیں۔ الجمع کے معنی ہیں: الخلط من التمر: (مخلوط کھجوریں) اور ہم (رلی ملی کے) دو صاع (عمدہ کے) ایک صاع کے بدلے میں بیچا کرتے تھے، پس یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: "نہ دو صاع کھجور ایک صاع کے بدلے اور نہ دو صاع گندم ایک صاع کے بدلے، اور نہ دو درہم ایک درہم کے بدلے"

تشریح: ہم جنس کی کمی بیشی کے ساتھ بیع ناجائز ہے، جید اور ردی کا فرق ظاہر کرنے کے لئے بھی کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز نہیں۔ ہاں مخلوط کھجور رقم کے عوض بیچ دی جائے پھر اس رقم سے عمدہ کھجور خرید لی جائے تو یہ جائز ہے، جیسا کہ گذرا۔

[۹۹-] حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَ أَيَدًا بِيَدٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ فَلَا بَأْسَ بِهِ، فَأَخْبَرْتُ أَبَا سَعِيدٍ فَقُلْتُ: إِنِّي سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَ: أَيَدًا بِيَدٍ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ: فَلَا بَأْسَ بِهِ، قَالَ: أَوَ قَالَ ذٰلِكَ؟ إِنَّا سَنَكْتُبُ إِلَيْهِ فَلَا يُفْتِيكُمُوهُ، قَالَ: فَوَاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَ بَعْضُ فِتْيَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَأَنْكَرَهُ، فَقَالَ: "كَأَنَّ هٰذَا لَيْسَ مِنْ تَمْرِ أَرْضِنَا" قَالَ: كَانَ فِي تَمْرِ أَرْضِنَا- أَوْ فِي تَمْرِنَا - الْعَامَ بَعْضُ الشَّيْءِ فَأَخَذْتُ هٰذَا وَزِدْتُ بَعْضَ الزِّيَادَةِ، فَقَالَ: "أَضْعَفْتَ أَرْبَيْتَ لَا تَقْرَبَنَّ هٰذَا إِذَا رَابَكَ مِنْ تَمْرِكَ شَيْءٌ فَبِعْهُ ثُمَّ اشْتَرِ الَّذِي تُرِيدُ مِنَ التَّمْرِ"

ترجمہ: ابونضرہؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا: انھوں نے کہا: کیا دست بدست؟ (یعنی نقد معاملہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟) میں نے کہا: ہاں، ابن عباسؓ نے فرمایا: (اگر دست بدست ہے تو) اس میں کچھ حرج نہیں، ابوسعیدؓ نے (یہ بات سن کر) فرمایا: کیا ابن عباسؓ نے یہ بات فرمائی؟ بیشک ہم عنقریب ابن عباسؓ کو لکھیں گے پس وہ تمہیں یہ فتویٰ نہیں دیں گے (پھر) فرمایا: اللہ کی قسم! البتہ تحقیق ایک نوجوان نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کھجوریں لے کر آیا، آپؐ نے ان کھجوروں کو نامانوس جانا، پس آپؐ نے فرمایا: ''گویا یہ ہمارے علاقہ کی کھجوریں نہیں ہیں'' (یعنی ایسی عمدہ کھجوریں تو ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتیں) اس نے عرض کیا: ہماری زمین کی کھجوروں میں —— یا کہا —— ہماری کھجوروں میں اس سال کچھ نقص تھا، پس میں نے یہ کھجوریں لیں (اور بدلہ میں) کچھ زائد کھجوریں دیں، پس آپؐ نے فرمایا: ''تو نے دوچند کیا، تو نے سودی معاملہ کیا، ہرگز اس کے قریب مت جانا، جب تجھے تیری کھجوروں میں کچھ کھٹکے (یعنی نقص محسوس ہو) تو اس کو بیچ دے، پھر وہ کھجور خرید جو تو چاہتا ہے''

لغات: أَفْتَى إِفْتَاءً: فلانًا في المسألة: فتویٰ دینا —— فِتْيَان: الفَتَى کی جمع: نوجوان —— أَضْعَفَه: دوچند کرنا —— أَرْبَى إِرْبَاءً: سود لینا، الشيءَ: بڑھانا —— رَابَهُ يَرِيبُهُ رَيْبًا: شک یا تہمت میں ڈالنا، کوئی ناپسند بات دیکھنا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ اگر سونا اور چاندی ہم جنس دست بدست بیچے جائیں تو کمی بیشی جائز ہے، اور ان کو حدیث لا ربا إلا في النسيئة سے غلط فہمی ہوئی تھی، حالانکہ یہ حصر ادعائی تھا، مگر ابن عباسؓ نے اس کو حقیقی حصر سمجھ لیا کہ ادھار ہی میں سود ہے، دست بدست معاملہ ہو تو سود نہیں، خواہ برابر سرابر بیچے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے، سب درست ہے، جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اور پوچھا: آپؓ جو فتویٰ دیتے ہیں کہ سونے چاندی کی ہم جنس دست بدست بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے کیا یہ بات آپؓ نے نبی ﷺ سے سنی ہے یا قرآنِ کریم میں پائی ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا: نہ یہ بات قرآن میں ہے اور نہ میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے اور آپ حضرات آنحضور ﷺ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، البتہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ: ''ربا نہیں ہے مگر ادھار میں'' اس حدیث کی بنیاد پر ابن عباسؓ مذکورہ فتویٰ دیتے تھے مگر جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان کو مذکورہ حدیث سنائی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

فائدہ: لا ربا إلا في النسيئة میں ربا النسیئہ کی شناعت وقباحت ذہنوں میں بٹھانے کے لیے حصر کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی ربا تو ربا القرض ہے اسی لئے اسی کو قرآن میں لیا ہے اور ربا الفضل حکمی ربا ہے یعنی دوسرے درجہ کا ربا ہے اور ربا النسیئہ اس کا بچہ ہے پس وہ تیسرے درجہ کا ربا ہے، یہ جو درجہ بندی کی گئی ہے اس سے کسی کو غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حقیقی ربا یعنی ربا القرض سے بچنا تو ضروری ہے مگر ربا الفضل سے بچنے کی کچھ زیادہ تاکید نہیں، کیونکہ وہ دوسرے درجہ کا ربا

ہے مگر امت میں ایسا خیال نہیں پایا جاتا، سب لوگ یہی جانتے ہیں کہ ربا کی دونوں قسمیں یکساں ہیں، البتہ ربا النسیئہ کے بارے میں غلط فہمی ہوسکتی ہے بلکہ پائی جارہی ہے کہ یہ دونوں سے فروتر ہے اس لئے اس کی شناعت وقباحت ذہنوں میں بٹھانے کے لئے حصر کرکے فرمایا: سود ادھار ہی میں ہے یعنی اس کو ہلکا مت سمجھو وہی حقیقی سود ہے۔

[۱۰۰-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، أَخْبَرَنَا دَاوُدُ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّرْفِ؟ فَلَمْ يَرَيَا بِهِ بَأْسًا، فَإِنِّي لَقَاعِدٌ عِنْدَ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فَسَأَلْتُهُ عَنِ الصَّرْفِ؟ فَقَالَ: مَا زَادَ فَهُوَ رِبًا، فَأَنْكَرْتُ ذٰلِكَ لِقَوْلِهِمَا، فَقَالَ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ صَاحِبُ نَخْلِهِ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ طَيِّبٍ، وَكَانَ تَمْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اللَّوْنَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَنّٰى لَكَ هٰذَا؟" قَالَ: انْطَلَقْتُ بِصَاعَيْنِ فَاشْتَرَيْتُ بِهِ هٰذَا الصَّاعَ، فَإِنَّ سِعْرَ هٰذَا فِي السُّوقِ كَذَا، وَسِعْرَ هٰذَا كَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَيْلَكَ! أَرْبَيْتَ، إِذَا أَرَدْتَ ذٰلِكَ فَبِعْ تَمْرَكَ بِسِلْعَةٍ، ثُمَّ اشْتَرِ بِسِلْعَتِكَ أَيَّ تَمْرٍ شِئْتَ"
قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ أَحَقُّ أَنْ يَكُونَ رِبًا أَمِ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ؟ قَالَ فَأَتَيْتُ ابْنَ عُمَرَ بَعْدُ فَنَهَانِي وَلَمْ آتِ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: فَحَدَّثَنِي أَبُو الصَّهْبَاءِ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْهُ بِمَكَّةَ، فَكَرِهَهُ.

ترجمہ: ابونضرہؒ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا: ان دونوں نے اس میں کچھ مضائقہ نہ جانا —— دونوں حضرات کا پہلے مسلک یہ تھا کہ سونے چاندی کا ہم جنس کے ساتھ تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جبکہ دست بدست ہو۔

(ابونضرہ کہتے ہیں) پس بیشک (ایک دفعہ) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس میں نے ان سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا، انھوں نے فرمایا: "جو زائد ہو وہ سود ہے" پس میں نے اس کا انکار کیا ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے قول کی وجہ سے۔

پس ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: میں تجھ سے نہیں بیان کروں گا مگر وہ بات جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے، آپؐ کے پاس ایک باغ والا آیا، ایک صاع عمدہ کھجوریں لے کر، اور نبی ﷺ کی کھجوریں اس قسم کی تھیں (ابوسعید کے پاس کچھ ردی کھجوریں تھیں ان کی طرف اشارہ کیا) پس اس سے نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہارے پاس یہ کھجوریں کہاں سے آئیں؟" اس نے عرض کیا: میں دو صاع کھجوریں لے کر (بیچنے کے لئے) چلا، اور میں نے اس کے بدلہ میں یہ ایک صاع کھجوریں خریدیں، اس لئے کہ بازار میں اِس کھجور کا دام یہ ہے اور اُس کھجور کا دام یہ ہے۔

پس نبی ﷺ نے فرمایا: "بھلے آدمی! تو نے سود کا معاملہ کیا، جب تو اس کا (ردی کھجور کے عوض میں عمدہ کھجور لینے کا)

ارادہ کرے تو اپنی کھجور سامان کے بدلہ میں بیچ، پھر اپنے سامان سے جونسی چاہے کھجور خرید"

ابوسعیدؓ نے کہا: (غور کر!) کھجور کھجور کے عوض میں زیادہ سود ہے یا چاندی چاندی کے عوض میں زیادہ سود ہے؟ راوی کہتے ہیں: پھر میں اس کے بعد ابن عمرؓ کے پاس آیا، پس انھوں نے مجھے اس سے منع کیا (یعنی ابن عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا) اور میں ابن عباسؓ کے پاس نہیں آیا ـــــ راوی کہتے ہیں: مجھ سے ابوالصہباءؒ نے بیان کیا کہ انھوں نے مکہ مکرمہ میں ابن عباسؓ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا، پس انھوں نے اس کو ناجائز قرار دیا (یعنی ابن عباسؓ نے بھی رجوع کرلیا تھا)

ملحوظہ: ویلک اور ویحک: محاوروں کا مطلب، محل استعمال اور مختلف اقوال کے لئے دیکھئے ایضاح المسلم ۱: ۲۱۹۔

[۱۰۱-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ - وَاللَّفْظُ لِابْنِ عَبَّادٍ- قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ مِثْلًا بِمِثْلٍ مَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى، فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ غَيْرَ هَذَا، فَقَالَ لَقَدْ لَقِيتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ: أَرَأَيْتَ هَذَا الَّذِي تَقُولُ أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ فَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَكِنْ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ"

ترجمہ: ابوصالحؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: دینار دینار کے عوض اور درہم درہم کے عوض برابر سرابر فروخت کرنا ضروری ہے، جس نے زیادہ دیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا تو اس نے سودی معاملہ کیا، میں نے ان سے عرض کیا: ابن عباسؓ تو دوسری بات کہتے ہیں (ان کے نزدیک اگر سونے چاندی کی بیع نقد ہے تو کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے) پس ابوسعیدؓ نے کہا: میں ابن عباسؓ سے ملا تھا اور ان سے کہا تھا کہ آپ جو بات کہتے ہیں کیا وہ بات آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہے یا قرآن مجید میں پائی ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا: نہ میں نے وہ بات نبی ﷺ سے سنی ہے اور نہ قرآن مجید میں پائی ہے، لیکن مجھ سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ربا صرف ادھار میں ہے"

ملحوظہ: مذکورہ حدیث شریف کی شرح گذشتہ سے پوستہ حدیث شریف کی شرح میں گذر چکی ہے۔

[۱۰۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ - وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو- قَالَ: إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، أَنَّهُ

سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ"

[۱۰۳-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ (ح) وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ قَالَا: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا رِبًا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ"

[۱۰۴-] حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَىٰ، حَدَّثَنَا هِقْلٌ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ لَقِيَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ: أَرَأَيْتَ قَوْلَكَ فِي الصَّرْفِ أَشَيْئًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ شَيْئًا وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَلَّا لَا أَقُولُ أَمَّا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِهِ وَأَمَّا كِتَابُ اللَّهِ فَلَا أَعْلَمُهُ، وَلَكِنْ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَلَا إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ"

ترجمہ: قوله: إنما الربا إلخ: ربا صرف ادھار میں ہے ـــــ قوله: لاربا فيما كان إلخ: ربا نہیں اس شئ میں جو دست بدست (نقد) ہو قوله: كلاّ لا أقول: ہرگز نہیں، میں یہ بات نہیں کہتا، رہے رسول اللہ ﷺ! پس آپ حضرات آنحضور ﷺ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور رہی اللہ تعالیٰ کی کتاب! پس میں اس میں یہ بات نہیں پاتا، البتہ مجھ سے حضرت اسامہؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ: "نبی ﷺ نے فرمایا: سنو! سود صرف ادھار میں ہے"

۱۹- بَابُ لَعْنِ آكِلِ الرِّبَا وَمُؤْكِلِهِ

سود کھانے کھلانے والوں پر لعنت کا بیان

چند ابواب پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے، قرآن مجید میں متعدد آیات میں اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے، اور احادیث مبارکہ میں بھی بکثرت ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی ہے جو سود کھاتے کھلاتے ہیں، یا سودی معاملات میں ان کی کسی بھی قسم کی حصہ داری ہے وہ سب گناہ ولعنت میں برابر کے شریک ہیں۔

[۱۰۵-] حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ- قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ قَالَ: سَأَلَ شِبَاكٌ إِبْرَاهِيمَ، فَحَدَّثَنَا عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ، قَالَ: قُلْتُ: وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ؟ قَالَ: إِنَّمَا نُحَدِّثُ بِمَا سَمِعْنَا.

[۱۰۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: "هُمْ سَوَاءٌ"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے سود کھانے والے، اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے، راوی علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اس کے لکھنے والے اور گواہ بننے والے پر؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: ہم نے جتنا سنا اتنا بیان کیا۔

دوسری حدیث: رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملے کے دو گواہوں اور سودی دستاویز لکھنے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا: وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

تشریح: نبی ﷺ نے سود خوری کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے، اور سود خور کے ساتھ سود دینے، سودی دستاویز لکھنے اور سودی معاملے میں گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے جو از روئے قرآن مجید حرام ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۲)

جاننا چاہئے کہ سود لینے سے تمام مال حرام ہو جاتا ہے جب سود دوسرے مال کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو سب مال حرام ہو جائے گا۔ اور سود دینے سے باقی مال حرام نہیں ہوتا، اس ایک فرق کے علاوہ سود لینا اور دینا دونوں یکساں ہیں، یعنی دونوں کا گناہ برابر ہے، بلکہ سودی معاملے کا گواہ بننے والا اور سودی دستاویز لکھنے والا بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے، مگر یہ برابری نفس لعنت کے اعتبار سے ہے یعنی یہ سبھی ملعون ہیں، مگر مراتب جنایت کے تفاوت سے لعنت میں بھی تفاوت ہوگا، الکوکب الدری میں اس کی صراحت ہے۔

فائدہ: چونکہ معاملات میں سود کا چلن بہت زیادہ ہوتا ہے، اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے، اصل سود سے بچ بھی جائے تو اس کے دھویں اور گرد و غبار سے نہیں بچ سکتا، معاملات فاسدہ بھی بحکم سود ہیں، وہی سود کا دھواں ہیں اس لئے بطور تحذیر یہ باب لائے ہیں تاکہ مؤمن چوکنا ہو کر معاملات کرے اور سود میں نہ پھنسے۔

۲۰- بَابُ أَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ

حلال کو اختیار کرنے اور مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

روزی حاصل کرنے کے لئے حلال تجارت کرنی چاہئے، حرام تجارت نہیں کرنی چاہئے، جو مقدر میں ہوگا وہ ضرور ملے گا۔ حدیث میں ہے: إن نفساً لن تموت حتى تستكمل رزقها فاجملوا في الطلب: آدمی اس وقت تک نہیں مرتا

جب تک اس کی قسمت کا لکھا رزق اسے نہ پہنچ جائے، جب بات یہ ہے تو حلال کمائے، حرام میں پڑ کر عاقبت خراب کیوں کرے! اسی طرح جو چیزیں مشتبہ ہیں ان کی بھی تجارت نہ کرے ورنہ طبیعت میں بے باکی پیدا ہوگی۔ مثلاً جو ٹی وی خریدتا بیچتا ہے وہ سودی لین دین بھی کر سکتا ہے، جب مزاج میں دین کے تعلق سے بے باکی آگئی تو اب حرام کا ارتکاب کرنے میں کیا باک؟ اس لئے جو چیزیں حلال وحرام کے درمیان دائر ہیں ان سے بھی بچنا چاہئے۔

[۱۰۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرِ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ- وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ- "إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَىٰ حَوْلَ الْحِمَىٰ، يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح: وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، قَالَا: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے (ترمذی کی حدیث میں یہ بھی ہے: أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟: کیا وہ حلال ہیں یا حرام؟) پس جو شخص مشتبہ امور سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی آبرو پاک صاف رکھی، اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو سرکاری چراگاہ کے پاس جانور چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ سرکاری چراگاہ میں جا پڑے، سنو! ہر بادشاہ کے لئے ریزرو چراگاہ ہوتی ہے، سنو! اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ محرمات (حرام کئے ہوئے کام) ہیں، سنو! اور جسم میں گوشت کی ایک بوٹی ہے، جب تک وہ ٹھیک ہے سارا جسم ٹھیک ہے، اور جب وہ خراب ہوجاتی ہے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے، سنو! وہ بوٹی دل ہے۔

یہ حدیث وکیع اور عیسیٰ بن یونس نے بھی زکریاء سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عبداللہ بن نمیر ہمدانی نے روایت کی ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہایت اہم ہے اور ایک اصولی ہدایت اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، امام ابوداؤد رحمہ اللہ صاحب سنن نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو حفاظت دین کے لئے کافی وافی ہیں:

پہلی حدیث: إنما الأعمال بالنيات یعنی اعمال کی قبولیت وعدم قبولیت کا مدار صحیح اور فاسد نیت پر ہے اور ہرایک کو اس کے عمل کا وہی صلہ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، مثلاً ہجرت ایک عمل ہے اگر ہجرت کرنے والے کی نیت صحیح ہے تو اس کی ہجرت مقبول ہے ورنہ اس کی ہجرت پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث: من حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ: یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہوجائے، بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے یہی بہترین مسلمان ہے۔

تیسری حدیث: لايكون المؤمنُ مؤمنا حتى يَرضَى لِأخيه ما يَرضاه لنفسه: یعنی آدمی صحیح معنی میں مؤمن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے وہی باتیں پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

چوتھی حدیث: الحلالُ بَيِّنٌ: اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے، مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ وہ محتاط زندگی گذارے، فرمایا: حلال واضح ہے، پس اسے بے تکلف اختیار کرو اور حرام بھی واضح ہے پس اس کے قریب بھی مت جاؤ، اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی تفصیل ادھر ادھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اسی حدیث کے اگلے جملہ میں (جو ترمذی شریف میں ہے) اس کی وضاحت ہے، فرمایا: جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ یہی مشتبہ امور ہیں، بڑے علماء تو ان کے احکام جانتے ہیں کہ وہ جائز ہیں یا ناجائز، مگر عام مسلمان جب وہ چیزیں پہلی مرتبہ ان کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان کا حکم شرعی نہیں جانتے، وہ ان کے حق میں مشتبہ چیزیں ہیں ایسی چیزوں کے بارے میں کچھ لوگوں کا ذہن اور مزاج یہ ہوتا ہے کہ ابھی کرلو، جب عدم جواز کا فتوی آئے گا چھوڑ دیں گے، یہ مزاج اور ذہن غلط ہے، اس حدیث میں یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں کے بارے میں مؤمن کا مزاج اور ذہن یہ ہونا چاہئے کہ ابھی بچو جب جواز کا فتوی آئے گا تب ان کو اختیار کریں گے، اس صورت میں آدمی کا دین اور آدمی کی عزت محفوظ رہے گی، اگر حکم شرعی معلوم ہونے سے پہلے بے احتیاطی سے اس امر کا ارتکاب کرلیا پھر عدم جواز کا فتوی آیا تو اب کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت! وہ تو ناجائز امر کا ارتکاب کرچکا، چنانچہ اس حدیث میں فرمایا کہ جس نے مشتبہ امور کو چھوڑ دیا تاکہ اس کا دین اور اس کی آبرو محفوظ رہے تو وہ یقیناً بچ گیا، کیونکہ ہر جائز کام کرنا ضروری نہیں، البتہ ہر ناجائز کام سے بچنا ضروری ہے، اور جو شخص ان امور میں سے کسی امر میں گھسا تو قریب ہے کہ وہ حرام میں جا گھسے یعنی تحقیق سے پہلے وہ کام کرلیا، اس کے مزاج میں احتیاط نہیں ہے تو حرام کے ارتکاب میں بھی اس کو کیا باک ہوگا؟ شتر بے مُہار جہاں چاہے منہ مارلے، اس کو روکنے والا کون ہے؟

اس مضمون کو حدیث کے آخر میں ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جو شخص سرکاری چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا ہے وہ قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے، چرواہا ذرا غافل ہوا کہ جانور ریز روا ریے میں جا گھسیں گے اور پولیس مار مار کر بھرتا بنادے گی اور جو چرواہا محتاط ہے، سرکاری چراگاہ سے ایک میل دور جانور رکھتا ہے وہ اگر غافل بھی ہوگیا اور جانور آگے بھی

بڑھ گئے تو وہ چراگاہ تک نہیں پہنچیں گے۔

پس سنو! جس طرح حکومتیں سرکاری جانوروں کے لئے چراگاہ مخصوص کرتی ہیں جن میں پبلک کو جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ نے جو کام حرام کئے ہیں وہ ان کا محفوظ ایریا ہیں، مؤمنین کو اس کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، نادانستہ بھی اس علاقہ میں قدم رکھنا روا نہیں۔ پس احتیاط کی بات یہی ہے کہ حرام امور سے اتنا دور رہے کہ کسی حرام کے ارتکاب کا امکان ہی باقی نہ رہے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب تحقیق کے بعد اقدام کرے، جب تک کسی چیز کا حلال ہونا معلوم نہ ہو جائے اس سے کنارہ کش رہے۔ یہی مزاج اور یہی ذہن بنانا اس حدیث کا مقصود ہے، ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح سمجھایا ہے: دَعْ مَايُرِيْبُکَ إلى مالايُريبک، فإن الصدق طُمَأْنِيْنَةٌ والکذب رِيْبَةٌ: یعنی جو بات کھٹک پیدا کرے اسے چھوڑ دو اور بے کھٹک بات اختیار کرو، مثلاً: سچ بولو اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ سچ بولنے سے قلب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا دل کی بے چینی کا سبب ہوتا ہے۔

غرض حدیث پر دوبارہ نظر ڈالیں، حلال واضح ہے یعنی دین اسلام میں کیا چیزیں جائز ہیں ان کو تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے، اسی طرح حرام بھی واضح ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین اسلام نے کن باتوں سے منع کیا ہے ان موٹی موٹی باتوں کی واقفیت تو عام ہے، البتہ دونوں کے درمیان کچھ الجھے ہوئے امور ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ مشتبہ اور الجھے ہوئے ہونے کا یہی مطلب ہے، پس جو شخص ان نامعلوم الاحکام امور کو چھوڑ دے تا کہ اس کا دین اور اس کی آبرو محفوظ رہے، پس وہ یقیناً ارتکاب حرام سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص بے باکی سے مشتبہ امور کا ارتکاب کرے گا وہ بعید نہیں کہ حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے، پھر یہی بات ایک محسوس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔

پھر مزید وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کی، فرمایا: جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ سنور جاتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اعضاء ٹھیک ٹھیک کام کرنے لگتے ہیں، اور جب وہ بوٹی خراب ہو جاتی ہے تو سارے اعضاء بگڑ جاتے ہیں، آنکھ خیانت کرنے لگتی ہے، قدم غلط جگہوں کی طرف اٹھنے لگتے ہیں، زبان غلط بولنے لگتی ہے، کان غلط سننے لگتے ہیں، ذہن غلط باتیں سوچنے لگتا ہے۔ غرض ہر عضو کا فعل بگڑ جاتا ہے اور وہ گوشت کی بوٹی جس پر بدن کے صلاح وفساد کا مدار ہے قلب ہے، اس کو سنوار لو بیڑا پار ہے!

فائدہ: یہ حدیث عام ہے، سارے ہی دین سے اور تمام ابواب فقہیہ سے اس کا تعلق ہے، لیکن ابواب البیوع میں خصوصی طور پر یہ حدیث اس لئے لائی گئی ہے کہ معاملات کی اہمیت واضح ہو، لوگ عام طور پر مال کے حریص ہوتے ہیں، ہر طرح سے ہاتھ مارتے ہیں، اس لئے معاملات میں احتیاط کرنا ان کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے، پس اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کی کہ معاملات میں خاص طور پر آدمی کو احتیاط برتنی چاہئے۔

وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُطَرِّفٍ وَأَبِي فَرْوَةَ الْهَمْدَانِيِّ (ح) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ - يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ - عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعِيدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ زَكَرِيَّاءَ أَتَمُّ مِنْ حَدِيثِهِمْ وَأَكْثَرُ.

سند: یہ حدیث زکریاء کی طرح مطرّف، ابوفروۃ ہمدانی اور عبدالرحمٰن بن سعید نے بھی شعبیؒ سے روایت کی ہے اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے زکریاء نے روایت کی ہے، مگر زکریاء کی روایت ان حضرات کی حدیثوں کی بہ نسبت زیادہ تام اور زیادہ مفصل ہے۔

[۱۰۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي، حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ نُعْمَانَ بْنَ بَشِيرِ ابْنِ سَعْدٍ، صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِحِمْصَ وَهُوَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ" فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ زَكَرِيَّاءَ عَنِ الشَّعْبِيِّ إِلَى قَوْلِهِ: "يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ"

وضاحت: اس حدیث کے راوی عون بن عبداللہ ہیں، وہ شعبی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۱- بَابُ بَيْعِ الْبَعِيرِ وَاسْتِثْنَاءِ رُكُوبِهِ

اونٹ کو بیچتے وقت سواری کی شرط لگانا

بیع میں شرط لگانے کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیع میں صرف ایک شرط لگا سکتے ہیں، دو یا زیادہ شرطیں جائز نہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایک شرط بھی جائز نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال ترمذی شریف کی حدیث (حدیث نمبر ۱۲۱۹) سے ہے، اس میں ہے: ولا شرطان فی بیع: بیع میں دو شرطیں لگانے سے حضور پاک ﷺ نے منع فرمایا، اس کے مفہوم مخالف سے استدلال ہے کہ ایک شرط جائز ہے، اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اونٹ فروخت کیا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہو کر جانے کی شرط لگائی، جس کو آپؐ نے منظور فرمالیا، معلوم ہوا کہ بیع میں ایک شرط لگا سکتے ہیں۔

مگر جمہور کے نزدیک ایک شرط بھی بیع کو فاسد کر دیتی ہے، کیونکہ دوسری حدیث ہے: نَهٰى عن بَيْعٍ وَشَرْطٍ: (نسائی

۳۲:۱، موطا:۶۹) پس ایک حدیث سے دوشرطوں کا عدم جواز ثابت ہوا اور دوسری حدیث سے ایک کا ـــــ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں جمہور کہتے ہیں کہ شرط صُلبِ عقد میں نہیں تھی، بلکہ وہ از قبیل وعدہ تھی۔

پورا واقعہ: یہ ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگانے کی کوشش کررہے تھے، اونٹنی دُبلی مریل تھی، آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری جس سے وہ برق رفتار ہوگئی، پھر آنحضور ﷺ نے فرمایا: یہ اونٹنی مجھے بیچ دو، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یہ تو نکمی تھی آپؐ کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے یہ آپؐ کی نذر ہے، آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا چنانچہ حضرت جابرؓ نے وہ اونٹنی آپؐ کو بیچ دی، جب سودا ہوگیا تو حضرت جابرؓ کو خیال آیا کہ میں مدینہ تک کیسے جاؤں گا؟ اونٹنی تو میں نے بیچ دی، چنانچہ انھوں نے یہ بات آپؐ سے عرض کی، آپؐ نے فرمایا: اسی پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور مدینہ پہنچ کر اونٹنی مجھے دیدینا، غرض یہ اشتراط نہیں تھا بلکہ سودا مکمل ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون تھا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے میرے کتب خانہ سے کتابیں خریدیں، پھر وہ کہتا ہے: براہ کرم آپ بنڈل بنا کر اور ٹرانسپورٹ پر پہنچا کر بلٹی بنا کر مجھے لادیں، ہم نے ملازم سے یہ کام کرادیا اور جو خرچہ آیا وہ اس سے لے لیا تو یہ بیع میں اشتراط نہیں ہے بلکہ تعاون ہے۔

فائدہ: اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں، ایک: اشتراط وہ ہے جو مقصود ہوتا ہے۔ دوم: وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے۔ اشتراط مقصود کی علامت یہ ہے کہ شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہو، اگر شرط قبول کی جائے تو بیع ہو ورنہ نہ ہو، ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً مکان کا سودا کیا، بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی یہ شرط ناجائز ہے۔ اور اشتراط غیر مقصود جو وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا، بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے تو بیع خوش دلی سے ہوتی ہے اور شرط منظور نہ کی جائے تو بھی بیع ہوتی ہے، مگر خوش دلی سے نہیں ہوتی، جیسے اوپر مثال گذری کہ ایک شخص نے کتابیں خریدیں اور یہ شرط لگائی کہ کتابیں ٹرانسپورٹ پر پہنچا کر شام تک مجھے بلٹی لاکر دیدیں، مجھے آج ہی سفر کرنا ہے، ہم نے معذرت کردی کہ ہمارے پاس ملازم نہیں ہے تو بھی بیع ہوگی اور وہ کتابوں کی روانگی کا کوئی اور انتظام کرے گا، غرض یہ شرط وعدہ کے قبیل سے ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ صُلبِ عقد میں داخل نہیں ہوتی اور معاوضات (لین دین) میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ دیانۃً واجب ہوتے ہیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔

[۱۰۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنْ عَامِرٍ، حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا فَأَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ قَالَ: فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا لِي وَضَرَبَهُ فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ قَالَ: "بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ؟" قُلْتُ: لَا، ثُمَّ قَالَ: "بِعْنِيهِ؟" فَبِعْتُهُ

بِوُقِيَّةٍ وَاسْتَثْنَيْتُ عَلَيْهِ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ ثُمَّ رَجَعْتُ فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَقَالَ: "أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ؟ فَهُوَ لَكَ"

وحَدَّثَنَاه عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَىٰ- يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ- عَنْ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَامِرٍ حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر جو تھکا ہوا تھا سفر کر رہے تھے، پس انھوں نے اس کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پس نبی ﷺ مجھ سے آملے، آپؐ نے مجھے دعا دی اور اونٹ کو مارا، پس وہ تیز دوڑا کہ اس کے مثل (پہلے) نہیں دوڑا تھا، آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹ مجھے ایک اوقیہ چاندی کے عوض بیچ دے، میں نے عرض کیا: نہیں (یعنی بیچوں گا نہیں بلکہ یہ آپؐ کی نذر ہے، مگر نبی ﷺ نے مفت قبول نہیں کیا، بلکہ بیچنے پر اصرار کیا) آپؐ نے پھر فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دے، چنانچہ میں نے ایک اوقیہ چاندی کے عوض وہ اونٹ بیچ دیا، اور میں نے گھر تک اس پر سوار ہونے کو مستثنیٰ کیا، جب میں گھر پہنچا تو وہ اونٹ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا، پس آپؐ نے مجھے اس کا نقد ثمن عطا فرمایا، پھر میں واپس لوٹا، پس آپؐ نے میرے پیچھے (ایک شخص کو) بھیجا (اور مجھے واپس بلوایا) اور فرمایا: "کیا تیرا یہ گمان ہے کہ میں نے تیرے اونٹ کی کم قیمت لگائی ہے؟ اپنا اونٹ لیجا اور دراہم بھی لیجا وہ تیرے لئے ہیں۔

سند: یہ حدیث زکریاؒ سے عبداللہ بن نُمیر کی طرح عیسیٰ بن یونسؒ نے بھی روایت کی ہے۔

لغات: سَارَ (ض) سَيْرًا وَمَسِيرًا وَمَسِيرَةً وَسَيْرُورَةً الدابةَ: جانور پر سوار ہونا ــــ أَعْيَا إِعْيَاءً الماشيَ: چلنے والے کا تھکنا ــــ سَيَّبَ تَسْيِيبًا: چھوڑ دینا ــــ العَبْدَ: غلام کو آزاد کر دینا ــــ نَقَدَ (ن) نَقْدًا الثَّمَنَ: نقد ادا کرنا ــــ مَكَسَ (ض) مَكْسًا في البيع: گھٹانا ــــ ہ: ظلم کرنا۔

تشریح:

۱- بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو، بشرطیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو یعنی انسان ہو: یہ شرعاً جائز نہیں، اس سے عقد فاسد ہو جائے گا، مثلاً: گھر فروخت کیا اس شرط پر کہ چھ مہینہ تک بائع اس میں رہے گا، یہ جائز نہیں، اس میں بائع کا فائدہ ہے۔ یا کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو سی کر دے گا: یہ بھی جائز نہیں، اس میں مشتری کا فائدہ ہے۔ یا غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری روزانہ اس کو ناشتہ میں فلاں چیز کھلائے گا: یہ بھی جائز نہیں، اس میں مبیع کا فائدہ ہے۔

البتہ اگر شرط صلب عقد میں داخل نہ ہو، بلکہ وعدہ کے قبیل سے ہو تو اس شرط کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا، البتہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، اس لئے کہ معاوضات (لین دین) میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ دیانۃً واجب ہوتے ہیں ان کو پورا کرنا

ضروری ہے۔

۲- جو شرط عقدِ بیع کے موافق ومناسب ہو، اور اس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو، لیکن اس قسم کی شرط لگانے کا رواج ہوگیا ہو جس کی وجہ سے جھگڑے کا احتمال نہ ہو: بیع میں ایسی شرط لگانا جائز ہے، جیسے آج کل گارنٹی یا وارنٹی کی شرط، زیادہ مقدار میں مال خریدنے کی صورت میں قیمت میں کمی کرنے کی شرط، قیمت کی وصولی کے لئے ضامن کی شرط، یہ سب شرطیں معتبر ہیں، اگر شرط پوری نہ ہوگی تو دوسرے فریق کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فإن قلتَ: نهى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط، فيلزم أن يكون العرف قاضيًا على الحديث، قلتُ: ليس بقاض عليه، بل على القياس، لأن الحديث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة، والعرف ينفي النزاع، فكان موافقا لمعنى الحديث فلم يبق من الموانع إلا القياس والعرف قاض عليه: یعنی نسائی اور موطا کی روایت میں جو بیع میں شرط لگانے کی ممانعت مروی ہے (نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعٍ وشرطٍ) اس میں احناف کے نزدیک ممانعت کی علت نزاع ہے، اور ظاہر ہے کہ جھگڑا اسی شرط میں ہوگا جس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو، بشرطیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو، یعنی انسان ہو، لیکن وہ شرط جس کا عرفاً رواج ہوگیا ہو اس میں جھگڑے کا امکان نہیں، پس وہ شرط جائز ہوگی۔

۳- وہ شرطیں جو شرعاً مشروع ہیں جیسے خیارِ شرط، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب وغیرہ، ایسی شرطیں نہ صرف جائز ہیں بلکہ وہ شرطیں لازم ہونگی۔

مذاہبِ فقہاء: بیع میں جائز وناجائز شرطیں:

مذکورہ چند تمہیدی باتوں کو ملحوظ رکھ کر اب ائمہ مجتہدین کے مذاہب کو جان لینا چاہئے ـــــ جاننا چاہئے کہ عقد کے مکمل ہونے کے بعد عقد پر جو اثرات شرعاً مرتب ہوتے ہیں ان اثرات کو مقتضاءِ عقد کہا جاتا ہے، اور شرط لگانے کا مقصد انہی اثرات کو کم وبیش کرنا ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کی آراء مختلف ہیں:

مذہب احناف: حنفیہ کہتے ہیں: ـــــ (۱) وہ شرطیں جو مقتضاءِ عقد کے موافق ہوں وہ جائز ہیں، اور یہ بدیہی بات ہے اس لئے کہ عقد کا جو مقتضا ہوتا ہے وہ بلا شرط بھی لازم ہوتا ہے، شرط کے ذریعہ محض اس کی تاکید مقصود ہوتی ہے اور یہ اجماعی بات ہے ـــــ (۲) وہ شرطیں جو عقدِ بیع کے ملائم ومناسب ہوں وہ بھی جائز ہیں، مثلاً: اس شرط پر ادھار بیچنا کہ ثمن کے بدلہ میں مشتری کوئی چیز گروی رکھے گا، یا ضامن دے گا، یہ شرط بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ شرط ثمن کی جو بائع کا حق ہے اسی حق کی تائید وتوثیق کے لئے ہے ـــــ (۳) وہ شرطیں جن میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو بشرطیکہ مبیع

اہل استحقاق میں سے ہو یعنی انسان ہو، مگر اس کا رواج نہ ہو وہ شرطیں مُفسد عقد ہونگی ـــــ (۴) وہ شرطیں جن میں بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو مگر وہ نص کے خلاف نہ ہوں اور عرفاً ان کا رواج ہو: وہ شرطیں لازم ہونگی ـــــ (۵) وہ شرطیں جن میں عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کا فائدہ ہو: وہ شرط احناف کے نزدیک اصح قول کے مطابق لغو ہوگی اور بیع صحیح ہوگی۔

خلاصۂ کلام: شرط فاسد دو قسم کی ہیں: ایک: وہ شرط فاسد ہے جو عقد کو فاسد کر دیتی ہے، اور وہ وہ شرط ہے جس میں بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو، اور دوسری: وہ شرط فاسد ہے جو خود لغو ہوتی ہے مگر عقد صحیح ہوتا ہے، اور وہ وہ شرط ہے جو نہ مقتضاء عقد کے موافق ہو، نہ عقد کے ملائم و مناسب ہو اور نہ اس کا رواج ہو، اور نہ اس میں بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو۔

مذہبِ شوافع: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ـــــ (۱) جو شرط مقتضاء عقد کے موافق ہو ـــــ (۲) یا جو شرط عقد کے ملائم و مناسب ہو وہ شرطیں جائز ہیں ـــــ (۳) اور وہ شرط جس میں بائع، مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو خواہ اس کا رواج ہو: وہ شرط مفسد بیع ہوگی ـــــ (۴) اور وہ شرط جس میں عاقدین میں سے کسی کا فائدہ نہ ہو وہ شرط لغو اور بیع جائز ہوگی۔

مذہبِ مالکیہ: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شرطیں جو مقتضاء عقد کے موافق ہوں یا خلاف نہ ہوں: وہ شرطیں لازم بھی ہونگی اور بیع بھی صحیح ہوگی، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بیع میں ایسی شرط لگانا جائز ہے جس میں احد العاقدین کا یا مبیع کا فائدہ ہو، جبکہ وہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف نہ ہو، اور عقد کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شرط پر عمل کرنے کی صورت میں عقد کی افادیت ختم ہو جائے ـــــ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی شرط مفسد بیع ہے جس کی وجہ سے ثمن کی مقدار مجہول ہو جائے۔

مذہبِ حنابلہ: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شرط جو مقتضاء عقد کے موافق ہو، یا ملائم و مناسب ہو یا مقتضاء عقد کے خلاف نہ ہو: وہ شرط جائز ہے، خواہ ایک شرط ہو یا زیادہ ـــــ اور وہ شرط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو وہ شرط لغو ہوگی، اور عقد صحیح ہوگا، اور بائع اور مشتری میں سے جس کا نقصان ہوگا اس کو رجوع بالنقصان کا حق ہوگا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ ایسی شرط مفسد بیع ہوگی ـــــ نیز ایسی شرط بھی مفسد بیع ہوگی جو صراحتاً ممنوع ہو ـــــ اور وہ شرط جو نہ مقتضاء عقد کے موافق ہو، نہ عقد کے ملائم و مناسب ہو اور نہ مفسد عقد ہو: ایسی ایک شرط لگانا جائز ہے، دو یا زیادہ شرطیں لگانا جائز نہیں۔

مذہب ظاہریہ: علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع میں شرطیں لگانا مطلقاً جائز ہے، بشرطیکہ وہ شرطیں نصوص صحیحہ اور قیاسِ معتبرہ کے معارض نہ ہوں۔

مستدلات:

مسئلہ باب میں ایک تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے، حضرت جابرؓ نے آنحضور ﷺ کو اونٹ فروخت کیا تھا اور گھر تک سواری کی شرط لگائی تھی ـــــ اور دوسری حدیث نسائی شریف اور موطا میں ہے جو عمرو بن شعیب

عن أبيه عن جده کے طریق سے مروی ہے: نَهٰی رسولُ الله صلی الله علیه وسلم عن بیع وشرطٍ۔ —— اور تیسری حدیث اسی طریق سے ترمذی وغیرہ میں ہے: لایَحِلُّ سَلَفٌ وَبَیْعٌ ولاشرطان فی بَیْعٍ: یعنی نہ بیع میں قرض کی شرط جائز ہے، اور نہ بیع میں دوشرطیں جائز ہیں۔

حضرات ائمہ کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان احادیث کے درمیان تطبیق دی ہے اور شرعی مسئلہ مستنبط کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقود ومعاملات میں اصل شرطوں کا جواز ہے، پس عاقدین آزاد ہیں جو چاہیں شرطیں مقرر کریں، بشرطیکہ وہ شرطیں نص صحیح اور قیاس معتبرہ کے خلاف نہ ہوں، ان کا حضرت جابرؓ کی حدیث کے عموم سے استدلال ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے ایک ایسی شرط مقرر کی تھی جس میں حضرت جابرؓ کا (بائع کا) فائدہ تھا، پس معلوم ہوا کہ بیع میں شرط لگانا جائز ہے، اور ترمذی کی روایت میں ولا شرطان فی بیعٍ ہے، جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ایک شرط جائز ہے، غرض اس حدیث کے مفوم مخالف سے بھی امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک بیع میں شرط لگانا مطلقاً جائز نہیں، نہ ایک شرط اور نہ زیادہ، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: نَهٰی عن بَیْعٍ وشَرْطٍ: پس حدیث ولاشرطان فی بیع سے دوشرطوں کا عدم جواز ثابت ہوا اور اس حدیث سے ایک شرط کا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں جمہور کہتے ہیں کہ وہ شرط صُلب عقد میں نہیں تھی، بلکہ وہ از قبیل مواعید تھی، چنانچہ مسند احمد میں حضرت جابرؓ کی اسی حدیث میں یہ ہے کہ جب سودا مکمل ہو گیا تو حضرت جابرؓ اونٹ سے اتر گئے، نبی ﷺ نے پوچھا: کیوں اترے؟ انھوں نے عرض کیا: اب یہ اونٹ آپ کا ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اونٹ پر سوار ہو جاؤ، اگر شرط صُلب عقد میں ہوتی تو اترنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جن روایتوں میں إشْتَرَطَ ظَهْرَه وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہ راویوں کا تصرف ہے، انھوں نے اذن اور تعاون کو اشتراط سے تعبیر کر دیا ہے، حقیقت میں اشتراط نہیں تھا، واللہ اعلم بالصواب

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں دو باتوں میں راویوں میں شدید اختلاف ہے:

ایک: مدینہ تک اونٹ پر سوار ہو کر جانا باقاعدہ بیع میں شرط تھا یا بیع مطلق تھی، پھر آپؐ نے ان کو سواری کی اجازت دیدی؟ امام بخاریؒ نے آٹھ روایتیں جمع کی ہیں اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ بات بیع میں شرط تھی، کیونکہ جن روایتوں میں اشتراط کا ذکر آیا ہے وہ زیادہ ہیں، پس امام بخاریؒ کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بیع میں باقاعدہ سواری کی شرط تھی۔

دوم: بیع کتنے ثمن پر ہوئی تھی؟ اس میں بھی روایتوں میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ نے اس سلسلہ میں آٹھ روایتیں ذکر کی ہیں اور فیصلہ کیا ہے کہ بیع ایک اوقیہ پر ہوئی تھی۔ اور اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم میں بدلا جاتا تھا، پس جس

روایت میں چار دینار آیا ہے اس سے بھی ایک اوقیہ مراد ہے، اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے تحفۃ القاری (۱۰۹:۶) میں اپنی رائے یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے مسئلہ میں روات کا تصرف ہے، یعنی سواری کی شرط صلب عقد میں داخل نہیں تھی، بلکہ آنحضور ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون تھا، اور راویوں نے جواس کو اشترط ظهره وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے، وہ روات کا تصرف ہے، اور دوسرا اختلاف واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا مزاج اس قسم کے اختلاف سے صرف نظر کرنے کا تھا، کیونکہ ثمن کچھ بھی ہواس سے کیا فرق پڑتا ہے؟!

[۱۱۰-] حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ) (قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ) عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَلَاحَقَ بِي، وَتَحْتِي نَاضِحٌ لِي قَدْ أَعْيَا وَلَا يَكَادُ يَسِيرُ، قَالَ: فَقَالَ لِي "مَا لِبَعِيرِكَ؟" قَالَ قُلْتُ: عَلِيلٌ، قَالَ: فَتَخَلَّفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهُ وَدَعَا لَهُ، فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيرُ، قَالَ: فَقَالَ لِي "كَيْفَ تَرَى بَعِيرَكَ؟" قَالَ قُلْتُ: بِخَيْرٍ، قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ، قَالَ: "أَفَتَبِيعُنِيهِ؟" فَاسْتَحْيَيْتُ، وَلَمْ يَكُنْ لَنَا نَاضِحٌ غَيْرُهُ، قَالَ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ، عَلَى أَنَّ لِي فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتَّى أَبْلُغَ الْمَدِينَةَ، قَالَ فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي عَرُوسٌ فَاسْتَأْذَنْتُهُ، فَأَذِنَ لِي، فَتَقَدَّمْتُ النَّاسَ إِلَى الْمَدِينَةِ، حَتَّى انْتَهَيْتُ. فَلَقِيَنِي خَالِي فَسَأَلَنِي عَنِ الْبَعِيرِ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعْتُ فِيهِ، فَلَامَنِي فِيهِ -قَالَ: - وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِي حِينَ اسْتَأْذَنْتُهُ "مَا تَزَوَّجْتَ؟ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟" فَقُلْتُ لَهُ: تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا، قَالَ: "أَفَلَا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُكَ وَتُلَاعِبُهَا؟" فَقُلْتُ لَهُ: يَارَسُولَ اللهِ! تُوُفِّيَ وَالِدِي (أَوِ اسْتُشْهِدَ) وَلِي أَخَوَاتٌ صِغَارٌ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ إِلَيْهِنَّ مِثْلَهُنَّ، فَلَا تُؤَدِّبُهُنَّ وَلَا تَقُومُ عَلَيْهِنَّ، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا لِتَقُومَ عَلَيْهِنَّ وَتُؤَدِّبَهُنَّ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْبَعِيرِ، فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ، وَرَدَّهُ عَلَيَّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوا (دوران واپسی) آپؐ مجھ سے آملے، اور میری سواری ایک اونٹ تھا جو تھکا ماندہ تھا، اور چلنے کے قابل نہیں تھا، پس آپؐ نے مجھ سے فرمایا: "تمہارے اونٹ کو کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا: بیمار ہے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پس رسول اللہ ﷺ پیچھے کی طرف آئے پس اس کو دھمکایا اور اس کے لئے دعا فرمائی، پس وہ برابر دوسروں کے اونٹوں سے آگے چلنے لگا، راوی کہتے ہیں: آپؐ نے مجھ سے فرمایا (اب) اپنے اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اچھا، آپؐ کی برکت اس کو پہنچ گئی، آپؐ نے

فرمایا: کیا مجھے یہ اونٹ فروخت کرو گے؟ مجھے شرم آئی، ہمارے پاس اس کے علاوہ دوسرا اونٹ نہیں تھا، راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: جی ہاں، پس میں نے آپ کو وہ اونٹ بیچ دیا، اس شرط پر کہ اس کی پیٹھ کے مہرے میرے لئے ہو نگے یعنی میں اس پر سوار ہوؤں گا، یہاں تک کہ میں مدینہ منورہ پہنچ جاؤں، راوی کہتے ہیں: پس میں نے آپؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے نئی شادی کی ہے، پس میں نے آپؐ سے اجازت طلب کی (جلدی گھر جانے کی) پس آپؐ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی، پس میں مدینہ منورہ کی طرف لوگوں سے آگے بڑھ گیا، یہاں تک کہ میں گھر پہنچ گیا، پس مجھ سے میرے ماموں نے ملاقات کی اور انھوں نے مجھ سے اونٹ کے بارے میں دریافت کیا، میں نے ان کو خبر دی اس بات کی جو میں نے کی، یعنی اونٹ بیچ دینے کی بات بتلائی، پس انھوں نے مجھے ملامت کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا تھا جب میں نے آپؐ سے اجازت طلب کی تھی، تو نے کس سے شادی کی، باکرہ سے یا ثیبہ سے؟ میں نے عرض کیا: میں نے ثیبہ سے شادی کی ہے، آپؐ نے فرمایا: تو نے باکرہ سے شادی کیوں نہ کی کہ وہ تیرے ساتھ کھیلتی اور تو اس کے ساتھ کھیلتا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والد وفات پا چکے ہیں — یا کہا: — شہید کر دیئے گئے ہیں، اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں، پس میں نے ناپسند کی یہ بات کہ میں انہی جیسی لڑکی سے شادی کروں، جو نہ ان کو آداب سکھلا سکے اور نہ ان کی نگرانی کر سکے، پس میں نے ایک ثیبہ سے شادی کی تا کہ وہ ان کی نگرانی کرے اور ان کو گھر گرہستی (گھر کا انتظام کرنا) سکھلائے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پھر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں خدمت اقدس میں صبح سویرے اونٹ لے کر حاضر ہوا، آپؐ نے مجھے اس کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا۔

لغات: النَّاضِحُ: اونٹ جس پر پانی سیراب کرنے کے لئے لایا جائے، مؤنث: نَاضِحَةٌ، جمع: نَوَاضِحُ — الْفَقَارَةُ: ریڑھ کی ہڈی، جمع فَقَارٌ — ذُو الفَقَار: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا لقب، اس میں مُہرے تھے اس لئے یہ لقب ہے — العَرُوس: دلہا دلہن، جمع کے لئے کہا جاتا ہے: هُم عُرُسٌ وَهُنَّ عَرَائِس اور التباس دور کرنے کے لئے عورت پر عَرُوسَة کا اطلاق کیا جاتا ہے، جمع: عرائس۔

[۱۱۱-] حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاعْتَلَّ جَمَلِي، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ، وَفِيهِ: ثُمَّ قَالَ لِي "بِعْنِي جَمَلَكَ هٰذَا" قَالَ قُلْتُ: لَا، بَلْ هُوَ لَكَ، قَالَ: "لَا، بَلْ بِعْنِيهِ" قَالَ قُلْتُ: لَا، بَلْ هُوَ لَكَ، يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: "لَا، بَلْ بِعْنِيهِ" قَالَ قُلْتُ: فَإِنَّ لِرَجُلٍ عَلَيَّ أُوقِيَّةَ ذَهَبٍ فَهُوَ لَكَ بِهَا، قَالَ: "قَدْ أَخَذْتُهُ، فَتَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلَى الْمَدِينَةِ" قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ "أَعْطِهِ أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ، وَزِدْهُ" قَالَ فَأَعْطَانِي أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ، وَزَادَنِي قِيرَاطًا، قَالَ فَقُلْتُ: لَا تُفَارِقُنِي زِيَادَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَكَانَ فِي كِيسٍ لِي، فَأَخَذَهُ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ.

قوله: أَقْبَلْنَا من مكة إلخ: ہم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے ـــــ یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے اس کو اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔

قوله: فاعْتَلَّ جَمَلي: عَتَلَه: (ن،ض) عَتلاً: سختی سے کھینچنا۔

قوله: اوقية ذهب: آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دینار دس درہم میں بدلا جاتا تھا، پس ایک اوقیہ سونے کے چالیس درہم ہوئے۔

قوله: اعطِهِ اوقية من ذهب إلخ: آنحضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کو ایک اوقیہ سونا بلکہ کچھ زائد دیدو، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پس مجھے ایک اوقیہ سونے سے کچھ زائد دیا، پس میں نے (دل میں) کہا: رسول اللہ ﷺ کا زیادہ دیا ہوا سونا کبھی مجھ سے جدا نہ ہوگا، یعنی بطور تبرک ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پس میں اس کو اپنے تھیلے میں رکھتا تھا، پس واقعہ حرہ میں شامیوں نے وہ تھیلا مجھ سے چھین لیا۔

واقعہ حرّہ:

واقعہ حرّہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید خلیفہ بنا اور اس کا فسق وفجور برملا ہوا تو مدینہ منورہ کے باشندوں نے اس کی بیعت توڑ دی، چنانچہ یزید نے مُسلم بن عقبہ کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دے اگر وہ دوبارہ بیعت کرلیں تو مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار ہو، اور اگر اہل مدینہ بیعت کرنے سے انکار کردیں تو ان سے لڑو اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کے مال ومتاع خوب لوٹو۔

اہل مدینہ کو اس کی خبر ہوگئی، چنانچہ انھوں نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کردی اور لشکر جمع کرلیا، چنانچہ مقام حرہ میں جو مدینہ منورہ سے متصل تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے معرکہ پیش آیا، اور شدید جنگ ہوئی، مگر اہل مدینہ پسپا ہوگئے، اس کے بعد شامی افواج اہل مدینہ کے گھروں میں داخل ہوگئیں اور خوب لوٹ مار کی حتی کہ عورتوں کے زیورات تک چھین لئے، اسی لوٹ مار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تھیلی بھی لوٹ لی گئی۔

[١١٢-] حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَتَخَلَّفَ نَاضِحِي، وَسَاقَ

الْحَدِيثَ، وَقَالَ فِيهِ: فَنَخَسَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ لِي: "ارْكَبْ بِاسْمِ اللّٰهِ" وَزَادَ أَيْضًا: قَالَ: فَمَا زَالَ يَزِيدُنِي وَيَقُولُ "وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَكَ"

قوله:فنخسه رسول الله:نَخَسَ(ف،ن) نَخْسًا الدابة: جانور کے پہلو یا پچھلے حصے پر لکڑی وغیرہ چبھو کر اکسانا ــــــ بفلان: بھڑکانا، برانگیختہ کرنا۔

قوله:فما زال يزيدني: پس نبی اکرم ﷺ برابر مجھے زیادہ دیتے رہے اور فرماتے رہے: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائیں۔

[۱۱۳-] وحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَمَّا أَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَعْيَا بَعِيرِي- قَالَ- فَنَخَسَهُ فَوَثَبَ - فَكُنْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَحْبِسُ خِطَامَهُ لِأَسْمَعَ حَدِيثَهُ، فَمَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "بِعْنِيهِ؟" فَبِعْتُهُ مِنْهُ بِخَمْسِ أَوَاقٍ- قَالَ- قُلْتُ: عَلَى أَنَّ لِي ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: "وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِهِ فَزَادَنِي وُقِيَّةً ثُمَّ وَهَبَهُ لِي.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ میرے پاس آئے تو میرا اونٹ (چلنے سے) عاجز ہو چکا تھا، پس آپؐ نے اس کے پچھلے حصہ پر لکڑی چبھائی، تو وہ کودا، یعنی تیز دوڑا، یہاں تک کہ اس کے بعد میں اس کی لگام کھینچ کر رکھتا تاکہ میں آپؐ کی بات سن سکوں، لیکن میں اس پر قادر نہیں ہوا، پس نبی ﷺ مجھ سے آملے، پس آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دے، آگے ترجمہ اوپر آچکا۔

[۱۱۴-] حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا بَشِيرُ بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَافَرْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ - أَظُنُّهُ قَالَ: غَازِيًا- وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ وَزَادَ فِيهِ، قَالَ: "يَاجَابِرُ أَتَوَفَّيْتَ الثَّمَنَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "لَكَ الثَّمَنُ وَلَكَ الْجَمَلُ لَكَ الثَّمَنُ وَلَكَ الْجَمَلُ"

لغت: تَوَفّٰى تَوَفِّيًا حَقَّهُ: پورا حق لینا۔

[۱۱۵-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَارِبٍ؛ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: اشْتَرٰى مِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا بِوُقِيَّتَيْنِ وَدِرْهَمٍ أَوْ دِرْهَمَيْنِ -

قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا أَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَذُبِحَتْ فَأَكَلُوا مِنْهَا فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ أَمَرَنِي أَنْ آتِيَ الْمَسْجِدَ، فَأُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَوَزَنَ لِي ثَمَنَ الْبَعِيرِ فَأَرْجَحَ لِي.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ سے اونٹ خرید ا دو اوقیے اور ایک درہم چاندی کے بدلے میں ـــ یا فرمایا ـــ اور دو درہم چاندی کے بدلے میں، پھر جب آپؐ صرار مقام پر پہنچے (عراق کی طرف سے آتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر یہ مقام ہے) تو آپؐ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ گائے ذبح کی گئی، اور سب نے اس کو کھایا، پھر جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ میں مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھوں، اور آپؐ نے میرے لئے اونٹ کی قیمت وزن کی اور میرے لئے جھکتا ہوا تولا۔

تشریح: جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ لے کر حاضر خدمت ہوئے اس وقت آپؐ مسجد نبوی میں تھے، اور وہ چاشت کا وقت تھا، آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان کی رقم ادا کرنے کا انتظام کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے خزانچی تھے، پھر آنحضور ﷺ نے تول کر ان کو ثمن ادا کیا، اور جھکتا ہوا تولا، حضرت جابرؓ وہ ثمن لے کر جانے لگے، آدھی مسجد تک پہنچے تھے کہ آنحضور ﷺ نے ان کو واپس بلوایا، اور پوٹلی میں جو چاندی بچ گئی تھی وہ بھی ان کو عنایت فرمائی، پھر جب واپس جانے لگے تو پھر بلایا اور وہ اونٹنی بھی لوٹادی۔

[۱۱۶-] حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنَا مُحَارِبٌ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَاشْتَرَاهُ مِنِّي بِثَمَنٍ قَدْ سَمَّاهُ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْوُقِيَّتَيْنِ وَالدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ، وَقَالَ: أَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَنُحِرَتْ، ثُمَّ قَسَمَ لَحْمَهَا.

[۱۱۷-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: " قَدْ أَخَذْتُ جَمَلَكَ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ، وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ"

متعلقات کے اختلاف سے صرف نظر کرنا ضروری ہے:

فائدہ: صاحب افادات حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ نے بخاری شریف کے درس میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ جب کسی حدیث یا واقعہ کو متعدد حضرات روایت کرتے ہیں اور بار بار روایت کرتے ہیں تو متعلقات میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے، اس لئے کہ سب روات کی نظر حدیث اور واقعہ کے اصل مضمون پر ہوتی ہے، اس کو تو تمام روات یکساں بیان کرتے ہیں، مگر متعلقات پر ان کا زیادہ زور نہیں ہوتا، پس متعلقات میں روات کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث متعدد طرق سے پڑھی، اور روات کے درمیان بڑا اختلاف دیکھا، مگر اصل مضمون یعنی آنحضور ﷺ کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدنا اور طے شدہ

قیمت سے زیادہ مرحمت فرمانا، پھر اونٹ بھی واپس کر دینا: سب روات نے یکساں طور پر بیان کیا ہے، مگر دیگر بہت سی باتوں میں روات کے درمیان اختلاف ہوا ہے، وہ متعلقات کا اختلاف ہے اور ایسے متعلقات کے اختلاف سے صرف نظر کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۲- بَابُ جَوَازِ اقْتِرَاضِ الْحَيَوَانِ، وَاسْتِحْبَابِ تَوْفِيَتِهِ خَيْرًا مِمَّا عَلَيْهِ

جانور قرض لینے کا جواز اور بہتر واپس لوٹانے کا استحباب

قرض صرف مثلیات یعنی ایسی چیزیں لی جاسکتی ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہوسکتی ہو، اور مثلیات چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے کی چیزیں) اور معدوداتِ متقاربہ یعنی ایسی گننے کی چیزیں جن کے افراد میں بہت کم تفاوت ہو، جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ، ان کے علاوہ سب چیزیں ذوات القیم ہیں، ان کا قرض جائز نہیں، یہ اجماعی مسلّمہ اصول ہے، البتہ حیوان کو قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز نہیں، کیونکہ وہ ذوات القیم میں سے ہے، ایک ہی نوع کے حیوان میں واضح تفاوت ہوتا ہے، اور ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز ہے۔

قرض ودَین میں فرق:

ملحوظہ: قرض: وہ ذات الامثال ہیں جو کسی کو دی جائیں تا کہ وہ اس کا مانند آئندہ واپس کرے، جیسے روپے قرض دیئے، گیہوں قرض دیئے، تا کہ ایک وقت کے بعد مقروض اس کے مانند کو واپس کرے۔

اور دَین: وہ مال ہے جو ذمہ پر واجب ہوتا ہے کسی عقد کی وجہ سے یا کسی کی کوئی چیز ہلاک کرنے کی وجہ سے یا قرض لینے کی وجہ سے۔ پس قرض اور دَین میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ قرض خاص ہے اور دَین عام ہے۔

[۱۱۸-] حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ أَبُو رَافِعٍ، فَقَالَ: لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ: "أَعْطِهِ إِيَّاهُ، إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً"

[۱۱۹-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ، أَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ، مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "فَإِنَّ خَيْرَ عِبَادِ اللهِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً"

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے جوان اونٹ قرض لیا، پھر آپ کے پاس صدقات کے اونٹ آئے، پس آپ نے ابورافع کو حکم فرمایا کہ قرض خواہ کو اس کا جوان اونٹ لوٹا دو، ابورافع آپ کے پاس واپس لوٹ کر آئے اور عرض کیا: میں ان اونٹوں میں نہیں پاتا ہوں مگر اس سے بہتر سات برس کے جوان اونٹ کو، آپ نے فرمایا: ''وہی دیدو، اس لئے کہ لوگوں میں بہترین وہ لوگ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں بہتر ہوں''

سند: ابورافع سے یہ حدیث زید بن اسلم نے بواسطہ عطاء بن یسار روایت کی ہے، اور زید سے محمد بن جعفر نے بھی روایت کی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی، اگرچہ دونوں کی روایتیں لفظاً ذرا مختلف ہیں، مگر معناً ایک ہیں۔

لغات: البَكر: جوان اونٹ، جمع: أَبْكُر وبُكْران، مؤنث: بَكْرَةٌ ـــــ رَبَاعِيًّا: وہ اونٹ جو ساتویں سال میں داخل ہوگیا ہو اور رباعی دانت نکلنے لگے ہوں، مذکر کو رباعی اور مؤنث کو رباعیۃ کہتے ہیں۔

تشریح...... مذاہبِ فقہاء:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حیوان کو قرض پر لینا جائز نہیں، کیونکہ وہ ذوات القیم میں سے ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز ہے۔

مستدلات:

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال باب کی مذکورہ حدیث سے ہے، آنحضور ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا (آپ نے یہ قرض کسی مجاہد کے لئے لیا تھا) جب آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے حضرت ابورافع سے اس آدمی کو جوان اونٹ دے کر قرض ادا کرنے کا حکم دیا، مگر حضرت ابورافع نے صدقہ کے اونٹوں میں ویسا اونٹ نہ پایا، پس آنحضور ﷺ نے ان کو اچھا اور رباعی (چار دانتوں والا) اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی استدلال ہے، جو اس کے بعد آرہی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے بطور قرض ایک خاص عمر کا اونٹ لیا، قرض ادا کرنے کا جو وعدہ تھا اس میں ابھی وقت باقی تھا کہ یہودی آدھمکا اور اس نے قرض کا مطالبہ کیا اور سخت کلامی شروع کی، صحابہ نے اس کو تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا مگر آپ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو، اس کا حق ہمارے ذمہ ہے، اور صاحبِ حق کو (سخت بات) کہنے کا حق ہے'' یعنی اگر قرض خواہ سخت الفاظ استعمال کرے تو مقروض کو برداشت کرنا چاہئے، پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''اس کو اتنی عمر کا اونٹ جو ہم نے اس سے بطور قرض لیا ہے خرید کر لادو'' لوگوں نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا مگر نہ ملا، اس سے بہتر اونٹ مل رہا تھا، آپ کو صورتِ حال بتلائی گئی تو آپ نے فرمایا: ''وہی بہتر اونٹ خرید کر دیدو، تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بہتر ہیں''

یہ دونوں حدیثیں امام شافعی وغیرہ کی دلیل ہیں، ان میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا، معلوم ہوا کہ حیوان کا استقراض جائز ہے۔

اور احناف کہتے ہیں کہ حیوان ذوات القیم میں سے ہے، اور یہ مسلّمہ اصول ہے کہ صرف مثلیات کا قرض لینا جائز ہے یعنی صرف انہی چیزوں کا قرض لے سکتے ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہو سکتی ہو، اور وہ صرف چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات اور معدودات متقاربہ، ان کے علاوہ اشیاء ذوات القیم ہیں، حیوان بھی ذوات القیم ہے، ایک ہی نوع کے حیوان میں واضح تفاوت ہوتا ہے اور ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، پس حیوان کا استقراض جائز نہیں۔

اور مذکورہ حدیث کی احناف یہ تاویل کرتے ہیں کہ: اِستَسْلَفَ کے معنی قرض لینے کے متعین نہیں ہیں، وہ بیع کے معنی میں بھی آتا ہے، بیع سَلَم کے باب میں حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد ہے: مَن أَسْلَفَ مِنكُمْ فَلْيُسْلِفْ فی کیلٍ معلوم. الخ: (ترمذی حدیث ۱۲۹۶) وہاں أَسْلَفَ بیع کے معنی میں ہے، یہاں بھی وہی معنی ہے، یعنی مذکورہ دونوں واقعوں میں آنحضور ﷺ نے اونٹ قرض نہیں لیا تھا بلکہ ثمن کے بدلہ میں ادھار خریدا تھا، مگر چونکہ اس زمانہ میں نہ تو ثمن وافر مقدار میں موجود تھا اور نہ لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی، اس زمانہ میں عام طور پر لوگ اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ کرتے تھے، اور بعض مرتبہ ثمن کے بدلے میں خریدتے تھے پھر ثمن کی جگہ میں ویسی ہی چیز واپس کر دیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے اونٹ ثمن کے بدلہ میں خریدا تھا، مگر پھر ثمن نہ دے کر اس کے بدلہ میں اونٹ دیدیا، اور بہتر اونٹ دیا۔

اور یہ تاویل کرنی اس لئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہے پس اُس حدیث کی وجہ سے یہاں حدیث میں تاویل ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

چند فوائد:

۱۔ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عن بَيْعِ الْحَيَوان بالحَيَوانِ نِسْئَةً: یعنی نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنے سے منع فرمایا (ترمذی حدیث ۱۲۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے[1] ــــ امام شافعی رحمہ اللہ نے باب کی حدیث کی وجہ سے حضرت سمرۃؓ کی اس حدیث میں تاویل کی ہے، ان کے نزدیک اگر حیوان کا حیوان کے ساتھ تبادلہ ہو اور ایک عوض ادھار ہو تو بیع جائز ہے،

(۱) یہ حدیث حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے، حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک لقاء وسماع ثابت نہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت سمرۃ کی مرویات ایک کاپی میں مرقوم تھیں حضرت حسن بصری اسی کاپی سے روایت کرتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ انھوں نے صرف عقیقہ والی حدیث سنی ہے، باقی روایتیں کاپی سے بیان کی ہیں۔ اور امام بخاری، ابن المدینی اور امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر محدثین کے نزدیک لقاء وسماع ثابت ہے۔ اور حسن بصری حضرت سمرۃ سے جتنی حدیثیں روایت کرتے ہیں وہ سب ان کی سنی ہوئی ہیں۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب ایک حدیث میں سماع صحیح سند سے ثابت ہو گیا تو بقیہ احادیث کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ ہر حدیث میں سماع کا تذکرہ ضروری نہیں۔ یہی آخری رائے صحیح ہے (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰)

وہ یہ تاویل اس لئے کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا ہے، اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہی ہے، پس جس حدیث میں حیوان کو حیوان کے عوض ادھار بیچنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد دونوں عوضوں کا ادھار ہونا ہے ـــــ اور احناف حضرت سمرہؓ کی حدیث کی وجہ سے باب کی حدیث میں تاویل کرتے ہیں، ان کے نزدیک باب کی حدیثوں میں جو واقعہ ہے وہ قرض لینے کا نہیں بلکہ ثمن کے بدلہ میں ادھار خریدنے کا ہے، پھر آنحضور ﷺ نے ثمن کے مَد میں اونٹ ہی دیا اور بہتر اونٹ دیا۔

غرض: کسی ایک حدیث میں تاویل ناگزیر ہے، امام اعظم رحمہ اللہ باب کی حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ حضرت سمرہؓ کی حدیث میں تاویل کرتے ہیں، تاویل کے بغیر چارہ نہیں۔

۲- باب کی حدیث کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے جو اونٹ قرض لیا تھا وہ اپنے لئے نہیں بلکہ کسی مجاہد کے لئے لیا تھا، یعنی بیت المال کے لئے لیا تھا، چنانچہ صدقہ کے اونٹ سے قرض چکایا گیا تھا، اور بیت المال کے حقوق میں گنجائش برتی گئی ہے، اس پر مجہول حق بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کے لئے بھی مجہول حق ثابت ہوتا ہے، علماء نے اس کی صراحت کی ہے، پس بیت المال کے لئے حیوان کو قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔

۳- اور بعض علماء نے ترجیح کی راہ اختیار کی ہے، حضرت سمرہؓ کی حدیث سے حیوان کو قرض لینے کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے اور باب کی حدیث سے جواز، اور جب محرم و مُبیح میں تعارض ہوتا ہے تو دلیلِ حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے، اور یہ مسلمہ اصول ہے، پس حضرت سمرہؓ کی حدیث اصل اور باب کی حدیث مؤول (منسوخ) ہوگی۔

۴- بعض آثارِ صحابہ سے بھی حنفیہ کے مسلک پر استدلال کیا گیا ہے، مثلاً: مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے سود کی چند صورتوں کو بیان فرمایا، اور حیوان میں بیع سلم کرنے کو بھی سود قرار دیا، جب حیوان میں سلم سود ہے تو قرض تو بطریق اولیٰ سود ہوگا، حضرات ابن مسعود، حذیفہ بن الیمان اور سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہم وغیرہ اکابر صحابہ سے بھی اس قسم کے فتاوی مروی ہیں (بیع سلم کا بیان اور حیوان میں بیع سلم کے جواز وعدم جواز کا بیان چند ابواب کے بعد آرہا ہے)

[۱۲۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارِ بْنِ عُثْمَانَ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا -فَقَالَ لَهُمْ - اشْتَرُوا لَهُ سِنًّا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ" فَقَالُوا: إِنَّا لَا نَجِدُ إِلَّا سِنًّا هُوَخَيْرٌ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: "فَاشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ - أَوْ خَيْرَكُمْ - أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ پر ایک شخص کا کوئی حق تھا، اس نے اپنے حق کے لئے سخت کلامی کی، پس صحابہ کرام نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "بیشک صاحب حق کو زور زور سے بولنے کا حق ہے" (ہمیں برداشت کرنا چاہئے) پس آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اس کے لئے اونٹ خریدو، اور وہ اونٹ اس کو دیدو (تلاش بسیار کے بعد) صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم نہیں پاتے ہیں مگر ایسا اونٹ جو اس کے اونٹ سے بہتر ہے، آپؐ نے فرمایا: "وہی بہتر اونٹ خرید کر اس کو دیدو، پس بیشک تم میں بہترین وہ ہے جو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بہترین ہے" —— مِن خیر کم یا خیرَ کم میں راوی کو شک ہے۔

لغات: اَغلَظَ له في القول: درشت کلامی کرنا، سختی سے جھڑکنا —— هَمَّ (ن) هَمًّا بالشيء: ارادہ کرنا، پختہ ارادہ کرنا۔

[۱۲۱-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَقْرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنًّا فَأَعْطَى سِنًّا فَوْقَهُ وَقَالَ: "خِيَارُكُمْ مَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً"

[۱۲۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ يَتَقَاضَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا، فَقَالَ: "أَعْطُوهُ سِنًّا فَوْقَ سِنِّهِ - وَقَالَ - خَيْرُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیثیں علی بن صالح اور سفیان نے سلمۃ بن کُہیل اور ابو سلمہ کے واسطوں سے روایت کی ہیں، اور اِسْتَقْرَضَ: روایت بالمعنی ہے۔

۲۳- بَابُ جَوَازِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ مِنْ جِنْسِهِ مُتَفَاضِلًا

حیوان کی ہم جنس حیوان کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے

حیوان اموالِ ربویہ سے نہیں ہیں، ربوی اشیاء مکیلات اور موزونات ہیں، پس حیوان کی حیوان کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے، ہم جنس کے ساتھ بھی اور غیر جنس کے ساتھ بھی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[۱۲۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَابْنُ رُمْحٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ (ح) وحَدَّثَنِيهِ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَلَمْ يَشْعُرْ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بِعْنِيهِ؟" فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتَّى يَسْأَلَهُ: "أَعَبْدٌ هُوَ"

ترجمہ مع وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ کے دست مبارک پر ہجرت پر بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے، بعد میں اس کا آقا آیا اور اس نے آپؐ سے غلام کی واپسی کا مطالبہ کیا، آپؐ نے اس مسلمان غلام کو اس کافر آقا کی طرف لوٹانا مناسب نہیں سمجھا اس لئے آپؐ نے اس سے فرمایا: آپ یہ غلام مجھے بیچ دیں چنانچہ آپؐ نے وہ غلام خرید لیا اور بدلے میں دو کالے (حبشی) غلام دیئے۔ اس واقعہ کے بعد آپؐ کسی کو اس وقت تک بیعت نہیں کرتے تھے جب تک یہ نہ پوچھ لیں کہ وہ غلام تو نہیں؟ اگر غلام ہوتا تو واپس کر دیتے، ورنہ بیعت فرما لیتے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کی بیع غلام کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے کیونکہ غلام حیوان ہے ربوی مال نہیں، پس حیوان کی ہم جنس حیوان کے ساتھ بھی کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے۔

فائدہ: حیوان چونکہ گن کر بیچے جاتے ہیں اس لئے ان میں کمی بیشی جائز ہے، ایک بکرا دو بکروں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

جانور کو تول کر بیچنے کا حکم:

یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ بعض جانور تول کر بیچے جاتے ہیں، جیسے مرغیاں تول کر فروخت ہوتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تولنا محض تقدیر ثمن کے لئے ہوتا ہے، حقیقتاً تولنا مقصود نہیں ہوتا، ایک ساتھ سیکڑوں مرغیوں کا سودا ہوتا ہے، پس ہر ہر مرغی کا الگ الگ ثمن طے کرنا مشکل امر ہے، اس لئے تول کر مالیت کا اندازہ کرتے ہیں، لیکن اگر کسی جگہ حقیقتاً تولنا ہی مقصود ہو، تقدیر ثمن مقصود نہ ہو تو پھر ان کا شمار بھی ربوی اجناس میں ہوگا اور ہم جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں تفاضل جائز نہ ہوگا، بلکہ وہ حیوانات جن کو پتا چل جائے کہ وہ تُل رہے ہیں اور وہ اپنے کو ہلکا بھاری کر سکتے ہوں: ان کو تول کر بیچنا ہی جائز نہیں، البتہ اگر جانوروں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ تُل رہے ہیں یا وہ اپنے کو ہلکا بھاری نہ کر سکتے ہوں تو ان کو تول کر فروخت کر سکتے ہیں۔

غرض عام طور پر حیوانات گن کر بیچے جاتے ہیں اس لئے وہ اموال ربویہ نہیں ہیں اور ان میں تفاضل جائز ہے (تحفۃ الالمعی ۴:۱۴۵)

فائدہ (۲): حیوانات چونکہ اموال ربویہ نہیں ہیں پس ان کی کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے مگر ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دونوں عوض دست بدست ہوتے ضروری ہیں، ایک عوض بھی اگر ادھار ہوگا تو بیع فاسد ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک عوض ادھار ہو سکتا ہے، اگر دونوں عوض ادھار ہوں تو بیع جائز نہیں۔ غرض یہاں تین مسئلے ہیں دو اتفاقی اور ایک اختلافی (۱) دونوں عوض نقد ہوں تو بالاجماع بیع درست ہے (۲) دونوں عوض ادھار ہوں تو بالاجماع بیع فاسد ہے (۳) اگر ایک عوض نقد اور ایک ادھار ہو تو امام شافعی کے نزدیک بیع صحیح ہے اور امام

اعظمؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے۔

دلائل: اس مسئلہ میں درج ذیل روایتیں ہیں:

پہلی روایت: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الْکَالِیٔ بِالْکَالِیٔ: نبی ﷺ نے ایسا سودا کرنے سے جس میں دونوں عوض ادھار ہوں منع فرمایا (مشکوٰۃ حدیث ۲۸۶۳) کَلَأَ الدَّیْنُ (ف) کَلْئًا کے معنی ہیں: قرض کی ادائیگی میں دیر ہونا۔ اس سے اسم فاعل کَالِیٔ اور کَالٍ آتے ہیں، جس کے معنی ہیں: ادھار۔

دوسری روایت: لاَرِبَا إلاَّ فِی النَّسِیْئَۃِ: سود صرف ادھار میں ہے۔ یہ حدیث بخاری (حدیث ۲۱۷۸) میں ہے اور اسی حدیث کی بنا پر ابن عباسؓ دست بدست بیع کی صورت میں اتحاد جنس کی حالت میں بھی کمی بیشی کو جائز کہتے تھے بعد میں جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کو ربا والی حدیث سنائی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا (تفصیل گذر چکی ہے)

تیسری روایت: نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے عوض ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور صحیح ہے۔ اور یہ اعتراض کہ حضرت حسن بصری کا حضرت سمرۃ سے سماع نہیں یا صرف عقیقہ کی حدیث سنی ہے: صحیح نہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ نے حدیث کی تصحیح کی ہے (دیکھئے: گذشتہ باب کا حاشیہ)

چوتھی روایت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جانور ایک کے عوض ادھار بیچنا صحیح نہیں اور ایسا معاملہ دست بدست کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس حدیث کی سند میں اگرچہ حجاج بن ارطاۃ ہیں، مگر چونکہ وہ اس حدیث کے ساتھ متفرد نہیں اس لئے اس سے استدلال درست ہے، امام ترمذیؒ نے بھی حدیث کی تحسین کی ہے (ترمذی شریف باب ۲۱)

پانچویں روایت: گذشتہ باب میں گذری ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا، اور قرض اور بیع کے احکام ایک ہیں، ان میں فرق بہت کم ہے، اور قرض میں ادھار ہوتا ہی ہے۔

استدلال: بخاری کی حدیث اور حضرت سمرۃ کی حدیث احناف کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں عام ہیں، ایک عوض ادھار ہو یا دونوں عوض ادھار ہوں ہر صورت کو شامل ہیں۔ اور دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں یہ بات صاف ہے کہ حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع کمی بیشی کے ساتھ صرف دست بدست جائز ہے، ادھار جائز نہیں۔

اور امام شافعیؒ کا استدلال یہ ہے کہ حدیث میں بیع الکالی بالکالی کی ممانعت آئی ہے، اگر ایک عوض ادھار ہونے کی صورت میں بھی بیع ناجائز ہوتی تو الکالی بالکالی کی تخصیص کی ضرورت نہیں تھی، یہ تخصیص دلیل ہے کہ ترمذی کی حدیث میں اور بخاری کی حدیث میں دونوں عوض کا ادھار ہونا مراد ہے، ایک عوض کا ادھار ہونا مراد نہیں، یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے بیع الکالی بالکالی والی حدیث کے مفہوم مخالف سے ایک عوض کے ادھار ہونے کا جواز ثابت کیا ہے۔ اسی

طرح آپ ﷺ نے اونٹ قرض لیا ہے جس میں ادھار لازمی ہے، پس بیع میں بھی ایک عوض ادھار ہو تو بیع درست ہے
غرض یہ اختلاف نصوص فہمی کا ہے، احناف کے نزدیک دونوں حدیثیں عام ہیں اور شوافع کے نزدیک خاص ہیں
یعنی دونوں عوضوں کا ادھار ہونا ان حدیثوں کا مصداق ہے، مگر چوتھی حدیث احناف کی تائید کرتی ہے اس میں اگرچہ حجاج
بن ارطاۃ ہیں جو کثیر التدلیس ہیں، مگر ان کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر وہ متفرد نہ ہوں تو ان کی روایت مقبول
ہے۔ اس لئے امام ترمذیؒ نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، پس اس حدیث کو پہلی حدیث کی تائید کے طور پر پیش کیا
جاسکتا ہے (باقی بحث گذشتہ باب میں گذر چکی ہے)

۲۴- بَابُ الرَّهْنِ وَجَوَازِهِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ

سفر و حضر میں گروی رکھنے کا جواز

رہن: کے لغوی معنی: حبس اور روک رکھنے کے ہیں، ارشادِ پاک ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ (المدثر
آیت ۳۸) ہر شخص روکا جائے گا ان اعمال کی وجہ سے جو اس نے کئے —— اور اصطلاحی معنی ہیں: کسی حق کی وجہ سے کسی
شئ کو روک کر رکھنا، جس کے ذریعہ اس حق کو وصول کرنا ممکن ہو۔

آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں ابوشحم نامی ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا تھا، اور اپنا لوہے کا کرتا اس کے پاس
گروی رکھا تھا، معلوم ہوا کہ حضر میں گروی رکھنا جائز ہے، اور اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ
وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ (البقرۃ آیت ۲۸۳) یعنی اگر تم سفر میں ہو اور کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ تو کوئی چیز
بطور رہن قبضہ میں دیدو، اس سے ثابت ہوا کہ سفر میں بھی گروی رکھنا جائز ہے، اور حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوا کہ
آیت پاک میں سفر کی قید اتفاقی ہے۔

[۱۲۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) (قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ) عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ، فَأَعْطَاهُ دِرْعًا لَهُ رَهْنًا.

[۱۲۵-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ادھار خریدا، اور

اس کوبطور گروی اپنی زرہ دی۔

سند: یہ حدیث عیسیٰ بن یونسؒ نے بھی اعمشؒ سے روایت کی ہے، اور ابو معاویہ کے ہم معنی روایت کی ہے۔

[۱۲۶-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ الْأَعْمَشِ، قَالَ: ذَكَرْنَا الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، فَقَالَ: حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ.

حَدَّثَنَاه أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ: مِنْ حَدِيدٍ.

ترجمہ: اعمشؒ کہتے ہیں: ہم نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی مجلس میں سلم میں گروی رکھنے کا مسئلہ چھیڑا، پس ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: ہم سے اسود بن یزید نے بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے معین مدت تک غلہ ادھار خریدا، اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی۔

سند: یہ حدیث حفص بن غیاث نے بھی عبدالواحد کی طرح اعمش سے روایت کی ہے مگر ان کی روایت میں من حدید نہیں ہے۔

قولہ: ذکرنا الرهن فی السلم: یہاں سلم بمعنی قرض ہے، یعنی ابراہیم نخعیؒ کی مجلس میں یہ مسئلہ چھڑا کہ قرض میں گروی رکھنے کا کیا حکم ہے؟ پس حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سنا کر جواز پر استدلال کیا۔ واللہ اعلم

کیا شیٔ مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

ملحوظہ: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ نہیں چھیڑا ہے، مگر یہ ضروری مسئلہ ہے، اس لئے کہ شیٔ مرہونہ سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جو بحکم سود ہے، اس لئے افادۂ مزید کی خاطر ہم نے یہاں یہ مسئلہ تحریر کیا ہے:

مذاہبِ فقہاء: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک گروی کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور گروی کے مصارف مرتہن کے ذمہ ہونگے، مثلاً مکان گروی رکھا تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے اور مصارف: ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس وغیرہ مرتہن ادا کرے گا، یا گھوڑا گروی رکھا تو مرتہن اس پر سواری کر سکتا ہے، بکری گروی رکھی تو اس کا دودھ استعمال کر سکتا ہے اور ان کا چارہ پانی مرتہن کے ذمے ہے۔

دیگر ائمہ کے نزدیک شی مرہون سے انتفاع جائز نہیں، یہ انتفاع بحکم سود ہے، کیونکہ گروی قرضہ کی وجہ سے رکھی جاتی ہے اور حدیث ہے: کلُّ قرضٍ جرَّ نفعاً فهو ربا یعنی جس قرض سے فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے۔

البتہ اگر راہن شئ مرہون سے انتفاع کی اجازت دے تو مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا معروف نہ ہو، کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، پس جس علاقہ میں شئ مرہون سے انتفاع کا رواج ہے، وہاں راہن کی اجازت سے بھی انتفاع جائز نہیں، ہاں اگر شئ مرہون سے انتفاع معروف نہ ہو تو جائز ہے مثلاً کسی نے گھڑی گروی رکھی اب مرتہن کو کسی تقریب میں جانا ہے اس نے راہن سے گھڑی پہن کر تقریب میں جانے کی اجازت مانگی، راہن نے اجازت دیدی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ معروف نہیں، مگر اب اس گھڑی پر رہن کا حکم جاری نہ ہوگا بلکہ اب وہ امانت ہوگی، اگر مرتہن کی تعدی کے بغیر گھڑی ضائع ہو جائے تو ضمان واجب نہیں ہوگا، پھر جب تقریب سے واپس آکر اس نے گھڑی اتار کر رکھ دی تو دوبارہ رہن کا حکم لوٹ آئے گا۔

دوسرا حیلہ: یہ ہے کہ عقد اجارہ کر لیا جائے، مثلاً مکان گروی رکھا پس اس کا کچھ کرایہ طے کر لیا جائے تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے مگر اب یہ مکان گروی نہیں رہے گا اس پر اجارہ کے احکام جاری ہونگے، اور راہن کو ہر وقت مکان خالی کرانے کا حق ہوگا، مرتہن یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے قرض لوٹاؤ تب مکان خالی کروں گا کیونکہ اب مکان کا قرض سے کوئی تعلق نہیں رہا اور گھڑی کی طرح یہاں رہن کا حکم واپس نہیں لوٹے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ جتنے حیلے ہیں سب میں کہیں نہ کہیں پانی مرتا ہے، مثلاً رمضان میں حفاظ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک یا دو نمازیں اپنے ذمے لے لیتے ہیں تا کہ ختم قرآن پر جو نذرانہ ملے وہ نماز پڑھانے کی اجرت بن جائے، یہ حیلہ درست ہے مگر اس صورت میں پہلے تنخواہ طے کرنی ضروری ہے، ورنہ اجارہ فاسدہ ہوگا اور حیلہ کرنے والے تنخواہ مقرر نہیں کرتے وہ بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس باب کے حیلوں میں بھی جھول ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواری کا جانور: اس پر سواری کی جائے جب وہ گروی رکھا گیا ہو اور دودھ والے جانور کا دودھ پیا جائے جب وہ گروی رکھا گیا ہو اور جو سواری کرے اور دودھ پیئے اس پر ان کا چارہ پانی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شئ مرہون سے انتفاع کی اجازت دی ہے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے، دیگر ائمہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مسئلہ باب سے متعلق نہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شئ مرہون کے بقاء کے خرچے راہن کے ذمے ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور حفاظت مرتہن کے ذمے ہوتی ہے، اور اگر گھوڑا سواری کا ہے تو اس کو کرایہ پر اٹھانا اور مرہون جانور کا دودھ بیچنا مرتہن کے ذمے ہے، اور جو آمدنی ہو وہ رہن میں شامل ہوتی ہے مگر سادہ معاشرہ میں توسع ہوتا ہے، پائی پائی کا حساب نہیں ہوتا، نیز دیہات میں جانور کرایہ پر اٹھانا اور دودھ بیچنا دشوار ہے اور راہن کے لئے صبح وشام جانور کا چارہ مرتہن کے گھر پہنچانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا بھی دشوار ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرتہن ہی جانور کا خرچہ اٹھائے اور بدلے میں اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پیئے، پس یہ

گروی سے فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا لم سم بدلا ہے، اور دلیل اسی حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو بخاری (حدیث ۲۵۱۲) میں ہیں: الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كان مرهونا، ولبنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بنفقته إذا كان مرهونا، وعلى الذى يَرْكب ويَشْرَب النفقة: اس حدیث میں بِنَفَقَتِهِ کا مطلب وہی ہے جو جمہور نے بیان کیا ہے کہ یہ انتفاع بعوض مصارف ہے، مرہون سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے (تحفۃ الالمعی ۴:۱۷۶)

۲۵- بَابُ السَّلَمِ

بیع سلم کا بیان

سلم اور سلف ہم معنی ہیں سلم کے لغوی معنی ہیں: سپرد کرنا۔ اور سلف کے معنی ہیں: قرض دینا، بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی، نہ مجلس عقد میں، نہ بائع کی ملک میں، اور ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا، اور چونکہ مبیع موجود نہیں اس لئے جو ثمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے اس لئے اس کا دوسرا نام سلف ہوا۔

بیع سلم میں مبیع کی ہمہ جہتی تعیین ضروری ہے پس جس چیز کی پوری تعیین نہ ہوسکتی ہو اس کا سلم جائز نہیں۔ اور جس چیز کی پوری طرح تعیین ممکن ہو اس کا سلم جائز ہے، مثلاً: غلوں کی ہمہ جہتی تعیین ممکن ہے پس ان کی بیع سلم جائز ہے۔ بلکہ اب تو مشینری دور ہے، ہزاروں چیزیں ایک ہی سائز کی بنتی ہیں پس ان سب کی بیع سلم جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ صحتِ بیع کے لئے شرط ہے کہ مبیع بائع کی ملک میں ہو بلکہ منقولات قبضہ میں بھی ہوں اور بیع سلم میں مبیع مارکیٹ میں تو ہوتی ہے مگر بائع کی ملک میں نہیں ہوتی اس لئے قاعدے سے بیع سلم جائز نہیں ہونی چاہئے مگر یہ ایک استثنائی صورت ہے، اور اس کو اس لئے جائز رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی بغیر پیسوں کے زمین میں غلہ اگاسکتا ہے اور بڑے سے بڑا کارخانہ قائم کرسکتا ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس زمین تو ہے مگر بونے کے لئے بیج نہیں، زمین جوتنے کے لئے ہل بیل نہیں، سینچائی کے لئے مصارف نہیں، کھاد نہیں تو وہ کیا کرے؟ زمین کو کیسے کارآمد بنائے؟ اس کا طریقہ بیع سلم ہے: کسی تاجر کے پاس جائے اور اس سے سودا کرے اور کہے کہ مجھے رقم کی ضرورت ہے، گیہوں بونا ہے، بتاؤ گیہوں کتنا خریدو گے؟ چار مہینے کے بعد پانچ سو روپے فی کوئنٹل کے حساب سے دوں گا، تاجر کے لئے یہ ستا سودا ہے اس نے سو کوئنٹل خرید لیا اور فوراً پیسے دیدیئے وہ فوراً گیہوں بوئے گا اور چار مہینے کے بعد مبیع سپرد کردے گا، اس طرح اس نے سلم کی مدد سے کھیتی کرڈالی اور تین مہینوں کے بعد جب گیہوں پیدا ہوا تو اس نے سو کوئنٹل مشتری کو دیدیا باقی نفع میں رہا۔ یا مثلاً ایک شخص کو بنیان بُننے کا کارخانہ قائم کرنا ہے، وہ چند تاجروں کے پاس جاتا ہے اور سوت کا نمبر، سائز اور وزن وغیرہ تفصیل بتا کر طے کرلیتا ہے کہ چھ مہینے کے بعد سے تین سال تک ہر مہینے دو سو بنیان دوں گا اور پیشگی رقم لے لیتا ہے، اور مشینیں خرید کر کارخانہ شروع کردیتا ہے اور چھ مہینے کے بعد بنیان کی سپلائی شروع کردیتا ہے اور تین

سال کے بعد کارخانہ فری ہو جاتا ہے یہ ہے سلم کا فائدہ![1]

غرض بیع سلم کی مدد سے آدمی بغیر پیسوں کے بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ مبیع یعنی جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ ہر وقت مارکیٹ میں رہے تا کہ اگر کھیت میں گیہوں پیدا نہ ہو یا کارخانہ میں بنیان تیار نہ ہوں تو بائع بازار سے خرید کر مبیع سپرد کر سکے، اسی لئے کسی معین کھیت کی پیداوار کی شرط پر سلم جائز نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے: اس کھیت میں غلہ پیدا نہ ہو یا کم پیدا ہو، پس کہاں سے لا کر دے گا؟ گیہوں، چاول وغیرہ کی نوع تو متعین کر سکتے ہیں، بلکہ ضروری ہے مگر کسی معین کھیت کی پیداوار کی شرط لگانا جائز نہیں۔

حیوان کی بیع سلم کا حکم: حنفیہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ اس کے افراد بہت زیادہ متفاوت ہوتے ہیں، اس لئے ہمہ جہتی تعیین نہیں ہو سکتی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع میں ایک عوض ادھار ہو سکتا ہے اور بیع سلم میں بھی ایک عوض ادھار ہوتا ہے، پس یہ بیع جائز ہے، مگر حضرت کی یہ بات غور طلب ہے کہ حیوان کی (جو ادھار ہے) پوری طرح تعیین ممکن نہیں پس بوقت تسلیم نزاع ہو سکتا ہے، مثلاً: ایک شخص کو لڑکے کی شادی کرنی ہے اور بڑا ولیمہ کرنا ہے اس نے کسی قصائی سے دس بکریوں کا سلم کیا کہ فلاں تاریخ میں بکرے مہیا کر دینا اور پیسے ابھی دیدیئے، اب وہ قصائی مریل بکرے لایا تو سر پیٹنے کے علاوہ چارہ کیا ہوگا!

[۱۲۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) (قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا وَقَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ) عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ، السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ: "مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ، فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ"

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو مدینہ والے پھلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے، سال دو سال کی مدت تک، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کھجوروں میں بیع سلم کرے: (۱) پیمانہ، وزن اور (مسلم فیہ سپرد کرنے کی) مدت متعین کرلے" (یہ درحقیقت دو ہی شرطیں ہیں کیونکہ کیل و وزن ایک ہیں، پھر فقہاء نے ان شرطوں کو پھیلایا تو پانچ شرطیں بنیں، بلکہ اور زیادہ بعض نے پھیلایا تو سات شرطیں بنیں)

---

(۱) بیع سلم کا دوسرا نام "بیع المفالس" بھی ہے، یعنی مفلس لوگوں کی بیع، چونکہ یہ بیع درحقیقت وہی شخص کرتا ہے جس کے پاس رقم کا بندوبست نہ ہو، پس وہ آئندہ ملنے والے مال کو سستے دام پر فروخت کر کے فی الحال رقم کا انتظام کرتا ہے، اگر ضرورت مند نہ ہوتا تو کم قیمت پر فروخت نہ کرتا۔

تشریح ...... بیع سلم کی شرائط:

بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں: ــــ (۱) مُسلَم فیہ (مبیع) کی مقدار کا معلوم ہونا کہ وہ کتنے کلو یا کتنے کیل ہیں ــــ (۲) جنس کا معلوم ہونا کہ وہ چاول ہے، گندم ہے یا کچھ اور ــــ (۳) نوع وصفت کا معلوم ہونا یعنی وہ چاول اور گندم وغیرہ کس قسم کا ہوگا، اعلیٰ، ادنیٰ یا درمیانی؟ ــــ (۴) مدت کا معلوم ہونا: یعنی یہ معلوم ہو کہ مبیع کتنے عرصہ کے بعد مشتری کو سونپی جائے گی ــــ (۵) جگہ کا معلوم ہونا: یعنی مبیع سونپنے کی جگہ مقرر ہو ــــ (۶) ثمن پر قبضہ: یعنی مشتری اسی مجلس عقد میں ثمن بائع کو سپرد کرے ــــ (۷) ادھار: یعنی مسلم فیہ (مبیع) ادھار ہو، اگر نقد ہو تو یہ عقد سَلَم نہ ہوگا، اور ادھار کی مدت ایک ماہ یا زیادہ ہونی چاہئے ــــ (۸) مبیع کا وجود: یعنی مسلم فیہ وقت عقد سے سونپنے تک برابر بازار میں موجود رہے ــــ (۹) رأس المال یعنی ثمن (قیمت) کا متعین ہونا ــــ (۱۰) ثمن (قیمت) کی جنس کا معلوم ہونا کہ وہ درہم و دینار ہیں یا کرنسی نوٹ وغیرہ۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیع سلم میں مُسلَم فیہ (مبیع) کا ادھار ہونا شرط نہیں، نیز مُسلَم فیہ کا کیلی یا وزنی ہونا بھی شرط نہیں، اور وہ إلی أجلٍ معلوم کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر ادھار معاملہ ہو تو مدت کا معلوم ہونا شرط ہے، تاکہ نزاع پیدا نہ ہو، جیسے کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو دونوں کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے، ورنہ نہیں۔

غرض: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی چیزوں میں بھی سلم کا معاملہ ہو سکتا ہے جو کیلی یا موزونی نہ ہوں، چنانچہ وہ جانوروں میں بیع سلم کے جواز کے قائل ہیں، مگر احناف کے نزدیک صرف انہی چیزوں میں سلم جائز ہے جن کی ہمہ جہتی تعیین ممکن ہو، اور جانور میں ایسی تعیین ممکن نہیں پس ان میں سلم جائز نہیں، تفصیل ہم باب کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں۔

اور احناف کہتے ہیں کہ شریعت مطہرہ نے بیع سلم کو خلافِ اصول وقیاس مشروع کیا ہے، شریعت مطہرہ کے جو بنیادی اصول ہیں ان کی رُو سے بیع سلم جائز نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس میں بوقت عقد مبیع موجود نہیں ہوتی، اور معدوم کی بیع سے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، مگر کسان اور مزارع کی ضرورت کے پیش نظر خلاف قیاس بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، اور جو حکم خلافِ قیاس ہوتا ہے وہ اپنے موردِ کے ساتھ خاص ہوتا ہے اس میں قیاس کی گنجائش نہیں ہوتی، پس بیع سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا ادھار ہونا ہی ضروری ہے، اگر مسلم فیہ نقد ہو تو وہ عقد سلم نہ ہوگا۔

[۱۲۸-] حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ أَسْلَفَ فَلَا يُسْلِفْ إِلَّا فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ"

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ

ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَ حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ، وَلَمْ يَذْكُرْ "إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ"
حدثنا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، ح: وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ مَهْدِيٍّ، كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، بِإِسْنَادِهِمْ، مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، يَذْكُرُ فِيهِ "إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ"

اسناد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ حدیث ابن ابی نجیح نے عبد اللہ بن کثیر اور ابو المنہال کے واسطوں سے روایت کی ہے، اور ابن ابی نجیح سے سفیان بن عیینہؒ اور عبد الوارث روایت کرتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ سے یحییٰ بن یحییٰ، ابوبکر بن ابی شیبہ، اسماعیل بن سالم، محمد بن بشار اور عبد الرحمٰن بن مہدی روایت کرتے ہیں، ان کی روایتیں لفظاً مختلف ہیں مگر معناً یکساں ہیں۔

۲۶- بَابُ تَحْرِيمِ الإِحْتِكَارِ فِي الأَقْوَاتِ

طعام کی ذخیرہ اندوزی کی حرمت کا بیان

احتکار کے معنی ہیں: ذخیرہ اندوزی کرنا، اور اقوات: قوت کی جمع ہے: خوراک، اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء اس نیت سے ذخیرہ کر لینا کہ جب مہنگا ہو جائے گا تو فروخت کروں گا، یہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں لوگوں اور حیوانات کا ضرر ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے —— عام طور پر فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف انسانی اور حیوانی غذاؤں کا ذخیرہ کرنا ممنوع ہے، مگر حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: **كلّ ما أضر بالناس حبسه فهو احتكار**: یعنی ہر وہ چیز جس کی ذخیرہ اندوزی لوگوں کے لئے ضرر رساں ہو وہ احتکار کے حکم میں داخل ہے اور ممنوع ہے، علامہ صابونی رحمہ اللہ نے اسی قول کو مزاجِ شریعت کے موافق قرار دیا ہے، اس لئے کہ انسانوں کو کسی بھی طریقہ سے تکلیف پہنچانا انسانیت کے خلاف ہے۔

[۱۲۹-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ) عَنْ يَحْيَى (وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ) قَالَ: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ؛ أَنَّ مَعْمَرًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ" فَقِيلَ لِسَعِيدٍ: فَإِنَّكَ تَحْتَكِرُ؟ قَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ مَعْمَرًا الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيثَ كَانَ يَحْتَكِرُ.

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت معمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "ذخیرہ اندوزی خطا کار ہی کرتا ہے" ابن المسیبؒ سے عرض کیا گیا: آپ تو ذخیرہ اندوزی کرتے

ہیں؟ حضرت سعیدؒ نے فرمایا: بیشک معمرؓ جو یہ حدیث بیان کرتے تھے: وہ ذخیرہ اندوزی کیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت سعید کا عمل تو حجت نہیں کیونکہ وہ تابعی ہیں مگر حضرت معمر صحابی ہیں اوران کا عمل حجت ہے، پس اگر ذخیرہ اندوزی مطلقاً حرام ہوتی تو حضرت معمرؓ ہرگز ذخیرہ اندوزی نہ کرتے، اس لئے ذخیرہ اندوزی کی تفصیل ضروری ہے، چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ اقوات یعنی کھانے پینے کی وہ چیزیں جن پر لوگوں کا گذارہ ہے جیسے گندم، جو وغیرہ ان کا احتکار ممنوع ہے اور غیر اقوات کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، حضرت معمرؓ کیا ذخیرہ کرتے تھے؟ یہ بات تو معلوم نہیں مگر حضرت سعید زیتون کے تیل کا اور خَبَط یعنی درخت کے جھاڑے ہوئے پتوں کا ذخیرہ کرتے تھے، اور یہ دونوں چیزیں غیر اقوات میں سے ہیں اس لئے ان کا احتکار جائز ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اسٹاک کرنا جائز ہے، ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے۔ اور ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ کوئی چیز بڑی مقدار میں خرید کر رکھ لی جائے اور گرانی کا انتظار کیا جائے اور جب تک بھاؤ نہ بڑھے بیچی نہ جائے اور اسٹاک کرنا یہ ہے کہ دوکان کی ضرورت کے بقدر چیز خرید لی جائے اور اس کی فروختگی جاری رکھی جائے، اول ممنوع ہے کیونکہ اس سے چیزوں کی قلت ہوجاتی ہے بلکہ تجار اس طرح مصنوعی قحط پیدا کردیتے ہیں، اور ثانی جائز ہے، کیونکہ اس سے نہ داموں پر اثر پڑتا ہے نہ قحط سالی پیدا ہوتی ہے، اور حضرت معمرؓ اور حضرت سعیدؒ اسٹاک کرتے تھے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔

[۱۳۰-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ"

قَالَ إِبْرَاهِيمُ: قَالَ مُسْلِمٌ: وحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِنَا، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ مَعْمَرِ بْنِ أَبِي مَعْمَرٍ، أَحَدِ بَنِي عَدِيِّ ابْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى.

اسناد: حضرت معمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے راوی سعید بن المسیب رحمہ اللہ ہیں، ان سے یحییٰ بن سعید اور محمد بن عمرو بن عطاء روایت کرتے ہیں۔

قولہ: قال إبراهيم: یہ امام مسلم رحمہ اللہ کے تلمیذ ہیں۔

قولہ: وحدثنی بعض اصحابنا: پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ بعض حضرات نے مسلم شریف کی چودہ حدیثوں کو مقطوع قرار دیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے، مگر قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو مقطوع قرار دینا صحیح نہیں، بلکہ یہ مجہول سے روایت ہے، اور امام مسلمؒ نے بطور متابعت اس کو روایت کیا ہے (دیکھئے کتاب المساقات باب ۴)

۲۷- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ

بیع میں جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت

الحِلْف: (حاء کا زیر لام ساکن) کے معنی ہیں: بے وفائی نہ کرنے کی قسم کھانا، اور الحَلْف (بفتح الحاء) کے معنی ہیں: قسم کھانا، اور الحَلِف (حاء کا زبر اور لام کا زیر) کے معنی ہیں: قسم، اور یہاں جھوٹی قسم مراد ہے —— قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت سے گنہ گاروں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے مگر تین شخصوں کو معافی نہیں ملے گی، ان میں سے ایک اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعہ بیچنے والا ہے، کتاب الایمان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر نہیں فرمائیں گے، اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کریں گے یعنی ان کے گناہ بغیر سزا کے معاف نہیں کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں، وہ تو بڑے ناکام اور نامراد ہونگے، آپؐ نے فرمایا: احسان جتلانے والا، لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعہ چلانے والا (دیکھئے ایضاح المسلم ۱: ۲۸۳)

[۱۳۱-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ. حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ الْأُمَوِيُّ، ح: وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، كِلَاهُمَا عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ؛ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "الْحَلِفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مُمْحِقَةٌ لِلرِّبْحِ"

[۱۳۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) (قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ) عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ، فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹی قسم کھانے سے سامان بک جاتا ہے مگر بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے''

دوسری حدیث: یہ حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیع میں جھوٹی قسمیں بکثرت کھانے سے بچو، اس لئے کہ اس سے سامان بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہوجاتی ہے''

تشریح: یہاں جھوٹی قسم مراد ہے کیونکہ سچی قسم تو قرآنِ کریم میں اللہ پاک نے بھی کھائی ہے اور حدیثوں میں نبی ﷺ نے بھی کھائی ہے، پس اس سے برکت کیسے ختم ہوگی؟ اس لئے جھوٹی قسم مراد ہے، جھوٹی قسم کھانے سے مال تو بک جاتا ہے

مگر بیع کی برکت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح سود لینے سے بظاہر مال بڑھتا ہے مگر اس کو اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن مٹا دیتے ہیں۔

۲۸- بَابُ الشُّفْعَةِ

شُفعہ کا بیان

مادہ ش، ف، ع کے لغوی معنی ہیں: ملانا، دو رکعتیں شفعہ کہلاتی ہیں کیونکہ ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے، اسی طرح کسی کی درخواست پر جو سفارش لکھی جاتی ہے اس کو 'شفاعت' کہتے ہیں، کیونکہ سفارش لکھنے والے نے اپنی سفارش درخواست کے ساتھ ملائی۔

اور اصطلاح میں: شفعہ بکی ہوئی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ ملانے کا نام ہے۔ جو جائداد فروخت ہوئی ہے شفیع اس کو اپنی جائداد کے ساتھ ملاتا ہے، شریعت نے اس کو یہ حق دیا ہے اس لئے اس کا نام 'حق شفعہ' ہے۔ شفیع تین ہیں: (۱) نفس مبیع میں شریک (۲) شریک فی الحقوق (۳) محض پڑوسی، تفصیل حدیث شریف کے بعد آئے گی۔

[۱۳۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، ح: وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي رَبْعَةٍ أَوْ نَخْلٍ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ، فَإِنْ رَضِيَ أَخَذَ، وَإِنْ كَرِهَ تَرَكَ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کا کوئی شریک ہو زمین میں یا باغ میں تو اس کے لئے اپنا حصہ بیچنا جائز نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے شریک کو خبر کر دے، پس اگر وہ راضی ہو تو خود لے لے اور اسے ناپسند ہو تو چھوڑ دے۔

لغات: الرَّبْعُ: گھر، گھر کا اردگرد، جمع: رِبَاعٌ، رُبُوعٌ، أَرْبُعٌ، أَرْبَاعٌ، اس کے اصل معنی ہیں: وہ مکان جس میں موسم ربیع گذارا جائے ــــــ آذَنَ إِيْذَانًا فلانًا الأمرَ وبالأمر: آگاہ کرنا، جتلانا۔

کیا منقولہ اشیاء میں شفعہ ہے؟

جمہور علماء کے نزدیک بشمول ائمہ اربعہ صرف مکان وجائداد میں یعنی صرف غیر منقولہ اشیاء میں شفعہ کا حق ہوتا ہے، منقولہ اشیاء میں شفعہ کا حق نہیں، اور بعض علماء کے نزدیک ہر چیز میں خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، شفعہ کا حق ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی بھی یہ ایک روایت ہے ــــــ باب کی احادیث جمہور کا مستدل ہیں، ان میں نبی ﷺ نے گھر، باغ اور زمین میں شفعہ کا حق ہونے کی بات ارشاد فرمائی ہے، اور یہ سب غیر منقولہ اشیاء ہیں، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو سنن بیہقی میں ہے حصر کے ساتھ یہ بات ہے: لا شفعة إلا في دار أو عقار: یعنی شفعہ کا

حق صرف زمین اور جائداد میں ہے۔

اور دوسرے فریق کا مستدل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو ترمذی شریف (ترمذی حدیث ۱۳۵۶) میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: الشریکُ شفیع، والشفعة فی کل شيءٍ: یعنی شریک کو شفعہ کا حق ہے اور شفعہ کا حق ہر چیز میں ہے ـــــ مگر اس حدیث کے مرفوع اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور راجح اس کا مرسل ہونا ہے (ترمذی باب ۹۶، ابواب البیوع)

علاوہ ازیں: اس میں کلُّ شَيْءٍ سے زمین وجائداد اور مکان وغیرہ غیر منقولات مراد ہیں اور قرینہ بخاری شریف کی حدیث ہے: إذا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلا شُفْعَةَ: یعنی جب سرحدیں قائم کردی جائیں اور سرکاری راستے تک پہنچنے کے لئے راستے الگ کر لئے جائیں تو شفعہ نہیں، اس حدیث کا مدلول بھی یہی ہے کہ صرف زمین وغیرہ غیر منقولات میں شفعہ ہے۔ واللہ اعلم

شفیع کی اقسام:

شفعہ کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے، اس میں حجازی اور عراقی فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، شفیع کتنے ہیں؟ اور کون ہیں؟ حجازی فقہاء (ائمہ ثلاثہ) کہتے ہیں کہ شفیع صرف ایک ہے، بکی ہوئی جائداد میں جو شریک ہے اور وہ جائداد قابل تقسیم ہے [1] تو شریک کو حق شفعہ ملے گا، بکی ہوئی جائداد شفیع اجنبی کو نہیں لینے دے گا، بلکہ جس قیمت پر وہ جائداد بکی ہے اسی قیمت پر شفیع اس کو خرید کر اپنی جائداد کے ساتھ ملالے گا، یہی حق شفعہ ہے۔

اور فقہاء عراق (حنفیہ) کہتے ہیں کہ شفیع تین ہیں:

اول: نفس مبیع میں شریک، خواہ مبیع قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

دوم: شریک فی الحقوق، مبیع کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، جیسے دو بھائیوں کی زمین الگ الگ ہے مگر کنواں مشترک ہے، دونوں اسی سے اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں، پس یہ شریک فی الحقوق ہیں، اسی طرح مکان کا راستہ ایک ہے، بدرو (گندے پانی کی نالی) ایک ہے تو یہ بھی شریک فی الحقوق ہیں، اسی طرح مکانوں کا راستہ ایک ہے تو یہ بھی شریک فی الحقوق ہیں۔

سوم: محض پڑوسی جو کسی بات میں شریک نہیں، نہ مبیع میں نہ حقوق میں، بلکہ محض پڑوسی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں ترتیب وار شفیع ہیں، سب سے پہلے شفعہ کا حق شریک فی نفس المبیع کا ہے، چاہے مبیع قابل

(۱) قابل تقسیم جیسے بڑا گھر، جس کے بیچ میں دیوار کر کے دو گھر بنا سکیں۔ اور چھوٹا غسل خانہ قابل تقسیم نہیں، قابل تقسیم وہ جائداد کہلاتی ہے، جس کی پہلی منفعت تقسیم کے بعد باقی رہے، بڑا گھر بیچ میں دیوار کر کے بھی رہنے کے قابل ہوتا ہے اور چھوٹے غسل خانہ میں اگر دیوار کرلی جائے گی تو غسل خانہ نہیں رہے گا، مرغیوں کا ڈربہ بن جائے گا، ہاں بڑا غسل خانہ جو دیوار بننے کے بعد دو غسل خانے ہو جائیں قابل تقسیم ہے۔

تقسیم ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ شفیع نہیں ہے یا وہ شفعہ نہیں لینا چاہتا تو دوسرے نمبر پر شریک فی الحقوق ہے، اور اگر وہ بھی نہیں ہے یا شفعہ لینا نہیں چاہتا تو پھر جار محض کو حق شفعہ ملے گا۔

نوٹ: شریک فی الحقوق کو جار بھی کہتے ہیں، پس جار کی دو قسمیں ہوئیں: جار فی الحقوق، اور جار محض۔

دلائل:

اس مسئلہ میں چار حدیثیں ہیں: امام مسلم رحمہ اللہ ان میں سے کوئی حدیث نہیں لائے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک یا دو حدیثیں پیش کی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ چاروں حدیثیں لائے ہیں، وہ چاروں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں ورنہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری ہوگی۔

پہلی حدیث: بخاری شریف میں ہے جو اصح مافی الباب ہے: الشفعةُ فی مَالَم يُقْسَمْ فإذا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فلا شُفْعَةَ: (بخاری حدیث ۲۲۱۳ و ۲۲۵۷) یعنی حق شفعہ اسی جائداد میں ہے جو بانٹی نہیں گئی، پس جب سرحدیں قائم ہو جائیں اور راہیں الگ الگ کر لی جائیں یعنی سرکاری راستہ تک پہنچنے کی راہیں ہر ایک نے جدا کر لیں، تو شفعہ نہیں ہے، یہ حدیث اصح مافی الباب ہے مگر اس کا مطلب (ما سِيقَ لأجله الكلام) کیا ہے؟ اس میں حجازی اور عراقی فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

دوسری حدیث: الشريكُ شفيع، والشفعة فی كل شیئ: مبیع میں شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز (جائداد) میں ہے، خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

تیسری حدیث: الشريكُ شفيع إذا كان طريقهما واحداً ينتظر به إذا كان غائبا: شریک کے لئے حق شفعہ ہے جب دونوں جائدادوں کا راستہ ایک ہو، اگر وہ شریک سفر میں ہو تو اس کا انتظار کیا جائے، کیونکہ اس کا حق پہلے ہے۔

چوتھی حدیث: جار الدار أحق بالدار: گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حق دار ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث الجار أحق بسقبه کے الفاظ سے بھی مروی ہے، سقب کے معنی ہیں: قرب، یعنی پڑوسی اپنے قریب کی جائداد کا زیادہ حق دار ہے۔

یہ سب حدیثیں قابل استدلال ہیں اور حنفیہ نے سب کو لیا ہے، کوئی حدیث چھوڑی نہیں، حنفیہ کا یہی طریقہ ہے وہ پہلے جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ حنفیہ نے کہا کہ دوسری حدیث سے شریک فی نفس المبیع کے لئے شفعہ ثابت ہوا، اور تیسری حدیث سے جار فی الحقوق کے لئے اور آخری حدیث سے جار محض کے لئے شفعہ کا حق ثابت ہوا۔

اور ائمہ ثلاثہ نے پہلی حدیث لی جو اصح مافی الباب ہے اور کہا کہ شفعہ صرف اس شریک کے لئے ہے جو نفس مبیع میں شریک ہے، اور مبیع قابل تقسیم ہے، جیسے گھر اور زمین، اور اگر مبیع قابل تقسیم نہیں، جیسے چھوٹا غسل خانہ تو شریک کے لئے بھی حق شفعہ نہیں، اور باقی تینوں حدیثیں انھوں نے نہیں لیں۔ انھوں نے ترجیح کا راستہ اختیار کیا، جو حدیث اصح مافی الباب

تھی اس کو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔

اور حنفیہ اصح مافی الباب حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں مسئلہ کا بیان نہیں، بلکہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے، ایک شخص مرگیا، پچاس بیگھے زمین چھوڑی، اس کے وارث تین لڑکے ہیں انھوں نے زمین تقسیم کرلی، اور اپنے کھیتوں کی مینڈھیں بنالیں اور سرکاری راستہ تک جانے کا ہر ایک نے راستہ الگ کرلیا پھر ایک بھائی کے پڑوس میں زمین بکی تو تینوں بھائی شفعہ لینے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے باپ کی زمین کے پاس جائداد بکی ہے پس ہم سب اس کے شفیع ہیں۔ ایسے قضیہ کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ تینوں کے لئے حق شفعہ نہیں، اگر زمین مشترک ہوتی، بانٹی نہ گئی ہوتی تو تینوں بھائی شفعہ کے حق دار تھے۔ مگر جب بھائیوں نے زمین بانٹ لی اور ہر ایک نے اپنی زمین کی سرحد قائم کرلی اور راستے الگ کرلئے تو اب تینوں بھائیوں کے لئے حق شفعہ نہیں، صرف اس بھائی کے لئے حق شفعہ ہے جس کی زمین بکی ہوئی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

بہر حال یہ ایک جھگڑے کا تصفیہ ہے یہ مسئلہ نہیں ہے، مسائل باقی تین حدیثوں میں ہیں اور اصح مافی الباب حدیث میں صرف غلط فہمی کا ازالہ ہے۔

اور اختلاف کی بنیاد یہ بھی ہے کہ شفعہ کی علت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علت: ضرر قسمت سے بچنا ہے اور احناف کے نزدیک علت: ضرر جوار سے بچنا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جب کوئی گھر دو بھائیوں میں مشترک ہوگا تو دونوں ساتھ رہیں گے، پھر جب کوئی اجنبی خریدار آگیا تو گھر دیوار بنا کر تقسیم کرنا پڑے گا، اور اس کے خرچہ میں بھائی کو بھی شریک ہونا پڑے گا، پس اگر وہ بٹوارے کے خرچہ سے بچنا چاہے تو اجنبی کو نہ آنے دے، اس کا حصہ اسی قیمت پر خود خرید لے، اور یہ علت صرف اس شریک میں پائی جاتی ہے جو نفس مبیع میں شریک ہے، اور مبیع قابل تقسیم ہے، اگر مبیع قابل تقسیم نہ ہو تو بٹوارے کا سوال ہی نہیں۔

اور احناف کے نزدیک شفعہ کی علت برے پڑوسی کے ضرر سے بچنا ہے، اگر ناہنجار پڑوسی آگیا تو زندگی اجیرن کردے گا، اور یہ علت تینوں شفیعوں میں پائی جاتی ہے، پس ترتیب وار تینوں کے لئے حق شفعہ ہے۔

[۱۳۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ نُمَيْرٍ) (قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ) حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شِرْكَةٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ، لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ، فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ، فَإِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس مشترک چیز میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو، وہ زمین ہو یا باغ، پس کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا حصہ فروخت کرے یہاں تک کہ وہ اپنے شریک کو خبر کردے، پس اگر شریک چاہے تو اس کو خود لے لے اور چاہے تو نہ لے، پس جس شخص نے (زمین وغیرہ) بیچ دی اور شریک کو خبر نہ دی تو وہ شریک اس کا زیادہ حقدار ہے ــــ الحائط: دیوار، باغ، جمع: حِیطان وحِیاط ــــ حائط: اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چاردیواری ہو۔

قوله: قَضَى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة في كل شركة لم تقسم إلخ: ائمہ ثلاثہؒ اس کا منطوق اور مفہوم دونوں لیتے ہیں، یعنی جائداد قابل قسمت ہو تو اس میں شفعہ ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو چیز قابل تقسیم نہیں اس میں شفعہ نہیں، اور احناف کہتے ہیں کہ اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ وہ ایک قضیہ کا تصفیہ ہے، لفظ قَضَى اس پر دلالت کرتا ہے۔

[۱۳۵-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ؛ أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شِرْكٍ فِي أَرْضٍ أَوْ رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يَعْرِضَ عَلَى شَرِيكِهِ فَيَأْخُذَ أَوْ يَدَعَ فَإِنْ أَبَى فَشَرِيكُهُ أَحَقُّ بِهِ حَتَّى يُؤْذِنَهُ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حق شفعہ ہر مشترک چیز میں ہے، زمین میں بھی، جائداد میں بھی اور باغ میں بھی، اپنا حصہ بیچنا درست نہیں، یہاں تک کہ اپنے شریک پر پیش کرے، پس وہ خود لے یا چھوڑ دے، پس اگر وہ انکار کرے تو (دوسرا) شریک زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ اس کو خبر کردے۔

قوله: الشفعة في كل شرك إلخ: ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کا بھی منطوق اور مفہوم لیا ہے، منطوق یہ ہے کہ شریک کے لئے شفعہ ہے اور مفہوم مخالف یہ ہے کہ غیر شریک کے لئے شفعہ نہیں، اور احناف نے صرف منطوق لیا ہے کہ شریک کے لئے خواہ نفس مبیع میں شریک ہو یا حقوق میں شفعہ ہے اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ دیگر روایات سے غیر شریک کے لئے بھی شفعہ ثابت ہے۔

قوله: حتى يَعْرِضَ على شريكه إلخ: کوئی شخص اپنی جائداد بیچنا چاہتا ہے اور اس کا کوئی شفیع ہے تو اس کو چپکے سے جائداد اجنبی کو فروخت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ بات چھپی نہیں رہے گی، کسی دن ظاہر ہوگی تو شفیع دعوی کرکے جائداد لے لیگا، پھر چھپانے سے کیا فائدہ ہوا؟ البتہ زندگی بھر کے لئے شفیع کا دل کھٹا ہو جائے گا، بلکہ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے شفیع کے سامنے پیش کش کرے، عرض کے معنی ہیں: پیش کرنا، اگر شفیع انکار کرے تو جس کو چاہے بیچے۔

مسئلہ: شفیع کے انکار کے بعد اگر جائداد اجنبی کو بیچی تو اب شفیع شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے یا نہیں؟ حکم بن عتیبہؒ جو بڑے

تابعی ہیں کہتے ہیں: اگر شفیع بیع سے پہلے حق شفعہ سے دستبردار ہوجائے تو اب بیع کے بعد شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا۔ اور امام شعبی رحمہ اللہ جو بڑے تابعی ہیں، فرماتے ہیں: اگر مجلس عقد میں شفیع موجود تھا اور اس نے اعتراض نہیں کیا، خاموش رہا تو اب بیع کے بعد شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا، اس کی خاموشی دلیل ہے کہ وہ شفعہ نہیں لینا چاہتا۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: وہ دعوی کرسکتا ہے، کیونکہ جس وقت اس نے شفعہ چھوڑا تھا اس وقت تک حق شفعہ ثابت نہیں ہوا تھا، جیسے بیٹیاں باپ کے سامنے بیٹوں کے حق میں جائداد میں اپنے حق میراث سے دستبردار ہوجائیں، پھر باپ مرجائے تو اب بہنوں کو اپنا حق مانگنے کا حق ہے، کیونکہ جب وہ اپنے حق سے دستبردار ہوئی تھیں اس وقت تک ان کا حق میراث ثابت ہی نہیں ہوا تھا۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں مکان یا زمین تقسیم کرکے بیٹوں کو قبضہ دیدے تو اب بیٹیاں دعوی نہیں کرسکتیں۔

۲۹- بَابُ غَرْزِ الْخَشَبِ فِي جِدَارِ الْجَارِ

پڑوسی کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کا بیان

اگر کوئی شخص پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو کیا پڑوسی پر اس کو کڑی رکھنے کی اجازت دینا واجب ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حق واجب ہے یعنی پڑوسی پر واجب ہے کہ وہ کڑی رکھنے دے ورنہ گنہ گار ہوگا، دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حکم اخلاق و مروت کے باب سے ہے، یعنی دیوار پر کڑی رکھنے دینا مستحب ہے واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم امام احمد رحمہ اللہ کے موافق ہے اور قول جدید میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

[۱۳۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَمْنَعْ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ" قَالَ: ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.
حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، ح: وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے نہ روکے کہ وہ اپنی کڑیاں گاڑے اس کی دیوار میں، جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی تو سننے والوں نے سر جھکالیا، حضرت ابو ہریرہؓ سمجھ گئے کہ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں آئی، پس آپؓ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تمہیں حدیث سے

اعراض کرنے والا دیکھ رہا ہوں؟ بخدا! ضرور ماروں گا میں یہ حدیث تمہارے شانوں کے درمیان یعنی میں یہ حدیث تمہیں ضرور سناؤں گا ـــــ بات درحقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث مسئلہ کے طور پر سنائی تھی، جبکہ مسئلہ یہ نہیں ہے۔اب حدیث کا معارضہ تو جائز نہیں تھا اس لئے لوگوں نے سر جھکالیا۔

سند: یہ حدیث ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے ابن عیینہؒ، یونسؒ اور معمرؒ نے بھی امام مالک رحمہ اللہ کی طرح اسی سند سے ہم معنی روایت کی ہے۔

تشریح: پڑوسی اپنے گھر میں کمرہ بنانا چاہتا ہے، وہ اپنی کڑیاں ہماری دیوار میں گھسانا چاہتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو مت روکو، یہ مسئلہ اخلاقیات کے باب سے ہے، قضاءً روکنے کا حق ہے، کیونکہ دیوار میں کڑیوں کا پیوست ہونا آگے چل کر دیوار میں استحقاق کی بنیاد بن سکتا ہے، اس لئے قضاءً روکنے کا حق ہے۔

۳۰- بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ وَغَصْبِ الْأَرْضِ

ظلم کی اور زمین غصب کرنے کی حرمت کا بیان

ظُلم: اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے، اور ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی، کسی کا حق مارنا۔اور ظلم تین طرح کا ہوتا ہے: اول: وہ ظلم جو انسان اللہ کے معاملہ میں کرتا ہے یعنی اللہ کا شریک ٹھہرانا یہ سب سے بڑا ظلم ہے جو نا قابل معافی ہے۔دوم: وہ ظلم جو انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔سوم: وہ ظلم جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے یعنی اپنا نقصان کرتا ہے، کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرتا ہے ـــــ یہ تینوں درجہ بدرجہ ظلم ہیں۔

سورۂ ابراہیم کی آیات (۴۲-۴۷) میں ارشادِ پاک ہے: "اور جو کچھ یہ ظالم لوگ (کفار) کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھو، ان کو صرف اس دن تک مہلت ہے جس میں ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، وہ دوڑتے ہونگے، اپنے سر اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے اور ان کی نگاہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئے گی، اور ان کے دل خالی (بدحواس) ہونگے، اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جس دن ان پر عذاب آپڑے گا، پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تھوڑی مدت کے لیے ہمیں ڈھیل دیدیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے، اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا) کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم کو (اس دنیا سے) کہیں جانا نہیں؟ (یعنی تم قیامت کے منکر تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے) حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذاتوں کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اور ہم نے تم سے مؤثر مضامین بیان کردیئے تھے، اور ان لوگوں نے اپنی والی بہت سی بڑی بڑی تدبیریں کرلی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں، اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں (مگر سب گاؤ خرد

ہو گئیں) پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے زبردست اور پورا بدلہ لینے والے ہیں"

کسی کی زمین دبانا بھی بڑا ظلم ہے، چونکہ زمین جائداد ہے اور اس کی منفعت دیرپا ہے پس اس کو دبانا بہت بڑا ظلم ہے، حدیث شریف میں سخت وعید آرہی ہے۔

[۱۳۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ"

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ظلماً دبائے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کی مالا پہنائیں گے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ ہے کہ اس کو سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طوق (مالا) پہنانا ایک تعبیر ہے جیسے دھنسانا، یعنی اس کو نہایت سخت سزا دی جائے گی، پس ان الفاظ میں سات زمینوں کی ہیئت کذائی کی طرف کوئی خاص اشارہ نہیں ہے۔

[۱۳۸-] حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ؛ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ؛ أَنَّ أَرْوَى خَاصَمَتْهُ فِي بَعْضِ دَارِهِ، فَقَالَ: دَعُوهَا وَإِيَّاهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ، طُوِّقَهُ فِي سَبْعِ أَرَضِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً، فَأَعْمِ بَصَرَهَا، وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِي دَارِهَا.
قَالَ فَرَأَيْتُهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ، تَقُولُ: أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، فَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِي فِي الدَّارِ مَرَّتْ عَلَى بِئْرٍ فِي الدَّارِ، فَوَقَعَتْ فِيهَا، فَكَانَتْ قَبْرَهَا.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے ـــــ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ـــــ مروی ہے کہ اروی (پہاڑی بکرا) نامی عورت نے ایک مکان کے سلسلہ میں ان سے جھگڑا کیا (حضرت سعیدؓ کے مکان پر جھوٹا دعوی کیا) پس حضرت سعیدؓ نے فرمایا: اس کو اور مکان کو چھوڑ دو (یعنی مکان اس کو دیدو) اس لئے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جس نے کسی کی بالشت بھر بھی زمین ناحق لی اس کو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کی مالا پہنائی جائے گی" ـــــ

حدیث بیان کرکے مکان اس کو دیدیا پھر یہ بددعا دی ——— "اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کردے اور اس کی قبر اس کے گھر میں بنادے" راوی کہتے ہیں: پس میں نے اس عورت کو دیکھا وہ اندھی ہو چکی تھی، دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر چلتی تھی، اور کہتی تھی: مجھے سعید بن زیدؓ کی بددعا لگ گئی ہے، پس اس درمیان کہ وہ گھر میں چل رہی تھی کنویں پر سے گذری اور اس میں گر کر مرگئی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔

لغت: طَوَّقَ الشیئَ وبہ: کسی کے لئے کوئی چیز طوق (مالا) بنادینا، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ﴾: جن چیزوں میں وہ بخل کرتے ہیں وہ چیزیں ان کے گلوں میں طوق بنادی جائیں گی۔

تشریح: اروی نامی عورت نے یہ مقدمہ مدینہ منورہ کے حاکم مروان کے یہاں دائر کیا تھا، اس نے حضرت سعیدؓ کو طلب کیا اور اس سلسلہ میں گفتگو کی، پس حضرت سعیدؓ نے مذکورہ حدیث سنائی، اور وہ مکان جس میں عورت نے دعوی کیا تھا چھوڑ دیا، اور اس کو دو بددعائیں دیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

[۱۳۹-] حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ أَرْوَىٰ بِنْتَ أُوَيْسٍ ادَّعَتْ عَلَىٰ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ؛ أَنَّهُ أَخَذَ شَيْئًا مِنْ أَرْضِهَا، فَخَاصَمَتْهُ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: أَنَا كُنْتُ آخُذُ مِنْ أَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِي سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ" فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: لَا أَسْأَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَعَمِّ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي أَرْضِهَا.

قَالَ: فَمَا مَاتَتْ حَتَّىٰ ذَهَبَ بَصَرُهَا، ثُمَّ بَيْنَاهِيَ تَمْشِي فِي أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِي حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ.

ترجمہ: حضرت عروہؒ سے مروی ہے کہ اروی بنت اُویس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر مقدمہ کیا کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین لی ہے، اور اس نے مقدمہ مروان کے یہاں دائر کیا، پس حضرت سعیدؓ نے فرمایا: میں اس کی زمین دباؤں گا جب کہ میں نے نبی ﷺ سے حدیث سنی ہے؟ مروان نے پوچھا: آپ نے کیا حدیث سنی ہے؟ حضرت سعیدؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس نے بالشت بھر بھی زمین ظلماً لی اس کو ساتوں زمینوں کی مالا پہنائی جائے گی" پس حضرت سعیدؓ سے مروان نے کہا: یہ حدیث سننے کے بعد میں آپ سے گواہ کا مطالبہ نہیں کروں گا، پھر حضرت سعیدؓ نے زمین چھوڑ دی اور دو بددعائیں دیں، فرمایا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کردے، اور اس کو اسی کی زمین میں ماردے، راوی کہتے ہیں: پس وہ نہیں مری یہاں تک کہ اندھی ہوگئی، پھر اس درمیان کہ وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی ایک کنویں میں گر کر مرگئی۔

[۱۴۰-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ"

وضاحت: یہ بھی حضرت سعیدؓ ہی کی روایت ہے اور اس کو ہشام بن عروہ سے زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کیا ہے۔

[۱۴۱-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَايَأْخُذُ أَحَدٌ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وضاحت: اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، انھوں نے بھی حضرت سعید بن زیدؓ کے مثل آنحضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔

[۱۴۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ (يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْوَارِثِ) حَدَّثَنَا حَرْبٌ (وَهُوَ ابْنُ شَدَّادٍ) حَدَّثَنَا يَحْيىٰ (وَهُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ؛ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ، وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمِهِ خُصُومَةٌ فِي أَرْضٍ؛ وَأَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا، فَقَالَتْ: يَا أَبَا سَلَمَةَ! اجْتَنِبِ الْأَرْضَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ"

وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ، أَخْبَرَنَا أَبَانٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى؛ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَهُ؛ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ.

وضاحت: ابوسلمہؒ نے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے والا تبار صاحبزادے ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے اور خاص شاگرد ہیں، ان کا کسی کے ساتھ زمین کا جھگڑا تھا، انھوں نے حضرت عائشہؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو صدیقہؓ نے فرمایا: جھگڑے کی زمین سے بچ یعنی اس کو چھوڑ اور پھر مذکورہ حدیث سنائی کہ جو شخص بالشت بھر زمین دبائے گا وہ سات زمینوں کی مالا پہنایا جائے گا — قِيْدَ بقدر، قيد شِبْرٍ: بالشت بھر۔

سند: یحییٰ بن ابی کثیر سے یہ حدیث ابان نے بھی حرب بن شداد کے مثل روایت کی ہے۔

۳۱- بَابُ قَدْرِ الطَّرِيقِ إِذَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

بوقت اختلاف کتنا راستہ کاٹنا چاہئے

بھائیوں میں زمین کا بٹوارہ ہوا، اب سرکاری راستہ تک جانے کے لئے راستہ کاٹنا ہے، یا نئی آبادی بس رہی ہے اور لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کتنا چوڑا راستہ کاٹا جائے؟ تو یہ بات شرکاء کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے اور اگر اختلاف ہو تو سات ہاتھ چوڑا راستہ کاٹا جائے، اس پر دوزاملے (سامان بردار اونٹ) اُور ٹیک کر سکتے ہیں اس سے زیادہ چوڑے راستہ کی ضرورت نہیں، البتہ الکوثر الجاری میں ہے کہ اب سواریاں بدل گئی ہیں، للہذا موجودہ زمانہ کی سواریوں کے لحاظ سے راستہ کاٹا جائے، اس وقت سب سے بڑی سواری ٹرک ہے پس دو ٹرک اُور ٹیک کر سکیں اتنا چوڑا راستہ کاٹنا چاہئے۔

[۱۴۳-] حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ، جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَ أَذْرُعٍ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم راستہ کے سلسلہ میں اختلاف کرو تو اس کو سات ہاتھ چوڑا رکھو"

تشریح:

۱- یہ حکم نزاع کی صورت میں ہے، اگر لوگ باہمی رضامندی سے کم یا زیادہ راستہ کاٹنا چاہیں تو جائز ہے، البتہ نزاع کی صورت میں حدیث پر عمل ہوگا۔

۲- امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اس باب کے درمیان میں اس کی تفسیر الرَّحبة سے کی ہے، یعنی گھروں کے درمیان پڑا ہوا میدان، کھلی جگہ، اس جگہ کو کوئی شخص استعمال کرنا چاہتا ہے، اپنے گھر کی تعمیر آگے بڑھانا چاہتا ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں: یہ عام استعمال کی جگہ ہے، پس نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ سات ہاتھ چوڑا راستہ چھوڑ کر باقی زمین لوگ اپنے گھروں میں ملا سکتے ہیں، مگر اب لوگوں کو اس کا اختیار نہیں، محلوں میں جو جگہیں پڑی ہیں وہ بلدیہ (میونسپلٹی) کی ہیں، اس میں حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی تعمیر نہیں کر سکتا۔

الحمد للہ! کتاب البیوع کی اور درمیان میں کتاب المساقات کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳- كِتَابُ الْفَرَائِضِ

میراث کا بیان

فرائض: فَرِیْضَة کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: متعین چیز، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کردہ پابندیاں، چونکہ میراث میں مستحقین کے حصے متعین ہوتے ہیں اس لئے ان حصوں کو فرائض کہا جاتا ہے، اور اس فن کے واقف کار کو فَرَضِیْ، فَرَّاض اور فَرِیْض کہتے ہیں۔

علم فرائض: اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں جس سے میت کا ترکہ اس کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم کرنے کا طریقہ معلوم ہو —— اس فن کا دوسرا نام علم المواریث بھی ہے، وَرِثَ یَرِثُ إِرْثًا وَمِيْرَاثًا کے لغوی معنی ہیں: وارث وخلیفہ ہونا، کسی چیز کا ایک سے دوسرے کے پاس منتقل ہونا۔

علم المواریث: اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں جس سے میت کی ملکیت اس کے زندہ ورثاء کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

علم الفرائض کی فضیلت: علم فرائض نہایت اہم علم ہے، متعدد احادیث میں اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب آئی ہے، مشہور حدیث ہے: تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ فَإِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ: فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ، اس لئے کہ وہ آدھا علم ہے —— علم فرائض کو آدھا علم کیوں کہا گیا؟ علماء نے اس کی متعدد توجیہیں کی ہیں، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے جس توجیہ کو پسند اور راجح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں: زندگی اور موت، دیگر تمام علوم کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور علم الفرائض کا تعلق موت سے، اس لئے اس کو نصف علم کہا گیا ہے۔

فائدہ: میراث کے اکثر احکام قرآن کریم میں ہیں، اور جو باتیں قرآنِ کریم میں ہوتی ہیں وہ حدیثوں میں نہیں آتیں، البتہ کچھ مسائل احادیث سے اور کچھ مسائل اجماع امت سے ثابت ہیں، پس وہی مسائل ان ابواب میں آئیں گے، اور میراث کے احکام کی حکمتیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بہت عمدہ بیان کی ہے، ان کو رحمۃ اللہ الواسعہ جلد چہارم (ص:۶۲۶-۶۶۲) میں پڑھیں۔

فائدہ (۲): کچھ احکام قرآن مجید میں لفظ فَرِیْضَةً اور فَرْضٌ سے بیان کئے گئے ہیں، یہ وہ احکام ہیں جو کمپلسری (لازمی) ہیں، ان میں نہ اجتہاد چلتا ہے اور نہ قاضی کو اختیار ہوتا ہے، ان میں پہلا نمبر فرائض (مواریث) کا ہے، سورۃ النساء کی (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ﴾ یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے —— علم الفرائض کی اہمیت

کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام: نماز، روزہ وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اوران کی تفصیل نبی اکرم ﷺ کے حوالے کی ہے، اور وراثت کی تفصیلات خود نازل فرمائی ہیں۔

آیاتِ میراث:

میراث کے اکثر احکام قرآنِ مجید میں مذکور ہیں، اور اس سلسلہ میں بنیادی آیتیں تین ہیں:

پہلی آیت: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (سورۃ النساء آیت ۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتے ہیں کہ ایک مرد (لڑکے) کا حصہ دو عورتوں (لڑکیوں) کے برابر ہے، پھر اگر دو سے زیادہ صرف عورتیں (بیٹیاں) ہوں تو ان کے لیے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر ایک (بیٹی) ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہے، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور والدین اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کو ملے گا) پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو وہ کر مرا یا ادائے قرض کے بعد، تمیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ اور بیٹوں میں سے تمہیں کون زیادہ نفع پہونچائے گا، یہ حصہ اللہ کا متعین کردہ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خبردار اور حکمت والے ہیں۔

دوسری آیت: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (سورۃ النساء آیت ۱۲)

ترجمہ: اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا آدھا ہے اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑ گئیں، اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں یا ادائے قرض کے بعد۔

اوران (بیویوں) کے لئے تمہارے ترکہ کا چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہے تو ان کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو تم کر مرو یا ادائے قرض کے بعد۔ اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے باپ اور بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا ایسی کوئی عورت ہے، اور اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، اور اگر (ماں شریک بھائی بہن) زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہیں، اس وصیت کے بعد جو ہو چکی ہے، یا قرض کے بعد[1] جبکہ اوروں کا نقصان کرنے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے اور تحمل والے ہیں۔

تیسری آیت: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (سورۃ النساء آیت ۱۷۶)

ترجمہ: آپ سے صحابہ حکم پوچھتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تم کو کلالہ[2] کے بارے میں حکم بتاتے ہیں، اگر کوئی آدمی مر گیا اور اس کے اولاد نہیں ہے، اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا، اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر اس کے اولاد نہ ہو[3] پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا، اور اگر اسی رشتہ کے کئی شخص ہوں، کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر ملے گا[4] اللہ تعالیٰ تمہارے لئے واضح فرماتے ہیں، تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں۔

۱- بَابٌ

نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے، نہ کافر مسلمان کا

اختلافِ دین موانع ارث میں سے ہے، پس مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا، اور دونوں

---

(۱) وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکۂ میت میں سے میت کا قرض اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال خود ہی رکھ لیں اس لئے میراث کے ساتھ دونوں کی بار بار تاکید فرمائی۔

(۲) کلالة: کے لغوی معنی ہیں: کمزور، ضعیف، اور اصطلاح میں وہ شخص مراد ہے جس کا نہ باپ ہو اور نہ کوئی اولاد، اصلی وارث باپ اور بیٹے ہیں، ان کے نہ ہونے کی صورت میں بھائی بہن: اولاد کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔

(۳) اگر برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مر گئی اور اس نے بھائی چھوڑا تو وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے وارث ہوگا۔

(۴) یعنی چند بھائی اور چند بہنیں چھوڑیں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا تفصیل سراجی کی شرح طرازی میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلوں کی دلیل باب کی حدیث ہے، اور پہلا مسئلہ استحسانی ہے، اکثر صحابہ کی یہی رائے تھی اور دوسرا مسئلہ اجماعی ہے۔

[۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لایَرِثُ الْمُسلِمُ الکافِرَ، ولا الکافِرُ المُسلِمَ: یعنی نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا، اور کفر سے مراد اسلام کا انکار ہے، پس دیگر تمام مذاہب ایک ملت ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونگے، مگر ان کے اور مسلمان کے درمیان توریث جاری نہیں ہوگی اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا، لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، اس لئے کہ ارتداد بمنزلہ موت ہے، پس جس طرح مسلمان اپنے رشتہ دار کا اس کے مرنے کے بعد وارث ہوتا ہے، مرتد کے ارتداد کے بعد بھی اس کا وارث ہوگا، چنانچہ مرتد کے اموال مسلمان ورثاء کے درمیان تقسیم کردیئے جائیں گے، اور جس طرح مردہ زندہ کا وارث نہیں ہوتا: مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

اور یہ حکم ان اموال کا ہے جو مرتد نے حالتِ اسلام میں کمائے ہیں، اور جو اموال اس نے حالتِ ارتداد میں کمائے ہیں وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مال فئ ہیں، ان کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ بھی مسلمان ورثاء کو ملیں گے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائے ہوئے سب اموال بیت المال میں داخل کئے جائیں گے۔ (امام مالک: امام شافعی کے ساتھ ہیں اور امام احمد کی ایک روایت امام شافعی کے موافق ہے اور دوسری روایت امام اعظم کے موافق)

فائدہ (۱): موانع ارث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلافِ دین اور اختلافِ ملک (صرف کفار کے حق میں) غلام خواہ کسی طرح کا ہو وارث نہیں ہوتا، اور قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں ہوتا، اور قتل کی پانچ قسمیں ہیں: عمد، شبہ عمد، خطا، شبہ خطا اور قتل بالسبب، پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، اور پانچویں قسم (قتل بالسبب) میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔

اقسام قتل مع احکام:

ا۔قتل عمد: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک: جان بوجھ کر کسی ہتھیار سے یا ہتھیار کے قائم مقام آلے سے قتل کرنے کو قتل عمد کہتے ہیں، اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک: جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے قتل کرنے کو قتل عمد کہتے ہیں

جس سے عام طور پر آدمی مرجاتا ہے، جیسے بھاری پتھر اور لکڑی وغیرہ، اس قسم میں گناہ کے ساتھ قصاص واجب ہوتا ہے اور قاتل وراثت سے محروم ہوتا ہے۔

۲- قتل شبہ عمد: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک: جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے مار ڈالنا جو نہ تو ہتھیار ہو اور نہ ہی ہتھیار کے قائم مقام ہو مگر اس سے جان نکلنے کا غالب گمان ہو، جیسے کوڑا، بڑی لاٹھی، وغیرہ ـــــ اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک: شبہِ عمد ایسی چیز سے قتل کرنے کو کہتے ہیں جس سے عام طور پر آدمی نہ مرتا ہو، جیسے چھوٹی لاٹھی (ہدایہ ۴: ۵۶۰)

نوٹ: فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے ویُفتی بقولہ سے اس کی صراحت فرمائی ہے (ردالمحتار ۵: ۳۷۶)

شبہِ عمد کا حکم: یہ ہے کہ اس میں گناہ کے ساتھ کفارہ اور عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے، نیز ایسا قاتل وارث سے بھی محروم ہوتا ہے۔

ملحوظہ: کفارہ: ایک غلام یا باندی آزاد کرنا اور دستیاب نہ ہونے کی صورت میں مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ہے ـــــ اور دیتِ مغلظہ: میں چار طرح کے سو اونٹ اور دیت مخففہ میں پانچ طرح کے سو اونٹ واجب ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: آئندہ کتاب الدیات کا آخری باب اور (ہدایہ ۴: ۵۶۸)

۳- قتل خطا: اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) خطافی القصد (۲) خطافی العمل۔

کسی مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالنے کو خطافی القصد کہتے ہیں، جیسے کوئی اپنے مورث کو شکار سمجھ کر مار ڈالے اور نشانہ چوک جانے کو خطافی العمل کہتے ہیں، جیسے: ہرن کا نشانہ کر کے فائر کیا اچانک مورث سامنے آگیا، اور اسے گولی لگ گئی، یا بلا قصد وارادہ بندوق درست کرتے ہوئے گولی چلی جس سے مورث کی موت واقع ہوگئی۔

۴- شبہ خطا: ان جانے قتل کا ہوجانا، مثلاً: (الف) نیند میں کروٹ بدلتے ہوئے بچہ دب کر مرجائے (ب) درخت یا چھت وغیرہ سے بے اختیار کسی پر گرے اور جس پر گرے وہ مرجائے۔

قتل خطا کی دونوں قسموں میں (قتل خطاء اور شبہ خطاء میں) کفارہ اور دیت خفیفہ لازم ہوتی ہے، نیز ایسا قاتل وراثت سے بھی محروم ہوتا ہے۔

۵- قتل بالسبب: قتل کا سبب اختیار کرنا، مثلاً کسی نے غیر کی زمین میں کنواں کھودا، اتفاق سے کنواں کھودنے والے کا رشتہ دار (مورث) اس میں گر کر مرگیا، یا غیر کی مملوکہ زمین میں پتھر رکھ دیا، اتفاق سے پتھر رکھنے والے کا رشتہ دار (مورث) اس سے ٹکرا کر گرا اور مرگیا۔

اس قتل میں صرف عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نہ تو کفارہ واجب ہوتا ہے اور نہ ہی قاتل وراثت سے محروم ہوتا ہے (طرازی شرح سراجی ص: ۴۹ حاشیہ)

چند مسائل:

۱-قتل کی چاروں صورتوں میں قاتل وراثت سے محروم اس وقت ہوتا ہے جب کہ قاتل نے اپنے مورِث کو کسی شرعی وجہ کے بغیر قتل کیا ہو، پس قصاص میں، زنا کی سزا میں یا اپنی جان بچانے کی خاطر مجبوری میں قتل کرے تو قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

۲-اگر کوئی بچہ، پاگل یا معتوہ (کم عقل) اپنے مورِث کو قتل کرے تو وہ بھی وراثت سے محروم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ شرعاً مکلّف نہیں۔

۳-اختلافِ ملک مسلمانوں کے درمیان مانع ارث نہیں، پس مسلمان باہم ایک دوسرے کے وارث ہونگے، خواہ دونوں کے ملک الگ ہوں، بعض علماء نے بعض مخصوص صورتوں میں مسلمانوں کے حق میں بھی اختلاف ملک کا اعتبار کیا ہے، مگر وہ قول مرجوح ہے (عالم گیری ۶:۴۵۴)

۴-کسی مسلمان کا انتقال ہوا، اس کا وارث کافر تھا، وہ تقسیم میراث سے پہلے مسلمان ہوگیا تو بھی وارث نہیں ہوگا، اعتبار موت کے وقت کا ہے۔

۲- بَابٌ: أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ

پہلے میراث ذوی الفروض کو دو، پھر جو بچے وہ میت سے قریب تر مذکر شخص (عصبہ) کے لئے ہے

فرائض: فَرِيضَة کی جمع ہے، اس کے چند معانی ہیں: (۱) بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون، یعنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند بنایا گیا ہے، یا اس سے روکا گیا ہے، یعنی اوامر و نواہی۔ (۲) کسی انسان کے ذمہ لازم کیا ہوا کام یا حصۂ مال (۳) ڈیوٹی اور فرض (۴) میراث۔

ترکہ سے چار حقوق متعلق ہوتے ہیں اور ورثاء میں ترتیب:

جاننا چاہئے کہ ترکہ سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے ترکہ سے میت کا کفن دفن کیا جاتا ہے، پھر باقی سے میت کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، پھر باقی کے تہائی سے میت کی وصیت نافذ کی جاتی ہے، پھر باقی ماندہ ترکہ میت کے ورثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، اور ورثاء میں پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے، پھر عصبہ نسبی کا، پھر عصبہ سببی کا، پھر ذوی الارحام کا، پھر مولی الموالات کا، یعنی جس سے میت نے دوستی کی ہو، احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا ہے، مثلاً یہ کہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے، یا چچا ہے اور موت تک وہ اپنے اقرار پر برقرار رہا

ہے، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد کی یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہے تو وہ زائد یا سارا ترکہ موصی لہ کو دیا جائے گا، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں رکھ دیا جائے گا جو غریبوں پر خرچ ہوگا۔

[۲-] حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَىٰ بْنُ حَمَّادٍ (وَهُوَ النَّرْسِيُّ) حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَىٰ رَجُلٍ ذَكَرٍ"

ترجمہ: دو تم مقررہ حصے ان کے مستحقین کو، یعنی ذوی الفروض کو ان کے حصے پہلے دو، پھر جو بچے وہ میت سے قریب تر مذکر شخص کے لئے ہے۔

تشریح:

۱- ترکہ سب سے پہلے اصحابِ فرائض کو ملے گا، اصحابِ فرائض: میت کے وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جن کا قرآن وحدیث میں حصہ مقرر ہے اور وہ بارہ افراد ہیں: چار مرد: یعنی باپ، دادا، اخیافی (ماں شریک) بھائی اور شوہر۔ اور آٹھ عورتیں: یعنی بیوی، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی (باپ شریک)، بہن، اخیافی (ماں شریک) بہن، ماں اور جدّہ۔

ذوی الفروض کے بعد ترکہ عصبہ نَسبی [1] کو ملے گا۔ عصبہ: میت کے وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں، بلکہ وہ تنہا ہونے کی صورت میں کل ترکہ، اور اصحابِ فروض ہوں تو ان کو دینے کے بعد باقی ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

عصبہ بنفسہ چار ہیں: (۱) جزء میت: یعنی میت کی مذکر فروع جیسے لڑکا پھر پوتا نیچے تک اس کو رشتۂ بُنوّت کہتے ہیں — (۲) اصل میت: یعنی میت کے مذکر اصول جیسے باپ پھر دادا اوپر تک اس کو رشتۂ اُبوّت کہتے ہیں — (۳) جزءِ اب میت:

(۱) عصبہ کی دو قسمیں ہیں: عصبہ نَسبی اور عصبہ سَببی —— عصبہ نَسبی: وہ رشتہ دار ہیں جن سے ولادت کا تعلق ہو، اور عصبہ سببی وہ رشتہ دار ہیں جن سے عتاق کا تعلق ہو۔

پھر عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ —— (۱) عصبہ بنفسہ: وہ مذکر رشتہ دار ہیں جن سے میت کا رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ نہ آئے (مذکورہ چاروں قسمیں عصبہ بنفسہ کی ہیں) (۲) عصبہ بغیرہ: وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ ہوتی ہیں اور وہ چار عورتیں ہیں جن کا حصہ تنہا ہونے کی صورت میں نصف اور ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں ثلثان ہے، یعنی: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور علاتی بہن (۳) عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں ہیں جو میت کی مؤنث اولاد (بیٹی، پوتی، پڑپوتی نیچے تک) کی موجودگی میں عصبہ بنتی ہیں وہ صرف دو عورتیں ہیں: حقیقی بہن اور علاتی بہن۔

یعنی میت کے باپ کی مذکر اولاد جیسے حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کے لڑکے پھر علاتی بھائی کے لڑکے (اسی طرح نیچے تک) اس کو رشتہ اُخُوَّت کہتے ہیں ــــ (۴) جزء جد میت: یعنی میت کے دادا کی مذکر اولاد، جیسے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کے لڑکے پھر علاتی چچا کے لڑکے (اسی طرح نیچے تک) اس کو رشتۂ عُمُومت کہتے ہیں۔

ملحوظہ: صرف حقیقی اور علاتی بھائی اور ان کے لڑکے ہی عصبہ ہوتے ہیں، اخیافی بھائی عصبہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اصحابِ فروض میں سے ہے۔

۲- اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا ــــ ذوی الارحام: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مقرر نہیں، نہ اجماع سے طے ہے اور نہ وہ عصبات ہیں، جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجا اور نواسہ وغیرہ۔

ذوی الارحام کی توریث میں اختلاف ہے: اکثر صحابہ اور تابعین کی رائے یہ ہے کہ ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا، احناف اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ذوی الارحام کو ترکہ نہیں دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں داخل کیا جائے گا، پھر وہاں سے غریبوں پر خرچ ہوگا[1]۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

قولہ: لِأَوْلیٰ رجل ذکر: رَجُلٍ کے بعد ذَکَرٍ کی قید وضاحت کے لئے ہے، یعنی یہ صفت کاشفہ ہے، اور أَوْلیٰ کے معنی اقرب کے ہیں، اور میت سے اقرب اس کا جزء ہوتا ہے، یعنی بیٹا، پوتا، پھر اصل: اقرب ہوتی ہے یعنی باپ، دادا، پھر باپ کا جزء اقرب ہوتا ہے، یعنی بھائی، بھتیجے، پھر دادا کا جز ہے، یعنی چچا، چچازاد، عصبات میں یہی ترتیب ہے، وہ اسی ترتیب سے وارث ہونگے، اور اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوگا۔

سوال: بیٹا صرف عصبہ ہے، اور باپ دادا ذوی الفروض بھی ہیں اور عصبہ بھی، ایسا کیوں ہے؟

جواب: بیٹے صرف عصبہ اس لئے ہیں کہ ان کو زیادہ سے زیادہ میراث ملے، ذوی الفروض کے بعد جو بھی بچ جائے گا وہ سب بیٹے لے لیں گے، اور باپ دادا چونکہ دوسرے نمبر کے عصبہ ہیں اس لئے ان کا کچھ نہ کچھ حصہ مقرر کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ محروم رہ جائیں گے، اس لئے وہ ذوی الفروض بھی ہیں اور دوسرے نمبر پر عصبہ بھی ہیں، پس جب میت کے بیٹے پوتے نہیں ہونگے تو باقی ماندہ ترکہ یہ اصول لیں گے۔

(۱) جو فقہاء نادار، لاچار اور کمانے سے عاجز مسلمانوں کی امداد کی غرض سے بیت المال میں ترکہ رکھنے کی رائے رکھتے ہیں ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ بیت المال شرعی نظم وضبط کے مطابق چلتا ہو۔ مال صحیح مصرف میں خرچ ہوتا ہو، اب چونکہ اس طرح کا کوئی بیت المال موجود نہیں، اس لئے متاخرین مالکیہ نے تیسری صدی ہجری کے بعد ذوی الارحام کو ترکہ دینے کا فتوی دیا ہے، اور فقہائے شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے، لہٰذا اب کوئی اختلاف باقی نہیں رہا (المواریث ص: ۱۸۳، بحوالہ طرازی شرح سراجی ص: ۲۱۸)

[۳-] حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتُ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ"

[۴-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ) قَالَ إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ"

وحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو كُرَيْبٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، نَحْوَ حَدِيثِ وُهَيْبٍ وَرَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ.

اسناد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ حدیث عبداللہ بن طاؤس نے اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کی ہے اور عبداللہ سے وُہیب، روح بن القاسم، معمر اور یحییٰ بن ایوب روایت کرتے ہیں، پہلی وُہیب کی، دوسری روح بن القاسم کی تیسری معمر کی اور چوتھی یحییٰ بن ایوب کی حدیث ہے اور وہ لفظاً مختلف اور معناً یکساں ہیں۔

۳- بَابُ مِيرَاثِ الْكَلَالَةِ

کلالہ کی میراث کا بیان

کلالہ کے لغوی معنیٰ: کمزور ضعیف کے ہیں، اور اصطلاح میں وہ شخص مراد ہے جس کے اصول وفروع نہ ہوں، یعنی نہ باپ، دادا (اوپر تک) ہوں اور نہ اولاد اور مذکر اولاد کی اولاد (نیچے تک) ہو، ان کے نہ ہونے کی صورت میں بھائی بہن وراثت میں حصہ پاتے ہیں، تفصیل حدیث شریف کے بعد آئے گی۔

[۵-] حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: مَرِضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ، يَعُودَانِي مَاشِيَانِ، فَأُغْمِيَ عَلَيَّ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَأَفَقْتُ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا، حَتّٰى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیمار تھا، میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی

اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے، دونوں عیادت کی غرض سے پیدل چل کر آئے تھے، میں بیہوش تھا، آپ نے وضو فرمایا اور وضوء کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا، مجھے ہوش آگیا، پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں، یعنی میں کلالہ ہوں، میرے اصول ہیں نہ فروع ہیں پس میری میراث کس کو ملے گی؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آیت میراث ﴿ یَسْتَفْتُوْنَكَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔

تشریح: ترکہ پہلے اصول وفروع پر تقسیم ہوتا ہے، اوران کی موجودگی میں اخیافی بھائی بہن محروم ہوتے ہیں، لیکن اگر میت کلالہ ہو یعنی اس کے اصول وفروع نہ ہوں اور اس کے اخیافی بھائی بہن ہوں تو ان کو ترکہ ملے گا، ایک ہو تو سدس ملے گا، اور زائد ہوں تو ثلث ملے گا، جس کو وہ باہم برابر تقسیم کرلیں گے، یعنی ان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کا قاعدہ جاری نہیں ہوگا، ارشاد پاک ہے: ﴿ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ (النساء آیت ۱۲) اس آیت میں أخ اور أُخت سے بالاجماع اخیافی بھائی بہن مراد ہیں، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنَ الْأُمِّ: غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت کے ورثاء میں اس کا باپ یا اولاد نہ ہو بلکہ صرف ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو اس کو سدس ملے گا ﴿ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ اور اگر اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب (مذکر ومؤنث) ترکہ کے تہائی حصہ میں (برابر کے) شریک ہونگے۔[1]

فائدہ: اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد ہو (نیچے تک) یا باپ یا دادا ہو (اوپر تک) تو تینوں قسم کے بھائی بہن (حقیقی علاتی اور اخیافی بھائی بہن) ساقط ہونگے اور اگر میت کے اصول وفروع نہ ہوں یعنی میت کلالہ ہو تو اخیافی بھائی بہن ذو الفروض ہونگے اور تنہا ہونے کی صورت میں سدس اور دو یا زیادہ ہونگے تو ثلث پائیں گے اور حقیقی اور علاتی بھائی بہن عصبہ ہونگے، اگر حقیقی بھائی موجود ہے تو وہ عصبہ ہوگا اور علاتی بھائی ساقط ہوگا، اور حقیقی بھائی نہ ہو تو علاتی بھائی عصبہ ہوگا۔

ایک تعارض اور اس کا حل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث محمد بن المنکدر سے سفیان بن عیینہؒ اور ابن جریج نے روایت کی ہے، اور آیت کی تعیین میں دونوں میں اختلاف ہوا ہے، ابن عیینہ کا بیان یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں سورۃ النساء کی آخری آیت ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ﴾ الخ نازل ہوئی، اور ابن جریج کا بیان یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت (۱۱و۱۲) ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ الخ نازل ہوئی، اس تعارض کا حل کیا ہے؟

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ آیت میراث ان کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، مگر وہ

(۱) جاننا چاہئے کہ اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کی تین حالتیں ہیں: (۱) اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو اس کو سدس ملے گا (۲) اگر اخیافی بھائی بہن دو یا زیادہ ہوں تو ان کو ثلث ملے گا، جس کو وہ باہم برابر بانٹ لیں گے (۳) اگر میت کی اولاد ہو یا مذکر اولاد کی اولاد ہو (نیچے تک) یا میت کا باپ یا دادا ہو (اوپر تک) تو اخیافی بھائی بہن ساقط ہونگے۔

کونسی آیت ہے؟ حضرت جابرؓ نے اس کی تعیین نہیں کی، بلکہ ابن عیینہؒ اور ابن جریج نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کی تعیین کی ہے، ابن جریج نے آیت ﴿ يُوصِيكُمُ اللهُ ﴾ الخ کو مصداق قرار دیا، کیونکہ اسی آیت میں درحقیقت کلالہ کا بیان ہے، اور ابن عیینہؒ نے آیت ﴿ يَسْتَفْتُونَكَ ﴾ الخ کو مصداق قرار دیا، کیونکہ اس آیت میں واضح طور پر کلالہ کا تذکرہ ہے، اور علماء نے ابن عیینہؒ کی حدیث کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہ آیت حضرت جابرؓ کی حالت سے زیادہ قریب ہے، اس آیت میں سگی بہنوں کا تذکرہ ہے اور حضرت جابرؓ کی بھی سگی بہنیں تھیں، برخلاف آیت ﴿ يُوصِيكُمُ اللهُ ﴾ الخ کے، اس میں سگی بہنوں کا نہیں بلکہ اخیافی (ماں شریک) بھائی بہنوں کا ذکر ہے، اس لئے علماء نے ابن عیینہؒ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

قوله: ماشِيَيْنِ: یہ يَعُودان سے حال واقع ہے، اور ایک نسخہ میں ماشیان ہے، وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای: وَهُمَا مَاشِيَان۔

[٦-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوبَكْرٍ فِي بَنِي سَلَمَةَ يَمْشِيَانِ، فَوَجَدَنِي لَا أَعْقِلُ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَشَّ عَلَيَّ مِنْهُ فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ يَا رَسُولَ اللهِ! فَنَزَلَتْ: يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.

وضاحت: یہ ابن جریج کی روایت ہے، انھوں نے بھی محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے اور میراث کی آیت کا مصداق ﴿ يُوصِيكُمُ اللهُ ﴾ الخ کو قرار دیا ہے، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

لغات: عَقَلَ (ض) عَقْلاً وَمَعْقُولاً الغلامُ: لڑکے کا سمجھ دار ہونا، دانا ہونا —— الشيئَ: سمجھنا، تدبر کرنا —— رَشَّ (ن) رَشًا وَتَرشَاشًا الماءَ: پانی چھڑکنا —— الشيئَ: دھونا۔

[٧-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ (يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: عَادَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ، مَاشِيَيْنِ، فَوَجَدَنِي قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ: فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا، حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ.

وضاحت: یہ بھی سفیان بن عیینہؒ کی روایت ہے جو ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے روایت کی ہے، اور گذشتہ

پیوستہ حدیث سفیان سے عمرو بن محمد نے روایت کی تھی، اور اس میں امام مسلم رحمہ اللہ سے نبی ﷺ تک چار واسطے تھے اور یہاں پانچ واسطے ہیں، پس یہ روایت نازل ہے، اور یہاں روایت میں آیت میراث کا ذکر بھی نہیں ہے۔

[۸-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ فَتَوَضَّأَ فَصَبُّوا عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَقُلْتُ لِمُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ قَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ.

وضاحت: یہ حدیث محمد بن المنکدر سے شعبہؒ نے روایت کی ہے ـــــ **قوله: فَصَبُّوا عليَّ:** یعنی حضور پاک ﷺ نے وضو فرما کر بچا ہوا پانی وہاں موجود تیمارداروں کو دیا اور انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر چھڑکا، پس گذشتہ حدیثوں میں اسناد مجازی ہوگی ـــــ **قوله: إنما يَرِثُني كلالة:** یعنی میرا وارث کلالہ ہی ہے ـــــ کلالہ کا اطلاق اس وارث پر ہوتا ہے جو باپ (اصول) اور اولاد (فروع) کے علاوہ ہو، حضرت جابرؓ کی وارث بہنیں تھیں اس لئے اپنے وارث کو کلالہ کہا ـــــ **قلتُ لمحمد بن المنكدر:** شعبہ رحمہ اللہ نے بھی ابن عیینہؒ کی طرح حضرت جابرؓ کے واقعہ میں نازل ہونے والی آیت میراث کا مصداق آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ الخ کو قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، وَأَبُوعَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ فِي حَدِيثِ وَهْبِ بْنِ جَرِيرٍ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ، وَفِي حَدِيثِ النَّضْرِ وَالْعَقَدِيِّ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرْضِ، وَلَيْسَ فِي رِوَايَةِ أَحَدٍ مِنْهُمْ قَوْلُ شُعْبَةَ لِابْنِ الْمُنْكَدِرِ.

وضاحت: شعبہؒ سے مذکورہ حدیث نضر بن شُمیل، ابو عامر عقدی اور وہب بن جریر نے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے بہز نے روایت کی ہے، اور ان کی روایتوں میں لفظاً معمولی فرق ہے، وہب کی روایت میں آیت الفرائض (جمع کا صیغہ) ہے اور دوسرے دو کی روایت میں آیت الفرض (مفرد) ہے اس ایک فرق کے علاوہ تینوں کی روایت یکساں ہے، اور ان تینوں سے حضرت شعبہ رحمہ اللہ کا محمد بن المنکدر سے آیت میراث کے بارے میں سوال کرنا مروی نہیں، یہ سوال وجواب صرف بہز کی روایت میں ہے۔

[۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى) قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ يَوْمَ جُمُعَةٍ. فَذَكَرَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ:

إِنِّي لَا أَدَعُ بَعْدِي شَيْئًا أَهَمَّ عِنْدِي مِنَ الْكَلَالَةِ، مَا رَاجَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ مَا رَاجَعْتُهُ فِي الْكَلَالَةِ، وَمَا أَغْلَظَ لِي فِي شَيْءٍ مَا أَغْلَظَ لِي فِيهِ، حَتَّى طَعَنَ بِإِصْبَعِهِ فِي صَدْرِي، وَقَالَ: "يَا عُمَرُ! أَلَا تَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ؟" وَإِنِّي إِنْ أَعِشْ أَقْضِ فِيهَا بِقَضِيَّةٍ يَقْضِي بِهَا مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

ترجمہ: معدان بن ابی طلحہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے (ایک مرتبہ) جمعہ کے دن خطبہ دیا، اور اس خطبہ میں آنحضور ﷺ کا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا: "میں اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑوں گا جو میرے نزدیک کلالہ کے مسئلہ سے زیادہ اہم ہو، میں نے نبی ﷺ سے کسی مسئلہ میں اتنی مراجعت نہیں کی جتنی مراجعت میں نے کلالہ کے مسئلہ میں کی، اور آپؐ نے کسی چیز میں میرے ساتھ اُتنی سختی نہیں کی جتنی سختی آپؐ نے میرے ساتھ کلالہ کے مسئلہ میں کی، یہاں تک کہ آپؐ نے اپنی انگلی مبارک میرے سینہ میں چبھوئی، اور فرمایا: اے عمر! کیا تیرے لئے گرمی کے موسم میں اترنے والی وہ آیت کافی نہیں جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے (پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا) اگر میں (کچھ عرصہ) زندہ رہا تو میں اس سلسلہ میں ایسا فیصلہ کروں گا جس کے ذریعہ فیصلہ کر سکے گا ہر شخص خواہ وہ قرآن پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کلالہ کے مسئلہ میں بعض جزئیات میں تردد تھا جو تردد آخر حیات تک باقی رہا تھا، آپؐ نے مذکورہ خطبہ میں اسی تردد کا اظہار فرمایا ہے، اور یہ تردد آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تھا، اور بار بار مراجعت کرنے کے باوجود وہ تردد باقی رہا تھا، چنانچہ آنحضور ﷺ نے ان کے سینہ میں اپنی انگلی مبارک چبھو کر سورۃ النساء کی آخری آیت میں غور کرنے کے لئے فرمایا تھا ـــــ سورۃ النساء میں کلالہ سے متعلق دو آیتیں ہیں: ایک: شروع میں، وہ سردی میں نازل ہوئی تھی اس لئے وہ آیت الشتاء کہلاتی ہے اور دوسری: آخری آیت ہے وہ گرمی میں نازل ہوئی تھی اس لئے وہ آیت الصیف کہلاتی ہے، آنحضور ﷺ نے دونوں آیتوں کو ملا کر غور کرنے کے لئے فرمایا تھا۔

۲- علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود غور کرنے کی اور مسئلہ کی تفصیلات ڈھونڈھ نکالنے کی ترغیب دے کر اجتہاد کی ضرورت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس لئے کہ ہر مسئلہ اور ہر مسئلہ کی تمام تفصیلات کا قرآن وحدیث میں صراحتاً ہونا ضروری نہیں، بعض مسائل قرآن وحدیث میں سے مستنبط کرنے پڑتے ہیں، اور وہ مجتہد کا کام ہے، پس جو لوگ اجتہاد وقیاس کو نادرست قرار دیتے ہیں ان کے لئے اس واقعہ میں غور کرنے کا مقام ہے، چنانچہ علامہ ابی مالکی رحمہ اللہ نے حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے اجتہاد واستنباط کے جواز پر استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ففيه تفويض الأحكام إلى أَهْلِ الاجْتِهَادِ، وفيهِ الرَّدُّ على مَنْعِ الكَلَامِ فِيْ تَأْوِيْلِ الْقُرآنِ واسْتِنْبَاطِ الْمَعَانِيْ وَالأَحْكَامِ منه (ابی ۵:۵۶۶) یعنی اس میں صاف اشارہ ہے کہ بعض احکام کی وضاحت وتفصیل کی ذمہ داری مجتہدین کی ہے، اور اس میں ان

لوگوں کا بھی رد ہے جو قرآن مجید کی آیتوں میں تاویل کرنے کو اور اس سے احکام و مسائل نکالنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

۳- امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں کلالہ کی مناسبت سے یہ حدیث ذکر کی ہے، اور مکمل خطبہ **كتاب المساجد باب نهي من أكل ثوما أو بصلا** کے تحت حدیث نمبر ۷۸ (۵۶۷) ذکر کیا ہے، تفصیل وہیں آئے گی ان شاء اللہ۔

۴- حضرت عمرؓ نے اپنی موت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، چنانچہ یہ آپؓ کا آخری خطبہ تھا، جس جمعہ میں آپؓ نے یہ خطبہ دیا تھا اس کے چار دن بعد ۲۶/ ذی الحجہ بروز بدھ آپؓ پر حملہ کیا گیا، جس میں زخمی ہو کر آپؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، ح: وحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ رَافِعٍ، عَنْ شَبَابَةَ بْنِ سَوَّارٍ، عَنْ شُعْبَةَ، كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

وضاحت: قتادہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث ہشام کی طرح شعبہؒ نے بھی روایت کی ہے اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ہشام نے روایت کی ہے، البتہ شعبہ کی روایت نازل ہے اس میں واسطے زیادہ ہیں۔

۴- بَابُ آخِرِ آيَةٍ أُنْزِلَتْ آيَةُ الْكَلَالَةِ

نزول کے اعتبار سے آخری: آیت کلالہ ہے؟

نزول کے اعتبار سے آخری آیت کونسی ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں، اور وہ سب آثار صحابہ ہیں، آنحضور ﷺ سے اس بابت کچھ مروی نہیں، چنانچہ باب کی حدیثوں میں جو حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں: نزول کے اعتبار سے آخری آیت کلالہ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ الخ کو قرار دیا گیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: نزول کے اعتبار سے آخری آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ﴾: ہے (بخاری شریف) اور ایک قول یہ ہے کہ: ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا﴾: آخری آیت ہے، اور ایک قول کے مطابق ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰٓى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ آخری آیت ہے، یہ ایک ہی سلسلہ کی آیتیں ہیں، کسی نے پہلی آیت کو لیا، کسی نے درمیانی کو اور کسی نے آخری کو، پس ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ: آخری آیت ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾: ہے، مگر یہ آخر اضافی ہے، یعنی عورتوں کے سلسلہ میں جو تین باتیں مذکور ہیں ان میں یہ آخری آیت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ آخری آیت: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ﴾ الخ: ہے، یہ بھی آخر اضافی ہے، یعنی قتل کے سلسلہ کی آخری آیت ہے۔

اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جو آیت کلالہ کو آخری آیت قرار دیا ہے وہ بھی آخر اضافی ہے، یعنی میراث کے

سلسلہ کی آخری آیت ہے — غرض: نزول کے اعتبار سے آخری آیت کے سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں، اور عام طور پر علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۱۰-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: آخِرُ آيَةٍ أُنْزِلَتْ مِنَ الْقُرْآنِ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾

[۱۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ: آخِرُ آيَةٍ أُنْزِلَتْ آيَةُ الْكَلَالَةِ وَآخِرُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ بَرَاءَةٌ.

[۱۲-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَىٰ (وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ) حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، أَنَّ آخِرَ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ تَامَّةً سُورَةُ التَّوْبَةِ، وَأَنَّ آخِرَ آيَةٍ أُنْزِلَتْ آيَةُ الْكَلَالَةِ.

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى (يَعْنِي ابْنَ آدَمَ) حَدَّثَنَا عَمَّارٌ (وَهُوَ ابْنُ رُزَيْقٍ) عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: آخِرُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ كَامِلَةً.

[۱۳-] حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، عَنْ أَبِي السَّفَرِ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: آخِرُ آيَةٍ أُنْزِلَتْ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾

وضاحت:

۱- یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں، جو ان سے ابواسحاق اور ابوالسفر نے روایت کی ہیں، آخری حدیث ابوالسفر کی ہے اور باقی حدیثیں ابواسحاق کی ہیں جن کو ابن ابی خالد، شعبہ، زکریا، اور ابن رُزیق روایت کرتے ہیں، مگر ابن رُزیق کی روایت ذرا مختلف ہے، اس میں یہ جملہ: آخر سورة أنزلت كاملةً نہیں ہے۔

۲- حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نزول کے اعتبار سے آخری آیت کلالہ ہے اور آخری مکمل نازل ہونے والی سورت سورۂ براءت ہے۔

۳- بعض حضرات نے آخری مکمل نازل ہونے والی سورت: سورۃ النصر کو قرار دیا ہے اور یہاں سورۂ براءت کی بات ہے؟ اور تطبیق یہ ہے کہ سورۃ النصر: سورة التوديع (رخصتی کا اعلان کرنے والی سورت) ہے اور سورۃ براءت: احکام کے سلسلہ کی آخری سورت ہے۔

۵- بَابُ مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ

جو شخص مال چھوڑے وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ ورثاء ہی کے لئے ہے، حکومت کا اس میں کوئی حصہ نہیں، آج کل غیر مسلم حکومتیں بھی

مرنے والے کی وارث ہوتی ہیں اگر وہ مالدار ہوتا ہے تو اس کے ترکہ پر ٹیکس لگاتی ہیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، ترکہ سارا اس کے ورثاء کا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلامی حکومت ویلفیر حکومت ہے، جو لوگ بے روزگار ہیں ان کی ذمہ داری حکومت پر ہے، مگر اب یہ بات غیروں نے لے لی اور مسلمان حکومتیں اس سے بے بہرہ ہوگئیں۔

[۱۴-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ الْأُمَوِيُّ، عَنْ يُونُسَ الْأَيْلِيِّ، ح: وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَىٰ (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَىٰ بِالرَّجُلِ الْمَيِّتِ، عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فَيَسْأَلُ "هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ؟" فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ "صَلُّوا عَلَىٰ صَاحِبِكُمْ" فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ، قَالَ: "أَنَا أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا، پس آپؐ پوچھتے: کیا اس شخص نے قرض سے زیادہ مال چھوڑا ہے؟ پس اگر لوگ کہتے کہ اس نے اپنے قرضہ کی بھرپائی چھوڑی ہے تو آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ مسلمانوں سے فرماتے: تم اپنے آدمی کا جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب آپؐ کے لئے فتوحات ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا: میں مسلمانوں سے خود ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، پس جس مسلمان کا انتقال ہوا اور اس نے قرض چھوڑا ہو تو اس کا قرضہ مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا ہو تو وہ مال اس کے ورثاء کے لئے ہے۔

تشریح: جس کا انتقال ہو جائے اور اس پر قرضہ ہو اور اس نے اتنا ترکہ نہ چھوڑا ہو، جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے، نہ پسماندگان قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ بری موت ہے، ابتدائے اسلام میں آنحضور ﷺ ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، جب کسی کا انتقال ہوتا اور اس پر قرض ہوتا تو آپؐ صحابہ سے فرماتے: آپ لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لیں، آپؐ خود اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ قرض کرنے سے احتراز کریں، اور آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مؤمن کا نفس قرض میں پھنسا رہتا ہے تا آنکہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے (یہ حدیث ترمذی شریف میں کتاب الجنائز کے آخری باب میں ہے)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جس نے اپنے پیچھے اتنا ترکہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو یا ایسے ورثاء چھوڑے ہوں جو قرض ادا کرنے پر راضی ہوں، تو وہ حکماً مقروض مرنے والا نہیں، خود نبی ﷺ پر بوقت وفات کچھ قرضہ تھا، آپؐ نے گھر کی ضروریات کے لئے بیس صاع جو خریدے تھے اور زرہ رہن رکھی تھی، جس کو وفات کے بعد چھڑایا گیا تھا، اسی

طرح حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ بھی بڑا قرضہ چھوڑ گئے تھے جو ورثاء نے ادا کیا تھا، بری موت یہ ہے کہ مقروض مرے اور نہ ترکہ میں بھرپائی ہو، نہ ورثاء بار اٹھانے والے ہوں تو اس کی روح قرضہ میں پھنسی رہتی ہے (العیاذ باللہ)

۲- نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے تاکہ لوگ عبرت لیں اور بے ضرورت قرض لینے سے احتراز کریں، لیکن جب فتوحات کے نتیجہ میں مال کی فراوانی ہوئی اور بیت المال میں مال جمع ہوا تو آپؐ ہر شخص کی نماز جنازہ پڑھانے لگے، اور کسی میت پر قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں بھرپائی نہ ہوتی تو آپؐ بیت المال سے اس کا قرض ادا فرماتے، آپؐ کے اس ارشاد کا کہ: ''نبی مسلمانوں سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے'' یہی مطلب ہے، یہاں قرب مکانی مراد نہیں، بلکہ نفع رسانی کے اعتبار سے قریب ہونا مراد ہے، جس طرح ہر شخص اپنے نفع ونقصان کو سوچتا ہے نبی اپنی امت کے نفع ونقصان کو اس سے زیادہ سوچتا ہے، اس طرح نبی ہر مسلمان سے اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے۔

۳- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیت المال کا ایک مصرف ادائے دیون بھی ہے، پس وہ غریب محتاج اور لاچار ومجبور لوگ جو خود اپنا قرض ادا نہیں کر سکتے، بیت المال سے ان کا قرض ادا کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي، حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ ابْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ هَذَا الْحَدِيثَ.

وضاحت: ابن شہاب زہریؒ سے مذکورہ حدیث یونسؒ کے علاوہ عقیلؒ، ابن شہابؒ کے بھتیجے اور ابن ابی ذئبؒ نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے یونس نے روایت کی ہے اور عقیل والی روایت جس کو امام مسلمؒ نے عبدالملک وغیرہ کے واسطوں سے روایت کی ہے نازل ہے، اس میں ایک واسطہ زائد ہے۔

[۱۵-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ، فَأَيُّكُمْ مَا تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَأَنَا مَوْلَاهُ، وَأَيُّكُمْ تَرَكَ مَالًا فَإِلَى الْعَصَبَةِ مَنْ كَانَ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! زمین پر کوئی مسلمان نہیں مگر میں تمام لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہوں، پس تم میں سے جو قرض چھوڑے یا نادار اہل وعیال چھوڑے تو میں ان کا ذمہ دار ہوں اور تم میں سے جو مال چھوڑے تو وہ اس کے ورثاء کا ہے خواہ وہ کوئی ہو''

لغت: ضَيَاعٌ: مصدر، بمعنی ذو ضیاع، یعنی ایسے بچے جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو، جو ہلاکت کی کگار پر ہوں۔

[۱۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِينَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَأَيُّكُمْ مَا تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيْعَةً فَادْعُونِي فَأَنَا وَلِيُّهُ، وَأَيُّكُمْ مَا تَرَكَ مَالًا فَلْيُؤْثَرْ بِمَالِهِ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر مسلمان کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق، پس تم میں سے جو قرض یا اہل وعیال چھوڑ کر مرے تو مجھے بلاؤ، میں اس کا ذمہ دار ہوں اور تم میں سے جو مال چھوڑ کر مرے تو اس مال کے اس کے ورثاء وارث قرار دیے جائیں گے خواہ وہ کوئی ہوں''

لغت: ضَيْعَةٌ: مصدر، ضَاعَ يَضِيعُ ضَيْعًا وَضَيْعَةً وَضَيَاعًا: ضائع ہونا، تلف ہونا، بیکار ہونا ـــــ ضَيْعَةٌ أي ذُو ضَيْعَةٍ۔

قوله: هذا ما حدثنا إلخ: یہ صحیفۂ ہمام بن منبہ کا سرنامہ ہے، تفصیل اسی جلد میں (کتاب البیوع باب ۷ حدیث نمبر ۲۸) گذر چکی ہے۔

قوله: في كتاب الله: یہ سورۂ احزاب کی آیت ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ الخ کی طرف اشارہ ہے (احزاب آیت ۶)

[۱۷-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ؛ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِلْوَرَثَةِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا" وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، ح: وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ (يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ) قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ غُنْدَرٍ "وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا وَلِيتُهُ"

لغت: الكَلُّ: کمزور، بوجھ، فقیر، وہ شخص جس کا باپ اور اولاد نہ ہو، کَلّ: کا اطلاق واحد جمع وغیرہ سب پر ہوتا ہے اور بعض مذکر ومؤنث کی جمع کُلُول کہتے ہیں (مصباح اللغات)

سند: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث شعبہؒ نے عدیؒ اور ابو حازمؒ کے واسطوں سے روایت کی ہے اور شعبہ سے معاذ عنبری روایت کرتے ہیں۔

اور شعبہ سے غندر اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی روایت کیا ہے، البتہ غندر کی روایت میں فإلينا کی جگہ وَلِيتُه ہے ـــــ یہ ماضی واحد متکلم ہے، وَلِيَ يَلِيْ وِلَايَةً وَوَلَايَةً الشيئَ وعلى الشيئ: والی ہونا، منصرف ہونا ـــــ الوجلَ وعليه: مدد کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴- كِتَابُ الْهِبَاتِ

ہبہ کے معنی ہیں: تمليك المال بلا عِوَض عوض لئے بغیر کسی کو مال کا مالک بنانا، ہبہ کے ذیل میں صدقہ اور ہدیہ آتے ہیں، ان دونوں میں بھی عوض لئے بغیر مال کا مالک بنایا جاتا ہے، بس یہ فرق ہے کہ صدقہ میں ثواب مطلوب ہوتا ہے، غریب کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی، وہ خوش ہوجائے تو اس کی مرضی، اور ہدیہ میں جس کو ہدیہ دیا جاتا ہے اس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے، مگر ثواب بھی ملتا ہے، احادیث شریفہ میں ہدیہ دینے پر لوگوں کو ابھارا گیا ہے، نبی ﷺ نے خواتین اسلام سے فرمایا: ''او مسلمان عورتو! کوئی عورت اپنی پڑوسن کے لئے معمولی نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہو'' (بخاری حدیث ۶۰۱۷) یعنی اگر کھر پکایا ہے تو تھوڑا شوربہ پڑوس میں بھیجے یا بکری ذبح کی ہے، گوشت تقسیم ہوگیا مگر کھر باقی ہیں تو وہی پڑوسن کے یہاں ہدیہ بھیجے ـــــ اور بھی متعدد روایات میں ہدیہ کے لین دین کی ترغیب دی گئی ہے۔

۱- بَابُ كَرَاهَةِ شِرَاءِ الإِنْسَانِ مَا تَصَدَّقَ بِهِ مِمَّنْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ

جس کو صدقہ دیا ہے اس سے صدقہ میں دی ہوئی چیز خریدنا مکروہ ہے

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دیدے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہٗ کی ملک ہوجاتی ہے، اب واہب اس ہبہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہو تو رجوع نہیں کرسکتا اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہوسکتا ہے، مگر مکروہ ہے، پھر کراہت تنزیہی کا بھی قول ہے اور کراہت تحریمی کا بھی، اور تحریمی والا قول راجح ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے ہبہ کرکے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قی چاٹ لیتا ہے۔

اور وہ سات موانع یہ ہیں: زیادتِ متصلہ، موت، عوض، خروج، زوجیت، قرابت محرمہ اور ہلاکت۔ ان کا مجموعہ: دَمْعُ خَزَقَهٌ ہے۔ د: سے مراد زیادتِ متصلہ ہے مثلاً کتاب ہبہ کی، موہوب لہٗ نے اس کی جلد بنوالی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا کیونکہ موہوبہ چیز میں زیادتی ہوگئی، اور وہ زیادتی موہوبہ چیز کے ساتھ متصل ہے، پس نہ تو اس کے ساتھ رجوع کرسکتا ہے کہ وہ زیادتی واہب کی نہیں ہے، اور نہ اس کے بغیر رجوع کرسکتا ہے کہ زیادتی متصل ہے ـــــ اور م: سے مراد موت ہے یعنی اگر موہوب لہٗ مرجائے تو رجوع نہیں ہوسکتا ـــــ اور ع سے مراد عوض ہے یعنی کسی کو کوئی چیز ہبہ کی موہوب لہٗ نے

اس کو ہبہ کا عوض دیدیا یعنی اس نے بھی جواباً کوئی چیز ہبہ کردی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور خ: سے مراد خروج ہے یعنی موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ز: سے مراد زوجیت ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تو علاقۂ زوجیت کی وجہ سے رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ق: سے مراد قرابت محرّمہ ہے یعنی اگر واہب اور موہوب لہ میں ایسا رشتہ ہو کہ ان کا باہم نکاح کبھی نہ ہوسکتا ہو جیسے بھائی بہن تو بھی رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ہ: سے مراد ہلاک ہے یعنی اگر موہوبہ چیز ہلاک ہوجائے تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اگر ان سات موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو کراہت تحریمی کے ساتھ رجوع ہوسکتا ہے مگر تراضی طرفین یا قضائے قاضی شرط ہے۔

حنفیہ کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الواهبُ أحقُّ بِهِبَتِه مَالَمْ يُثَبْ: یعنی ہبہ کرنے والا اپنی موہوبہ چیز کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کو ہبہ کا عوض نہ دیدیا جائے، معلوم ہوا کہ اگر موہوبہ چیز کا عوض دیدیا جائے تو رجوع نہیں ہوسکتا، دیگر موانع کے بارے میں احادیث اعلاء السنن میں ہیں، خواہش مند حضرات وہاں دیکھیں۔

اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو وہ واپس لے سکتا ہے، باپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے لئے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً۔ امام مالک رحمہ اللہ کی بھی یہ ایک روایت ہے۔

ملحوظہ: صدقہ خریدنے کا حکم حدیث شریف کے بعد آئے گا۔

[۱-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَىٰ فَرَسٍ عَتِيقٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: "لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (ایک شخص کو) اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے ایک نفیس گھوڑا دیا، پس اس کے مالک نے اس کو ضائع کردیا، یعنی گھوڑے کی ٹھیک سے ٹہل نہیں کی، پس میں نے گمان کیا کہ وہ اس کو سستا بیچے گا (اس لئے اس کو خریدنے کا ارادہ کیا) پس میں نے نبی ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: "تم اس کو مت خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو، اس لئے کہ خیرات کرکے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قئ کو چاٹ لیتا ہے"

لغات: حَمَلَ (ض) حَمْلاً وَحُمْلاناً علیه: اٹھانا، یہاں مراد صدقہ کرنا ہے ــــ العَتیق: عمدہ، نفیس، آزاد کردہ غلام، جمع: عُتَقَاء وَعُتُق ــــ فَرَسٌ عَتِیْقٌ: خوش منظر گھوڑا، جمع: عِتَاق ــــ البَیْتُ العتیق: خانہ کعبہ ــــ الرُّخص: سستا، رَخُصَ (ک) رُخْصًا الشیئ: سستا ہونا، رَخُصَ السِّعْر: بھاؤ سستا کرنا۔

تشریح: ایک شخص نے کسی غریب کو کوئی چیز صدقہ دی، وہ غریب اس چیز کو بیچ رہا ہے تو صدقہ دینے والا اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک بشمول احناف خرید سکتا ہے اس لئے کہ ملکیت بدلنے سے چیز بدل جاتی ہے، مگر مکروہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جہاد کرنے کے لئے گھوڑا صدقہ میں دیا تھا، وہ گھوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھا، اتفاق سے ان صحابی کو ضرورت پیش آئی، انھوں نے وہ گھوڑا بیچنے کے لئے بازار میں لاکر کھڑا کیا، جب حضرت عمرؓ نے اس کو بکتے دیکھا تو اس کو خریدنے کا ارادہ کیا، پھر خیال آیا کہ پہلے نبی ﷺ سے معلوم کر لینا چاہئے، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: ''اپنی خیرات واپس مت لو''

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خیرات واپس کہاں لے رہے تھے؟ وہ تو خریدنا چاہتے تھے؟

جواب: جب حضرت عمرؓ خریدیں گے تو وہ صحابی محابات (بہت زیادہ رعایت) کریں گے، یہ محابات ایک طرح سے صدقہ کا کچھ حصہ واپس لینا ہے، نبی ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اور اگر پوری قیمت پر خریدتے تو بھی ٹھیک نہیں تھا، کیونکہ نفس ابھی اس چیز سے پوری طرح ہٹا نہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی چیز خیرات کردے تو دل اس چیز سے جھاڑ لے، دل کے کسی گوشے میں اس کی چاہت باقی نہ رہے، اگر صدقہ کے بعد بھی نفس اس چیز کی طرف جھانکتا ہے تو صدقہ کامل نہیں ہوا۔

فائدہ: کسی دوسرے کے صدقہ کو خریدنے میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے سے منع کیا تھا، دوسرے کا صدقہ خریدنے سے منع نہیں کیا، نیز اس میں محابات اور اشرافِ نفس کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے دوسرے کے صدقہ کو خریدنے میں کچھ حرج نہیں۔

وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ (يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ) عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ وَزَادَ "لَا تَبْتَعْهُ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ"

وضاحت: امام مالک رحمہ اللہ سے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عبداللہ بن مَسلمہ نے روایت کی ہے، اور ابن مہدی کی روایت نازل ہے اس میں ایک واسطہ زیادہ ہے، اور اس میں یہ مضمون: ''تم اس کو نہ خریدو اگرچہ وہ ایک درہم میں تمہیں بیچے'' زیادہ ہے، جو ابن مسلمہ کی روایت میں نہیں ہے۔

[۲-] حَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ (يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ) حَدَّثَنَا رَوْحٌ (وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ؛ أَنَّهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَوَجَدَهُ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَقَدْ أَضَاعَهُ وَكَانَ قَلِيلَ الْمَالِ، فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهُ. فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: "لَا تَشْتَرِهِ وَإِنْ أُعْطِيتَهُ بِدِرْهَمٍ، فَإِنَّ مَثَلَ الْعَائِدِ فِي صَدَقَتِهِ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ"

وحَدَّثَنَاه ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ مَالِكٍ وَرَوْحٍ أَتَمُّ وَأَكْثَرُ.

وضاحت: زید بن اسلم سے امام مالکؒ کے علاوہ رَوح بن القاسم اور سفیان نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، مگر امام مالک اور روح بن القاسم نے حدیث مفصل اور مکمل روایت کی ہے، سفیان کی روایت اُتنی مفصل نہیں ہے۔

[۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: "لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ"

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی روایت کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ اس کو بھی بواسطہ نافع روایت کرتے ہیں۔

وحَدَّثَنَاه قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ رُمْحٍ، جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، ح: وحَدَّثَنَا الْمُقَدَّمِيُّ، وَمُحَمَّدُ ابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ الْقَطَّانُ) ح: وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح: وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ.

قوله: كلهم عن عُبيد الله: یعنی یحییٰ قطان، نُمیر اور ابو اسامہ: یہ سب عبید اللہ بن عمر عمری مدنی سے روایت کرتے ہیں۔
قوله: كلاهما عن نافع: ضمیر لیث بن سعد اور عبید اللہ بن عمر عمری کی طرف راجع ہے، یعنی لیث براہ راست نافع سے روایت کرتے ہیں اور یحییٰ قطان، نُمیر اور ابو اسامہ: عبید اللہ سے اور وہ نافع سے روایت کرتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے مانند روایت کرتے ہیں۔

[۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ (وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ) قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ رَآهَا تُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ، يَا عُمَرُ؟"

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے صاحبزادے سالم نے روایت کیا ہے، اور گذشتہ حدیث آزاد کردہ: نافع

کی روایت کردہ تھی ـــــ یہ دونوں حضرت ابن عمرؓ کے راویہ تھے، جس راوی کو اپنے استاذ کی کل یا اکثر روایات محفوظ ہوتی ہیں اس کو اس محدث کا راویہ کہتے ہیں۔

۲- بَابُ تَحْرِيمِ الرُّجُوعِ فِي الصَّدَقَةِ وَالْهِبَةِ بَعْدَ الْقَبْضِ إِلَّا مَا وَهَبَهُ لِوَلَدِهِ وَإِنْ سَفَلَ

صدقہ اور ہبہ میں دی ہوئی چیز قبضہ کے بعد واپس لینا حرام ہے مگر اولاد یا اس کی اولاد (نیچے تک) کو ہبہ کیا ہو تو واپس لے سکتا ہے

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ صدقہ خیرات میں رجوع نہیں ہوسکتا، ہدیہ میں رجوع ہوسکتا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع پایا جائے تو رجوع نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہوسکتا ہے، مگر مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے ہبہ کر کے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قی چاٹ لیتا ہے۔

لغت: سَفل (ن، س، ک) سُفُوْلاً وَسَفَالاً: پست ہونا، نیچے ہونا، حقیر ہونا۔

[۵-] حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَثَلُ الَّذِي يَرْجِعُ فِي صَدَقَتِهِ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ، فَيَأْكُلُهُ"

وحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ يَذْكُرُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی مثال جو صدقہ دے کر واپس لے لیتا ہے اس کتے جیسی ہے جو قی کرتا ہے پھر (جب) اپنی قی پر دوبارہ گذرتا ہے تو اس کو کھا لیتا ہے"

سند: یہ حدیث امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابو جعفر محمد بن علی (المعروف بہ محمد باقرؒ) اور ابن المسیب کے واسطوں سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، اور امام اوزاعی سے یونس اور ابن المبارک روایت کرتے ہیں۔

تشریح: کتے کو جب کوئی مردار ملتا ہے تو بے تحاشا کھاتا ہے یہاں تک کہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے، پس وہ قی کر کے خود کو ہلکا کر لیتا ہے، پھر جب اس کو کھانا نہیں ملتا اور بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قی پر سے گذرتا ہے تو اسی کو کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے۔

ہبہ واپس لینے کا حکم: ـــــ مذاہبِ فقہاء:

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے، باپ کے

علاوہ کسی بھی شخص کے لئے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً، امام مالک رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے ــــــ اور حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہے تو رجوع نہیں ہوسکتا، اور اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع کرسکتا ہے مگر مکروہ تحریمی ہے [1]۔

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی دلیل ایک تو باب کی حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ واپس لینے والے کو اس کتے کی مثال قرار دیا ہے جو اپنی قئی کو چاٹ لیتا ہے اور اس بری مثال کا مصداق بننے سے منع فرمایا ہے (یہ زائد مضمون ترمذی کی حدیث میں ہے حدیث نمبر ۱۲۸۴) پس معلوم ہوا کہ موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی حدیث میں کراہت کے ساتھ رجوع کے جواز کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ کتا اپنی قئی کھا کر شکم سیر ہو جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ رجوع ہوسکتا ہے مگر یہ غایت درجہ بری بات (مکروہ تحریمی) ہے پس ہم میں سے کسی کو بھی اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے اور ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لینی چاہئے، لیکن اگر باہمی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلہ سے واپس لے تو رجوع صحیح ہے، وہ اس چیز کا مالک ہو جائے گا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز ہبہ کرے پھر اسے واپس لے مگر باپ نے بیٹے کو جو ہبہ کیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتا ہے" [2] ــــــ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں صراحت ہے کہ باپ کے علاوہ کسی کے لئے بھی ہبہ واپس لینا جائز نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں لاَیَحِلُّ کا استثناء کرنا مقصود ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کو کچھ دے کر واپس لے تو یہ رجوع جائز ہے، کیونکہ باپ بیٹوں میں ایسا ہوتا ہے۔ عام طور پر جب باپ کے پاس کہیں سے کچھ آتا ہے تو وہ اولاد کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے، پھر جب باپ کو ضرورت پڑتی ہے تو وہ اولاد سے مانگ لیتا ہے، یہ رجوع نہیں، یہ تو سرپرست ہونے کی حیثیت سے لینا ہے، اس میں ادنیٰ کراہیت نہیں، کیونکہ جب بچے کو ضرورت ہوگی تو باپ ہی لاکر دے گا، اس طرح شوہر نے ایک چادر لاکر بیوی کو دی پھر ضرورت پیش آئی تو واپس لے لی، یہ رجوع نہیں، بے تکلفی میں ایسا ہوتا ہے۔

غرض: مذکورہ حدیث میں ہبہ کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ لاَیَحِلُّ سے استثناء ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کو

---

(۱) مکروہ تنزیہی کا بھی ایک قول ہے، مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک مکروہ تحریمی والا قول راجح ہے۔

(۲) یہ حدیث ترمذی وغیرہ میں ہے، متن حدیث ہے: عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " لاَیَحِلُّ لأَحَدٍ أَنْ یُعْطِیَ عَطِیَّةً، فَیَرْجِعَ فِیهَا، إِلاَّ الْوَالِدَ فِیمَا یُعْطِی وَلَدَهُ" حَدَّثَنَا بِذٰلِکَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِی عَدِیٍّ، عَنْ حُسَیْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَیْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا یُحَدِّثُ عَنِ ابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ: یَرْفَعَانِ الْحَدِیْثَ إِلَی النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، بِهٰذَا الْحَدِیْثِ (ترمذی باب ۶۱ حدیث نمبر ۱۲۸۵)

کچھ دے کر واپس لینا رجوع نہیں، اس لئے ایسا کرنا جائز ہے، علاوہ ازیں لَا تَحِلُّ کے معنی لَا تَجُوْزُ کے ہیں، اور احناف کے یہاں بھی ہبہ واپس لینا جائز نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

حنفیہ کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: الرَّجلُ أَحَقُّ بِهِبَتِهِ مَالَمْ يُثَبْ مِنْهَا: یعنی ہبہ کرنے والا اپنی موہوبہ چیز کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کو ہبہ کا عوض نہ دیدیا جائے، معلوم ہوا کہ اگر موہوبہ چیز کا عوض دیدیا جائے تو رجوع نہیں کر سکتا —— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ حدیث مروی ہے: مَنْ وَهَبَ هبةً فهو أَحَقُّ بهبته مالم يُثَبْ منها: یعنی جب تک ہبہ کا عوض نہ دیدیا جائے واہب شیٔ موہوبہ کا زیادہ حقدار ہے، یہ حدیث طبرانی میں ہے —— اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ حدیث مروی ہے: مَنْ وَهَبَ هبةً فهو أَحَقُّ بها مالم يُثَبْ منها، إذا كانت الهِبَةُ لِذِىْ رَحِمٍ محرمٍ لم يَرجِعْ فيها: یعنی واہب شیٔ موہوبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کو عوض نہ دیدیا جائے، البتہ کسی ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کرے تو پھر رجوع جائز نہیں، یہ حدیث مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس کو علی شرط شیخین قرار دیا ہے —— حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے مثل مروی ہے اور وہ روایت بھی مستدرک حاکم میں ہے، حاکم رحمہ اللہ نے تصحیح کرنے کے ساتھ اس کو علی شرط بخاری قرار دیا ہے —— اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ وَهَبَ هبةً لِصِلَةِ رَحِمٍ أو على وَجْهِ صَدَقَةٍ فإنه لا يَرْجِعُ فِيها وَمَنْ وَهَبَ هبةً يَرَى أنه أَرَادَ بها الثوابَ فهو على هبته يَرجع فيها إذا لم يرض منها: یعنی اگر قرابت کی بنا پر ہبہ کرے یا صدقہ کی نیت سے ہبہ کرے تو رجوع نہیں کر سکتا اور اگر غیر قریبی کو ثواب کی نیت سے ہبہ کرے تو جب تک عوض دے کر اس کو راضی نہ کر لیا جائے رجوع کر سکتا ہے —— اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ واہب تین قسم کے ہیں: (۱) جو موہوبہ چیز کا بدل طلب نہ کرے وہ ہبہ بمنزلہ صدقہ ہے، پس رجوع جائز نہیں (۲) جو موہوبہ شیٔ کا عوض طلب کرے، عوض ملنے کے بعد وہ مطالبہ نہیں کر سکتا (۳) جو عوض کی شرط پر ہبہ کرے، وہ موہوب لہ پر دَین ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، یعنی یہ ہبہ بمنزلہ بیع ہے، اس پر بیع کے احکام جاری ہونگے۔

غرض: یہ سب روایتیں اور آثار حنفیہ کے مستدل ہیں جو اعلاء السنن میں ہیں، اور ان سب روایات کا حاصل یہی ہے کہ اگر موانع موجود نہ ہوں تو رجوع کر سکتا ہے —— اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے جن دو روایتوں سے استدلال کیا ہے ان کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ پہلی حدیث میں (جو باب میں ہے) کراہیت کے ساتھ رجوع کی طرف اشارہ ہے اور دوسری حدیث میں لَا تَحِلُّ کا استثناء کرنا مقصود ہے، اس میں ہبہ کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں، جیسا کہ گذرا۔

دوسرا مسئلہ: صدقہ دے کر واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ اس میں مقصود ثواب ہوتا ہے جو مل گیا، جب صدقہ کو خرید نہیں سکتا تو رجوع تو بدرجہ اولیٰ نہیں کرسکتا، جمہور اسی کے قائل ہیں، تفصیل اوپر باب میں گذری ہے۔

وحَدَّثَنِيهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَرْبٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ (وَهُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ) حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرٍو؛ أَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ، بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ.

قوله: أن محمد ابن فاطمة : یہ محمد باقر رحمہ اللہ ہیں جن کی کنیت ابو جعفر ہے، باپ کی جدہ کی طرف نسبت ہے چونکہ یہ ابن اعلام متناسلہ کے درمیان نہیں ہے اس لئے الف لکھنا ضروری ہے۔

قوله: نحو حديثهم: ضمیر: ابراہیم بن موسیٰ رازی، اسحاق بن ابراہیم اور ابو کریب محمد بن العلاء کی طرف راجع ہے۔

[٦-] وحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَىٰ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو (وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ) عَنْ بُكَيْرٍ؛ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِنَّمَا مَثَلُ الَّذِي يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ يَعُودُ فِي صَدَقَتِهِ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَأْكُلُ قَيْئَهُ"

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث ابن المسیب سے ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ کے علاوہ بکیر نے بھی روایت کی ہے، یہ ان کی حدیث ہے۔

[٧-] وحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّىٰ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَالَ: " الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ"

وحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وضاحت: یہ حدیث ابن المسیبؒ سے قتادہ نے روایت کی ہے، اور اس میں ہبہ کا ذکر ہے۔

[٨-] وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ، يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طاؤس رحمہ اللہ نے روایت کی ہے ـــــ اور گذشتہ سب حدیثیں ابن المسیبؒ کی روایت کردہ تھیں۔

۳- بَابُ كَرَاهَةِ تَفْضِيْلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ فِي الْهِبَةِ

بعض اولاد کو زیادہ ہبہ کرنا مکروہ ہے

اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ بخشے تو تمام اولاد کو ـــــ مذکر ومؤنث کا فرق کئے بغیر ـــــ برابر دینا چاہئے، تفاضل مکروہ ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ تفاضل مکروہ اس وقت ہے جب بلاوجہ ہو، اگر کسی خاص سبب سے ہو، مثلاً: ایک اولاد زیادہ محتاج ہے یا زیادہ خدمت گذار ہے یا دینی کاموں میں مشغول ہے اس لئے اس کو زیادہ دیا تو مکروہ نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے باغ میں سے بیس وسق کھجوریں ہبہ کی تھیں، ابھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آ گیا، آپؓ نے بیٹی سے فرمایا: اگر تم نے ان کھجوروں پر قبضہ کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری ہو جاتیں، لیکن تم نے ابھی تک ان کو کاٹا نہیں، ان پر قبضہ نہیں کیا پس وہ ہبہ تمام نہیں ہوا، اور اب میری موت کا وقت آ گیا، پس وہ میراث ہے، تنہا تمہاری ملکیت نہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دی اگر یہ اقدام حرام و مکروہ ہوتا تو وہ یہ کام کیسے کرتے (یہ حدیث موطا مالک میں ہے)

[۹-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، يُحَدِّثَانِهِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟" فَقَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَارْجِعْهُ"

ترجمہ: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان کے ابا بشیر رضی اللہ عنہ ان کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا یہ غلام بخشا ہے (وہ نبی ﷺ کو گواہ بنانا چاہتے تھے) پس نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسی بخشش دی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، پس آپؐ نے فرمایا: غلام کو واپس لے لو۔

تشریح: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث متعدد طرق سے اور مختلف طرح سے مروی ہے، تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، ایک کا نام عمرہ بنت رواحہ تھا، حضرت نعمانؓ انہی کے بطن سے تھے، ان کا یہ مطالبہ تھا کہ بشیر ان کے لڑکے نعمانؓ کو کچھ بخشیں، بعض روایت میں باغ ہبہ کرنے کی بات ہے اور بعض میں

غلام ہبہ کرنے کی، حضرت بشیرؓ سال بھر تک ٹال مٹول کرتے رہے، پھر انھوں نے حضرت نعمانؓ کو ایک غلام ہبہ کرنے کا ارادہ کیا، تو ماں نے آنحضورﷺ کو اس بخشش پر گواہ بنانے کے لئے کہا، تا کہ آئندہ کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو، چنانچہ حضرت بشیرؓ اپنے صاحبزادے نعمانؓ کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اور آنحضورﷺ سے غلام ہبہ کرنے کی بات عرض کی، آپؐ نے دریافت کیا: کیا تمہاری اور بھی اولاد ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسی بخشش دی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہارے ساتھ یکساں سلوک کرے؟ انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! بلاشبہ یہ خواہش ضرور ہے، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرو۔

یہ روایت مختلف طرح سے آئی ہے، بعض روایت میں ہے: إرجعه اور بعض میں ہے فرُدَّہ: یعنی ہبہ واپس لے لو، اس کو رد کردو، بعض میں ہے: فلا تَشْهَدْ لي إذًا فإنّي لا أشهدُ على جور: تب تو میں گواہ نہیں بنوں گا، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا، بعض میں ہے: فاشهد على هذا غيري: کسی اور کو گواہ بنالو، اور بعض میں ہے: فليس يصلُح هذا وأني لا أشهد الاعلى حق: یہ مناسب نہیں، اور میں صرف درست بات پر گواہ بنتا ہوں، غرض واقعہ ایک ہے مگر روایت بالمعنی کی وجہ سے الفاظ مختلف ہو گئے ہیں۔

تفاضل کا حکم اور مذاہبِ فقہاء:

اگر کسی شرعی مصلحت سے کسی خاص اولاد کو ہبہ کرے یا دیگر اولاد پر ترجیح دے تو چاروں ائمہ کے نزدیک بالاتفاق یہ بلا کراہت جائز ہے، مثلاً: ایک اولاد زیادہ محتاج ہے، یا زیادہ عیال دار ہے، یا دینی کاموں میں مشغول ہے اس لئے صرف اس کو دیا یا زیادہ دیا تو بلا کراہت یہ جائز ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا جو دیگر اولاد کو نہیں کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ مروی ہے کہ انھوں نے بعض اولاد کو دیا اور بعض کو نہیں دیا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی وجہ ہو تو بعض اولاد کو بخشش میں خاص کرنا یا ترجیح دینا جائز ہے (مغنی ابن قدامہ ۵: ۶۶۵)

البتہ اگر شرعی وجہ کے بغیر باپ ایسا کرے تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہبہ صحیح ہے مگر اس کو رد کرنا یا اولاد کے درمیان برابری کرنا فرض وواجب ہے، مغنی ابن قدامہ (۵: ۶۶۴) میں ہے: فإن خَصَّ بعضَهم أو فضل بينهم فيها أَثِمَ ووجبتْ عليه التَّسْوِيَةُ بأحد أمرين، إما رد مافضل به البعض وإما اتمام نصيب الآخر: یعنی اگر ہبہ میں کسی اولاد کو خاص کرے یا اولاد کے درمیان کمی بیشی کرے تو گنہ گار ہوگا اور اس پر برابری کرنا واجب ہوگا، خواہ جو زائد دیا ہے اس کو واپس لے کر برابری کرے یا دوسروں کو بھی زائد دے کر برابری کرے۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک کسی شرعی وجہ کے بغیر تفاضل یا ہبہ میں کسی اولاد کو خاص کرنا جائز مگر مکروہ ہے، اور امام

ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ایسا کرے تو ناجائز ورنہ مکروہ ہوگا۔

دلائل:

تمام ائمہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہبہ واپس لینے کا حکم فرمایا تھا، نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا، یعنی تفاضل کو آپؐ نے ظلم قرار دیا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ تفاضل حرام ہے ـــــ اور جمہور کہتے ہیں کہ حضرت بشیرؓ نے ہبہ کرنے کا صرف ارادہ کیا تھا، اور بیوی صاحبہ کے کہنے پر آنحضور ﷺ کو گواہ بنانا چاہا تھا، ابھی باقاعدہ ہبہ نہیں کیا تھا، چنانچہ طحاوی میں ہے: فإن أذنت أن أجيز له أجزته: یعنی اگر آپؐ اجازت دیں گے تو ہی میں ہبہ کروں گا، اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ وہ ہبہ آنحضور ﷺ کی اجازت پر موقوف تھا، پس فَارْجِعْهُ اور فَرُدَّهُ کے اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہونگے ـــــ غرض: یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اور روایت کے بالمعنی ہو کر مختلف طرح سے مروی ہونے کی وجہ سے یہ اختلاف ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب

اولاد کے درمیان برابری کرنے کا طریقہ:

امام احمد اور احناف میں سے امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عطیات و ہبہ میں بھی وراثت کا قانون جاری ہوگا، یعنی اگر باپ اپنی حیات میں اولاد کو بطور ہبہ کچھ دے تو لڑکوں کو ڈبل اور لڑکیوں کو اس سے آدھا دے گا، اور جمہور کے نزدیک مذکر ومؤنث کے درمیان فرق کئے بغیر سب اولاد کو برابر دینا ضروری ہے، عطیات و ہبہ میں نرینہ اولاد کو غیر نرینہ اولاد پر ترجیح دینا مکروہ ہے۔

فائدہ: صاحب افادات حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ کی رائے اس مسئلہ میں یہ تھی کہ مذکر ومؤنث کے درمیان فرق کئے بغیر سب اولاد کو برابر دینا ضروری ہے، البتہ اگر باپ زندگی کے آخر میں فارغ ہونے کی نیت سے اولاد کے درمیان اپنا مال تقسیم کرے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اولاد میں کوئی نزاع نہ ہو، اور وہ دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوسکے، اور عبادات وریاضات میں زندگی کے بقیہ ایام گذار سکے: اس طور پر اولاد کو دے تو پھر وراثت کا قاعدہ جاری ہوگا، اور مذکر کو دوہرا اور مؤنث کو اکہرا حصہ دے گا، گویا یہ پیشگی وراثت ہے۔

[۱۰-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: أَتىٰ بِي أَبِي إِلىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا، فَقَالَ: "أَكُلَّ بَنِيكَ نَحَلْتَ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَارْدُدْهُ"

وضاحت: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے راوی ابن شہاب زہریؒ ہیں، انھوں نے حمید بن عبد الرحمٰن اور محمد بن النعمان کے واسطہ سے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے، اور ابن شہاب سے گذشتہ حدیث امام مالک

رحمہ اللہ نے روایت کی تھی اور یہ ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

[۱۱-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ (ح) وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَىٰ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الإِسْنَادِ. أَمَّا يُونُسُ وَمَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِمَا "أَكُلَّ بَنِيكَ" وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ وَابْنِ عُيَيْنَةَ "أَكُلَّ وَلَدِكَ" وَرِوَايَةُ اللَّيْثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ وَحُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ؛ أَنَّ بَشِيرًا جَاءَ بِالنُّعْمَانِ.

وضاحت: ابن شہاب زہریؒ سے یہ حدیث سفیان بن عیینہؒ، لیث بن سعد، یونس اور معمر بھی روایت کرتے ہیں، اور اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے امام مالک اور ابراہیم بن سعد نے روایت کیا ہے، اور ان کی روایتوں میں لفظوں کا معمولی اختلاف ہے مگر مضمون سب کی روایتوں کا ایک ہے۔

[۱۲-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ، قَالَ: وَقَدْ أَعْطَاهُ أَبُوهُ غُلَامًا، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَا هَذَا الْغُلَامُ؟" قَالَ: أَعْطَانِيهِ أَبِي، قَالَ: "فَكُلُّ إِخْوَتِهِ أَعْطَيْتَهُ كَمَا أَعْطَيْتَ هَذَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَرُدَّهُ"

وضاحت: اس کو حضرت نعمانؓ سے حضرت عروہؒ نے روایت کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ حضرت نعمانؓ کو ان کے ابا نے ایک غلام دیا تھا، نبی ﷺ نے ان سے اس غلام کے بارے میں پوچھا: انھوں نے کہا: میرے ابا نے مجھے یہ غلام دیا ہے، تو نبی ﷺ نے حضرت بشیرؓ سے پوچھا: کیا تم نے اس کے سب بھائیوں کو دیا ہے جیسا اس کو دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: اس کو واپس لے لو —— یہ روایت گذشتہ روایتوں سے، بہت مختلف ہے، یہ روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے مختلف ہوئی ہے۔

[۱۳-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ (ح) وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ (وَاللَّفْظُ لَهُ) أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ. قَالَ: تَصَدَّقَ عَلَيَّ أَبِي بِبَعْضِ مَالِهِ، فَقَالَتْ أُمِّي عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَىٰ حَتَّىٰ تُشْهِدَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ عَلَىٰ صَدَقَتِي، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَفَعَلْتَ هَذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "اتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ" فَرَجَعَ أَبِي، فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ.

وضاحت وترجمہ: اس کو حضرت نعمانؓ سے حصین نے بواسطہ عامر شعبیؒ روایت کیا ہے، اور حصین سے عباد بن العوام اور ابوالاحوص روایت کرتے ہیں ـــــ اور اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت نعمانؓ کہتے ہیں: میرے ابا نے مجھے اپنا بعض مال بطور ہبہ دیا، پس میری امی عمرہ بنت رواحہ نے کہا: میں راضی نہیں ہونگی یہاں تک کہ آپ نبی ﷺ کو گواہ بنالیں، پس میرے ابا مجھے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو ہبہ پر گواہ بنائیں، نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے یہ کام اپنی سب اولاد کے ساتھ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو، پس میرے ابا نے آپؐ کے پاس سے لوٹ کر وہ ہبہ لوٹالیا۔

[۱۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيرٍ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ، حَدَّثَنِي النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ؛ أَنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْ أَبَاهُ بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ مِنْ مَالِهِ لِابْنِهَا، فَالْتَوَىٰ بِهَا سَنَةً، ثُمَّ بَدَا لَهُ، فَقَالَتْ: لَا أَرْضَىٰ حَتَّىٰ تُشْهِدَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَىٰ مَا وَهَبْتَ لِابْنِي، فَأَخَذَ أَبِي بِيَدِي، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ، فَأَتَىٰ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمَّ هٰذَا، بِنْتَ رَوَاحَةَ، أَعْجَبَهَا أَنْ أُشْهِدَكَ عَلَى الَّذِي وَهَبْتُ لِابْنِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَا بَشِيرُ! أَلَكَ وَلَدٌ سِوَىٰ هٰذَا؟" قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ "أَكُلَّهُمْ وَهَبْتَ لَهُ مِثْلَ هٰذَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ "فَلَا تُشْهِدْنِي إِذًا، فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ عَلَىٰ جَوْرٍ"

وضاحت وترجمہ: اس حدیث کو عامر شعبیؒ سے ابوحیّان نے روایت کیا ہے اور ان سے علی بن مُسہر اور محمد بن بشر روایت کرتے ہیں ـــــ حضرت نعمانؓ کہتے ہیں: ان کی امی عمرہ بنت رواحہ نے ان کے ابا سے اپنا کچھ مال ان کے بیٹے کو بطور ہبہ دینے کا مطالبہ کیا، انھوں نے اس مطالبہ کو ایک سال تک ٹالے رکھا، پھر ان کی رائے ہبہ کرنے کی بنی، پس ماں نے کہا: میں راضی نہیں ہونگی یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اس چیز پر گواہ بنائیں، جو آپ میرے بیٹے کو بطور ہبہ دیں، پس میرے ابا نے میرا ہاتھ پکڑا، اس وقت میں بچہ تھا، اور نبی ﷺ کے پاس آئے، پس عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کی ماں بنت رواحہ کو پسند ہے یہ بات کہ میں آپ کو گواہ بناؤں اس چیز پر جو میں اس کے بیٹے کو بطور ہبہ دوں، نبی ﷺ نے پوچھا: اے بشیر! کیا تیرے اس کے علاوہ بھی کوئی لڑکا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے ان سب کو اس کے مانند دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: تب تو مجھے گواہ نہ بناؤ اس لئے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَلَكَ بَنُونَ سِوَاهُ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَ مِثْلَ هٰذَا؟" قَالَ:

لا، قَالَ: "فَلا أَشْهَدُ عَلىٰ جَوْرٍ"

[۱۶-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِأَبِيهِ: "لا تُشْهِدْنِي عَلىٰ جَوْرٍ"

وضاحت: یہ حدیث اسماعیل ابن علیہ اور عاصم احول رحمہما اللہ نے شعبی رحمہ اللہ سے روایت کی ہیں۔

[۱۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ وَعَبْدُ الْأَعْلَى،(ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَيَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ (وَاللَّفْظُ لِيَعْقُوبَ) قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ دَاوُدَ ابْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: انْطَلَقَ بِي أَبِي يَحْمِلُنِي إِلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! اشْهَدْ أَنِّي قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ كَذَا وَكَذَا مِنْ مَالِي، فَقَالَ "أَكُلَّ بَنِيكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ؟" قَالَ: لَا، قَالَ "فَأَشْهِدْ عَلَى هَذَا غَيْرِي" ثُمَّ قَالَ" أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً" قَالَ: بَلىٰ، قَالَ: " فَلا إِذًا"

وضاحت: یہ حدیث اسماعیل ابن علیہ نے عامر شعبیؒ سے داؤد بن ابی ہند کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور گذشتہ حدیث بلا واسطہ روایت کی تھی، پس یہ مزید فی متصل الاسناد کی مثال ہے۔

قوله: أيَسُرُّكَ أن يكونوا إلخ: کیا تجھے خوش کرے گی یہ بات کہ تیری سب اولاد تیرے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپؐ نے فرمایا: تب تو نہیں، یعنی پھر صرف ایک اولاد کو ہبہ کرنا صحیح نہیں۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، حَدَّثَنَا أَزْهَرُ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: نَحَلَنِي أَبِي نُحْلًا، ثُمَّ أَتىٰ بِي إِلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ فَقَالَ: " أَكُلَّ وَلَدِكَ أَعْطَيْتَهُ هَذَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: " أَلَيْسَ تُرِيدُ مِنْهُمُ الْبِرَّ مِثْلَ مَا تُرِيدُ مِنْ ذَا؟" قَالَ: بَلىٰ، قَالَ "فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ" قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: فَحَدَّثْتُ بِهِ مُحَمَّدًا، فَقَالَ: إِنَّمَا حُدِّثْتُ أَنَّهُ قَالَ: "قَارِبُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ"

وضاحت: اس کو عامر شعبیؒ سے ابن عون نے روایت کیا ہے —— قوله: فحدثت به محمدًا: یہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہیں، وہ ابن عون کے استاذ ہیں —— قوله: قاربوا بين أولادكم: اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔

[۱۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَتِ امْرَأَةُ بَشِيرٍ: انْحَلِ ابْنِي غُلَامَكَ، وَأَشْهِدْ لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتىٰ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَأَلَتْنِي أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِي، وَقَالَتْ: أَشْهِدْ لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ "أَلَهُ إِخْوَةٌ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ "أَفَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ؟" قَالَ: لَا، قَالَ "فَلَيْسَ يَصْلُحُ هَذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى حَقٍّ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضرت بشیرؓ کی بیوی نے کہا: میرے بیٹے کو اپنا غلام ہبہ کرو، اور میری تسلی کے لئے نبی ﷺ کو (اس پر) گواہ بناؤ، پس وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: بیشک فلاں کی بیٹی نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام ہبہ دوں، اور اس نے کہا: میری تسلی کے لئے نبی ﷺ کو گواہ بناؤ، آپؐ نے پوچھا: کیا اس کے بھائی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے ان سب کو دیا ہے اس کے مانند جو اس کو دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: یہ مناسب نہیں، اور میں حق بات ہی پر گواہ بنتا ہوں۔

۴- بَابُ الْعُمْرَىٰ

لفظ عُمری سے جائداد دینے کا بیان

یہ باب عربی معاشرہ کے لئے ہے، جہاں عربی بولی جاتی ہے۔ دو لفظ ہیں: عُمری اور رُقبی، جب کوئی شخص کسی کو کوئی جائداد دے اور یہ الفاظ استعمال کرے مثلاً کہے: هذه الدارُ لک عُمری۔ یا کہے: هذه الدارُ لک رُقبى۔ یا کہے: أعْمَرْتُک هذه الدارَ۔ یا کہے أرْقَبْتُک هذه الدار تو یہ ہبہ ہے یا عاریت؟ جواب: اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں ان لفظوں کا مفہوم ہبہ ہے تو جائداد ہبہ ہے، اور مُعْمر له (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) اس جائداد کا مالک ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء مالک ہونگے۔ اور اگر ان لفظوں کا مفہوم عاریت ہے تو معمر لہ زندگی بھر اس جائداد سے فائدہ اٹھائے گا اس کی وفات کے بعد وہ جائداد مُعمِر (جائداد دینے والے) یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی، اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف عرف پر مبنی ہے، کیونکہ عرف بدلتا رہتا ہے۔

[۲۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَىٰ لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِي أُعْطِيَهَا، لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا، لِأَنَّهُ أَعْطَىٰ عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص عمری دیا گیا اس کے لئے اور اس کے ورثاء کے لئے یعنی مُعمِر نے لفظ عمری بول کر کوئی چیز دی اور اپنے کلام میں لَکَ وَلِعَقِبِکَ کی صراحت کردی تو وہ عمری جس کو دیا گیا ہے اس کے لئے ہے، جس نے دیا ہے اس کی طرف نہیں لوٹے گا اس لئے کہ اس نے ایسا دیا ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے" یعنی یہ

عمری ہبہ ہے۔

تشریح .... مذاہبِ فقہاء:

اگر کوئی شخص لفظ عُمری سے جائداد ہبہ کرے تو وہ ہبہ تملیک عین کے لئے ہوگا یا تملیک منافع کے لئے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تملیک عین کے لئے ہوگا، پس مُعمَر لہ (جس کو جائداد ہبہ کی گئی ہے) ہمیشہ کے لئے اس جائداد کا مالک ہوگا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہبہ تملیک منافع کے لئے ہوگا، پس مُعمَر لہ زندگی بھر اس جائداد سے فاۂ اٹھائے گا، مگر اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد مُعمِر (ہبہ کرنے والا) کی طرف لوٹ آئے گی۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ لفظ عُمری سے جائداد دینے کی تین صورتیں ہیں: اول: مُعمِر (جائداد دینے والا) لکَ وَلِعَقِبِکَ کی صراحت کردے: أعْمَرْتُ لک ولِعَقِبِکَ: یعنی یہ جائداد تیری ہے اور تیرے بعد تیرے ورثاء کی ہے۔ دوم: مُعمَر لہ کی زندگی تک ہبہ کی صراحت کردے: أعمرتُکَ هذه الدار فإذا مُتَّ عادتْ إليه: یعنی یہ جائداد تیری ہے اور تیرے مرنے کے بعد میری ہے۔ سوم: بلا کسی قید کے کہے: أعْمَرْتُکَ هذه الدار۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں موہوبہ جائداد مُعمَر لہ کی ہوگی اور ہمیشہ کے لئے ہوگی اس کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی، اور دوسری صورت میں جو شرط ہے وہ شرط لغو ہوگی۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں تملیک منافع کے لئے ہوگی، پس مُعمَر لہ زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد مُعمِر یا اس کے ورثاء کی ہوگی، اور پہلی صورت میں جب تک مُعمَر لہ کا کوئی وارث حیات ہوگا اس کی ہوگی اور جب کوئی زندہ وارث نہ رہے گا تو مُعمِر کی یا اس کے ورثاء کی ہوگی۔

ملحوظہ: اگر مُعمِر صرف مُعمَر لہ کی زندگی تک جائداد دینے کی صراحت کردے تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی بھی ایک ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط معتبر ہوگی؛ یعنی یہ جائداد عاریت ہوگی، مُعمَر لہ زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھائے گا مگر اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد مُعمِر یا اس کے ورثاء کی ہوگی۔ اور احناف کے نزدیک شرط لغو اور جائداد مُعمَر لہ اور اس کے ورثاء کی ہوگی۔

فائدہ: اوپر بتایا ہے کہ عُمری میں جو اختلاف ہوا ہے وہ عرف پر مبنی ہے، زمانۂ جاہلیت میں عُمری تملیک منافع کے لئے تھا، مگر نبی ﷺ نے اس کو تملیک عین کے لئے کردیا تھا، چنانچہ انصار صحابہ نے جب مہاجرین صحابہ کو عُمری دینے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: امسِکوا أموالکم ولا تُفسدوها فإنه مَن أعْمَر عُمرى فهي للذي أعْمَرَها حيًّا وميتًا ولِعَقِبِه: یعنی غور وفکر کرکے عُمری دو، اس لئے کہ مُعمَر لہ جائداد کا مالک ہوجائے گا، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، مُعمَر لہ کے مرنے کے بعد وہ جائداد اس کے ورثاء کی ہوگی، غرض نبی ﷺ نے عُمری کو جو تملیک منافع کے لئے تھا منسوخ فرماکر تملیک عین کے لئے قرار دیدیا۔

[۲۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ (ح) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقُولُ مَنْ أَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرىٰ لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَقَدْ قَطَعَ قَوْلُهُ حَقَّهُ فِيهَا، وَهِيَ لِمَنْ أُعْمِرَ وَلِعَقِبِهِ" غَيْرَ أَنَّ يَحْيىٰ قَالَ فِي أَوَّلِ حَدِيثِهِ "أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرىٰ فَهِيَ لَهُ وَلِعَقِبِهِ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جو کسی شخص کو اور اس کے ورثاء کو عُمری دے تو اس کے اس قول نے جائداد میں اس کا حق ختم کر دیا، اب وہ چیز اس کی ہوگی جس کو عمری دیا گیا اور اس کے ورثاء کی ہوگی ــــ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے دوسرے استاذ یحییٰ کی حدیث کے شروع میں ہے: "جو شخص کوئی عمری دیا گیا تو وہ جائداد اس کی اور اس کے ورثاء کی ہے"

تشریح: یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے، اس میں صاف صراحت ہے کہ عمری دینے کے بعد مُعمِر کا جائداد میں کوئی حق باقی نہیں رہے گا، اور جائداد مُعمَر لہ اور اس کے ورثاء کی ہو جائے گی۔

[۲۲-] حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنِ الْعُمْرىٰ وَسُنَّتِهَا، عَنْ حَدِيثِ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؛ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرىٰ لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَقَالَ: قَدْ أَعْطَيْتُكَهَا وَعَقِبَكَ مَا بَقِيَ مِنْكُمْ أَحَدٌ، فَإِنَّهَا لِمَنْ أُعْطِيَهَا، وَإِنَّهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی شخص کو عمری دیا اس کو اور اس کے ورثاء کو، اس نے کہا: میں نے یہ چیز اس کو اور اس کے ورثاء کو دی جب تک کہ ورثاء میں سے کوئی باقی ہے تو وہ چیز اس کی ہوگی جس کو دی گئی ہے، اور وہ چیز اس کے اصل مالک کی طرف نہیں لوٹے گی، اس وجہ سے کہ اس نے ایسا عطیہ دیا ہے جس میں میراث جاری ہوگئی۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مشروط عمری دیا گیا تو شرط لغو ہوگی، اور عُمری ہمیشہ کے لئے ہوگا، یعنی اگر مُعمِر نے صراحت کی ہو کہ جب تک مُعمَر لہ یا اس کا کوئی وارث زندہ ہے تب تک کے لئے جائداد ہبہ ہے تو بھی ہمیشہ کے لئے وہ جائداد ہبہ ہوگی اور یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے۔

[۲۳-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ (وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ) قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنْ يَقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ. فَأَمَّا إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا.
قَالَ مَعْمَرٌ: وَكَانَ الزُّهْرِيُّ يُفْتِي بِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عُمریٰ وہی ہے جس کو نبی ﷺ نے جائز قرار دیا ہے: یہ کہ مُعمِر کہے: یہ جائداد تیری ہے اور تیرے ورثاء کی ہے، بہر حال جب وہ کہے کہ وہ تیرے لئے ہے جب تک تو زندہ ہے پس موہوبہ جائداد اصل مالک کی طرف لوٹ آئے گی، معمرؒ کہتے ہیں: زہری اسی کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عُمریٰ تملیک منافع کے لئے ہے یعنی عاریت ہے، مُعمَر لہ زندگی بھر اس سے مستفید ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد مُعمِر کی یا اس کے ورثاء کی ہوگی، حضرت جابرؓ نے یہی فرمایا ہے — مگر یہ حدیث موقوف ہے جو دیگر مرفوع روایات کے خلاف ہے، خود حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث جو اوپر گذری ہے اور آگے بھی آرہی ہے ان میں صراحت ہے کہ عمری ہمیشہ کے لئے ہوگا، مُعمَر لہ کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی کیونکہ اس میں میراث جاری ہوگئی ہے۔

[۲۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَابِرٍ (وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ)؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِيمَنْ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَهِيَ لَهُ بَتْلَةً، لَا يَجُوزُ لِلْمُعْطِي فِيهَا شَرْطٌ وَلَا ثُنْيَا.
قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ، فَقَطَعَتِ الْمَوَارِيثُ شَرْطَهُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا اس شخص کے بارے میں جو عمری دیا گیا (یہ کہہ کر) "عُمریٰ اس کے لئے ہے اور اس کے ورثاء کے لئے ہے" پس وہ جائداد قطعی طور پر اس کی ہوگئی، دینے والے کے لئے جائز نہیں کہ اس میں کوئی شرط لگائے یا استثناء رکھے، حضرت ابو سلمہؒ کہتے ہیں: اس لئے کہ اس نے ایسا عطیہ دیا ہے جس میں میراث جاری ہوگئی ہے پس میراث نے اس کی شرط کو کاٹ دیا۔

تشریح: اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ عُمریٰ میں کوئی بھی شرط لگانا لغو ہے، پس مُعمَر لہ کی زندگی کی شرط کے ساتھ جائداد ہبہ دینے میں شرط باطل ہوگی، اور جائداد ہمیشہ کے لئے ہبہ ہوگی، مُعمَر لہ کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی — غرض حضرت جابرؓ کی یہ مرفوع حدیث ان کی موقوف حدیث کے معارض ہے اور یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے۔

[۲۵-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الْعُمْرَىٰ لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ"

وضاحت: اس کو حضرت ابوسلمہؒ سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا ہے، اور گذشتہ حدیث ابن شہاب زہریؒ نے روایت کی تھی۔

وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّىٰ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ؛ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بِمِثْلِهِ.

وضاحت: اس کو بھی ابوسلمہ سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا ہے، اور یحییٰ سے معاذ بن ہشام نے اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور گذشتہ حدیث ہشام سے خالد بن الحارث نے روایت کی تھی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
[۲۶-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ (وَاللَّفْظُ لَهُ) أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ وَلَا تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَىٰ فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا، حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقِبِهِ"

وضاحت وترجمہ: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے زُہیر اور ابوخیثمہ نے بواسطہ ابوالزبیر روایت کی ہے—— نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے مالوں کو روکے رہو اور ان کو برباد نہ کرو، اس لئے کہ جس شخص نے کوئی عمری دیا تو وہ جائداد اس شخص کے لئے ہے جس کو عُمری دیا گیا زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، اور اس کے ورثاء کے لئے ہے۔
تشریح: پہلے یہ بات بتائی ہے کہ دورِ جاہلیت میں لفظ عُمری سے جو جائداد ہبہ دی جاتی تھی وہ عاریتاً دی جاتی تھی یعنی وہ ہبہ تملیک منافع کے لئے ہوتا تھا، مگر نبی ﷺ نے اس کو تملیک عین قرار دیا، اس لئے جو انصار صحابہ مہاجرین کو جائداد ہبہ دینا چاہتے تھے ان کو نصیحت فرمائی تھی کہ سوچ سمجھ کر عمری (جائداد ہبہ) دو، اس لئے کہ تم لوگ جو عمری دوگے وہ جائداد ہمیشہ کے لئے مُعمَر لہ کی ہو جائے گی اس کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی۔

[۲۷-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ، (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ،

حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي، عَنْ أَيُّوبَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَىٰ حَدِيثِ أَبِي خَيْثَمَةَ، وَفِي حَدِيثِ أَيُّوبَ مِنَ الزِّيَادَةِ، قَالَ: جَعَلَ الْأَنْصَارُ يُعْمِرُونَ الْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ"

وضاحت: یہ حدیث حجاج بن ابی عثمان، سفیان اور ایوب بھی ابوالزبیر سے روایت کرتے ہیں اور ابوخیثمہ کے ہم معنی روایت کرتے ہیں، البتہ ایوب کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ: "انصار نے مہاجرین کو جائداد عمری دی تو نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے مالوں کو روکے رہو"

[۲۸-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ) قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَعْمَرَتِ امْرَأَةٌ بِالْمَدِينَةِ حَائِطًا لَهَا ابْنًا لَهَا، ثُمَّ تُوُفِّيَ، وَتُوُفِّيَتْ بَعْدَهُ، وَتَرَكَتْ وَلَدًا، وَلَهُ إِخْوَةٌ بَنُونَ لِلْمُعْمِرَةِ، فَقَالَ وَلَدُ الْمُعْمِرَةِ: رَجَعَ الْحَائِطُ إِلَيْنَا، وَقَالَ بَنُو الْمُعْمَرِ: بَلْ كَانَ لِأَبِينَا حَيَاتَهُ وَمَوْتَهُ، فَاخْتَصَمُوا إِلَىٰ طَارِقٍ مَوْلَىٰ عُثْمَانَ، فَدَعَا جَابِرًا فَشَهِدَ عَلَىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَىٰ لِصَاحِبِهَا، فَقَضَىٰ بِذٰلِكَ طَارِقٌ، ثُمَّ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ فَأَخْبَرَهُ ذٰلِكَ، وَأَخْبَرَهُ بِشَهَادَةِ جَابِرٍ، فَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: صَدَقَ جَابِرٌ، فَأَمْضَى ذٰلِكَ طَارِقٌ، فَإِنَّ ذٰلِكَ الْحَائِطَ لِبَنِي الْمُعْمَرِ حَتَّى الْيَوْمِ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت نے اپنا ایک باغ اپنے ایک بیٹے کو بطور عمری دیا، پھر وہ بیٹا مر گیا، اس کے بعد ماں بھی مر گئی، اور اس نے (مُعمَر لہ نے) ایک لڑکا وارث چھوڑا، اور مُعمَر لہ کے بھائی بھی تھے جو مُعمِرہ عورت کے بیٹے تھے، پس مُعمِرہ کے بیٹوں نے کہا: وہ باغ ہماری طرف لوٹ آیا، اور مُعمَر لہ کے بیٹے نے کہا: بلکہ یہ باغ ہمارے باپ کا ہے اس کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی، پس یہ لوگ اپنا جھگڑا طارق کے پاس لے کر گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ تھے (اور مدینہ منورہ کے حاکم تھے) انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلایا پس حضرت جابرؓ نے نبی ﷺ پر گواہی دی کہ آپؐ نے عمری کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہ اسی کا ہے جس کو دیا گیا، پس طارق نے اسی کے مطابق فیصلہ سنایا، پھر اس نے عبدالملک کو خط لکھا اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا، اور حضرت جابرؓ کی گواہی کے بارے میں بھی لکھا، پس عبدالملک نے کہا: جابرؓ نے سچ فرمایا، چنانچہ طارق نے وہی حکم جاری کر دیا، چنانچہ وہ باغ آج تک مُعمَر لہ کے بیٹے کے پاس ہے۔

تشریح: یہ واقعہ بھی ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی گواہی کے بعد مدینہ منورہ کے حاکم طارق نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ عُمریٰ میں دیا گیا باغ مُعمَر لہ کی ملکیت ہے اور اب وہ اس کے وارث کا ہے، اور حاکم وقت عبدالملک

بن مروان نے بھی اسی فیصلہ کو برقرار رکھا تھا۔

[۲۹-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ؛ أَنَّ طَارِقًا قَضَى بِالْعُمْرَىٰ لِلْوَارِثِ، لِقَوْلِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: اس سند سے سلیمان بن یسارؒ سے مذکورہ واقعہ مروی ہے۔

[۳۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْعُمْرَىٰ جَائِزَةٌ"

[۳۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَالَ: "الْعُمْرَىٰ مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا"

[۳۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ،حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْعُمْرَىٰ جَائِزَةٌ"

وحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا" أَوْ قَالَ: "جَائِزَةٌ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: الْعُمْرَىٰ جَائِزَةٌ: عُمری نافذ ہے، یعنی عمری کے لفظ سے جو جائداد دی جائے وہ ہمیشہ کے لئے مُعمَرلہ کی ہو جاتی ہے، دینے والے کی طرف یا اس کے وارث کی طرف لوٹ کر نہیں آتی، العُمری میراث لأهلها کا بھی یہی مطلب ہے۔

سند: یہ حدیثیں حضرات جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، اور ان دونوں سے قتادہؒ روایت کرتے ہیں، حضرت جابرؓ سے عطاءؒ کے واسطہ سے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے نضر بن انس اور بشیر بن نہیک کے واسطوں سے، اور قتادہ سے شعبہ اور سعید روایت کرتے ہیں۔

الحمد للہ! کتاب الہبات کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵- كتابُ الوَصِيّةِ

وصیت کا بیان

وصیت کے لغوی معنی ہیں: جڑنا، ملنا، پاس پاس ہونا، کہتے ہیں: وَصَي يَصِيْ وَصْيًا: ملا ہوا ہونا۔ اور نصوص میں وصیت تین معنی میں مستعمل ہے:

۱- کسی کو اپنا جانشیں بنانا جو اس کے مرنے کے بعد مال وجائداد اور اہل وعیال کے معاملات کا با اختیار منتظم ہو، یہی معنی معروف ہیں۔

۲- کسی کو مرنے کے بعد کوئی چیز بخشنا۔ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ (عمدہ) یہ معنی بھی معروف ہیں۔

۳- ممنوعات سے جھڑکنا اور مامورات پر ابھارنا۔ وَيُطْلَقُ شَرْعًا أَيْضًا عَلٰى مَا يَقَعُ بِهِ الزَّجْرُ عَنِ الْمَنْهِيَّاتِ وَالْحَثُّ عَلَى الْمَأْمُوْرَاتِ (عمدہ) حدیثوں میں اس معنی میں بھی لفظ وصیت آیا ہے۔

اللہ پاک سورۃ البقرہ کی آیات (۱۸۰-۱۸۲) میں ارشاد فرماتے ہیں: ”تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت قریب معلوم ہو اور کچھ مال ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معروف طریقہ پر وصیت کرے، یہ بات جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ ضروری ہے، پھر جو شخص وصیت سننے کے بعد اس کو تبدیل کرے تو اس کا گناہ انہی لوگوں کو ہے جو اس کو تبدیل کریں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً سنتے جانتے ہیں، ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم کے ارتکاب کا اندیشہ ہو، پھر وہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے، مہربانی فرمانے والے ہیں“

تفسیر: ان آیات میں تین باتیں ہیں:

۱- اولاد کے علاوہ دوسرے ورثاء کے حصے میراث میں متعین نہیں تھے، ان کے لئے مرنے والا وصیت کرے گا تب ان کو میراث ملے گی (ورنہ کل ترکہ اولاد کا تھا)

۲- اولاد کے علاوہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا واجب تھا۔

۳- وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہ ہو، معقول طریقہ پر وصیت کرنے کا یہی مطلب ہے۔

پھر پہلی بات آیتِ میراث سے منسوخ ہوگئی، اولاد کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے بھی حصے متعین کردیئے، اور دوسری

بات حدیث لاَوَصِیَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہوگئی[1]، اور اس پر اجماع ہے اور وجوب کے ساتھ جواز بھی منسوخ ہوگیا۔ پس شرعی وارث کے لئے وصیت باطل ہے، اور تیسری بات اب بھی باقی ہے، تہائی سے زیادہ کی وصیت عاقل بالغ ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں۔

وصیت کی حکمت: وصیت کا طریقہ اس طرح چلا ہے کہ انسانوں میں ملکیت ایک عارضی چیز ہے، حقیقت میں ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ عارضی ملکیت اس وجہ سے ہے کہ انسانوں میں اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آتی ہے، دیگر حیوانات: چرند و پرند میں ملکیت نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی ہے، مخلوقات اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں، اور ان میں کوئی بڑا جھگڑا بھی کھڑا نہیں ہوتا، مگر انسانوں کی صورت حال دوسری ہے، اس لئے عارضی طور پر انسانوں کی ملکیت تسلیم کی گئی، پھر جب انسان موت کے قریب پہنچ جائے اور مال سے بے نیازی کا وقت آجائے تو مستحب یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں کوتاہی کی ہے اس کی تلافی کرے، اور اس نازک گھڑی میں ان لوگوں کی غم خواری کرے جن کا حق اس پر واجب ہے۔

چند فوائد: .... تبرعات چار ہیں:

۱- جاننا چاہئے کہ عام طور پر وصیت تبرع کی ہوتی ہے، تبرع یعنی کسی ذاتی منفعت کی امید کے بغیر کوئی چیز دینا، اور تبرعات چار ہیں: صدقہ، ہدیہ، وصیت اور وقف۔

صدقہ: وہ تبرع ہے جس سے اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے، اور ہدیہ: وہ تبرع ہے جس سے اس شخص کا دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو سوغات دی جاتی ہے، اور وصیت: یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میرے انتقال کے بعد میری فلاں جائداد یا میرا اتنا سرمایہ فلاں مصرف خیر میں خرچ کرنا، یا فلاں شخص کو دینا، اور وقف: جائداد جیسی باقی رہنے والی کوئی چیز محفوظ کرنا، اور اس کے منافع کو صدقہ کرنا۔

۲- حق واجب کی وصیت واجب ہے، اور حق مستحب کی مستحب، مثلاً: کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت ہے یا اس پر کسی کا قرض ہے یا کسی طرح کا کوئی حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر مصارف خیر

(۱) حدیث: لاوصیةَ لوارث ضعیف ہے، مگر اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، اور اصول حدیث میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ اگر ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے تو وہ متواتر کے درجہ میں ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ سے قطعیات بھی منسوخ ہوجاتی ہیں، پس وارث کے لئے وصیت کے وجوب پر دلالت کرنے والی آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ الخ منسوخ مانی گئی، غرض تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعف ختم ہوجاتا ہے بلکہ حدیث بدرجۂ تواتر ہوجاتی ہے۔ جیسے: بیس رکعات تراویح والی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ضعیف ہے مگر اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، تمام صحابہ کا بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے اور شرقاً وغرباً اسی پر امت کا عمل ہے پس اب اگر اس کے خلاف کوئی حدیث بھی ہوگی خواہ وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو، اس کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔

میں کسی غریب یا دوست عزیز پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت مستحب ہے، اور جو بھی وصیت کرے اس کو لکھ کر محفوظ کر لینا چاہئے۔

[۱-] حَدَّثَنَا أَبُوخَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ (وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ"

[۲-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، كِلَاهُمَا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُمَا قَالَا: "وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ" وَلَمْ يَقُولَا "يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی ایسے مسلمان کے لئے سزاوار نہیں جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائداد، سرمایہ، امانت یا قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو یہ کہ وہ دو راتیں گذارے مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

سند: یہ حدیث عبید اللہ نے بواسطہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے یحییٰ بن سعید قطان روایت کرتے ہیں اور عبدۃ بن سلیمان اور عبد اللہ بن نُمیر بھی عبید اللہ سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں، البتہ ان دونوں حضرات کی روایت میں له شيئٌ يُريد أن يوصِيَ فيه کے بجائے له شيئٌ يُوْصِيَ فيه ہے، یعنی يُرِيْدُ نہیں ہے۔

تشریح: وصیت کرنے میں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے اور موت کا وقت قریب آجائے گا تب وصیت کر دیں گے، کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، معلوم نہیں وہ کس وقت آگھیرے، پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ وصیت نامہ تیار رکھے، دو دن بھی ایسے نہیں گذرنے چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو، دو راتیں گذارے یعنی تھوڑا وقت گذرے، کیونکہ فوراً ہر بات لکھ لینا دشوار ہوتا ہے، لیکن لمبے وقت تک یوم وفردا کرنا بھی مناسب نہیں، کچھ وقت مثلاً دو راتیں گذرتے گذرتے یادداشت لکھ لینی چاہئے۔

فائدہ(۱): معاملات کی یادداشت لکھ لینا یا کسی رازدار مثلاً: بیوی، بچوں کو بتلا دینا بھی وصیت نامہ لکھنے کے قائم مقام ہے۔

فائدہ(۲): اسحاق بن راہویہ اور ظاہریہ کے نزدیک وصیت کرنا فرض ہے، ان کا استدلال آیت پاک: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ سے ہے، یعنی تم پر

بوقت وفات والدین اور دیگر اقرباء کے لئے وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے جبکہ تم نے ترکہ چھوڑا ہو، نیز باب کی احادیث سے بھی ان کا استدلال ہے۔

اور جمہور کے نزدیک بعض صورتوں میں وصیت واجب، بعض میں سنت اور بعض میں مستحب ہے، اگر میت کے ذمہ میں حقوق ہوں خواہ حق اللہ ہو یا حق العبد تو وصیت کرنا فرض و واجب ہے، اور تبرع کی وصیت سنت و مستحب ہے، اور مکروہ کی وصیت مکروہ اور حرام کی وصیت حرام ہے ـــــ جمہور باب کی روایات کو انہی مختلف احوال و امور پر محمول کرتے ہیں اور آیت پاک کو منسوخ قرار دیتے ہیں، اسلام کے ابتدائی دور میں وصیت کرنا فرض تھا، پھر جب ورثاء کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے تو آیت منسوخ ہو گئی، تفصیل گذر چکی ہے۔

ملحوظہ: بعض حضرات نے يُريد أن يُوصِيَ الفاظ ملحوظ رکھ کر یہ جواب دیا ہے کہ وصیت کرنا علی الاطلاق ضروری نہیں بلکہ جو وصیت کرنا چاہے اس کو وصیت کرنے کا حکم ہے، مگر اس جواب میں تکلف ہے۔

[۳-] وحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ) كِلاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ اللَّيْثِيُّ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ (يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ) كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ، وَقَالُوا جَمِيعًا "لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ" إِلَّا فِي حَدِيثِ أَيُّوبَ، فَإِنَّهُ قَالَ "يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ" كَرِوَايَةِ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ.

سند: حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث ایوب، یونس، اسامۃ بن زید اور ہشام بن سعد بھی نافع کے واسطہ سے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ عبید اللہ بن عمر عمری نے بواسطہ نافع ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، اور ان سب کی روایتوں میں بھی له شيئٌ يُوصِيْ فيه ہے سوائے ایوب کی روایت کے، ان کی روایت یحییٰ کی عبید اللہ سے روایت کے مانند ہے یعنی اس میں له شيئٌ يُريد أن يُوصِيَ فيه ہے ـــــ اور ایوب سے اسماعیل ابن علیّہ اور حماد بن زید روایت کرتے ہیں۔

[۴-] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو (وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ ثَلَاثَ لَيَالٍ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوبَةٌ"

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ذٰلِكَ إِلَّا وَعِنْدِي وَصِيَّتِي.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صاحبزادے سالم نے روایت کیا ہے، اوران سے ابن شہاب زہریؒ روایت کرتے ہیں ـــــ قوله: مامرّت عليَّ ليلةٌ إلخ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب سے میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھ پر ایک رات بھی نہیں گذری مگر اس حال میں کہ میری وصیت میرے پاس (لکھی ہوئی) تھی۔

وحَدَّثَنِيهِ أَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي، حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ.

سند: ابن شہاب زہریؒ سے مذکورہ حدیث یونس، عقیل اور معمر نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عمرو بن الحارث نے روایت کی ہے۔

۲- بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

تہائی کی وصیت کرنے کا بیان

مرض موت میں ترکہ سے ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے، اس لئے مریض ترکہ میں کوئی تبرع والا تصرف نہیں کرسکتا، مگر اس کی دینی مصلحت سے تہائی ترکہ میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے، تاکہ وہ خیر خیرات کرسکے، اور وصیت کے ذریعہ کوتاہیوں کی تلافی کرسکے۔

نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: تم تہائی کی وصیت کرسکتے ہو، اور وہ بھی بہت ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر لوگ تہائی سے کم چوتھائی کی وصیت کریں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے تہائی کو بہت زیادہ قرار دیا ہے۔

[۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: عَادَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، مِنْ وَجَعٍ أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! بَلَغَنِي مَا تَرَىٰ مِنَ الْوَجَعِ، وَأَنَا ذُو مَالٍ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: "لَا" قَالَ قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: "لَا" الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ، إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةُ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ" قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ: "إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ، إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، وَلَعَلَّكَ

تُخَلَّفُ حَتّٰى يُنْفَعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللّٰهُمَّ! أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ، لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ"

قَالَ: رَثٰى لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری عیادت کی اس بیماری میں جس سے میں موت کے قریب ہوگیا، پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے جو تکلیف پہنچی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں (یعنی آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں) اور میں مالدار آدمی ہوں اور میرا کوئی وارث نہیں، مگر میری اکلوتی لڑکی، پس کیا میں دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، حضرت سعدؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا آدھا مال صدقہ کروں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تہائی (کی وصیت کرسکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے، بیشک آپ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑیں یہ بہتر ہے اس سے کہ آپ ان کو قلاش چھوڑیں کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پسارتے پھریں، اور آپ ہرگز کچھ خرچ نہیں کریں گے جس سے آپ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہوں مگر آپ اس کا ثواب دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جس کو آپ اپنی بیوی کے منہ میں رکھیں (اس کا بھی ثواب ملے گا) حضرت سعدؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (یعنی مکہ میں میری وفات ہوگی اور بظاہر میری ہجرت باطل ہوگی؟) آپؐ نے فرمایا: بیشک آپ ہرگز پیچھے نہیں کیے جائیں گے، پس آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہیں مگر آپ بڑھیں گے اس کی وجہ سے بلندی اور درجہ میں، (لَنْ میں نفی ہے اور اس کے مقابل إلا میں اثبات ہے جس سے حصر پیدا ہوا ہے، یعنی آپ میرے بعد زندہ رہ کر جو بھی نیک عمل کریں گے: وہ آپ کے لیے بلندی درجات کا سبب ہوگا، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت سعدؓ حضور اقدس ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں گے، چنانچہ فرمایا:) اور شاید آپ پیچھے کردیئے جائیں (یعنی میرے بعد زندہ رہیں) یہاں تک کہ آپ سے کچھ لوگ فائدہ اٹھائیں اور کچھ دوسرے لوگوں کو آپ کی وجہ سے ضرر پہنچے (اس کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی) "اے اللہ! میرے صحابہ کے لئے ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی وطن میں ان کا انتقال نہ ہو اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ پھیر، یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو، لیکن قابل رحم سعد بن خولہؓ ہیں نبی ﷺ نے ان پر اظہار غم کیا اس وجہ سے کہ ان کا مکہ میں انتقال ہوا تھا۔

لغات: الوَجَع: مرض وتکلیف، جمع وِجَاعٌ وَأَوْجَاعٌ ــــ أَشْفَيْتُ أي صِرْتُ علٰى شَفَاه: یعنی میں موت کے کنارے پہنچ گیا ــــ العَالَةُ: فاقہ محتاجگی ــــ تَكَفُّفُ الناسَ: لوگوں سے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلانا ــــ رَثٰى وَتَرَثّٰى الميتَ: رونا اور محاسن شمار کرنا ــــ المَرْثِيَةُ: وہ اشعار وغیرہ جس میں میت کے محاسن بیان کیے جائیں۔

تشریح:

۱-آدمی کو اپنے مال میں ہر طرح تصرف کا اختیار ہے، لیکن زندگی کے آخری لمحات میں یعنی مرض موت میں مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرض موت میں زیادہ سے زیادہ تہائی ترکہ میں تبرع (نفلی خیرات، ہبہ وغیرہ) کر سکتا ہے اس سے زیادہ تبرع کرنے کا حق نہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کرے گا تو وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی[1]، اسی طرح مریض خود بھی زیادہ سے زیادہ تہائی مال خیرات کر سکتا ہے، البتہ مرض موت میں کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مال باقی رہے گا گو جنس بدل جائے گی۔

مذاہب فقہاء:

اور کیا کسی صورت میں تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو سکتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بہر صورت زائد کی وصیت باطل اور کالعدم ہے اور احناف کے نزدیک دو صورتوں میں زائد کی وصیت جائز ہے، ایک: میت کا کوئی وارث نہ ہو، دوسری: تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں اور زائد کی وصیت نافذ کرنے پر راضی ہوں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ میت کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو، اور خواہ تمام ورثاء راضی ہوں تو بھی صرف تہائی ترکہ کی وصیت نافذ ہوگی، باقی دو تہائی ترکہ بیت المال میں جائے گا یا ورثاء کو ملے گا، اور احناف کہتے ہیں: تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع تھی، پس اگر ورثاء نہ ہوں، یا وہ راضی ہوں تو زائد کی وصیت درست ہے، اور بچے اور ناسمجھ کی اجازت اس کے حصہ میں معتبر نہیں، بالغ ورثاء اپنے حصوں میں زائد کی اجازت دے سکتے ہیں۔

۲-تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے تہائی کو "بہت" قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے:

ایک: عرب و عجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے، اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے، اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کے حق کا انکار اور ان

(۱) ٹھیک موت کے وقت: یعنی جب مرض موت شروع ہو جائے، اس وقت آدمی جو بھی تبرع کرتا ہے وہ بحکم وصیت ہوتا ہے (درمختار اور شامی ۵۶۶:۲ میں اس کی صراحت ہے اور بہشتی زیور حصہ پنجم ص:۵۹ وصیت کے بیان میں بھی تفصیل سے یہ مسئلہ ہے) اس لئے وہ تبرع تہائی ترکہ ہی سے نافذ ہوگا، مثلاً کسی نے مرض موت میں کسی مدرسہ کو پچاس ہزار روپے للہ چندہ دیا، پھر وہ اس بیماری میں مر گیا تو یہ دیا ہوا چندہ تہائی ترکہ سے نافذ ہوگا، اگر وہ تہائی سے زیادہ ہے تو زائد واپس لیا جائے گا، وہ ورثاء کا حق ہے۔

کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری وجہ: حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار، اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اسی وجہ سے دور اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کر دیا گیا، اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا۔ سورۃ الانفال آیت ۷۵ میں ارشادِ پاک ہے: "اور جو لوگ رشتہ دار ہیں: کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں"

مگر بایں ہمہ: بار ہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے، اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی، مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تا کہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے، کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے، اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔

۳- جس طرح عام طور پر لوگ دور کی جگہوں میں خرچ کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور قریب کی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے اسی طرح لوگ تبرع یعنی خیرات کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے حالانکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، پس جب یہ بات ہے تو اگر چہ آدمی کو تہائی میں وصیت کرنے کا حق ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پورے تہائی کی وصیت نہ کرے بلکہ چوتھائی کی یا اس سے بھی کم کی وصیت کرے تا کہ ورثاء کے لئے زیادہ سے زیادہ مال بچے، اگر میت پورے تہائی کی وصیت کر دے تو اس نے ورثاء کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، باقی دو تہائی تو شریعت نے ان کے لئے متعین کر دیئے ہیں، اس میں میت کا کیا احسان ہے؟

قولہ: الثلث والثلث کثیر: پہلا الثلث مرفوع و منصوب دونوں پڑھ سکتے ہیں، مرفوع پڑھیں تو یکفیک فعل محذوف کا فاعل ہوگا، اور منصوب پڑھیں تو اعط: فعل امر محذوف کا مفعول ہوگا، اور دوسرا الثلث: مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور کثیر خبر ہے، اور ایک روایت میں کَبِیْرٌ ہے، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

جو چیزیں وضعاً عبادت نہیں حسن نیت سے وہ بھی عبادت بن جاتی ہیں

قولہ: إنک ان تَذَرَ إلخ: یہ ایک وہم کا دفعیہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ صدقہ ہی کا ثواب ملے گا، کیونکہ صدقہ وضعاً عبادت ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس وہم کو دور فرمایا کہ اگر نیت خیر کی ہو تو اولاد پر خرچ کرنا اور ان کو مالدار چھوڑ کر مرنا بھی عبادت ہے اور اس کا بھی ثواب ہے، جیسے بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا اگر کسی نیک مقصد سے

ہوتو اس کا بھی ثواب ہے، اسی طرح نیک مقصد سے اولاد کو مالدار چھوڑنے کا بھی ثواب ہے، اور یہ نیت کہ اولاد کسی کی دست نگر نہ ہو، اس کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے حُسنِ نیت ہے پس اس کا ثواب ملے گا۔ غرض: جو چیزیں اپنی وضع میں عبادت نہیں ہیں حُسن نیت سے وہ بھی عبادت بن جاتی ہیں۔

قولہ: لكن البايس سعد ابن خولة: یہ بدری صحابی ہیں، مکہ سے ہجرت فرمائی تھی اور مکہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا تھا، ایک رائے یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ کا انتقال ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آپ مکہ جا بسے تھے اور وہاں انتقال ہوا تھا۔ غرض موت بے اختیاری عمل ہے، اور یہ ہجرت سے پھرنا نہیں، مگر اس کے مشابہ ہے اس لئے نبی ﷺ نے ترحم فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث سفیان بن عیینہ، یونس اور معمر نے بھی ابن شہاب زہری سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ ابْنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدٍ. قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ يَعُودُنِي، فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا.

وضاحت: یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بن سعد سے سعد بن ابراہیم نے روایت کی ہے اور حضرت زہریؒ کے ہم معنی روایت کرتے ہیں، مگر ان کی حدیث میں آنحضور ﷺ کا حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر ترحم و مرثیہ کا ذکر نہیں ہے، اور اس میں مزید یہ بات ہے کہ آنحضور ﷺ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مہاجرین میں سے کسی کا اس کی جائے ہجرت مکہ مکرمہ میں انتقال ہو۔

تشریح: نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد یہ اعلان فرمایا تھا کہ تین دن سے زائد کوئی مکہ مکرمہ میں نہ ٹھہرے اس لئے کہ مہاجرین اپنی جائے ہجرت مکہ مکرمہ کو دوبارہ وطن بنالیں یا ان کا وہاں انتقال ہو، یہ آنحضور ﷺ کو پسند نہیں تھا، یہ ہجرت سے پھر جانے کے مشابہ تھا، اس لئے آنحضور ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

[٦-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي مُصْعَبُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: مَرِضْتُ فَأَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: دَعْنِي أَقْسِمْ مَالِي حَيْثُ شِئْتُ، فَأَبٰى، قُلْتُ: فَالنِّصْفُ؟ فَأَبٰى، قُلْتُ: فَالثُّلُثُ؟ قَالَ: فَسَكَتَ بَعْدَ الثُّلُثِ.
قَالَ: فَكَانَ بَعْدُ الثُّلُثُ جَائِزًا.
وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ. وَلَمْ يَذْكُرْ: فَكَانَ بَعْدُ الثُّلُثُ جَائِزًا.

وضاحت: یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادے مصعب بن سعد سے مروی ہے جس کو سماک بن حرب نے روایت کیا ہے اور ان سے زُہیرؒ اور شعبہؒ روایت کرتے ہیں اور شعبہ کی روایت میں فکان بعد الثلث إلخ نہیں ہے۔

[٧-] وحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ. قَالَ: عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ، قَالَ: "لَا" قُلْتُ: فَالنِّصْفُ، قَالَ: "لَا" فَقُلْتُ: أَبِالثُّلُثِ؟ فَقَالَ: "نَعَمْ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ"

وضاحت: یہ حدیث بھی مصعب بن سعد سے مروی ہے، اور اس کو عبدالملک بن عُمیر نے روایت کیا ہے۔

[٨-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ، عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ وَلَدِ سَعْدٍ. كُلُّهُمْ يُحَدِّثُهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى سَعْدٍ يَعُودُهُ بِمَكَّةَ، فَبَكٰى، قَالَ "مَا يُبْكِيكَ؟" فَقَالَ: قَدْ خَشِيتُ أَنْ أَمُوتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرْتُ مِنْهَا، كَمَا مَاتَ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰهُمَّ! اشْفِ سَعْدًا" ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا، وَإِنَّمَا يَرِثُنِي ابْنَتِي، أَفَأُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: "لَا" قَالَ: فَبِالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ: "لَا" قَالَ: فَالنِّصْفُ؟ قَالَ: "لَا" قَالَ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ "الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّ صَدَقَتَكَ مِنْ مَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ نَفَقَتَكَ عَلٰى عِيَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مَا تَأْكُلُ امْرَأَتُكَ مِنْ مَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنَّكَ أَنْ تَدَعَ أَهْلَكَ بِخَيْرٍ (أَوْ قَالَ بِعَيْشٍ) خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ" وَقَالَ بِيَدِهِ.

ترجمہ: حُمید بن عبدالرحمٰن حمیریؒ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے تین صاحبزادوں سے اور وہ سب اپنے ابا سے روایت

کرتے ہیں کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس مکہ مکرمہ میں بغرض عیادت تشریف لائے، پس حضرت سعدؓ رونے لگے، آنحضور ﷺ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: میں اس زمین میں مرنے سے ڈرتا ہوں جہاں سے میں نے ہجرت کی ہے، جیسا کہ حضرت سعد ابن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، پس نبی ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، تین مرتبہ یہ دعا فرمائی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت مال ہے، اور میری وارث صرف میری بیٹی ہے، تو کیا میں پورے مال میں تبرع کی وصیت کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کیا: دو تہائی مال کی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کیا: نصف مال کی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کیا: تہائی کی؟ آپؐ نے فرمایا: تہائی (کی وصیت کر سکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے، بیشک تیرا اپنا مال صدقہ کرنا صدقہ ہے، اور تیرا اپنے عیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے، اور بیشک تیری بیوی تیرے مال میں سے جو کھاتی ہے وہ بھی صدقہ ہے، اور تو اپنے عیال کو بہتر حالت میں چھوڑے ـــــ خیر اور عیش میں راوی کو شک ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے ـــــ یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پسارتے پھریں، اور آپؐ نے اپنے دست مبارک سے (بھیک مانگنے کا) اشارہ فرمایا۔

[۹-] وحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْيَرِيِّ، عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ وَلَدِ سَعْدٍ، قَالُوا: مَرِضَ سَعْدٌ بِمَكَّةَ، فَأَتَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ، بِنَحْوِ حَدِيثِ الثَّقَفِيِّ.

وضاحت: یہ حماد کی حدیث ہے اور گذشتہ حدیث عبدالوہاب ثقفیؒ کی تھی، اور حماد بن زید نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ثقفی نے روایت کی تھی۔

وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنِي ثَلَاثَةٌ مِنْ وَلَدِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ، كُلُّهُمْ يُحَدِّثُنِيهِ بِمِثْلِ حَدِيثِ صَاحِبِهِ، فَقَالَ: مَرِضَ سَعْدٌ بِمَكَّةَ. فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ. بِمِثْلِ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ عَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ.

وضاحت: یہ حدیث حُمید بن عبدالرحمٰن سے محمد نے روایت کی ہے اور گذشتہ عمرو بن سعید نے روایت کی تھی اور عمرو بن سعید کے مانند روایت کی ہے۔

[۱۰-] حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى (يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ) (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ ابْنِ

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَوْ أَنَّ النَّاسَ غَضُّوا مِنَ الثُّلُثِ إِلَى الرُّبُعِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ"
وَفِي حَدِيثِ وَكِيعٍ "كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ"

ترجمہ: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہشام بن عروہؒ نے اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور ہشام سے یونس، وکیع اور ابن نُمیر روایت کرتے ہیں ـــــ ابن عباسؓ کہتے ہیں: کاش کہ لوگ تہائی سے چوتھائی کی طرف کمی کریں، یعنی تہائی کی جگہ چوتھائی کی وصیت کریں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: تہائی (کی وصیت کر سکتے ہو) اور تہائی بہت ہے، اور وکیع رحمہ اللہ کی روایت میں کبیر اور کثیر میں شک راوی ہے۔

لغت: غَضَّ (ن) غَضًّا وغِضَاضًا الشيئَ: کم کرنا۔

تشریح: تہائی کی وصیت کرنا اگرچہ جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پورے تہائی کی وصیت نہ کرے، بلکہ چوتھائی کی یا اس سے بھی کم کی وصیت کرے، تاکہ ورثاء کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے، اگر میت پورے تہائی کی وصیت کردے گا تو اس نے ورثاء کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، دو تہائی تو شریعت نے ان کے لئے متعین کردیئے ہیں اس میں میت کا کیا احسان ہے؟! چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خُمس کی وصیت کی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خمس کی وصیت کی تھی، بعض صحابہ سے عشر کی وصیت کرنے کی بات مروی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے مروی ہے کہ جس کے وارث زیادہ ہوں اس کے لئے بالکل وصیت نہ کرنا مستحب ہے، جیسے ملتقی الأبحر کتاب الأضحیة میں ہے کہ جس کے اہل وعیال زیادہ ہوں اس کے لئے قربانی کا سارا گوشت رکھ لینا اور اس کو تقسیم نہ کرنا مستحب ہے تاکہ اہل وعیال کو خوب گوشت کھلائے۔

۳- بَابُ وُصُولِ ثَوَابِ الصَّدَقَاتِ إِلَى الْمَيِّتِ

میت کو صدقہ کا ثواب پہنچانے کا بیان (ایصالِ ثواب کا مسئلہ)

تمام علماء متفق ہیں کہ عبادتِ مالیہ کا ثواب میت کو بخشنا جائز ہے۔ اور عبادتِ بدنیہ کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور مالکیہ اور شافعیہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جائز نہیں۔ اور عبادتِ مالیہ کے ایصال ثواب میں اتفاق اس لئے ہے کہ صحیح روایت موجود ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا ان کی عدم موجودگی میں انتقال ہوا ان کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ ان کی دلجوئی کے لئے نبی ﷺ نے ایک مہینہ کے بعد ان کی والدہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

اگر میری والدہ کو موت کا پہلے سے احساس ہوتا تو وہ ضرور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتیں، مگر ان کا اچانک انتقال ہو گیا پس کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں، تمہاری خیرات کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا" چنانچہ انھوں نے سو غلام آزاد کئے اور ایک باغ اللہ کے راستہ میں دیا۔

حنفیہ اور حنابلہ نے اس حدیث سے قاعدہ کلیہ بنایا کہ ہر وہ عمل جس کا ثواب ملے عامل اس ثواب کو خود بھی رکھ سکتا ہے اور کسی زندہ یا مردہ کو بخش بھی سکتا ہے۔ اس قاعدے کے عموم میں عباداتِ بدنیہ بھی داخل ہیں، اس لئے عباداتِ بدنیہ کا ایصال ثواب بھی درست ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اگرچہ اس حدیث کو جزئی واقعہ قرار دیا ہے اور عباداتِ بدنیہ کو اس پر قیاس نہیں کیا مگر ان کے متبعین نے حکم عام کر دیا ہے۔ وہ عباداتِ مالیہ اور عباداتِ بدنیہ ہر ایک کے ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ رہ گئے اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) تو انھوں نے حدیث کو جزئی ہی باقی رکھا ہے۔ ان کے نزدیک عباداتِ بدنیہ کا ایصال ثواب جائز نہیں، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر عباداتِ بدنیہ کا ایصالِ ثواب بھی جائز ہوتا تو نبی ﷺ اُسے ضرور بیان فرماتے۔ مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اگر نبی ﷺ نے اقداماً مسئلہ بیان کیا ہوتا تو ان کی بات صحیح تھی جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ آپؐ نے اقداماً یہ مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ سائل کے سوال کا جواب دیا ہے، اگر وہی سائل یا کوئی دوسرا شخص عبادات بدنیہ کے بارے میں پوچھتا تو آپؐ اس کے بارے میں بھی مسئلہ بتاتے مگر جب کسی نے پوچھا نہیں تو آپؐ کیوں بیان فرماتے؟! جو پوچھا اس کا جواب دیا۔ اب یہ فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ غور کریں کہ آپؐ کا یہ ارشاد جو عبادت مالیہ کے تعلق سے ہے کلی ہے یا جزئی؟ اور اس پر عباداتِ بدنیہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حنفیہ اور حنابلہ نے اس پر عبادات بدنیہ کو قیاس کیا، اور امام شافعی اور امام مالک نے قیاس نہیں کیا۔ مگر ان کے مقلدین نے حدیث کو کلی بنایا۔ اور حدیث کو کلی بنانا ہی قرین صواب ہے اس لئے کہ اگر عبادات بدنیہ کو اس پر قیاس نہیں کریں گے تو دونوں کے درمیان فرق بیان کرنا مشکل ہوگا۔ سوال ہوگا کہ جب عبادات مالیہ اور بدنیہ دونوں میں ثواب ملتا ہے تو پھر صرف عبادت مالیہ ہی کا ایصال ثواب کیوں درست ہے اور عبادت بدنیہ کا ایصال ثواب کیوں درست نہیں؟ اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اور نیابت کے مسئلہ میں جو فرق ہے اس کا معقول جواب ہے کہ عبادات بدنیہ میں اتعاب نفس مقصود ہے پس وہاں نیابت جائز نہیں، اور عبادات مالیہ میں غریب کے پاس مال پہنچانا مقصود ہے خواہ مالک خود پہنچائے یا کوئی دوسرا پہنچائے اس لئے نیابت جائز ہے۔

[۱۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ، فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میری امی کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیت نہیں کی ہے تو کیا ان کے لئے کفارہ بنے گا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: عبادات کی تین قسمیں ہیں: بدنی محضہ جیسے نماز اور روزہ، مالی محضہ: جیسے زکوٰۃ، اور دونوں سے مرکب جیسے حج۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ عباداتِ بدنی میں نیابت جائز نہیں، یعنی کسی کا دوسرے کی طرف سے عبادتیں کرنا جائز نہیں، نہ حالت اختیار (زندگی) میں اور نہ حالت اضطرار (مرنے کے بعد) میں، ہر شخص کو عبادت بدنیہ خود کرنی ہے، اس لئے کہ اس میں مقصود اتعابِ نفس (اپنے آپ کو تھکانا) ہے، جو دوسرے کے عبادت کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ کیونکہ اس میں مقصود غریب تک مال پہنچانا ہے۔ خواہ آدمی خود پہنچائے یا نائب کے ذریعہ پہنچائے دونوں یکساں ہیں، اور جو عبادت بدن اور مال سے مرکب ہے اور ایسی عبادت صرف حج ہے، اس میں حالتِ اضطرار میں نیابت جائز ہے اور حالتِ اختیار میں جائز نہیں، یعنی اگر آدمی خود حج کر سکتا ہے تو حج بدل نہیں کرا سکتا، اور بڑھاپے کی وجہ سے یا لنگڑا، لولا، اندھا اور اپاہج ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتا یا وہ مر گیا ہے تو اس کا حج بدل کرنا جائز ہے۔

دوسری بات: اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے حج بدل کی وصیت کی ہے اور تہائی ترکہ سے حج بدل کیا جا سکتا ہے یا سب ورثاء عاقل بالغ ہیں اور وہ برضاء ورغبت تہائی ترکہ سے زیادہ سے حج بدل کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو زیادہ سے بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ حج بدل میت کے حساب میں لے لیا جائے گا گویا اس نے خود حج کیا۔ اور اگر میت نے وصیت نہیں کی یا تہائی ترکہ حج بدل کے لئے کافی نہیں اور ورثاء تہائی سے زیادہ سے حج بدل کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور کوئی اس کی طرف سے اپنے پیسے سے حج بدل کرے تو اللہ کے فضل سے امید باندھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میت کے حساب میں لے لیں گے مگر یقین سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ وہ حج میت کے حساب میں شمار کر لیا جائیگا۔ اور یہی مسئلہ دیگر عبادات کے لئے بھی ہے خواہ وہ بدنی عبادت ہو یا مالی۔

تیسری بات: ایصالِ ثواب کے فی الجملہ سب ائمہ قائل ہیں، پھر اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر عبادت کا ایصال ثواب جائز ہے چاہے وہ عبادت بدنیہ ہو یا مالیہ یا دونوں سے مرکب۔ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک عباداتِ مالیہ اور عبادتِ مرکبہ یعنی حج کا ایصال ثواب تو جائز ہے مگر عبادت بدنیہ کا ایصال ثواب جائز نہیں، اور غیر مقلدین بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر اب شوافع اور مالکیہ عبادت بدنیہ کے ایصال ثواب کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ ان کے یہاں ہر قسم کی عبادت کا ایصال ثواب جائز ہے پس صرف غیر مقلدین کا اختلاف رہ گیا۔

چوتھی بات: اللہ عزوجل کا مؤمنین کے لئے استغفار کا حکم دینا، اور آنحضور ﷺ کا لوگوں کے لئے دعاء استغفار کرنا علی الاطلاق ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل ہیں۔

پانچویں بات: جو حضرات ایصالِ ثواب کے جواز کے قائل نہیں ہیں، وہ اللہ پاک کے ارشاد: ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ سے استدلال کرتے ہیں، مگر ان کا استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس آیت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ انسان صرف اپنے اعمال کے ثواب کا حقدار ہے، اگر دوسرا ثواب پہنچائے تو اس کا فائدہ نہیں ہوگا، یہ آیت کا مطلب نہیں، چنانچہ مالی عبادات کے ایصالِ ثواب سے فائدہ پہنچنے کی بات صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت میں سعی سے اعمال کی سعی مراد نہیں، بلکہ سعی ایمان مراد ہے، یعنی دوسرے کے تبرع اور صدقات کے ثواب سے اسی وقت فائدہ پہنچے گا جبکہ وہ مؤمن ہو اور ذاتی سعی و کوشش سے ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

دوسری دلیل: اور ان کی دوسری دلیل آئندہ باب کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں علاوہ تین اعمال کے: صدقۂ جاریہ، اور وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے'' —— عدم جواز کے قائلین کا اس سے استدلال یہ ہے کہ جب مرنے کے بعد آدمی کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، پس ایصالِ ثواب کا کوئی فائدہ نہیں۔

مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث میں متوفی کے اعمال منقطع ہونے کا بیان ہے اور ایصالِ ثواب میں غیر کا عمل پہنچتا ہے۔

[۱۲-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَإِنِّي أَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَلِيَ أَجْرٌ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ قَالَ "نَعَمْ"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَلَمْ تُوصِ، وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ "نَعَمْ"

وضاحت: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثیں ہیں، جو ہشام بن عروہؒ نے روایت کی ہیں، اور ہشام سے یحییٰ بن سعید اور محمد بن بشر روایت کرتے ہیں۔

قوله: إن أُمّي افتلتت إلخ: میری امی کا اچانک انتقال ہوگیا اور انھوں نے وصیت نہیں کی اور میرا خیال ہے کہ اگر ان کو بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ ضرور کرتیں، پس کیا ان کو ثواب ملے گا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

لغت: إفْتَلَتَهُ الموتُ: اچانک موت آجانا ـــــ إفتلَتَ الشيئَ: جلدی سے لے لینا، چھین لینا ـــــ الأمرُ فلاناً: کوئی بات اچانک درپیش ہوجانا۔

[۱۴-] وحَدَّثَنَاه أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، (ح) وحَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ (ح) وحَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ (يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ) حَدَّثَنَا رَوْحٌ (وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ) (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ أَمَّا أَبُوأُسَامَةَ وَرَوْحٌ فَفِي حَدِيثِهِمَا: فَهَلْ لِي أَجْرٌ؟ كَمَا قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَأَمَّا شُعَيْبٌ وَجَعْفَرٌ، فَفِي حَدِيثِهِمَا: أَفَلَهَا أَجْرٌ؟ كَرِوَايَةِ ابْنِ بِشْرٍ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث ہشام بن عروہؒ سے ابواسامہ، شعیب بن اسحاق، روح بن القاسم اور جعفر بن عون نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے یحیٰ بن سعید اور محمد بن بشر روایت کرتے ہیں، اور ابواسامہ اور روح بن القاسم کی روایت یحیٰ بن سعید کی روایت کے مانند ہے یعنی اس میں فهل لي أجرٌ؟ ہے اور شعیب اور جعفر کی روایت محمد بن بشر کی روایت کے مانند ہے، یعنی اس میں أفلها أجرٌ ہے۔

۴- بَابُ مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ

وہ اعمال جن کا مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا ہے

باب کی حدیث میں تین اعمال کا ذکر ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے: ایک: صدقۂ جاریہ۔ دوم: وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، سوم: نیک اولاد جو ایصالِ ثواب اور دعا کرے، ان تین اعمال کا مرنے کے بعد بھی ثواب جاری رہتا ہے۔

تحدیث نعمت:

صاحب افادات حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کا شمار ان خوش نصیب علماء میں ہے جن کو اللہ عزوجل نے محض اپنے فضل وکرم سے مذکورہ حدیث کا مصداق بنایا تھا، اور تینوں خوبیوں سے آپ کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا تھا، چنانچہ آپ کے قلم گہربار سے پچاس سے زیادہ بیش قیمت تصانیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، جو قرآن وحدیث، فقہ واصولِ فقہ، نحو وصرف، منطق وفلسفہ اور اسرار وحِکم وغیرہ موضوعات پر ہیں، ان میں سے صرف چار کتابیں تینتیس ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں: اللہ عزوجل کے مقدس کلام قرآنِ مجید کی ترجمانی کرنے والی کتاب

ہدایت القرآن آٹھ جلدوں میں، قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری شریف کی شرح تحفۃ القاری بارہ جلدوں میں، مدارس اسلامیہ میں درس کے اعتبار سے مقبول ترین ترمذی شریف کی شرح تحفۃ الالمعی آٹھ جلدوں میں اور علوم شریعت کے اسرار وحکم اور مصالح کے موضوع پر جامع ترین کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ پانچ جلدوں میں ہے جو چنتیس ضخیم مجلدات اور تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، دیگر تصانیف ان کے علاوہ ہیں جو تقریباً تمام ہی علوم وفنون پر مشتمل ہیں، جو پوری دنیا کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہیں، جن سے خوب استفادہ کیا جارہا ہے، جو یقیناً حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے۔

اور آپ نے پچاس سال کے قریب ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں نہایت مقبول درس دیا ہے، اور صدارت وشیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز رہ کر محض رضاء الٰہی کی خاطر بغیر کسی مشاہرہ واجرت لئے خدمات انجام دی ہیں، اور لاکھوں کی تعداد میں آپ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ تلامذہ اور خدام ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور تمام ہی شعبہائے دین میں خدمات انجام دے رہے ہیں، بلاشک وشبہ یہ روحانی اولاد بھی عظیم سرمایہ ہے، اور ایک درجن سے زیادہ صلبی اولاد بھی آپ کے لئے سرمایہ ہے جو سب حافظ قرآن اور اکثر عالم ومفتی ہیں، اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ قرآن وحدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیوں کا ایک دراز سلسلہ ہے جن میں سے اکثر حافظ قرآن اور بعض عالم ومفتی ہیں، یقیناً یہ اللہ عزوجل کا حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ پر خاص فضل وکرم ہے[1]۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ❁ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[۱۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ (يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ) وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (هُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عمل (ان کا ثواب برابر جاری رہتا ہے) صدقۂ جاریہ، اور وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور نیک اولاد جو باپ کے لئے دعا کرے۔

(۱) حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہٗ کے مکمل حالات زندگی آپ کے برادر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے حیات سعید میں جمع فرمادیئے ہیں، شائقین اس کو حاصل کرکے مطالعہ کریں۔

۵- بَابُ الْوَقْفِ

وقف کا بیان

وقف کے لغوی معنی حبس یعنی روکنے کے ہیں اور شرعی رُو سے وقف کی تعریف میں امام صاحب اور حضراتِ صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ وقف کی تعریف یہ فرماتے ہیں: ''حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ وَلَوْ فِي الْجُمْلَةِ'' (درمختار) یعنی اصل شیٔ کو واقف کی ملکیت کے حکم میں روک کر رکھنا اور اس کے نفع کو خواہ فی الجملہ ہو، صدقہ کرنا۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ وقف میں کسی عین کو باقی رکھ کر اس کی منفعت کو صدقہ کیا جاتا ہے، لہٰذا صرف منفعت کا صدقہ وقف نہیں کہلائے گا، البتہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں صرف منفعت کا تصدق بھی وقف شمار ہوتا ہے۔

اور ''فِي الْجُمْلَةِ'' کا مطلب یہ ہے کہ وقف کے تحقق کے لئے ابتدائے وقف سے ہی منفعت کا تصدق ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اگر یہ صورت ہو کہ اولاً اس کی منفعت کو اپنے اوپر خرچ کرنے کی شرط لگائے اور اپنے بعد فقرا یا مساجد و مدارس پر، تو یہ بھی وقف کے تحقق کے لئے کافی ہے۔

اور حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں وقف کی تعریف ہے: حَبْسُ الْعَيْنِ علىٰ حُكْمِ مِلْكِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَرْفِ مَنْفَعَتِهَا عَلٰى مَنْ أَحَبَّ وَلَوْ غَنِيًّا: (درمختار) یعنی اصل شیٔ کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم پر روکے رکھنا اور اس کی منفعت کو واقف جس پر چاہے اس پر خرچ کرنا، خواہ وہ مالدار ہو۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ غنی پر صرف کرنا بھی وقف ہوسکتا ہے؛ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ غنی کے ساتھ فقرا پر بھی صرف کیا جائے، اگر صرف اغنیا کے لئے وقف کیا، تو یہ وقف شرعاً معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ اغنیا پر خرچ کرنا قربت نہیں ہے، جبکہ وقف کے لئے قربت شرط ہے (درمختار)

امام صاحب اور حضراتِ صاحبین رحمہم اللہ کا یہ اختلاف دراصل وقف کے لزوم یا عدم لزوم پر مبنی ہے، امام صاحب رحمہ اللہ وقف کو لازم نہیں مانتے اور شیٔ موقوفہ کو واقف کی ملک قرار دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ وقف کرنے کے بعد اس سے رجوع بھی کیا جاسکتا ہے، اور اگر رجوع نہ کیا ہو، تو انتقال کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی۔ اور وہ استثنائی صورتیں یہ ہیں کہ قاضی اس شیٔ کے وقف ہونے کا فیصلہ کردے، یا یہ کہ اس نے وقف کو اپنی موت پر معلق کردیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد یہ شیٔ وقف ہے، یا یوں کہا ہو کہ اس کو ہمیشہ کے لئے وقف کرتا ہوں۔

اور حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وقف بہر حال لازم ہوتا ہے، ایک مرتبہ وقف کرنے کے بعد پھر کبھی اس سے رجوع نہیں ہوسکتا، تو چونکہ امام صاحب رحمہ اللہ وقف کو لازم نہیں مانتے اور شیٔ موقوفہ کو واقف کی ملکیت قرار دیتے

ہیں؛اس لئے وہ وقف کی تعریف میں ''ملک واقف'' کی قید لگاتے ہیں اور حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ چونکہ اس کے لزوم اور اس سے ملک واقف ختم ہوجانے کے قائل ہیں؛ اس لئے وہ وقف کو ''اللہ کی ملک'' قرار دیتے ہیں، فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

نیز واضح رہے کہ امام صاحب اور حضراتِ صاحبین رحمہم اللہ کے مابین یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ واقف نے صرف منفعت کا تصدق کیا ہو اور اصل شیٔ کو اپنی ملک باقی رکھا ہو۔ اور اگر وہ اصل شیٔ ہی کو وقف کرے، مثلاً زمین مسجد کے لئے دے دے، تو پھر بالاتفاق ایسا وقف لازم ہوگا اور وہ شیٔ واقف کی ملکیت سے خارج ہوجائے گی اور اس کو رجوع کا حق نہ ہوگا، خواہ وقف تعلیقاً وتابیداً کیا ہو، یا بلا تعلیق وتابید، اور خواہ حاکم نے اس کے وقف ہونے کا فیصلہ کیا ہو، یا نہ کیا ہو (عقود الجواہر ۱:۱۶۱)

خلاصۂ کلام: وقف کی چار صورتیں ہیں:

اول: اصل شیٔ ہی کو وقف کردے، مثلاً زمین مسجد کے لئے دیدے۔

دوم: موت پر وقف کو معلق کرے مثلاً یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ مکان دار العلوم کے لئے وقف ہے پس واقف کے مرتے ہی وہ مکان وقف ہوجائے گا۔

سوم: قاضی کسی چیز کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان تین صورتوں میں بالاجماع موقوفہ چیز اور اس کے منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہوجائیں گے، اور موقوفہ چیز بندے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلی جائے گی، اور اب اس کا کوئی مجازی مالک نہیں رہے گا اس لئے اس کی بیع اور ہبہ جائز نہیں، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

چہارم: واقف کسی زمین کے صرف منافع وقف کرے، اصل زمین وقف نہ کرے اس صورت میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی اصل زمین اور منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہوجائیں گے، اور موقوفہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہوجائے گی، اور اللہ کی ملک میں چلی جائے گی، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف منافع وقف ہونگے اور اصل چیز واقف کی ملک میں رہے گی، مگر احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک چونکہ اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ صحیح ہے اگرچہ مکروہ ہے، اس لئے وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے، اس لئے بربنائے مصلحت صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، پس فتویٰ کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ

اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ، فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ "إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا" قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ؛ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا، وَلَا يُبْتَاعُ، وَلَا يُورَثُ، وَلَا يُوهَبُ، قَالَ: فَتَصَدَّقَ عُمَرُ فِي الْفُقَرَاءِ، وَفِي الْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ.

قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ مُحَمَّدًا، فَلَمَّا بَلَغْتُ هٰذَا الْمَكَانَ: غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا.

قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: وَأَنْبَأَنِي مَنْ قَرَأَ هٰذَا الْكِتَابَ؛ أَنَّ فِيهِ: غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک عمدہ زمین ہاتھ آئی تھی، (جب آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ نازل ہوئی تو) وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تاکہ اس سلسلہ میں آپؐ سے مشورہ کریں، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے بہتر کوئی مال مجھے نہیں ملا، پس آپ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اصل زمین روک لو اور اس کی آمدنی خیرات کردو'' چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور ایک سرخ چمڑے پر وقف نامہ لکھا کہ یہ زمین نہ بیچی جائے اور نہ خریدی جائے (دونوں کا مطلب ایک ہے) اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی فقراء پر، رشتہ داروں پر (حضرت عمر کے رشتہ دار بھی مراد ہوسکتے ہیں اور نبی ﷺ کے رشتہ دار بھی) غلاموں کی آزادی میں، جہاد میں اور مسافر پر اور (وقف کے) مہمان پر خرچ کی جائے، اور جو شخص اس وقف کا متولی ہو وہ اس میں سے قاعدہ کے مطابق کھائے اور دوستوں کو کھلائے، بشرطیکہ مالدار بننے والا نہ ہو یعنی ضرورت سے زیادہ لینا اس کے لئے جائز نہیں، ابن عون کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابن سیرین سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: اس ہبہ نامہ میں غیر مُتَمَوِّلٍ فیه کے بجائے غیرَ مُتَأَثِّلٍ مالاً تھا۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: وہ مال کو جڑ پکڑوانے والا نہ ہو، مراد یہ ہے کہ مالدار بننے والا نہ ہو۔ ابن عون کہتے ہیں: یہ حدیث مجھے ایک اور شخص نے سنائی اور اس نے کہا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر یہ عبارت لکھی ہوئی پڑھی ہے: غیر متاثل مالاً. اسماعیل کہتے ہیں: وہ تحریر عبید اللہ بن عمر کے صاحبزادے کے پاس تھی میں نے اس تحریر کو پڑھا ہے اس میں غیر مُتَأَثِّلٍ مالاً تھا، معلوم ہوا کہ متاثل والی روایت صحیح ہے۔

ملحوظہ: ترجمہ میں کچھ اضافہ ہے وہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے، افادۂ مزید کے لئے یہاں بڑھایا ہے۔

لغت: مُتَمَوِّل: اسم فاعل از تَمَوُّل: مالدار ہوجانا، مال میں اضافہ ہوجانا، بیلنس بڑھالینا ــــــ مُتَأَثِّل: اسم فاعل از تأثُّل: جڑ پکڑنا، مضبوط ہونا، سرمایہ کاری کے لئے مال جمع کرنا، مفہوم دونوں لفظوں کا ایک ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر واقف اصل جائداد کو محفوظ رکھے اور منافع کو وقف کرے تو صحیح ہے، اس صورت میں وقف واقف کی ملکیت میں بدستور رہے گا اور اس کے منافع ان جگہوں میں صرف کئے جائیں گے جو اس نے مقرر کئے ہیں۔ غرض یہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل ہے، مگر وقف کی مصلحت کی بنا پر فتوی صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اس آیت میں مِنْ تبیین کا بھی ہو سکتا ہے اور تبعیض کا بھی، اور ما موصوفہ بمعنی شیء یا موصولہ بمعنی الذی یا مصدریہ ہو سکتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تبیین کا ترجمہ کیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے: "تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے" اور حضرت شاہ صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادوں نے تبعیض کا ترجمہ کیا ہے، شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے: "ہرگز نیابید نیکو کاری را تا آنکہ خرچ کنید از آنچہ دوست می دارید" اور شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے: "ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ" (ترجمہ شیخ الہند)

اور نزول آیت کے وقت جو واقعات پیش آئے ہیں ان سے دونوں احتمال صحیح ثابت ہوتے ہیں، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ صدقہ کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا خیرات کیا، اس سے معلوم ہوا کہ من تبیین کے لئے ہے یعنی محبوب چیز ساری خرچ کردی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے جو مشورہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے اور آیت کا مطلب ہے: اپنی محبوب چیز میں سے کچھ خرچ کرو یعنی محبوب چیز محفوظ رکھو، اور اس کی آمدنی خرچ کرو یہی وقف کی حقیقت ہے۔

فائدہ (۲): تمام ائمہ متفق ہیں کہ غیر منقولات یعنی جائداد کو وقف کرنا صحیح ہے اور منقولات کے بارے میں اختلاف ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا وقف صحیح ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منقولات کو کسی شخص حقیقی یا حکمی کے تابع کر کے وقف کر سکتے ہیں، بالذات اس کا وقف صحیح نہیں، مثلاً جنازہ کی چارپائی مسجد کے تابع کر کے وقف کریں تو صحیح ہے اور کتابیں مدرسہ کے تابع کر کے وقف کریں تو صحیح ہے۔ اسی طرح جس منقول کے وقف کا عرف ہو جائے مثلاً مسجد یا مدرسہ میں چندہ دینا: یہ روپیوں کا وقف صحیح ہے، کیونکہ اس کا عرف ہے۔

وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا أَزْهَرُ السَّمَّانُ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ. غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ وَأَزْهَرَ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ "أَوْيُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ" وَلَمْ يُذْكَرْ مَا بَعْدَهُ، وَحَدِيثُ ابْنِ أَبِي عَدِيٍّ فِيهِ مَا ذَكَرَ سُلَيْمٌ، قَوْلُهُ: فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ مُحَمَّدًا إِلَى آخِرِهِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن عون سے ابن ابی عدی، از ہر السمان اور ابن ابی زائدہ نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے سُلیم بن اخضر نے روایت کی ہے، اور ابن ابی زائدہ اور از ہر السمان کی روایت أو يطعم صديقا غير متمول فيه تک ہے بعد کا مضمون ان کی روایت میں نہیں ہے، اور ابن ابی عدی کی روایت سُلیم بن اخضر کی طرح آخر تک ہے یعنی اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ ابن عون کہتے ہیں: میں نے محمد بن سیرین سے یہ حدیث بیان کی آخر تک۔

وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبُودَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: أَصَبْتُ أَرْضًا مِنْ أَرْضِ خَيْبَرَ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا أَحَبَّ إِلَيَّ وَلَا أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهَا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ، وَلَمْ يَذْكُرْ: فَحَدَّثْتُ مُحَمَّدًا وَمَا بَعْدَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن عونؒ سے سفیان نے بھی روایت کی ہے اور دیگر تلامذہ: ابن ابی عدی، از ہر السمان، ابن ابی زائدہ اور سلیم بن اخضر کے مانند روایت کی ہے اور ان کی حدیث میں بھی آخری مضمون یعنی ابن عون کا محمد بن سیرینؒ سے یہ حدیث ذکر کرنا اور اس کے بعد والا مضمون مروی نہیں۔

٦- بَابُ تَرْكِ الْوَصِيَّةِ لِمَنْ لَيْسَ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ

جس شخص کے پاس وصیت کرنے کے لئے کچھ نہ ہو اس کے لئے وصیت کرنا ضروری نہیں

اگر وصیت کرنے کے لئے کچھ نہ ہو، بندہ کا حساب وکتاب صاف ہو، اس پر نہ حقوق اللہ ہوں نہ حقوق العباد اور کوئی اور وجہ بھی نہ ہو تو وصیت کرنا ضروری نہیں، چنانچہ آنحضور ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی تھی، کیونکہ آپؐ نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ سب صدقہ تھا، پھر کس چیز کی وصیت کرتے؟ البتہ دینی وصیتیں آپؐ نے کی تھیں، مثلاً: قرآن وحدیث کو مضبوط تھامنے کی وصیت، نمازوں کا اہتمام کرنے کی وصیت، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت، جزیرۃ العرب کو یہود ونصاریٰ سے خالی کرالینے کی وصیت وغیرہ۔

[١٦-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: هَلْ أَوْصَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: لَا، قُلْتُ: فَلِمَ كُتِبَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْوَصِيَّةُ، أَوْفَلِمَ أُمِرُوا بِالْوَصِيَّةِ؟ قَالَ: أَوْصَى بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

حدیث: طلحہ بن مصرف کہتے ہیں: میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کوئی وصیت کی؟

انھوں نے کہا: نہیں، میں نے عرض کیا: پھر وصیت کیسے فرض ہوئی؟ اور لوگوں کو وصیت کا حکم کیسے دیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے قرآنِ کریم کو مضبوط پکڑنے کی وصیت کی ہے۔

تشریح: سوال یہ تھا کہ جب نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی تو وصیت مامور بہ کیسے ہوئی؟ قرآنِ کریم میں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ﴾ الآیۃ ہے، یعنی "تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کی موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو وہ والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر وصیت کرے، جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمے یہ بات ضروری ہے" (البقرہ آیت ۱۸۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: كانَ خُلُقُه القرآن: نبی ﷺ کی سیرت قرآن کریم پر عمل کرنا تھی، پھر آپؐ نے وصیت کیوں نہیں کی؟

اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ وصیت کرنی ضروری ہے، مگر دنیوی وصیت ضروری نہیں، اور آپؐ نے دینی وصیتیں فرمائی ہیں، ان میں سے ایک وصیت یہ ہے. تركتُ فيكم أَمْرَيْنِ، لن تَضِلُّوا ما تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كتابَ الله وسنة رسوله: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے: گمراہ نہیں ہوؤ گے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری اللہ کے رسول کی سنت، یعنی طریقہ، اسی طرح آپؐ نے امت کو نماز کے اہتمام کی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے، اور غیر مسلموں سے جزیرۃ العرب کے انخلاء کی وصیت فرمائی ہے۔ غرض آپؐ نے متعدد دینی وصیتیں فرمائی ہیں، پس قرآن کے حکم پر عمل ہو گیا، اور دنیوی وصیت اس لئے نہیں کی کہ آپؐ نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ صدقہ تھا، پھر کس چیز کی وصیت کرتے؟

[۱۷-] وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، كِلاهُمَا عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ: قُلْتُ: فَكَيْفَ أُمِرَ النَّاسُ بِالْوَصِيَّةِ؟ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ: قُلْتُ: كَيْفَ كُتِبَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْوَصِيَّةُ؟

وضاحت: یہ حدیث مالک بن مغول سے نُمیر اور وکیع نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث ابن مہدی نے روایت کی تھی، اور ان کی روایتوں کے الفاظ کچھ مختلف ہیں، مگر مفہوم سب کی روایتوں کا ایک ہے۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا، وَلَا دِرْهَمًا، وَلَا شَاةً، وَلَا بَعِيرًا، وَلَا أَوْصَى بِشَيْءٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ بکری نہ اونٹ، اور نہ (دنیوی)

کوئی وصیت فرمائی۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ کی ملکیت میں بوقت وفات کچھ زمینیں تھیں، مگر وہ سب صدقہ تھیں، مشہور حدیث ہے: لانورث ما ترکنا صدقة: یعنی ہمارا کوئی وارث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے دنیوی کوئی وصیت نہیں فرمائی، البتہ آپؐ نے چند دینی وصیتیں فرمائی تھیں۔

وحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كُلُّهُمْ عَنْ جَرِيرٍ (ح) وحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسىٰ (وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ) جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث اعمش سے عیسیٰ بن یونس اور جریر نے بھی روایت کی ہے، اور گذشتہ سند کے مانند روایت کی ہے۔

[۱۹-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيىٰ) قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: ذَكَرُوا عِنْدَ عَائِشَةَ، أَنَّ عَلِيًّا كَانَ وَصِيًّا فَقَالَتْ: مَتىٰ أَوْصىٰ إِلَيْهِ؟ فَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهُ إِلىٰ صَدْرِي (أَوْ قَالَتْ حَجْرِي) فَدَعَا بِالطَّسْتِ، فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِي حَجْرِي، وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ مَاتَ، فَمَتىٰ أَوْصىٰ إِلَيْهِ؟

ترجمہ: اسود کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے لوگوں نے ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے وصی ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کب ان کو وصیت کی اور میں تو آپؐ کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھی؟ یا کہا: اپنی گود میں لئے ہوئے تھی؟ آپؐ نے سلفچی منگوائی، پھر آپؐ میری گود میں تھے کہ گردن ترچھی ہوگئی، اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کب وصیت کی؟

لغت: انْخَنَثَ الْعُنُقُ: گردن ترچھی ہوجانا، مادہ خَنَثَ۔

تشریح: شیعوں نے یہ بات چلائی تھی کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد متصل خلیفہ ہونے کی وصیت کی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی یہ بات ذکر کی گئی تو انھوں نے پرزور تردید کی کہ نبی ﷺ نے بیماری کے دن میرے گھر میں گذارے ہیں، میں ہر وقت ساتھ رہتی تھی، اور وفات بھی میری گود میں ہوئی ہے، اگر نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو کوئی وصیت کی ہوتی تو وہ میرے علم میں ہوتی، پس شیعوں کا پروپیگنڈہ غلط ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ وفات سے متصل وصیت نہیں کی ہوگی، پہلے کی ہوگی تو اس کا جواب وہ روایت ہے جو بخاری شریف (حدیث نمبر ۴۴۴۷) میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: آؤ نبی ﷺ سے پوچھیں آپؐ کے بعد

خلافت کس کو ملے گی؟ حضرت علیؓ نے انکار کیا کہ میں یہ بات آپؐ سے نہیں پوچھتا، اس لئے کہ اگر آپؐ نے منع فرمادیا تو لوگ کبھی ہمیں خلافت کے قابل نہیں سمجھیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے ان کو کوئی وصیت نہیں کی تھی۔

اور داؤد ظاہری کی طرح طلحہ بن مصرف بھی وصیت کو واجب کہتے تھے، وہ شیعوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر تھے، چنانچہ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے وصیت کی؟ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا: نہیں، طلحہ نے کہا: وصیت کرنا تو لوگوں پر فرض ہے، پھر آپؐ نے وصیت کیوں نہیں کی؟ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا: وصیت تو کی، قرآنِ کریم کو مضبوط تھامنے کی تاکید کی، فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہوگے گمراہ نہیں ہوؤگے، ایک: اللہ کی کتاب دوسری: میری سنت، پس قرآنِ کریم کے حکم پر عمل ہوگیا۔

بہ الفاظ دیگر: بیماری کا علاج کرنا سنت ہے مگر کوئی معین علاج کرنا سنت نہیں، مثلاً قلب کا مریض ہے پس علاج ضروری ہے، مگر بائی پاس کرانا ضروری نہیں، اور بھی علاج ہیں، ان سے کام چل سکتا ہو تو ان پر اکتفا کرنا جائز ہے اور وہ بھی سنت ہے، اسی طرح مان لو کہ وصیت کرنا فرض ہے مگر کوئی معین وصیت کرنا فرض نہیں، کوئی بھی وصیت کرے تو فرض پر عمل ہوجائے گا، آپؐ نے قرآن کو مضبوط پکڑنے کی وصیت کی پس حکم پر عمل ہوگیا، خلافت بلا فصل کی وصیت کرنا کیا ضروری ہے؟

[۲۰-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ (وَاللَّفْظُ لِسَعِيدٍ) قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَوْمُ الْخَمِيسِ! وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ! ثُمَّ بَكَىٰ حَتّىٰ بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصىٰ، فَقُلْتُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ قَالَ: اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ، فَقَالَ: "ائْتُونِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدِي" فَتَنَازَعُوا، وَمَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ، وَقَالُوا: مَا شَأْنُهُ؟ أَهَجَرَ؟ اسْتَفْهِمُوهُ، قَالَ: "دَعُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ، أُوصِيكُمْ بِثَلَاثٍ: أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ" قَالَ: "وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَهَا فَأُنْسِيتُهَا"

قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ.

ترجمہ: سعید بن جبیر کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جمعرات کا دن! اور جمعرات کا دن کیا ہے؟ پھر ابن عباسؓ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے کنکریاں تر ہوگئیں، پس میں نے عرض کیا: اے ابن عباس! جمعرات کا دن کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی تکلیف (جمعرات کے دن) بڑھ گئی، پس آپؐ نے فرمایا: لاؤ تم میرے پاس، لکھوں میں تمہارے لئے ایک تحریر کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوؤ، پس لوگوں نے اختلاف کیا اور کسی بھی نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں، پس لوگوں نے کہا: آپ کا کیا حال ہے، کیا بے خبری میں فرمایا ہے، دریافت کرو تم آپؐ سے؟

(لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا تو) آپؐ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، میں جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے، میں تمہیں تین باتوں کی تاکیدی وصیت کرتا ہوں: (۱) مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو (۲) اور وفود کو انعام دو جس طرح میں ان کو انعام دیا کرتا تھا، راوی نے کہا: اور آپؐ تیسری بات سے خاموش رہے، یا راوی نے کہا: میں اس کو بھول گیا۔

سند: یہ حدیث سفیان سے حسن بن بشر نے بھی روایت کی ہے۔

واقعۂ قرطاس

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے دن جب مرض میں شدت ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے آپؐ نہیں جاسکے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھوائی تو نماز کے بعد عیادت کے لئے خواص حضور ﷺ کے پاس جمع ہوگئے، آپؐ نے ان سے فرمایا: ''قلم دوات لاؤ، میں تمہیں ایک بات لکھوادوں تاکہ تم گمراہ نہ ہوؤ'' اہل مجلس میں اختلاف ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آج آپؐ کو تکلیف بہت زیادہ ہے، ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں، اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے جو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے، بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور بعض نے کہا: قلم دوات لاؤ، اور جو کچھ آپؐ لکھوانا چاہتے ہیں لکھوالو، اور بعض نے کہا: کیا نبی ﷺ نے بے خبری میں یہ بات فرمائی ہے، آپؐ سے دریافت کرلو، چنانچہ لوگوں نے دریافت کیا، اس طرح مجلس میں شور ہوا، آپؐ نے فرمایا: ''میرے پاس سے چلے جاؤ، میں جس حال میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو'' پھر آپؐ نے تین وصیتیں فرمائیں: (۱) یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا (۲) وفود کو اسی طرح نوازنا جس طرح میں ان کو نوازا کرتا تھا، تیسری بات: راوی بھول گیا یا آپؐ نے نہیں فرمائی۔

کیا نبی ﷺ نے صدیق اکبرؓ کی خلافت لکھوانے کا ارادہ کیا تھا؟

نبی ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں قیاس آرائیوں سے کوئی فائدہ نہیں، آپؐ نے نہ لکھوایا نہ بتلایا، اب کوئی شخص قطعیت کے ساتھ یہ بات کیسے بتلا سکتا ہے؟ البتہ ایک ظاہری احتمال یہ ہے کہ آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صراحت کرنا چاہتے تھے، آپؐ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عشا کی نماز پڑھوا کر ان کی خلافت کی طرف اشارہ کیا تھا، مگر احتمال تھا کہ کوئی یہ اشارہ نہ سمجھے، اس لئے آپؐ اس کی صراحت کرنا چاہتے تھے، اور بخاری (حدیث ۷۲۱۷) میں ہے کہ نبی ﷺ نے بیماری کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: میرا ارادہ ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ اور ان کے فرزند عبدالرحمٰنؓ کو بلاؤں، اور ان کو وصیت کروں اور ان کو ولی عہد بناؤں تاکہ کہنے والا کچھ نہ کہے اور تمنا کرنے والا تمنا نہ کرے، پھر میں نے سوچا: اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے اور مسلمان بھی سوائے ابوبکرؓ کے کسی اور کی خلافت قبول نہ کریں گے، یہ ارشاد پاک اور عشا کی نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پڑھوانا واضح قرائن ہیں

کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شیعوں کے چار اعتراضات اوران کے جوابات:

۱- نبی ﷺ کا قول وحی ہے، اوروحی کورد کرنا کفر ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحی کی مخالفت کر کے کافر ہو گئے؟

۲- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں کہا: أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ: کیا آپ نے بکواس کی ہے؟ آپ سے پوچھ لو، معاذ اللہ! نبی ﷺ بے تکی بات کیسے کر سکتے ہیں، آپ کی شان میں فرمایا گیا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾: گفتۂ او گفتۂ اللہ بود، گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔

۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے بلند آواز میں گفتگو کی، جبکہ سورۃ الحجرات میں اس کی ممانعت آئی ہے، اسی لئے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجلس سے باہر کر دیا۔

۴- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امت کی حق تلفی کی، اگر تحریر سامنے آجاتی تو اختلاف ختم ہو جاتے۔

اجمالی جواب: اس پورے واقعہ کے تنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذمہ دار نہیں تھے، اِيْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ: کاغذ اور قلم لاؤ، یہ حکم سب کو دیا تھا، تنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا تھا، اسی طرح تجویز پیش کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کام تھا، اس سے اختلاف کرنا پھر شور مچانا ایسی چیزیں تھیں جن میں سب شریک تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔

تفصیلی جوابات:

۱- پیغمبر ﷺ کی ہر بولی ہوئی بات وحی نہیں ہوتی، کھجوروں کو گابھا دینے کے مسئلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے: أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ: یعنی دنیوی معاملات میں اگر میں کوئی مشورہ دوں تو اس کا ماننا ضروری نہیں، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا ہر فرمان وحی نہیں، اور آیت: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾: قرآنِ کریم کے بارے میں ہے، یعنی آپ جو قرآن پیش کر رہے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے، نبی ﷺ کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور حدیبیہ کے قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظ رسول اللہ نہیں مٹایا تھا، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی ہر بات وحی نہیں۔

۲- روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ هَجَرَ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا، بلکہ یہ بات تو ان لوگوں نے کہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تجویز کی مخالفت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے تو آپ کی بات کو سنجیدگی سے لیا تھا، اور کہا تھا کہ ایسی سخت تکلیف میں تحریر لکھوانے کی تکلیف دینا مناسب نہیں، دوسروں نے کہا: نہیں لکھوانا چاہئے، تیسروں نے کہا: آپ یہ بات بے خبری میں تو نہیں فرما رہے؟ پوچھ لو، سنجیدگی سے فرما رہے ہوں تو لکھوا لو ورنہ جانے دو۔

۳- نبی ﷺ کی مجلس میں زور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بولے تھے، شور اس وقت ہوتا ہے جب کئی آدمی زور سے بولیں، پھر حدیث میں لَايَنبغي ہے اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے سامنے زور سے بولنا خلاف اولیٰ ہے حرام

اور کبیرہ گناہ نہیں۔

۴۔ تحریر نہ لکھے جانے سے امت کی کیا حق تلفی ہوئی؟ دین مکمل ہو چکا تھا، علاوہ ازیں اس واقعہ کے بعد آپؐ چار دن حیات رہے، اگر لکھوانا ایسا ہی ضروری تھا تو بعد میں لکھواتے، مگر نہیں لکھوائی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تحریر کوئی بہت زیادہ ضروری نہیں تھی۔

[۲۱-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: يَوْمُ الْخَمِيسِ! وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ! ثُمَّ جَعَلَ تَسِيلُ دُمُوعُهُ، حَتَّى رَأَيْتُ عَلَى خَدَّيْهِ كَأَنَّهَا نِظَامُ اللُّؤْلُؤِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ائْتُونِي بِالْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ (أَوِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ) أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا" فَقَالُوا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْجُرُ.

وضاحت: یہ حدیث سعید بن جبیرؒ سے طلحہ بن مصرف نے روایت کی ہے، گزشتہ حدیث سلیمان احول کی تھی۔

قوله: ثم جَعَلَ تَسِيلُ إلخ: پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آنسو بہنے لگے، یہاں تک کہ میں نے ان آنسوؤں کو آپ کے دونوں رخساروں پر دیکھا گویا وہ موتیوں کی لڑی ہیں، پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ہڈی اور دوات ــــ یا فرمایا ــــ تختی اور دوات لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھواؤں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہیں ہوؤ گے، پس (بعض) صحابہ نے کہا: بیشک رسول اللہ ﷺ بے خبری میں فرمارہے ہیں۔

[۲۲-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ (قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا، وقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ) أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّونَ بَعْدَهُ" فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ، وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ، حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ، فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ، فَاخْتَصَمُوا، فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قُومُوا"

قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذَلِكَ الْكِتَابَ، مِنْ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ.

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ کی وفات کا وقت قریب تھا، اس وقت گھر میں کچھ لوگ تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: لاؤ تم! میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوؤ گے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک نبی ﷺ پر تکلیف کی شدت ہے، اور تمہارے پاس قرآن مجید ہے، ہمارے لئے اللہ پاک کی کتاب کافی ہے۔ پس گھر میں موجود لوگوں میں اختلاف ہوا، وہ آپس میں جھگڑنے لگے ان میں سے کوئی کہتا تھا: نزدیک کرو، یعنی قلم دوات لاؤ، لکھیں آپؐ ہمارے لئے کوئی تحریر، نہ گمراہ ہوؤ تم اس کے بعد، اور ان میں سے کوئی اس کے علاوہ بات کہتا تھا، پس جب لوگوں نے شور اور اختلاف زیادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اٹھ جاؤ، عبید اللہ (راوی) کہتے ہیں: پس ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: بیشک مصیبت بالائے مصیبت یہ ہوئی کہ لوگ آڑ بن گئے رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور لوگوں کے لئے تحریر لکھنے کے درمیان اختلاف اور شور کرنے کی وجہ سے، یعنی اختلاف اور شور سبب بنا اور آپؐ نے وہ تحریر نہیں لکھوائی، یہ مصیبت بالائے مصیبت بن گئی، ایک مصیبت تو آپؐ کی بیماری تھی اور دوسری مصیبت تحریر وجود میں نہیں آئی۔ اور شیعوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل لکھوانا چاہتے تھے، اس طرح اسلام کے متوازی شیعی مذہب وجود میں آ گیا، اگر تحریر لکھوالی جاتی تو شیعوں کے ایمان کی حفاظت ہو جاتی۔

الحمد للہ! کتاب الوصیۃ کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی
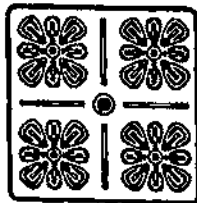
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶- كِتَابُ النَّذْرِ

منت کا بیان

یمین ونذر کی تعریفات:

نذر کے معنی ہیں: منت، اور یمین کے معنی ہیں: قسم، پھر منت کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ منت ہے جس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور دوسری: وہ منت ہے جس کو پورا کرنا جائز نہیں، مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دس روزے رکھے گا، اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے، اور اگر منت مانی کہ اس کا کام ہوگیا تو وہ اپنے لڑکے کی قربانی کرے گا یا شراب پیئے گا، اس منت کا وفا (پورا کرنا) جائز نہیں۔

شرعاً جس منت کا وفا واجب ہے اس کی تعریف ہے: إيجابُ الإنسان على نَفْسِه والْتِزَامُه من طاعةٍ يكون الواجبُ من جِنْسِها: یعنی کسی ایسی عبادت کو اپنے ذمے لازم کرنا اور اس کو سر لینا جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت ہو، جیسے روزہ، نماز اور صدقہ وغیرہ کی منت مانی اور شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے، اور طاعۃ کی قید سے مباح چیزیں نکل گئیں مثلاً منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دو کلو ٹماٹر کھائے گا، ظاہر ہے یہ کام مباح ہے، اس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت نہیں، اس لئے اس منت کا وفا ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر کسی گناہ کے کام کی منت مانی تو بھی اس کا وفا جائز نہیں۔

یمین کی تعریف: عَقْدٌ قَوِيَ به عَزْمُ الْحالِفِ على الفعل أو الترك یعنی کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے کا یا نہ کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے۔

یمین کی قسمیں اور احکام:

سورۃ المائدۃ کی (آیت ۸۹) ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری لغو قسموں میں، لیکن تمہارا مواخذہ فرماتے ہیں ان قسموں میں جن کو تم پختہ کرو، پس اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے، درمیانی درجہ کے کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا ہے پس جو شخص (یہ چیزیں) نہ پائے وہ تین روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ، اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان کرتے ہیں تا کہ تم شکر گذار بنو!

تفسیر: یمین کی چار قسمیں ہیں:

۱- یمین منعقدہ: آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے میں کل روزہ رکھوں گا، یا نہیں رکھوں گا، اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے: "لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم پر پکڑتے ہیں جس کو تم نے مضبوط کیا ہے (المائدہ آیت ۸۹) یعنی اس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے۔

۲- یمین لغو: (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: ایک: لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادہ کے بغیر: ہاں بخدا اور نہیں بخدا کہتے ہیں: یہ یمین لغو ہے۔ دوسری: کسی گذشتہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا جبکہ واقعہ ایسا نہ ہو جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ زید آیا ہے، اس پر اعتماد کر کے قسم کھائی کہ وہ آ گیا، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آیا تو یہ یمین لغو ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے: "اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتے" (مائدہ آیت ۸۹) یعنی اس میں کفارہ واجب نہیں۔

۳- یمین غموس: قاضی کے سامنے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا تا کہ اپنے حق میں فیصلہ کرا کے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے، یہ سخت کبیرہ گناہ ہے (مشکوۃ حدیث ۵۰ باب الکبائر) اسی طرح اگر کسی گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی تو وہ بھی یمین غموس ہے اور گناہ کبیرہ ہے، احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، یہ سخت گناہ ہے، توبہ لازم ہے۔

۴- یمین محال: کسی محال عقلی یا عادی کی قسم کھانا، محال عقلی: جیسے رات دن کو یکجا کر دینے کی قسم کھانا، اور محال عادی: جیسے آسمان پر چڑھنے کی قسم کھانا —— آخری دونوں قسموں میں قرآن وحدیث میں کوئی نص نہیں ہے، اس لئے ان میں اختلاف ہوا ہے کہ کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک واجب نہیں، وہ اتنا بھاری گناہ ہے کہ کفارہ سے نہیں ڈھل سکتا، توبہ ہی سے معاف ہو سکتا ہے، سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵ میں ارشاد پاک ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ (آخرت میں) تمہاری دارو گیر نہ فرمائیں گے تمہاری بیہودہ قسموں پر، البتہ اس پر دارو گیر فرمائیں گے جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے (مراد یمین غموس ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں —— اور محال کی قسم میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک

کفارہ واجب ہے۔امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ انعقادِ یمین کے لئے امکانِ بر شرط ہے: اس لئے ان کے نزدیک ایسی قسم منعقد نہیں ہوتی پس کفارہ واجب نہیں (ملتقی الأبحر ۲:۳۰۰)

یمین ونذر کے درمیان ربط:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ نذر معلق پسند ہے نہ قسم کی کثرت، مگر چونکہ دونوں معاشرتی ضرورتیں ہیں، لوگ بات چیت، قول وقرار، اور معاملات میں قسمیں کھاتے ہیں اس لئے فی الجملہ اس کو مشروع کیا گیا، اسی طرح نذر معلق بھی ناپسندیدہ ہے، مگر لوگ جب پریشانیوں میں خاص طور پر بیماریوں میں پھنستے ہیں اور علاج معالجہ کر کے مایوس ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور آخری علاج کے طور پر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا عہد کرتے ہیں، اس لئے اس کو بھی فی الجملہ مشروع کیا۔

اور یہ بات یعنی دونوں کا دراصل ناپسندیدہ ہونا اور معاشرتی ضرورت سے فی الجملہ مشروع ہونا: دونوں کے درمیان امر مشترک ہے، اس لئے کتب فقہ وحدیث میں دونوں کے احکام ساتھ ساتھ بیان کئے جاتے ہیں —— اور چونکہ دونوں کے درمیان تعلق ہے اس لئے جہاں ابہام کی وجہ سے نذر کی تعیین ممکن نہ ہو: وہاں اس کے قرین (ساتھی) سے تمسک کیا جاتا ہے، اور قسم کا کفارہ دے کر منت کے عہد سے برآ ہوا جاتا ہے، اسی طرح نذر معصیت چونکہ منعقد ہوجاتی ہے اور اس کا وفا جائز نہیں ہوتا: اس لئے قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۱- بَابُ الْأَمْرِ بِقَضَاءِ النَّذْرِ

نذر پوری کرنے کا حکم

کسی شخص نے کوئی نذر مانی، اور کام ہوگیا اور نذر واجب ہوگئی تو اس کو نذر پوری کرنی چاہئے، اور اگر نذر پوری نہیں کر پایا تھا کہ انتقال ہوگیا تو ورثاء کو اس کی نذر پوری کرنی چاہئے —— مگر نذر پوری کرنا ورثاء پر واجب نہیں، البتہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی ترکہ سے پورا کرنا واجب ہے۔

[۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، قَالَا: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ (ح) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَاقْضِهِ عَنْهَا"

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے —— جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے —— نبی ﷺ سے اس نذر کے

بارے میں مسئلہ دریافت کیا جو نذر ان کی ماں پر تھی جن کا نذر پوری کرنے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "ان کی طرف سے تم نذر پوری کر دو"

مذاہبِ فقہاء:

ظاہریہ کے نزدیک ورثاء پر میت کی نذر پوری کرنا فرض ہے، خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ، اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا تھا، جبکہ ماں نے وصیت نہیں کی تھی، یعنی اقض: صیغۂ امر سے ان کا استدلال ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے ــــ مگر جمہور کے نزدیک علی الاطلاق واجب نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میت کے ذمہ مالی حقوق ہیں تو ورثاء پر ان کی ادائیگی لازم ہے، خواہ وہ حقوق نذر کے طور پر واجب ہوں یا غیر نذر کے طور پر، اور خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، اگر میت نے ترکہ چھوڑا ہے تو ورثاء پر اس کی ادائیگی فرض ہے، خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ۔

اور حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر میت پر مالی حقوق ہوں جو حقوق العباد کے قبیل سے ہوں تو ان کو ادا کرنا ورثاء پر لازم ہے، میت نے وصیت کی ہو یا نہ۔ اور وہ مالی حقوق جو حق اللہ کے قبیل سے ہیں ان کی ادائیگی ورثاء پر ضروری نہیں، البتہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو پھر تہائی ترکہ سے ادائیگی ضروری ہوگی ــــ اور باب کی حدیث کو (امر کو) جمہور نے استحباب پر محمول کیا ہے۔

وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ (ح) وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ، وَمَعْنَى حَدِيثِهِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے امام مالکؒ، سفیان بن عیینہؒ، یونسؒ، معمر اور بکر بن وائل بھی لیث کی طرح روایت کرتے ہیں اور ہم معنی روایت کرتے ہیں۔

۲- بَابُ النَّهْيِ عَنِ النَّذْرِ وَأَنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا

نذر سے روکنے کا بیان، اور نذر کسی چیز کو پھیرتی نہیں

نذر معلّق اگرچہ صحیح ہے مگر پسندیدہ نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: "منت نہ مانا کرو، منت تقدیر کے سامنے کچھ کام نہیں

آتی، اس کے ذریعہ بس بخیل کا مال نکال لیا جاتا ہے (ترمذی حدیث ۱۵۲۶) یہ حدیث نذر معلق کے بارے میں ہے، اور نذر مُنجز یعنی کسی چیز پر معلق کئے بغیر کوئی مالی یا بدنی منت ماننا بلا کراہت جائز ہے۔

[۲-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (قَالَ إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا وقَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ) عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يَنْهَانَا عَنِ النَّذْرِ، وَيَقُولُ "إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الشَّحِيحِ"

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نذر سے روکنا شروع کیا اور فرمایا: "نذر کسی چیز کو (مصیبت وغیرہ کو) پھیرتی نہیں، بس اس کے ذریعہ بخیل سے مال نکال لیا جاتا ہے"

لغت: الشَّحِيحُ: بخیل، حریص، جمع شِحَاحٌ وأَشِحَّة وأَشِحَّاء۔

تشریح: منت غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے، یوں تو باپ خرچ نہیں کرتا مگر بیٹا بیمار پڑا تو منت مانی، بیٹا اچھا ہو گیا، کیونکہ اس کے لئے صحت مقدر تھی، اب منت پوری کرنا لازم ہو گیا، یوں غریبوں کا بھلا ہو گیا۔

فائدہ: نذر کی دو قسمیں ہیں: نذر معلّق اور نذر مطلق (نذر منجّز)

نذر معلق: یعنی کسی چیز پر معلق کر کے کوئی مالی یا بدنی منت ماننا ــــــ اور نذر مطلق (نذر منجّز) یعنی کسی چیز پر معلق کئے بغیر کوئی مالی یا بدنی منت ماننا۔

اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کی ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾: (الدہر آیت ۷) یعنی نیک لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیلی ہوئی ہوگی ــــــ اور حضورِ پاک ﷺ نے بھی بعض موقعوں پر منت مانی ہے، پس منت فی نفسہ جائز ہے مگر نذر معلق کو عارض کی وجہ سے پسند نہیں کیا گیا، مذکورہ حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے: بعض لوگوں کا نفس جب تک معاوضہ نہ ملے طاعت کے لئے تیار نہیں ہوتا، جبکہ طاعات کی شان یہ ہے کہ ان کو محض اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے انجام دینا چاہئے، حضورِ پاک ﷺ نے یہی فرمایا کہ منت سے کچھ نہیں ہوتا، ہوتا وہی ہے جو مقدر میں ہوتا ہے، ہاں منت کی وجہ سے بخیل کی جیب سے مال نکل کر غریب کے پاس پہنچ جاتا ہے اور غریب کا بھلا ہو جاتا ہے۔

[۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَىٰ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَالَ: "النَّذْرُ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَلَا يُؤَخِّرُهُ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ"

ترجمہ: اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبد اللہ بن دینار نے روایت کیا ہے اور گذشتہ حدیث عبد اللہ بن مُرّۃ

نے روایت کی تھی ـــــ نبی ﷺ نے فرمایا: "منت کسی (مقدر) شئی کو نہ مقدم کرسکتی ہے اور نہ مؤخر، بس اس کے ذریعہ بخیل سے مال نکال لیا جاتا ہے"

[۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ نَهٰى عَنِ النَّذْرِ، وَقَالَ: "إِنَّهُ لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ"

وضاحت: یہ بھی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس کو ان سے عبداللہ بن مُرّۃ نے اور ان سے منصور نے اور ان سے شعبہؒ نے روایت کیا ہے، اور شعبہ سے محمد بن جعفر اور غندر روایت کرتے ہیں۔

وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ، كِلَاهُمَا عَنْ مَنْصُورٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، نَحْوَ حَدِيثِ جَرِيرٍ.

وضاحت: یہ بھی ابن عمرؓ کی حدیث کی سند ہے، اس کو مفضّل اور سفیان نے منصور سے اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے جریر نے روایت کیا تھا، اور جریر کی روایت باب کی پہلی حدیث ہے۔

[۵-] وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ) عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ"

ترجمہ: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو علاء اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، اور علاء سے عبدالعزیز دراوردی نے روایت کیا ہے ـــــ نبی ﷺ نے فرمایا: نذر نہ مانا کرو، اس لئے کہ نذر تقدیر سے بالکل بے نیاز نہیں کرسکتی، بس اس کے ذریعہ بخیل کی جیب سے مال نکال لیا جاتا ہے۔

[۶-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ الْعَلَاءَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ نَهٰى عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ: "إِنَّهُ لَا يَرُدُّ مِنَ الْقَدَرِ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ"

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث علاء سے شعبہؒ نے روایت کی ہے۔

[۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ عَمْرٍو (وَهُوَ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَرِّبُ مِنَ ابْنِ آدَمَ شَيْئًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ قَدَّرَهُ لَهُ، وَلَكِنِ النَّذْرُ يُوَافِقُ الْقَدَرَ فَيُخْرَجُ بِذَلِكَ مِنَ الْبَخِيلِ مَا لَمْ يَكُنِ الْبَخِيلُ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَ"

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے عبدالرحمٰن اعرج نے روایت کیا ہے اور ان سے عمرو بن ابی عمرو روایت کرتے ہیں —— نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک نذر انسان سے کوئی ایسی چیز قریب نہیں کرتی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر نہ کی ہو، لیکن نذر تقدیر کے تابع ہوتی ہے، پس اس کے ذریعہ بخیل سے نکال لیا جاتا ہے وہ مال جس کو نکالنے کا اس نے ارادہ نہیں کیا تھا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ) وَعَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ) كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، وبِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وضاحت: اس حدیث کو عمرو بن ابی عمرو سے یعقوب بن عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز دراوردی روایت کرتے ہیں اور اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے اسماعیل بن جعفر نے روایت کیا ہے۔

۳- بَابٌ: لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ

معصیت کی نذر پوری کرنا ضروری نہیں اور نہ اس نذر کو جس کا بندہ مالک نہیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کوئی شخص اللہ کی قسم کھا کر کسی گناہ کو انجام دینے کی بات کہے، مثلاً: اللہ کی قسم کھا کر کسی کو قتل کرنے کی یا زنا کرنے کی بات کہے تو احناف وحنابلہ کے نزدیک وہ قسم منعقد ہو جائے گی اور فوراً کفارہ واجب ہو جائے گا، کیونکہ یہ حرام کو حلال کرنا ہے، اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ قسم لغو ہے، پس کوئی کفارہ نہیں۔

دلائل: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے: مَنْ نَذَرَ ان يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْه ومن نَذَرَ ان يَعْصِيَ اللَّهَ فَلا يَعْصِهِ: (ابوداود حدیث ۳۲۸۹) یعنی جو کسی اچھے کام کی نذر مانے وہ نذر پوری کرے اور جو کسی گناہ کے کام کی نذر مانے تو وہ گناہ نہ کرے یعنی نذر پوری نہ کرے —— مگر اس حدیث کا مدعیٰ صرف اتنا ہے کہ نذر معصیت کو پورا کرنا جائز نہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ معصیت کی نذر لغو ہے اور وہ منعقد ہی نہیں ہوتی یہ اس

حدیث کامدعیٰ نہیں۔
اوردوسری دلیل: حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث ہے: لاَ نَذْرَ فِی معصیۃٍ: اس میں نذر معصیت کے وجود کی نفی کی گئی ہے اس لئے کفارہ بھی واجب نہ ہوگا۔

اور احناف اور حنابلہ کا مستدل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو ترمذی میں ہے: لاَ نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَۃٍ وکفَارَتُہ کفَارَۃُ یمینٍ: یعنی معصیت کی نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ کفارۂ یمین ہے —— یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ نے بواسطہ ابوسلمہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ ابن شہاب زہریؒ نے سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن کثیر کے واسطوں سے روایت کی ہے اور سلیمان بن ارقم متروک راوی ہے، تفصیل ترمذی اور نسائی میں ہے۔

اور دوسری دلیل حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مانند ہے، یعنی: لاَ نَذْرَ فی معصیۃٍ وکفارتھا کفارۃ یمین: مگر اس حدیث کا مدار محمد بن الزبیر حنظلی پر ہے جو متکلم فیہ راوی ہے —— اور حضرت عمران بن حصینؓ سے بایں الفاظ بھی حدیث مروی ہے: لا وفاءَ لِنَذْرٍ فی مَعْصِیَۃٍ: یعنی معصیت کی نذر پوری کرنا جائز نہیں، یہ حدیث آئندہ آرہی ہے اور حضرت عمران کی حدیث جو نسائی میں ہے اس کے لئے مؤید [1] ہے۔
غرض: لانَذْرَ فی معصیۃٍ میں نذر معصیت کے وجود کی نفی نہیں ہے بلکہ وفاء کی نفی ہے۔

دوسرا مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی چیز کی منت مانے درانحالیکہ وہ اس کا مالک نہیں، یا غیر کے غلام کو آزاد کرے، یا اجنبیہ کو طلاق دے تو یہ منت، عتاق اور طلاق لغو ہیں۔ اسی طرح ان کی تعلیق بھی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک لغو ہے، یعنی ان کے نزدیک یہ حدیث تنجیز (فی الفور) اور تعلیق (آویزاں کرنا) دونوں کو عام ہے، پس اگر کسی نے کہا کہ اگر وہ فلاں عورت سے نکاح کرے تو اسے طلاق، یا فلاں غلام کا مالک ہو یا خریدے تو وہ آزاد: یہ تعلیق لغو ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز کے ساتھ خاص ہے، تعلیق اس حدیث کا مصداق نہیں، وہ فرماتے ہیں: اگر شرط وجزاء کے درمیان مناسبت ہو یعنی طلاق وعتاق وغیرہ کی ملک یا سبب ملک کی طرف نسبت کی گئی ہو تو تعلیق معتبر ہے ورنہ نہیں، مثلاً: کہا: إن ملکتُ العبد فھو حرٌ (ملک پر تعلیق کی مثال) إن اشتریت العبد فھو حر (سبب ملک پر تعلیق کی مثال) إن ملکت الحلوی/ إن اشتریت الحلوی فللّٰہ علیَّ أنْ أتَصَدَّق بہ یا کہا: إن تزوجتُ فلانۃَ فھی

---

(۱) نسائی شریف میں (حدیث نمبر ۳۸۴۵) حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''نذریں دو ہیں: ایک طاعت کی نذر، یہ اللہ کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے، دوسری گناہ کی نذر: یہ شیطان کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا جائز نہیں، اور اس کا گناہ وہ چیز مٹاتی ہے جو قسم (توڑنے) کا گناہ مٹاتی ہے یعنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے'' معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہوجاتی ہے اس لئے کفارہ واجب ہے —— نذر معصیت منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کچھ کلام ایضاح المسلم (۱: ۲۹۴) میں بھی گذرا ہے۔

طالق. ان سب صورتوں میں تعلیق صحیح ہے۔ اور اگر اجنبیہ سے کہا: إن دخلتِ الدار فأنت طالق تو یہ تعلیق لغو ہے، کیونکہ شرط وجزاء کے درمیان مناسبت نہیں (تفصیل تحفۃ الألمعی ۴: ۰۷ میں ہے)

[۸-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ (وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ) قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِي عُقَيْلٍ، فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ، وَأَصَابُوا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ، فَأَتَى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْوَثَاقِ، قَالَ: يَامُحَمَّدُ! فَأَتَاهُ فَقَالَ "مَا شَأْنُكَ؟" فَقَالَ: بِمَ أَخَذْتَنِي؟ وَبِمَ أَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ؟ فَقَالَ إِعْظَامًا لِذَلِكَ "أَخَذْتُكَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيفَ" ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! يَا مُحَمَّدُ! وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا، فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ "مَا شَأْنُكَ؟" قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ، قَالَ: "لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ، أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ" ثُمَّ انْصَرَفَ، فَنَادَاهُ فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! يَامُحَمَّدُ! فَأَتَاهُ فَقَالَ "مَا شَأْنُكَ؟" قَالَ: إِنِّي جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِي، وَظَمْآنُ فَأَسْقِنِي، قَالَ "هَذِهِ حَاجَتُكَ" فَفُدِيَ بِالرَّجُلَيْنِ، قَالَ: وَأُسِرَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَأُصِيبَتِ الْعَضْبَاءُ، فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ فِي الْوَثَاقِ، وَكَانَ الْقَوْمُ يُرِيحُونَ نَعَمَهُمْ بَيْنَ يَدَيْ بُيُوتِهِمْ، فَانْفَلَتَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْوَثَاقِ فَأَتَتِ الإِبِلَ، فَجَعَلَتْ إِذَا دَنَتْ مِنَ الْبَعِيرِ رَغَا فَتَتْرُكُهُ، حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْعَضْبَاءِ. فَلَمْ تَرْغُ، قَالَ: وَنَاقَةٌ مُنَوَّقَةٌ، فَقَعَدَتْ فِي عَجُزِهَا ثُمَّ زَجَرَتْهَا فَانْطَلَقَتْ، وَنَذِرُوا بِهَا فَطَلَبُوهَا فَأَعْجَزَتْهُمْ، قَالَ: وَنَذَرَتْ لِلّٰهِ؛ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ عَلَيْهَا لَتَنْحَرَنَّهَا، فَلَمَّا قَدِمَتِ الْمَدِينَةَ رَآهَا النَّاسُ، فَقَالُوا: الْعَضْبَاءُ، نَاقَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنَّهَا نَذَرَتْ؛ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ عَلَيْهَا لَتَنْحَرَنَّهَا، فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ "سُبْحَانَ اللّٰهِ! بِئْسَمَا جَزَتْهَا نَذَرَتْ لِلّٰهِ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ عَلَيْهَا لَتَنْحَرَنَّهَا، لَاوَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ، وَلَا فِيمَا لَايَمْلِكُ الْعَبْدُ"

وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ حُجْرٍ "لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ"

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قبیلہ ثقیف، قبیلہ بنو عقیل کے حلیف تھے، قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے نبی ﷺ کے دو صحابہ کو گرفتار کرلیا، اور نبی ﷺ کے اصحاب نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کرلیا، اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی حاصل کرلیا (یہ آنحضور ﷺ کی اونٹنی کا نام ہے)

پس نبی ﷺ اس کے پاس آئے درانحالیکہ وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا، اس نے کہا: اے محمد! آپ اس کے پاس

گئے اور پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: آپؐ نے مجھے کیوں پکڑا؟ اور حاجی کی اول آنے والی اونٹنی کو کیوں پکڑا؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی بات کو بڑی سمجھتے ہوئے: (اس نے نبی ﷺ پر نقض عہد کا الزام لگایا تھا، آنحضور ﷺ نے یہ بات بڑی سمجھی اس لئے جواب دیا) میں نے تجھے تیرے حلیف قبیلہ ثقیف کے جرم میں پکڑا ہے (انھوں نے دو صحابہ کو گرفتار کیا تھا) پس آپؐ پلٹے یعنی واپس جانے لگے تو اس نے پکارا: اے محمد! اے محمد! اور نبی ﷺ رحم دل اور نرم مزاج تھے، پس آپ اس کے پاس آئے اور فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں، آپؐ نے فرمایا: کاش تو یہ بات اس وقت کہتا جب تو اپنے معاملہ کا مالک تھا (یعنی گرفتار ہونے سے پہلے یہ بات کہنی چاہئے تھی) تو تو پوری طرح کامیاب ہو جاتا۔

پھر آپؐ (واپس لوٹنے کے لئے) پلٹے، اس نے پھر پکارا: اے محمد! اے محمد! پس آپؐ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایئے، اور پیاسا ہوں مجھے پانی پلایئے، آپؐ نے فرمایا: یہ لے تیری حاجت یعنی آپؐ نے اس کو کھانے پینے کے لئے دیا، پھر وہ فدیہ بنایا گیا ان دو صحابی کا (یعنی جو دو صحابی قید کئے گئے تھے ان کی رہائی کے بدلہ میں اس کو آزاد کیا گیا)

راوی کہتے ہیں: اور ایک انصاری عورت قید کر لی گئی تھی، اور عضباء اونٹنی بھی پکڑ لی گئی تھی وہ عورت رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی، اور لوگوں نے اپنے جانوروں کو آرام دے رکھا تھا، (یعنی ان کو چرنے کے لئے چھوڑ رکھا تھا) اپنے گھروں کے سامنے، پس ایک رات وہ چھوٹ گئی، پس وہ اونٹوں کے پاس آئی، جب وہ کسی اونٹ کے قریب جاتی تو وہ اونٹ شور مچانے لگتا، یہاں تک کہ وہ غضباء کے پاس پہنچی، پس وہ نہیں بلبلائی۔

راوی کہتے ہیں: وہ سدھائی ہوئی اونٹنی تھی، پس انصاریہ عورت اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئی، پھر اس کو ہنکایا تو وہ چلی اور کافر چوکنے ہو گئے یعنی ان کو خبر ہو گئی پس وہ اس کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، پس اونٹنی نے ان کو عاجز کر دیا، یعنی ان کے ہاتھ نہ آئی۔

راوی کہتے ہیں: اور اس انصاریہ نے اللہ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ نے اس کو عضباء کے ذریعہ نجات دیدی تو وہ اس کو اللہ کے لئے ذبح کرے گی۔

پھر جب وہ مدینہ منورہ آئی اور لوگوں نے اس کو دیکھا تو وہ کہنے لگے: یہ آنحضور ﷺ کی اونٹنی عضباء ہے، پس اس عورت نے بتلایا کہ اس نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو عضباء کے ذریعہ نجات دی تو وہ اس کو ذبح کرے گی، پس صحابہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ سے یہ بات عرض کی، آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! بُرا بدلہ دیا عورت نے اس کو کہ اس نے اللہ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو عضباء کے ذریعہ نجات دی تو وہ اس کو ذبح کرے گی (عضباء اونٹنی نے تو اس کی جان بچائی اور اس نے ذبح کرنے کی نذر مان لی، حیرت ہے!! پھر آپؐ نے فرمایا:) معصیت

کی نذر پوری کرنا جائز نہیں اور نہ اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے جس کا بندہ مالک نہیں ـــــ یہاں باب ہے: وہ اونٹنی آنحضور ﷺ کی تھی، انصاریہ کی ملکیت نہیں تھی پس اس کا نذر ماننا صحیح نہیں۔

اور ابن حُجر کی روایت کے الفاظ ہیں: لا نَذْرَ فی معصیة الله۔

لغات: الحُلَفاء: الحَلیف کی جمع: عہد و پیمان کرنے والا، ساتھی، کہا جاتا ہے: فلانٌ حَلِیْفُ الْجُوْدِ: فلاں جُود و بخشش کا حلیف ہے، یعنی بڑا فیاض ہے ـــــ أَسَرَهُ أَسْرًا وَإِسَارًا اور إِسْتَاسَرَہ کے معنی ہیں: قید کرنا ـــــ الوَثَاق: (واو پر فتح وکسرہ دونوں) باندھنے کی چیز جیسے رسّی وغیرہ، جمع: وُثق ـــــ السَّابِقَةُ: السَّابِقُ کا مؤنث: اوّلیت، کہا جاتا ہے: لَه سَابِقَةٌ فی هٰذا الأمرِ: اس کو اس معاملہ میں اولیت حاصل ہے، جمع: سَوَابِقُ وَسَابِقَات ـــــ السَّوَابِقُ: گھوڑے ـــــ السَّبَّاق: بہت آگے بڑھنے والا ـــــ أَعْظَمَ الْأَمْرَ: بڑا ہونا ـــــ الشیئَ: بڑا کرنا، بڑا سمجھنا ـــــ الجِرِیْرَةُ: گناہ، جرم، کہا جاتا ہے: فَعَلْتُ ذٰلک من جَرِیْرَتِک: یہ میں نے تمہاری وجہ سے کیا ہے ـــــ فَدَی یَفْدِیْ فَدیً وفِدَاءً: الرجلُ من الأَسْرِ وَنحوِه: مال وغیرہ دے کر چھڑائے ـــــ أَرَاحَ إِرَاحَةً: آرام پہنچانا ـــــ إِنْفَلَتَ تَفَلَّتَ وَأَفْلَتَ: رہا ہونا، چھوٹنا ـــــ الرُّغَاء: اونٹ کی بلبلاہٹ، اونٹ کی آواز ـــــ رَغَا (ن) رَغْوًا وَرُغَاءً البعیرُ: اونٹ کا بلبلانا، چیخنا، شور مچانا ـــــ نَاقَةٌ مُنَوَّقَة: سدھائی ہوئی اونٹنی ـــــ العَجُزُ: تَعَجَّزَ البعیرَ: اونٹ کے چوتڑ پر سوار ہونا ـــــ نَذِرَ (س) نَذَرًا به: چوکنا ہونا اور تیاری کرنا، کہا جاتا ہے: نَذِرُوْا بالعَدُوِّ: وہ دشمن سے واقف ہو کر چوکنا ہو گئے۔

ملحوظہ: عضباء صفتی نام ہے، وہ چھوٹے کانوں کی تھی اور آنحضور ﷺ کے حصہ میں آئی تھی۔

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِیعِ الْعَتَکِیُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (یَعْنِی ابْنَ زَیْدٍ) (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ، وَابْنُ أَبِی عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ الثَّقَفِیِّ، کِلَاهُمَا عَنْ أَیُّوبَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَفِی حَدِیثِ حَمَّادٍ قَالَ: کَانَتِ الْعَضْبَاءُ لِرَجُلٍ مِنْ بَنِی عُقَیْلٍ، وَکَانَتْ مِنْ سَوَابِقِ الْحَاجِّ، وَفِی حَدِیثِهِ أَیْضًا: فَأَتَتْ عَلَی نَاقَةٍ ذَلُولٍ مُجَرَّسَةٍ، وَفِی حَدِیثِ الثَّقَفِیِّ، وَهِیَ نَاقَةٌ مُدَرَّبَةٌ.

وضاحت: یہ حدیث حماد بن زید اور عبد الوہاب ثقفی نے بھی ایوب سختیانی سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کی ہے اور ہم معنی روایت کی ہے ـــــ ترجمہ: اور حماد کی روایت میں ہے: عضباء بنو عُقیل کے ایک شخص کی اونٹنی تھی اور سوابق الحجاج (اول نمبر پر آنے والی اونٹنی) میں سے تھی، نیز اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ: وہ عورت ایسی اونٹنی پر آئی جو مسکین تھی جس کے گلے میں گھنٹی پڑی ہوئی تھی، اور ثقفی کی روایت میں ناقة مُنَوَّقة کے بجائے ناقة مُدَرَّبَة ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

۴- بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى الْكَعْبَةِ

کعبہ شریف تک پیدل جانے کی نذر ماننے کا بیان

اگر کوئی پیدل حج کرنے کی قسم کھائے یا منت مانے اور وہ جزیرۃ العرب میں کہیں قریب رہتا ہے تو اس پر پیدل حج کرنا واجب ہے، کیونکہ اس کے لئے پیدل حج کرنا ممکن ہے اور اس کی جنس سے طاعت واجبہ ہے[1]، طوافِ زیارت پیدل کرنا واجب ہے، اور اگر قسم یا منت پر عمل کرنا دشوار ہو، جیسے بہت بوڑھے شخص کا، یا عورت کا، یا دور دراز ممالک کے باشندے کا پیدل حج کرنا مشکل ہے تو وہ سوار ہو کر حج کرے اور ایک ہدی (بکرا) ذبح کرے اور استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔

[۹-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، فَقَالَ "مَا بَالُ هٰذَا؟" قَالُوا: نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ، قَالَ "إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ" وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی عمر کے بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے کندھوں کے سہارے چل رہا تھا، آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ یہ اس طرح کیوں چل رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے پیدل حج کرنے کی منت مانی ہے (اور بڑھاپے کی وجہ سے چل نہیں سکتا، اس لئے اس طرح چل رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہیں کہ یہ شخص اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرے" اور آپؐ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بیت اللہ تک چلنے کی نذر مانے تو اس پر بالاجماع حج یا عمرہ واجب ہے، پھر پیدل چلنا ممکن ہو تو پیدل حج یا عمرہ کرنا بھی واجب ہے اور اگر پیدل چلنا دشوار ہو تو سوار ہو کر جائے اس صورت میں ایک ہدی اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں تین روزے واجب ہونگے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابوداؤد شریف میں مروی ہے کہ حضرت عقبۃ بن عامرؓ کی بہن نے پیدل

(۱) جاننا چاہئے کہ نذر کے صحیح ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: اول: نذر ایسی چیز کی ہونی چاہئے جس کی جنس سے کوئی فرض یا واجب عبادت ہو، پس ننگے پاؤں حج کرنے کی نذر صحیح نہیں، کیونکہ اس کی جنس سے کوئی فرض یا واجب عبادت نہیں۔ دوم: جس کی نذر مانی ہے وہ گناہ کے قبیل سے نہ ہو، پس کسی بزرگ کی قبر پر چادر چڑھانے کی نذر ماننا صحیح نہیں، کیونکہ یہ جائز نہیں۔ سوم: جس چیز کی نذر مانی ہے وہ فی الحال یا آئندہ اس پر فرض و واجب نہ ہو، پس فرض نماز یا رمضان کے روزہ کی نذر ماننا صحیح نہیں۔

حج کرنے کی نذر مانی تھی، فامرها النبیُّ صلی الله علیه وسلم أن ترکب وتهدی هدیا: یعنی نبی ﷺ نے ان کو سوار ہونے کا اور ایک ہدی ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، نیز حضرت ابن عباسؓ ہی سے ابوداود میں مرفوعا مروی ہے: مَن نَذَرَ نَذْرًا لم يُطِقْه فكفَّارته كفَّارةُ يَمِينٍ: یعنی جس نے ایسی نذر مانی جس کو پوری کرنے کی اس میں طاقت نہیں تو اس پر کفارۂ یمین واجب ہے، اور قسم کا ایک کفارہ تین روزے رکھنا بھی ہے۔

[۱۰-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ عَمْرٍو (وَهُوَ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ شَيْخًا يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ، يَتَوَكَّأُ عَلَيْهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا شَأْنُ هَذَا؟" قَالَ ابْنَاهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَانَ عَلَيْهِ نَذْرٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ارْكَبْ أَيُّهَا الشَّيْخُ! فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ" (وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ وَابْنِ حُجْرٍ)

وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ) عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو پایا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کے سہارے سے چل رہا تھا، پس آپؐ نے پوچھا: اس کا قصہ کیا ہے؟ دونوں بیٹوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس پر نذر ہے، یعنی اس نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: بڑے میاں! سوار ہوجاؤ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہیں —— امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تین اساتذہ: یحیٰ بن ایوب، قتیبہ اور ابن حُجر سے روایت کی ہے، اور متن حدیث قتیبہ اور ابن حجر کی حدیث کا ہے۔

سند: یہ حدیث عمرو بن ابی عمرو سے عبدالعزیز دراوردی نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے اسماعیل بن جعفر نے روایت کی ہے۔

[۱۱-] وحَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى بْنِ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ (يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ) حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ حَافِيَةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَيْتُهُ، فَقَالَ: "لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ"

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں: میری بہن نے منت مانی تھی کہ وہ بیت اللہ تک ننگے پاؤں جائے گی، پھر اس

نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کے لئے نبی ﷺ سے مسئلہ دریافت کروں، چنانچہ میں نے آپؐ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: "چاہے پیدل جائے اور چاہے سوار ہو کر جائے"

قوله: حافية: جو شخص ننگے پاؤں چلنے کی نذر مانے اس پر ننگے پاؤں چلنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس کی جنس سے کوئی طاعت مشروع نہیں۔

قوله: لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ: یعنی جہاں تک ممکن ہو پیدل جائے پھر سوار ہو جائے، معلوم ہوا کہ پیدل بیت اللہ تک جانے کی نذر ماننا صحیح ہے، کیونکہ اس کی جنس سے طاعت واجب ہے، طواف زیارت پیدل کرنا واجب ہے۔

فائدہ: ملتقی الابحر (۱:۴۶۲) میں ہے: مَن نَذَرَ أن يَحُجَّ مَاشِيًا يَمْشِيْ من بَيْتِهِ حتىٰ يَطُوْفَ لِلزِّيَارَةِ، وَقِيْلَ: مِنْ حَيْثُ يَحْرُمُ فإن رَكِبَ لَزِمَهُ دَمٌ: یعنی جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی وہ اپنے گھر سے چلے گا، یہاں تک کہ طوافِ زیارت کرے یعنی گھر سے بیت اللہ تک پیدل جانا اور طوافِ زیارت تک تمام افعالِ حج پیدل کرنا واجب ہوگا، اگر وہ سوار ہو گیا تو دم واجب ہوگا، یہی اصح قول ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ جس جگہ سے احرام باندھا وہاں سے پیدل چلے، اگر سوار ہوا تو دم واجب ہوگا ــــــ اور مجمع الانہر میں ہے: فَإِنْ رَكِبَ لَزِمَه دمٌ، وَإِنْ رَكِبَ فِي الْأَقَلِّ تَصَدَّقَ: یعنی اگر اکثر مسافت سفر سوار رہا تو دم واجب ہوگا، اور کم مدتِ سفر سوار ہوا تو صدقہ (صدقہ فطر) واجب ہوگا (حوالہ بالا)

[۱۲-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ؛ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا الْخَيْرِ، حَدَّثَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ؛ أَنَّهُ قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي، فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مُفَضَّلٍ. وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ: حَافِيَةً وَزَادَ: وَكَانَ أَبُو الْخَيْرِ لَا يُفَارِقُ عُقْبَةَ.

وحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، أَنَّ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ أَخْبَرَهُ بِهَذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ.

وضاحت: حضرت عقبہ بن عامر کی مذکورہ حدیث یزید بن ابی حبیب سے عبداللہ بن عیاش کی طرح سعید بن ایوب نے بھی روایت کی ہے، اور مُفضّل کی حدیث (عبداللہ بن عیاش کی حدیث) کے مانند روایت کی ہے، مگر اس حدیث میں حَافِيَةً نہیں ہے اور یہ اضافہ ہے کہ ابوالخیر حضرت عقبہؓ سے کبھی جدا نہیں ہوتے تھے، یعنی سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے استاذ حضرت عقبہؓ کے ساتھ رہتے تھے۔

اور یزید بن ابی حبیب سے یحییٰ بن ایوب نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور عبدالرزاق کی حدیث (سعید بن ایوب کی حدیث) کے مانند روایت کی ہے۔

۵- بَابٌ فِيْ كَفَّارِ النَّذْرِ

مبہم نذر کے کفارہ کا بیان

اگر نذر مبہم ہو یعنی ناذر نے کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو، مثلاً: اس نے کہا: اگر اس کے بچہ کو شفا ہو جائے تو وہ منت مانتا ہے مگر کس چیز کی منت مانتا ہے؟ یہ بات واضح نہیں کی پھر بچہ کو شفا ہو گئی تو قسم کا کفارہ ادا کرے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور کفارۂ یمین کا بیان سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں ہے، یعنی دس محتاجوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے، یا ایک بردہ آزاد کرے اور ان میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

[۱۳-] وحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَىٰ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَىٰ، قَالَ يُونُسُ: أَخْبَرَنَا و قَالَ الآخَرَانِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شُمَاسَةَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ"

تشریح: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی شریف (حدیث ۱۵۱۶) میں بھی ہے جس کو ابوالخیر ہی نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ: یعنی نذر کا کفارہ جب کہ ناذر نے کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو تو قسم کا کفارہ ہے، غرض یہ حدیث نذر مبہم کے کفارہ کے بارے میں ہے۔

الحمد للہ! کتاب النذر کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷- كِتَابُ الْأَيمَان

قسموں کا بیان

أیمان: یَمین کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی قوت کے ہیں، دائیں ہاتھ کو یمین اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بائیں ہاتھ کے مقابلہ میں زیادہ طاقت ہوتی ہے ـــــ اور اصطلاحی معنی ہیں: عَقْدٌ قَوِيَ به عَزْمُ الْحَالِفِ على الْفِعْل أو التَّرك: یعنی کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے کا یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہوجائے۔

یمین کی چار قسمیں ہیں: یمین منعقدہ، یمین لغو، یمین غموس اور یمین محال، چاروں کی تعریفات اور احکام کتاب النذر کے شروع میں گذرے ہیں، نیز یمین ونذر کے درمیان جو ربط ہے اس کا بیان بھی گذرا ہے، وہاں مراجعت کریں۔

دوسری بات: یمین ونذر کے تحقق کے لئے نیت ضروری نہیں، قصد وارادہ اور نیت کے بغیر بھی یمین منعقد ہوجائے گی، حتی کہ جبر واکراہ سے یا غفلت وبھول سے یا غلطی سے قسم کھائی ہو یا نذر مانی ہو تو بھی یمین منعقد ہوجائے گی، محلوف علیہ (جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے) کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اس کو جس طرح بھی کرے گا: قصد وارادہ سے، غلطی سے یا جبر واکراہ سے حتی کہ جنون کی حالت میں بھی اس کو انجام دے گا تو بھی حانث ہوجائے گا، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کو خود کرے اگر خود نہیں کرے گا تو حانث نہیں ہوگا، مثلاً: پانی نہ پینے کی قسم کھائی، پھر کسی نے سوتے ہوئے اس کے منہ میں پانی ڈال دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

تیسری بات: یمین ونذر زبان کے افعال ہیں یعنی ان میں تلفظ ضروری ہے پس محض دل میں ارادہ کرلینے سے نہ یمین منعقد ہوگی اور نہ نذر۔

چوتھی بات: قسم کے منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مُقْسَم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) اللہ تعالیٰ کا اسم عَلَم ہو یا اسم صفت، یعنی اللہ پاک کی ذات کی قسم کھائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کی تو ہی قسم منعقد ہوگی ـــــ صفات دو قسم کی ہیں: ایک وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے رحمان، خالق، رزاق اور دوسری وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں، جیسے کریم، حکیم، غرض اللہ تعالیٰ کی ذات کی یا اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم کھاتے ہی سے یمین منعقد ہوگی، غیر اللہ کی قسم کھانے سے یمین منعقد نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم

کھانا حرام ہے۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات استعمال ہونے کے اعتبار سے تین قسم کی ہیں: اول: وہ صفات ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں، جیسے اللہ کی عزت کی قسم اللہ کے جلال کی قسم! اللہ کی کبریائی کی قسم! دوم: وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہوتی ہیں اور غیر اللہ کے ساتھ بھی، جیسے قدرت و رضا ان سے بھی قسم منعقد ہوگی، سوم: وہ صفات ہیں جن کا غیر اللہ میں استعمال غالب ہے، جیسے علم، رحمت، غضب، کلام وغیرہ ان میں عرف کا اعتبار ہے تفصیل کتب فقہ میں پڑھیں۔

غیر اللہ کی قسم کا حکم:

آخری بات: حروفِ قسم (واو، باء اور تاء) کے ذریعہ یا اقسم اور احلف کے ذریعہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے، اور اس میں علماء کا اجماع ہے، اور غیر اللہ کی قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا عقیدہ رکھ کر قسم کھائے، ایک: اس غیر کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام کی طرح عظمت والا سمجھتا ہو، دوسرے: اس کے خلاف کرنے کو گناہ اور وبالِ جان مانتا ہو، جیسے: جو شخص پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہے وہ ان دونوں باتوں کا عقیدہ رکھتا ہی ہے، یہ قسم گناہِ کبیرہ اور شرک ہے۔

۱- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے، احادیث شریفہ میں اس کو کفر اور شرک کہا گیا ہے، مگر وہ تغلیظاً ہے، زجر و توبیخ کے موقع پر ناقص کو کامل (کالعدم) فرض کر کے کلام کرتے ہیں۔

[۱-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، (ح) وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ"

قَالَ عُمَرُ: فَوَاللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا، ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عز و جل نے تمہیں آباؤ اجداد کی قسمیں کھانے سے منع کیا ہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں: قسم بخدا! جب سے میں نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی کبھی ایسی قسم

نہیں کھائی، نہ یاد ہوتے ہوئے (نہ بھول کر) اور (نہ اپنی طرف سے ابتداءً) نہ دوسرے کی طرف سے نقل کرتے ہوئے۔

لغت: آثِرٌ (اسم فاعل) أَثَرَ الحدیثَ: بات نقل کرنا، روایت کرنا، اسی سے سورۃ الاحقاف (آیت ۴) میں أَثَارَة (اسم) ہے یعنی منقول مضمون: ﴿ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾: میرے پاس کوئی کتاب لاؤ، جو قرآن سے پہلے کی ہو، یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ، اگر تم سچے ہو! مجاہد رحمہ اللہ نے یہی ترجمہ کیا ہے: علمی مضمون۔

فائدہ: ذَاكِرًا کا معادل ناسیا، اور آثرا کا مقابل تاسیسا محذوف ہیں، جاننا چاہئے کہ جب متقابلات میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کیا جاتا ہے تو جو اہم ہوتا ہے اس کو لیا جاتا ہے اور غیر اہم کو حذف کیا جاتا ہے، چونکہ جان بوجھ کر غیر اللہ کی قسم کھانا بھول کر قسم کھانے کی بہ نسبت زیادہ برا ہے اس لئے ذاکراً کو لیا اور اس کے مقابل ناسیاً کو حذف کیا۔ اور آثِراً اور تَأْسِیْسًا میں اگرچہ زیادہ اہم تاسیسا ہے کیونکہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا: بطور حکایت قسم کھانے سے زیادہ برا ہے مگر آثِراً اس اعتبار سے اہم ہے کہ مسلمان غیر اللہ کی قسم حقیقتاً تو کھا ہی نہیں سکتا، ہاں بطور حکایت اس کی نوبت آسکتی ہے، اس لئے اس کو لیا اور کہا: بطور حکایت بھی آپؐ نے غیر اللہ کی قسم نہ کھائی، اور اس کے مقابل تَأْسِیْسًا کو حذف کردیا۔

تشریح: غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں: اول: حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا، یہ شرک ہے۔ دوم: تکیہ کلام کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا۔ سوم: دلیل کو بصورت قسم ذکر کرنا: یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ حقیقت میں قسم نہ ہو بلکہ دلیل ہو، قرآن کریم میں کائناتی چیزوں کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسی قبیل کی ہیں، یعنی وہ سب دلیلیں ہیں جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں، مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، پھر فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ چاروں قسمیں اس مقسم بہ کی دلیل ہیں، یہ جائز ہیں کیونکہ یہ حقیقت میں قسمیں نہیں ہیں، اسی طرح بطور تکیہ کلام غیر اللہ کی قسم کھانا بھی بمنزلۂ یمین لغو کے ہے، مثلاً: عربی میں تکیہ کلام کے طور پر یہ قسم کھاتے ہیں: لَعَمْرُكَ! تیری زندگی کی قسم، لَعَمْرِيْ: میری زندگی کی قسم، إِيْ وَا یعنی إِيْ واللّٰهِ: ہاں بخدا! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اُم رومان [1] نے بھی ایک واقعہ میں قسم کھائی ہے: وَقُرَّةِ عَيْنِيْ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ قسمیں بمنزلہ یمین لغو ہیں، ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

البتہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ اور شرک ہے، اور غیر اللہ کی حقیقتاً قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد کرکے قسم کھائے، ایک: جس کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت کا اللہ کی عظمت کی طرح اعتقاد ہو، دوسرے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی

(۱) تحفۃ الالمعی (۴:۲۶۶) میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وقُرَّةِ عَيْنِيْ قسم کھائی تھی: وہ تسامح ہے، درحقیقت یہ قسم آپ کی اہلیہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کھائی تھی ۱۲

طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ اور وبال کا اعتقاد ہو، مثلاً کوئی پیرانِ پیر (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ) کی قسم کھاتا ہے تو ان دونوں باتوں کا اعتقاد ہوتا ہے اس لئے وہ شرک ہے۔

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی، جیسے رسول اللہ کی قسم! کعبہ کی قسم! باپ کی قسم! بچے کی قسم وغیرہ۔ اس طرح کی قسم کھا کر اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو کفارہ واجب نہیں، البتہ غیر اللہ کی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

مسئلہ: قرآن کریم کی قسم: کلام اللہ کی قسم ہے، جو اللہ کی صفت ہے، پس جائز ہے، البتہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی، مگر قسم نہیں کھائی تو قسم نہیں ہوئی۔

[۲-] وحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي: حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ.
(ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ عُقَيْلٍ: مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهَا، وَلَا تَكَلَّمْتُ بِهَا، وَلَمْ يَقُلْ: ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا.
وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، بِمِثْلِ رِوَايَةِ يُونُسَ وَمَعْمَرٍ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے عُقیل بن خالد اور معمر نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے یونس نے روایت کی ہے، اور یونس کے مثل روایت کی ہے، البتہ عُقیل کی حدیث میں ذاکرا ولا آثرا کے بجائے ولا تکلمتُ بھا ہے —— اور امام زہریؒ سے سفیان بن عیینہؒ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، اور یونس و معمر کے مثل روایت کی ہے۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث سن کر کبھی حکایت کے طور پر بھی غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ تحفۃ الالمعی میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ ادب نکلا کہ اگر بطور حکایت کوئی غلط بات بیان کرنی پڑے تو بھی اس کو اپنی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے، طلبہ انجمن میں جب مناظرہ کی مشق کرتے ہیں تو ایک فریق اہل حق کی ترجمانی کرتا ہے، اور دوسرا اہل باطل کی، باطل کی ترجمانی کرنے والا طالب عالم اس گمراہ جماعت کی طرف سے بطور حکایت کہتا ہے: میں یہ کہتا ہوں، میرا یہ عقیدہ ہے، یہ غلط انداز ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ قادیانی یہ کہتے ہیں، مودودی یہ کہتے ہیں، غیر مقلدین یہ کہتے ہیں، ان کی بات بطور حکایت بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے، یہ ادب کے

[-۳] وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ (وَاللَّفْظُ لَهُ) أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ، وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ"

وضاحت وترجمہ: یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے آزاد کردہ نافعؒ نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث صاحبزادے سالم کی روایت کردہ تھی ـــــ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قافلہ میں پایا، اس حال میں کہ وہ اپنے باپ کی قسم کھارہے تھے، پس نبی ﷺ نے قافلہ والوں کو پکار کر فرمایا: "سنو! بیشک اللہ عزوجل نے تمہیں آباء کی قسم کھانے سے روکا ہے، لہٰذا جو قسم کھانا چاہتا ہے وہ اللہ عزوجل کی قسم کھائے یا خاموش رہے" (مگر آباء یعنی غیر اللہ کی قسم نہ کھائے)

تشریح: بعض حدیث میں (ترمذی حدیث ۱۵۲۳) غیر اللہ کی قسم کو جو شرک یا کفر کہا گیا ہے وہ تغلیظاً ہے یعنی ناقص کو کامل فرض کرکے کلام کیا گیا ہے، کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا حقیقتاً کافر نہیں ہوجاتا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا تھا، جب انھوں نے باپ کی قسم کھائی تھی، اگر غیر اللہ کی قسم کھانا حقیقتاً کفر یا شرک ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم دیتے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث باب تغلیظ وتشدید سے ہے اور اس کی پہلے کئی نظیریں گذر چکی ہیں (دیکھئے ایضاح المسلم ۱:۱۶۸)

[-۴] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ الْقَطَّانُ) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، (ح) وحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ: أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ وَابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ، كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمِثْلِ هَذِهِ الْقِصَّةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: یہ حدیث نُمیر، عبید اللہ، ایوب، ولید بن کثیر، اسماعیل بن امیہ، ضحاک، ابن ابی ذئب اور عبد الکریم رحمہم اللہ بھی نافع سے روایت کرتے ہیں اور لیثؒ کے مانند حدیث وواقعہ بیان کرتے ہیں۔

وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا وقَالَ الآخَرُونَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ؛ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ إِلَّا بِاللّٰهِ" وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْلِفُ بِآبَائِهَا، فَقَالَ: "لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ"

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث عبداللہ بن دینارؒ نے روایت کی ہے —— نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قسم کھائے وہ صرف اللہ کی قسم کھائے" اور قریش آباء کی قسمیں کھایا کرتے تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "آباء کی قسمیں نہ کھاؤ"

۲- بَابُ مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

لات وعُزّیٰ کی قسم منہ سے نکل جائے تو لا إله إلا الله کہے

جو شخص نیا مسلمان ہوا ہے اور وہ زمانہ کفر میں لات وعزی کی اور دیگر معبودانِ باطلہ کی قسمیں کھاتا رہا ہے اور اس کی عادت پڑ گئی ہے: پس مسلمان ہونے کے بعد اس کے منہ سے بے اختیار لات وعزی کی قسم نکل جائے تو اس کا علاج کیا ہے؟ یہ بری عادت کیسے چھڑائی جائے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "اگر ایسا ہو جائے تو لا إله إلا الله کہہ کر اس کا تدراک کرے، ایک بار "رام" کا نام زبان پر آئے تو سو بار اللہ کا نام لے، عادت چھوٹ جائے گی۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں جوا کھیلتا تھا اور اس کی لت پڑی ہوئی ہے اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، مگر ایک شخص کو ہوکا (شدید خواہش) اٹھا، اس نے جوا کھیلنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کی دوسرے کو دعوت دی تو نبی ﷺ نے فرمایا: کچھ صدقہ کرے، اور جب بھی جوا کھیلنے کو جی چاہے صدقہ کرتا رہے، یہ علاج بالضد ہے، آدمی مال کی لالچ میں جوا کھیلتا ہے، پس جب دو چار مرتبہ صدقہ کرے گا تو بھول کر بھی جوا کا نام نہیں لے گا۔

لطیفہ: اور بری عادت کا بھوت کس طرح چڑھتا ہے ایک لطیفہ سنیں: ایک لالہ جی ستر سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، سچے پکے مسلمان ہوئے، مگر جب صبح آنکھ کھلتی تو بڑبڑاتے: رام، رام، رام، رام لوگوں نے مسجد کے امام صاحب سے شکایت کی کہ عبدالکریم اب بھی رام رام کرتا ہے، مولانا صاحب نے اس کو بلا کر سمجھایا تو کہنے لگا: حضرت جی! ستر برس کا رام دل میں بیٹھا ہوا: نکلتے نکلتے تو نکلے گا! ایک دم تھوڑے نکل جائے گا!

[۵-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، (ح) وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ؛ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ، فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قسم کھائی، پس اس نے اپنی قسم میں کہا: لات کی قسم! (عزّیٰ کی قسم!) پس چاہئے کہ کہے: لا إلـه إلا الله: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: آ، میں تیرے ساتھ جوا کھیلوں تو چاہئے کہ صدقہ کرے'' (طواغیت: دیگر مورتیاں: لات وعزی کے حکم میں ہیں)

سوال: نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ''جو شخص لات وعزّیٰ کی قسم کھائے وہ لا الہ الا اللہ کہے: اس ارشاد سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا حقیقتاً کافر ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو تجدید ایمان کا حکم دیا۔

جواب: اس حدیث میں بھی تجدید ایمان کا حکم نہیں ہے، بلکہ وہ الرِّيَاءُ شِرْكٌ کے قبیل سے ہے، سورۃ الکہف کی آخری آیت: ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ کی تفسیر میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: الرياء شركٌ یعنی عبادت میں دکھاوا کرنا شرک ہے، ظاہر ہے یہ حقیقی شرک نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے جس کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے کہ جو شخص لات وعزی کی قسم کھائے وہ لا إله إلا الله کہے (یہ جواب امام ترمذیؒ نے دیا ہے)

مگر بہتر جواب یہ ہے کہ یہ حدیث علاج بالضد کے قبیل سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ لات وعزی کی قسمیں کھایا کرتے تھے، اور اس کے عادی تھے، اور عادت یک دم نہیں چھوٹتی، رفتہ رفتہ چھوٹتی ہے، پس اگر کسی کے منہ سے بے اختیار واللات والعُزّیٰ! نکل جائے تو نبی ﷺ نے اس کا علاج بتایا کہ بار بار لا إله إلا الله کہے، یہ کلمہ اس غلط بات کا کفارہ ہو جائے گا اور وہ غلط عادت بھی چھوٹ جائے گی، پس یہ علاج بالضد ہے، نہ وعید ہے نہ اس میں تجدید ایمان کا حکم ہے۔ واللہ اعلم

وحَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ، وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ مِثْلُ حَدِيثِ يُونُسَ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "فَلْيَتَصَدَّقْ بِشَيْءٍ" وَفِي حَدِيثِ الْأَوْزَاعِيِّ: "مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى" قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمٌ: هَذَا الْحَرْفُ (يَعْنِي قَوْلَهُ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ) لَا يَرْوِيهِ أَحَدٌ، غَيْرُ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: وَلِلزُّهْرِيِّ نَحْوٌ مِنْ تِسْعِينَ حَدِيثًا يَرْوِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشَارِكُهُ فِيهِ أَحَدٌ بِأَسَانِيدَ جِيَادٍ.

وضاحت: یہ حدیث امام اوزاعی رحمہ اللہ اور حضرت معمرؒ نے بھی حضرت ابن شہاب زہریؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے یونسؒ نے روایت کی ہے —— اور معمر کی حدیث یونس کی حدیث کے مانند ہے، سوائے اس کے کہ انھوں نے کہا: ''پس چاہئے کہ وہ کچھ صدقہ کرے'' یعنی معمر کی حدیث میں بشیء کا اضافہ ہے، جو یونس کی حدیث میں نہیں —— اور امام اوزاعیؒ کی حدیث میں لات وعزی کی قسم کھانے کی بات ہے، یعنی عُزّیٰ کا اضافہ ہے۔

امام مسلمؒ فرماتے ہیں: یہ حرف: یعنی یہ ارشاد کہ: ''آ میں تیرے ساتھ جوا کھیلوں، پس چاہئے کہ وہ صدقہ کرے'' یہ جزء صرف زہریؒ روایت کرتے ہیں، امام زہریؒ کے علاوہ کسی نے یہ مضمون روایت نہیں کیا، اور امام مسلمؒ فرماتے ہیں: امام زہریؒ تقریباً نوے حدیثیں نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں، سندوں کے عمدہ ہونے کے اعتبار سے، یعنی حضرت ابن شہاب زہریؒ کی حدیثوں کی سندیں جتنی اعلیٰ ہیں اتنی اعلیٰ سند کسی اور محدث کی نہیں۔

[٦-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَحْلِفُوا بِالطَّوَاغِي وَلَا بِآبَائِكُمْ"

لغت: الطّواغي: یہ طاغِيَةٌ کی جمع ہے، انتہائی سرکش، ظالم وجابر، دیوی دیوتاؤں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ لوگوں کے طغیان وکفر کا سبب ہیں۔

٣- بَابُ نَدْبِ مَنْ حَلَفَ يَمِينًا فَرَأَىٰ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا أَنْ يَأْتِيَ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِينِهِ

جو قسم کھائے پھر اس کے علاوہ میں بھلائی دیکھے، تو بھلائی پر عمل کرنا اور قسم کا کفارہ دینا مستحب ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات کی قسم کھالیتا ہے مثلاً: ماں باپ سے یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، پھر جب غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو پچھتاتا ہے۔ اور قسم ایمان میں سے ہے، جب کھالی: کھالی۔ اب وہ ختم نہیں ہوسکتی، اس لئے شریعت نے حکم دیا کہ اس قسم پر برقرار مت رہو، قسم توڑ دو اور کفارہ دیدو۔

[٧-] حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ (وَاللَّفْظُ لِخَلَفٍ) قَالُوا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ، فَقَالَ: "وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" قَالَ: فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أُتِيَ بِإِبِلٍ، فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا (أَوْ قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ) لَا يُبَارِكُ اللّٰهُ لَنَا، أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا، ثُمَّ حَمَلَنَا، فَأَتَوْهُ فَأَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: "مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ؛ وَإِنِّي وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ أَرَى خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ"

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں قبیلہ اشعر کے چند لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آیا (تاکہ) ہم آپؐ سے سواری کا اونٹ طلب کریں (یعنی سواری کے لئے اونٹ کی درخواست لے کر ہم حاضر خدمت ہوئے) پس آپؐ نے فرمایا: بخدا! نہ میں تمہیں سواری دوں گا، اور نہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے سواری ہے۔

ابوموسیٰؓ کہتے ہیں: پس ہم جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا رو کے رہے، پھر (آپؐ کے پاس) چند اونٹ (بمد بیت المال) لائے گئے، پس آپؐ نے ہمیں تین سفید کوہان والے نسل کے اونٹ دینے کا حکم دیا، پھر جب ہم (اونٹ لے کر خدمت اقدس سے واپس) چلے تو ہم نے کہا ــــ یا فرمایا ــــ ہم نے باہم ایک دوسرے سے کہا: اللہ تعالیٰ ہماری ان سواریوں میں برکت نہیں کریں گے (اس لئے کہ) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے تاکہ ہم آپ سے سواری کے اونٹ مانگیں، پس آپؐ نے قسم کھائی تھی کہ ہمیں سواری کے اونٹ نہیں دیں گے، پھر ہمیں سواری کے اونٹ مرحمت فرمادیئے (مبادا! آپؐ قسم بھول تو نہیں گئے) تم خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کرو (جب حاضر خدمت ہو کر یہ بات عرض کی) تو آپؐ نے فرمایا: میں نے تمہیں سواری نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سواری دی ہے، اور بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں کوئی قسم نہیں کھاؤں گا، پھر اس سے بہتر دیکھوں گا مگر اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور جو بہتر ہے اس پر عمل کروں گا۔

لغت: الغُرَّةُ: گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی ــــ مِن کلِّ شيءٍ: ہر چیز کا ابتدائی اور معظّم حصہ ــــ من القوم: شریف آدمی ــــ ذَرَّ (ن،س) ذَرًّا وَذُرُوْرًا الرجلُ: سر کے اگلے حصہ کا سفید ہونا ــــ الذَّرُّ: چھوٹی چیونٹی، نسل ــــ اسْتَحْمَلَ: اٹھانے کی طاقت رکھنا ــــ فلانًا: اٹھانے کو کہنا، مرادی معنی ہیں: سواری کے لئے جانور مانگنا۔

تشریح:

۱- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر گناہ پر یا مکروہ اور خلافِ اولیٰ بات پر قسم کھائی ہے تو قسم پر برقرار نہیں رہنا چاہئے بلکہ قسم توڑ کر کفارہ دیدینا چاہئے اور جو قسم کھائی ہے اسی کے اعتبار سے قسم توڑنے کا حکم ہوگا، اگر گناہ پر قسم کھائی تو قسم توڑنا واجب ہوگا اور خلافِ اولیٰ بات پر قسم کھائی ہے تو قسم توڑنا افضل ہوگا۔

۲- نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ: میں نے سواری نہیں دی بلکہ اللہ عزوجل نے دی ہے: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ اونٹ میرے ذاتی نہیں کہ مجھ پر قسم توڑنے کا کفارہ ہو، بلکہ یہ بیت المال کے اونٹ ہیں پس مجھ پر کوئی کفارہ واجب نہیں۔

قبل الحنث کفارہ ادا کرنے کا حکم:

مذاہبِ فقہاء: اگر قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے تو بالاجماع درست ہے اور اگر کفارہ دے کر قسم توڑے تو اس میں

اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا کرنا بھی درست ہے (مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے روزوں کا استثناء کیا ہے، ان کی تقدیم جائز نہیں) اور حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد نص نہیں ہے، اس لئے کہ بعض روایات میں حنث (قسم توڑنے) کو مقدم کیا گیا ہے اور کفارہ کو مؤخر، اور بعض روایات میں برعکس ہے، راوی کسی ایک بات پر ٹھہرتا ہی نہیں، پھر کسی روایت میں واؤ ہے جو مطلق جمع کے لئے ہے اور کسی میں فاء اور ثم ہیں جو ترتیب کے لئے ہیں، پس جب حدیثوں کی صورتِ حال یہ ہے تو وہ اختلاف کی بنیاد نہیں بن سکتیں، بلکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کفارہ کی علت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علت: یمین ہے اس لئے کہ کفارۃ الیمین محاورہ ہے، پس یمین علت ہوئی، جیسے: صلوٰۃ الظهر میں ظہر (دوپہر) علت ہے صدقۃ الفطر میں (روزہ کھولنا) علت ہے، اسی طرح یہاں بھی یمین علت ہے، پس قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دیا جائے تو درست ہے کیونکہ سبب (یمین) پایا گیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک: حنث (قسم توڑنا) علت ہے، وہ فرماتے ہیں: کفارۃُ الیمین میں مضاف پوشیدہ ہے، تقدیر عبارت ہے: کفارۃُ نقضِ الیمین یعنی قسم توڑنے کا کفارہ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ کفارہ میں اشارہ ہے کہ کوئی نامناسب کام ہوا ہے، جس کی یہ سزا ہے اور ظاہر ہے کہ نامناسب کام قسم نہیں، کیونکہ قسم بذاتِ خود بری چیز نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ قسمیں کھائی ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے بھی قسمیں کھائی ہیں، بلکہ نامناسب بات قسم توڑنا ہے کیونکہ قسم کھانے والے نے اللہ کا نام لے کر ایک عہد کیا ہے، پس اس کی خلاف ورزی میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہے اور کفارہ اس کی ایک طرح کی سزا ہے، اس لئے کفارۃُ الیمین کی تقدیر عبارت: کفارۃُ نقضِ الیمین ہے یعنی یہ قسم توڑنے کی سزا ہے پس قسم توڑ کر کفارہ دینا ضروری ہے، اگر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کیا تو اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ سبب ابھی نہیں پایا گیا، اور سبب سے پہلے مسبب کا تحقق نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

[۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ (وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ) قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ لَهُمُ الْحُمْلَانَ، إِذْ هُمْ مَعَهُ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ (وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ) فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّ أَصْحَابِي أَرْسَلُونِي إِلَيْكَ لِتَحْمِلَهُمْ، فَقَالَ: "وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ" وَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ وَلَا أَشْعُرُ، فَرَجَعْتُ حَزِينًا مِنْ مَنْعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْ مَخَافَةِ أَنْ يَكُونَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ عَلَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَأَخْبَرْتُهُمُ الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَلْبَثْ إِلَّا سُوَيْعَةً إِذْ سَمِعْتُ بِلَالًا يُنَادِي: أَيْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ فَأَجَبْتُهُ، فَقَالَ:

أَجِبْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوكَ، فَلَمَّا أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خُذْ هَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ، وَهَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ، وَهَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ، (لِسِتَّةِ أَبْعِرَةٍ ابْتَاعَهُنَّ حِينَئِذٍ مِنْ سَعْدٍ) فَانْطَلِقْ بِهِنَّ إِلَى أَصْحَابِكَ، فَقُلْ: إِنَّ اللهَ (أَوْقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَؤُلَاءِ، فَارْكَبُوهُنَّ"
قَالَ أَبُو مُوسَى: فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي بِهِنَّ، فَقُلْتُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَؤُلَاءِ، وَلَكِنْ، وَاللهِ لَا أَدَعُكُمْ حَتَّى يَنْطَلِقَ مَعِي بَعْضُكُمْ إِلَى مَنْ سَمِعَ مَقَالَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ سَأَلْتُهُ لَكُمْ، وَمَنْعَهُ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ، ثُمَّ إِعْطَائَهُ إِيَّايَ بَعْدَ ذَلِكَ، لَا تَظُنُّوا أَنِّي حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا لَمْ يَقُلْهُ، فَقَالُوا لِي وَاللهِ إِنَّكَ عِنْدَنَا لَمُصَدَّقٌ، وَلَنَفْعَلَنَّ مَا أَحْبَبْتَ، فَانْطَلَقَ أَبُو مُوسَى بِنَفَرٍ مِنْهُمْ، حَتَّى أَتَوُا الَّذِينَ سَمِعُوا قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْعَهُ إِيَّاهُمْ، ثُمَّ إِعْطَائَهُمْ بَعْدُ، فَحَدَّثُوهُمْ بِمَا حَدَّثَهُمْ بِهِ أَبُو مُوسَى سَوَاءً.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے میرے ساتھیوں نے نبی ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان کے لئے آپؐ سے سواریاں طلب کروں، کیونکہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ تنگی کے لشکر میں جانا چاہتے تھے، اور وہ غزوۂ تبوک ہے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ساتھیوں نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپؐ ان کو سواریاں عنایت فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: بخدا! میں تمہیں کوئی سواری نہیں دوں گا، اور اتفاقاً میں آپؐ سے ملا، درانحالیکہ آپؐ غصہ میں تھے، اور میں نہیں جانتا تھا، چنانچہ میں مغموم لوٹا، نبی ﷺ کے انکار کرنے کی وجہ سے اور اس اندیشہ سے کہ نبی ﷺ اپنے دل میں مجھ پر ناراض ہوئے ہوں (معلوم نہیں آپؐ کس پر ناراض تھے مگر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں آپؐ ان پر ناراض نہ ہوئے ہوں) پس میں اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور ان کو وہ بات بتائی جو نبی ﷺ نے فرمائی تھی، پس نہیں ٹھہرا میں مگر تھوڑی دیر (سُوَیْعَة: سَاعَة کی تصغیر ہے) کہ اچانک میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دیتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن قیس کہاں ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرمارہے ہیں، اور آپ کو بلاتے ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا: "یہ دو کا جوڑا لو، یہ دو کا جوڑا لو، یہ دو کا جوڑا لو" چھ اونٹوں کے بارے میں، آپؐ نے خریدا تھا ان کو اسی وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے — آپ ان کو لے کر جائیں اپنے ساتھیوں کے پاس اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ اونٹ سواری کے لئے دیئے ہیں، پس ان پر سوار ہو، میں ان کو لے کر ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا: نبی ﷺ نے تمہیں یہ اونٹ سواری کے لئے دیئے ہیں، مگر میں بخدا! نہیں چھوڑوں گا تمہیں، یہاں تک کہ چلیں میرے ساتھ تمہارے بعض اس شخص کی طرف جس نے نبی ﷺ کی بات سنی ہے (معلوم ہوا کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سواریاں طلب کیں اور نبی ﷺ نے انکار

کیا تو اس وقت اور بھی لوگ تھے) جب میں نے آپؐ سے سواری مانگی، اور آپؐ نے پہلی مرتبہ میں منع کیا پھر اس کے بعد مجھے یہ سواریاں دیں، تا کہ نہ گمان کرو تم کہ میں نے تم سے بیان کی ہے ایسی بات جو نبی ﷺ نے نہیں فرمائی، ساتھیوں نے مجھ سے کہا: بخدا! بیشک آپ ہمارے نزدیک یقیناً سچے ہیں، اور ہم ضرور کریں گے وہ بات جو آپ کو پسند ہے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ساتھیوں میں سے ایک جماعت کے ساتھ چلے یہاں تک کہ پہنچے وہ ان لوگوں کے پاس جنھوں نے نبی ﷺ سے سواریاں نہ دینے کی بات سنی تھی، پھر آپؐ نے ان کو بعد میں سواریاں دیں، پس بیان کیا انھوں نے اس کے مانند جو بات ان سے ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہی تھی (یعنی ان حضرات نے تصدیق کی کہ ابوموسیٰؓ نے صحیح کہا، پہلے نبی ﷺ نے انکار کیا تھا، پھر بلا کر دیں)

تشریح: مذکورہ دونوں حدیثیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہیں، اور دونوں میں ایک ہی واقعہ ہے، مگر ان میں چند باتیں مختلف ہیں: مثلاً: گذشتہ حدیث میں یہ تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ قوم کے چند افراد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے تھے اور یہاں یہ ہے کہ وہ تنہا خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور قبیلہ والوں کے لئے سواریاں مانگی تھیں، اسی طرح گذشتہ حدیث میں تین اونٹ عنایت فرمانے کی بات تھی اور یہاں چھ اونٹوں کی بات ہے، اسی طرح گذشتہ حدیث میں تھا کہ وہ اونٹ کہیں سے آئے تھے اور یہاں یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے (بیت المال کے حساب میں) خریدے تھے: غرض یہ سب واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے جن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

[٩-] حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَعَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ عَاصِمٍ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ، قَالَ أَيُّوبُ: وَأَنَا لِحَدِيثِ الْقَاسِمِ أَحْفَظُ مِنِّي لِحَدِيثِ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى، فَدَعَا بِمَائِدَتِهِ وَعَلَيْهَا لَحْمُ دَجَاجٍ، فَدَخَلَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ، شَبِيهٌ بِالْمَوَالِي، فَقَالَ لَهُ: هَلُمَّ فَتَلَكَّأَ، فَقَالَ: هَلُمَّ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ، فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ، فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ، فَقَالَ: هَلُمَّ أُحَدِّثُكَ عَنْ ذٰلِكَ، إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ، فَقَالَ: "وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَهْبِ إِبِلٍ، فَدَعَا بِنَا، فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى، قَالَ: فَلَمَّا انْطَلَقْنَا، قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ: أَغْفَلْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينَهُ، لَا يُبَارَكُ لَنَا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ، فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا أَتَيْنَاكَ نَسْتَحْمِلُكَ، وَإِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا، ثُمَّ حَمَلْتَنَا، أَفَنَسِيتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "إِنِّي وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَتَحَلَّلْتُهَا عَنْ يَمِينِي، فَانْطَلِقُوا، فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ"

وضاحت: یہ حدیث ایوب سختیانی رحمہ اللہ: ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں، اور قاسم سے بھی، اور فرماتے ہیں کہ مجھے قاسم کی حدیث زیادہ محفوظ ہے۔

ترجمہ: زہدم کہتے ہیں: ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس دستر خان بچھا اور اس پر مرغی کا گوشت تھا یعنی کھانے میں مرغی تھی اور آپ کے پاس بنوتیم اللہ کا ایک آدمی تھا جو سرخ تھا گویا وہ آزاد کردہ ہے، پس حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کو کھانے پر بلایا، اس نے معذرت کی، اور اس نے کہا: میں نے اس کو کوئی چیز کھاتے دیکھا ہے یعنی نجاست کھاتے ہوئے دیکھا ہے، پس مجھے اس سے گھن آئی اور میں نے قسم کھائی کہ میں مرغی نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا: آ (اور کھا) میں اس سلسلہ میں تجھے حدیث سناتا ہوں، میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، قبیلہ اشعر کے چند لوگوں کے ساتھ، ہم آپؐ سے سواری کے اونٹ طلب کر رہے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: بخدا! میں تمہیں سواری کے اونٹ نہیں دوں گا، اور میرے پاس اونٹ ہیں بھی نہیں، جو میں تمہیں دوں، پھر نبی ﷺ کے پاس غنیمت کے اونٹ آئے تو آپؐ نے ہمارے بارے میں پوچھا کہ قبیلہ اشعر کے لوگ کہاں ہیں؟ پس آپؐ نے ہمارے لئے پانچ اونٹوں کا حکم دیا، جن کی کوہانیں سفید تھیں، ہم لے کر چلے، پھر ہم نے کہا: ہم نے کیا کیا؟ ہمارے لئے برکت نہیں ہوگی، پس ہم آپؐ کی طرف واپس لوٹے، اور عرض کیا: ہم نے آپؐ سے سواریاں مانگی تھیں، آپؐ نے قسم کھائی تھی کہ آپؐ ہمیں سواریاں نہیں دیں گے، تو کیا آپؐ اپنی قسم بھول گئے؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے تمہیں سواریاں نہیں دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، اور میں بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کوئی قسم نہیں کھاؤنگا، پھر دیکھوں گا کہ اس کے علاوہ میں خیر ہے تو میں وہ کام کرونگا جو بہتر ہے، اور میں اپنی قسم کو کھول لونگا۔

لغات: تَلَكَّا تَلَكُّوًا علیہ: عذر کرنا، بہانا کرنا ــــ عن الأمر: دیر کرنا، ہچکچانا ــــ قَذِرَ الشیئَ (س) قَذَرًا وَقَذُرَ الشیئَ: مکروہ جاننا، پرہیز کرنا، گندا سمجھنا ــــ تَحَلَّل کے معنی ہیں: ایسی قسم کھانا جس کے خلاف کرنے سے کفارہ واجب نہ ہو، آپؐ نے جو قسم کھائی تھی وہ ایسی ہی تھی۔

وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيهِ، لَحْمُ دَجَاجٍ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

وضاحت: یہ حدیث ایوب سختیانی سے عبدالوہاب ثقفی نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث حماد بن زید نے روایت کی تھی ــــ زہدم جرمی کہتے ہیں: قبیلۂ جرم اور قبیلۂ اشعر کے درمیان دوستی اور بھائی چارہ تھا، اور ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس ان کے کھانا قریب کیا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا، آگے حدیث حماد کی حدیث

کی طرح ہے ـــــ حضرت ابوموسیٰ حضرت عثمانؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، اس زمانہ کا مذکورہ واقعہ ہے۔

وحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ عُلَيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى، وَاقْتَصُّوا جَمِيعًا الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ.

وضاحت: یہ حدیث ایوب سختیانی سے اسماعیل ابن امیہ، سفیان اور وُہیب نے روایت کی ہے اور اسماعیل ابن علیہ نے استاذ الاستاذ صرف قاسم کو اور سفیان نے صرف ابوقلابہ کو بیان کیا ہے اور وُہیب دونوں کو بیان کرتے ہیں، اور سب نے حماد بن زید کی حدیث کے مانند (جو گذشتہ سے پیوستہ حدیث ہے) واقعہ بیان کیا ہے۔

وحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا الصَّعْقُ يَعْنِي ابْنَ حَزْنٍ، حَدَّثَنَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ، حَدَّثَنَا زَهْدَمٌ الْجَرْمِيُّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَىٰ أَبِي مُوسَى، وَهُوَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ، وَزَادَ فِيهِ، قَالَ: "إِنِّي وَاللّٰهِ مَا نَسِيتُهَا"

وضاحت: یہ حدیث زہدم جرمی سے مطر الورّاق نے روایت کی ہے اور ایوب سختیانی کے تلامذہ کے مانند روایت کی ہے، البتہ ان کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قسم بخدا! میں اس کو (قسم کو) بھولا نہیں ہوں" ایوب کے تلامذہ یہ جملہ روایت نہیں کرتے۔

[۱۰-] وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ ضُرَيْبِ بْنِ نُقَيْرٍ الْقَيْسِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ: "مَاعِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ، وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ" ثُمَّ بَعَثَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثَةِ ذَوْدٍ بُقْعِ الذُّرَى، فَقُلْنَا: إِنَّا أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ، فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا، فَأَتَيْنَاهُ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: "إِنِّي لَا أَحْلِفُ عَلَىٰ يَمِينٍ، أَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ"

وضاحت: یہ حدیث زہدم جرمی سے ضُریب بن نُقیر قیسی نے روایت کی ہے ـــــ قوله: بُقْعُ الذُّرَى: چتکبرے کوہان والے اونٹ ـــــ الأَبْقَع: سیاہ سفید داغوں والا، مؤنث: بَقْعَاء، جمع: بُقْع۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى التَّيْمِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيهِ، حَدَّثَنَا أَبُو السَّلِيلِ عَنْ زَهْدَمٍ يُحَدِّثُهُ، عَنْ أَبِي مُوسَىٰ، قَالَ: كُنَّا مُشَاةً فَأَتَيْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ، بِنَحْوِ حَدِيثِ جَرِيرٍ.

وضاحت: اس حدیث کو زہدم جرمی سے ابو السلیل نے روایت کیا ہے اور تحدیث کی صراحت کی ہے ــــ
المُشاة: المَاشِيُ کی جمع :من العَسکر: پیدل دستہ۔

[۱۱-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَعْتَمَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ فَوَجَدَ الصِّبْيَةَ قَدْ نَامُوا، فَأَتَاهُ أَهْلُهُ بِطَعَامِهِ، فَحَلَفَ لَا يَأْكُلُ، مِنْ أَجْلِ صِبْيَتِهِ، ثُمَّ بَدَا لَهُ فَأَكَلَ، فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِکَ لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيَأْتِهَا، وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر (عشاء پڑھ کر تاخیر سے) وہ گھر گیا تو اس نے بچوں کو سوتا ہوا پایا، پس گھر والوں نے اس کے سامنے کھانا رکھا تو اس نے قسم کھالی کہ وہ بچوں (کے سوجانے) کی وجہ سے کھانا نہیں کھائے گا، پھر اس کی رائے کھانے کی ہوئی تو اس نے کھانا کھالیا، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ آپؐ کے گوش گذار کیا، پس آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی قسم کھائے پھر وہ اس کے علاوہ میں (قسم کے برخلاف بات میں) بھلائی دیکھے تو وہ بھلا کام کرلے اور قسم کا کفارہ دے''

لغت: اَعْتَمَ قِرَى الضَّيْفِ: مہمانی کے کھانے میں دیر کرنا دیر ہونا (لازم ومتعدی) ــــ حاجَتَه: مؤخر کرنا ــــ اللیلُ: رات کا ایک حصہ گذر جانا ــــ الرجلُ: تاریکی میں چلنا یا داخل ہونا ــــ عَتَم (ض) عَتمًا اللیلُ: رات کا ایک حصہ گذرنا ــــ عن الأمر: کام کرتے کرتے رک جانا ــــ قِرَى الضَّيفِ: مہمانی کے کھانے میں دیر کرنا۔

[۱۲-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي مَالِکٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَفْعَلْ"

[۱۳-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ، عَنْ سُهَيْلِ ابْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ"

[۱۴-] وحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ) حَدَّثَنِي سُهَيْلٌ فِي هَذَا الإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ: "فَلْيُكَفِّرْ يَمِينَهُ وَلْيَفْعَلْ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ"

وضاحت: یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں جن کو سہیل بن ابی صالح نے اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ اور سہیل سے امام مالک، عبدالعزیز بن المطلب اور سلیمان بن بلال نے روایت کیا ہے، امام مالک اور عبد العزیز کی روایتیں یکساں ہیں البتہ سلیمان کی روایت لفظاً ذرا مختلف ہے مگر معنی ومفہوم ایک ہے۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ (يَعْنِي ابْنَ رُفَيْعٍ) عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ قَالَ: جَاءَ سَائِلٌ إِلَى عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، فَسَأَلَهُ نَفَقَةً فِي ثَمَنِ خَادِمٍ أَوْ فِي بَعْضِ ثَمَنِ خَادِمٍ، فَقَالَ: لَيْسَ عِنْدِي مَا أُعْطِيكَ إِلَّا دِرْعِي وَمِغْفَرِي، فَأَكْتُبُ إِلَى أَهْلِي أَنْ يُعْطُوكَهَا، قَالَ: فَلَمْ يَرْضَ، فَغَضِبَ عَدِيٌّ، فَقَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَا أُعْطِيكَ شَيْئًا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ رَضِيَ، فَقَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ رَأَى أَتْقَى لِلَّهِ مِنْهَا، فَلْيَأْتِ التَّقْوَى" مَا حَنَّثْتُ يَمِينِي.

ترجمہ: تمیم بن طرفہ کہتے ہیں: ایک سائل عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ —— جو مشہور سخی حاتم طائی کے صاحبزادے ہیں —— کے پاس آیا اور ان سے ایک غلام کی قیمت کے بقدر یا بعض غلام کی قیمت کے بقدر رقم کا مطالبہ کیا (یعنی اتنی رقم مانگی جس سے ایک غلام یا بعض غلام خریدا جا سکے) حضرت عدیؓ نے فرمایا: میرے پاس تجھے دینے کے لئے کچھ نہیں سوائے میرے لوہے کے کرتے اور لوہے کے ٹوپے کے، البتہ میں گھر والوں کو لکھ دیتا ہوں کہ وہ تجھے اتنی رقم دیدیں، مگر وہ راضی نہ ہوا، پس حضرت عدیؓ کو غصہ آ گیا اور آپؓ نے فرمایا: قسم بخدا! میں تجھے کچھ نہیں دوں گا، پس وہ بندہ راضی ہو گیا (کہ ٹھیک ہے آپ گھر والوں کو لکھ دیں، میں ان سے لے لوں گا) پس حضرت عدیؓ نے فرمایا: سن! اگر میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ: —— "جو شخص کسی بات پر قسم کھائے پھر اللہ کے لئے اس سے بہتر بات دیکھے تو چاہئے کہ وہ بہتر بات پر عمل کرے" —— تو میں اپنی قسم میں حانث نہ ہوتا، یعنی صرف اس حدیث کی وجہ سے قسم توڑ کر گھر والوں کو لکھ رہا ہوں۔

[۱۶-] وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَلْيَتْرُكْ يَمِينَهُ"

[۱۷-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْبَجَلِيُّ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ طَرِيفٍ)

قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ تَمِيمِ الطَّائِيِّ، عَنْ عَدِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا حَلَفَ أَحَدُكُمْ عَلَى الْيَمِينِ، فَرَأَى خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْهَا، وَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ"

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ تَمِيمِ الطَّائِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ.

[۱۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ، وَأَتَاهُ رَجُلٌ يَسْأَلُهُ مِائَةَ دِرْهَمٍ، فَقَالَ تَسْأَلُنِي مِائَةَ دِرْهَمٍ، وَأَنَا ابْنُ حَاتِمٍ، وَاللّٰهِ لَا أُعْطِيكَ، ثُمَّ قَالَ: لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ رَأَى خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ"

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ تَمِيمَ بْنَ طَرَفَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَذَكَرَ مِثْلَهُ، وَزَادَ وَلَكَ أَرْبَعُ مِائَةٍ فِي عَطَائِي.

وضاحت: یہ سب حدیثیں بھی حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی ہیں، جو تمیم بن طرفہ طائی نے روایت کی ہیں، اور تمیم سے سماک بن حرب اور عبدالعزیز بن رُفیع روایت کرتے ہیں، پھر عبدالعزیز سے شعبہ، اعمش اور شیبانی روایت کرتے ہیں اور سماک بن حرب سے تنہا شعبہ نے روایت کیا ہے اور ان سے محمد بن جعفر اور بہز روایت کرتے ہیں۔

حدیث (نمبر ۱۸) کا ترجمہ: تمیم کہتے ہیں: میں نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا درانحالیکہ آپ کے پاس ایک شخص آیا تھا، جس نے آپ سے سو درہم کا مطالبہ کیا تھا، آپؓ نے فرمایا: تو مجھ سے سو درہم مانگ رہا ہے جبکہ میں حاتم کا بیٹا ہوں (وہ حضرت عدیؓ کو کنجوس اور بخیل ثابت کرنا چاہتا تھا، اس لئے حضرت عدیؓ کو غصہ آ گیا اور آپ نے قسم کھالی، فرمایا:) خدا کی قسم! میں تجھے نہیں دوں گا، پھر فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو شخص کوئی قسم کھائے پھر وہ اس سے بہتر بات دیکھے تو چاہئے کہ بہتر بات پر عمل کرے"

اور آخری روایت میں جس کو بہز نے بواسطہ شعبہ حضرت سماک سے روایت کیا ہے یہ اضافہ ہے کہ: حضرت عدیؓ نے فرمایا: تیرے لئے میری طرف سے چار سو درہم بخشش ہیں۔

[۱۹-] حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى

يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ، وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ".
قَالَ أَبُو أَحْمَدَ الْجُلُودِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْمَاسَرْجَسِيُّ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ بِهَذَا الْحَدِيثِ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عبدالرحمٰن! امارت (سرداری) طلب مت کر اگر تمہارے پاس امارت طلب کرنے سے آئے گی تو تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا یعنی امارت کے کاموں میں اللہ کی طرف سے/لوگوں کی طرف سے مدد نہیں کی جائے گی، اور اگر درخواست (چاہنے) کے بغیر امارت آئے گی تو اس کے کاموں میں تمہاری مدد کی جائے گی، اور جب تم کوئی قسم کھاؤ، پھر اس کے علاوہ میں خیر دیکھو تو قسم کا کفارہ دیدو، اور وہ کام کرو جو بہتر ہے۔

قال أبو أحمد الجلودی: یہ مسلم شریف کے راوی ہیں، وہ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد سے مسلم شریف روایت کرتے ہیں مگر یہ حدیث ابوالعباس ماسرجسی کے واسطہ سے شیبان بن فروخ سے روایت کی ہے، جو امام مسلم کے استاذ ہیں پس سند عالی ہوگئی اس لئے کہ دو کے بجائے ایک واسطہ رہ گیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور شیخ ابواسحاق کا واسطہ ختم ہو گیا اور صرف ابوالعباس کا واسطہ رہا، پس سند عالی ہوگئی، اسی عالی سند کو بیان کرنا مقصود ہے۔

حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يُونُسَ وَمَنْصُورٍ وَحُمَيْدٍ، (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ وَهِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، فِي آخَرِينَ (ح) وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيهِ (ح) وحَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ أَبِيهِ، ذِكْرُ الإِمَارَةِ.

وضاحت: یہ حدیث یونس، منصور، حمید، سماک بن عطیہ، ہشام بن حسان، معتمر کے والد اور قتادہ رحمہم اللہ: حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، مگر معتمر کی حدیث میں جس کو وہ اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں: امارت طلب کرنے والا مضمون نہیں ہے۔

۴- بَابُ يَمِينِ الْحَالِفِ عَلَى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ

یمین میں قسم کھلانے والے کی نیت کا اعتبار ہے؟

یمین میں حالف (قسم کھانے والے) کی نیت کا اعتبار ہے یا مستحلف (قسم کھلانے والے) کی؟ یعنی اگر قسم کھانے

والا الفاظ یمین سے ظاہری معنی کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لے جبکہ مُستحلف نے ظاہری معنی مراد لئے ہوں تو نیت کس کی معتبر ہوگی؟ یعنی قسم کو حالف کی نیت پر محمول کریں گے یا مستحلف کی نیت پر؟ اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے الاشباہ والنظائر میں یہ فرمایا ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ اگر حالف مظلوم ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر وہ ظالم ہے اور مستحلف مظلوم ہے تو پھر مستحلف کی نیت کا اعتبار ہوگا (الاشباہ والنظائر ۱:۱۷۶)

[۲۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَعَمْرٌو النَّاقِدُ (قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، وقَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي صَالِحٍ) عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَمِينُكَ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ" وقَالَ عَمْرٌو: "يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ"

[۲۱-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْيَمِينُ عَلَى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تیری قسم اسی معنی پر محمول ہوگی جس معنی کی تیرا ساتھی تصدیق کرے" یعنی مُستحلف کی نیت کا اعتبار ہوگا ـــــ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے دوسرے استاذ عمرو الناقدؒ کی حدیث میں علیہ کی جگہ بہ ہے۔

سند: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ابوصالح نے روایت کی ہے اور ان سے دو صاحبزادے: عبداللہ اور عبّاد روایت کرتے ہیں۔

عام لفظ سے خاص کی نیت کرنے کا حکم:

یمین میں عام لفظ بول کر اس سے کوئی مخصوص چیز مراد لینے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسی نیت معتبر ہے؟ مثلاً: کسی نے یہ بات کہی کہ: "میں جس غلام کا بھی مالک ہوؤں وہ آزاد ہے" اور پھر یہ دعوی کرے کہ اس کی نیت فلاں شہر کے غلام تھے، یہ عام میں خاص کی نیت کرنا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ ـــــ ایسی نیت دیانۃً معتبر ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ قضاءً معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، خصّافؒ کے نزدیک قضاءً بھی یہ نیت معتبر ہے، مگر دیگر فقہاء احناف کے نزدیک قضاءً یہ نیت معتبر نہیں، چنانچہ مذکورہ مثال میں دیانۃً تو غلام آزاد نہیں ہونگے، اور خصافؒ کے نزدیک قضاءً بھی آزاد نہ ہونگے، مگر دیگر فقہاء کے نزدیک قضاءً آزاد ہو نگے۔ علامہ ابن نُجیم مصریؒ نے الاشباہ والنظائر (۱:۱۷۵) میں فرمایا ہے کہ اگر حالف مظلوم ہو تو خصافؒ کے قول پر فتوی ہوگا، غرض مذکورہ مثال میں اگر حالف کو مجبور کیا گیا ہو اور اس نے بحالت اکراہ یہ اقرار کیا ہو کہ: وہ جس غلام کا بھی مالک ہو وہ آزاد ہے، اور قاضی یہ بات جانتا ہو تو وہ خصافؒ کے قول کے مطابق

فیصلہ کرے گا، بصورت دیگر جمہور کے قول کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

جاننا چاہئے کہ تخصیص عام میں نیت کا مذکورہ حکم اس وقت ہے جب کہ حالف نے عام لفظ کا تلفظ کیا ہو، اگر حالف نے عام لفظ کا تلفظ نہ کیا ہو تو راجح قول کے مطابق تخصیص کی نیت مطلقاً معتبر نہ ہوگی، نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں دیانۃً نیت معتبر ہوگی، خصافؒ نے اسی کو پسندیدہ قول قرار دیا ہے۔

یمین میں حالف کی نیت معتبر ہوگی یا مُستحلف کی؟

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یمین میں حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا یا مُستحلف کی؟ اس سلسلہ میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر حالف مظلوم ہے تو اس کی نیت معتبر ہوگی اور وہ ظالم ہے تو مُستحلف کی نیت معتبر ہوگی، جیسا کہ اوپر گذرا۔

۵- بَابُ الاِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ وَغَيْرِهَا

قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملا کر کہنے کا حکم

باب میں استثناء کے معنی ہیں: قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملانا، اگر قسم کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہہ لیا تو قسم منعقد نہیں ہوگی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور یہی حکم طلاق، عتاق، نکاح اور رجعت وغیرہ تمام ایمان کا ہے، جن میں اقالہ نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے: أنتِ طالق إن شاء الله (اگر اللہ چاہے تو تجھے طلاق) تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ نے چاہا یا نہیں: اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

[۲۲-] حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي الرَّبِيعِ) قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ) حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِسُلَيْمَانَ سِتُّونَ امْرَأَةً، فَقَالَ: لَأَطُوفَنَّ عَلَيْهِنَّ اللَّيْلَةَ، فَتَحْمِلُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ، فَتَلِدُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا فَارِسًا، يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا وَاحِدَةٌ، فَوَلَدَتْ نِصْفَ إِنْسَانٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَ اسْتَثْنَى، لَوَلَدَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ"

[۲۳-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ: (وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي عُمَرَ) قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ ابْنِ حُجَيْرٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَالَ سُلَيْمَانُ ابْنُ دَاوُدَ نَبِيُّ اللّٰهِ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً، كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِغُلَامٍ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ، أَوِ الْمَلَكُ: قُلْ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَلَمْ يَقُلْ، وَنَسِيَ، فَلَمْ تَأْتِ وَاحِدَةٌ مِنْ نِسَائِهِ، إِلَّا وَاحِدَةٌ جَاءَ تْ بِشِقِّ غُلَامٍ" فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَلَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، لَمْ يَحْنَثْ،

وَكَانَ دَرَكًا لَهُ فِي حَاجَتِهِ"
وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ أَوْ نَحْوَهُ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت سلیمان علیہ السلام کو کوئی معرکہ پیش آیا، انھوں نے درباریوں سے جہاد کرنے کے لئے کہا، مگر ان کی طرف سے سردمہری دیکھی پس حضرت کا دل ٹوٹ گیا، جیسے حدیبیہ میں نبی ﷺ نے صحابہ کو احرام کھولنے کا حکم دیا، لوگوں نے فوراً تعمیل نہ کی تو آپ کو ناراضگی ہوئی، پس سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے کہا: آج رات میں اپنی سب بیویوں کے پاس جاؤں گا، حضرت کی ساٹھ بیویاں تھیں، اور دوسری روایت میں ستر آیا ہے، وہ سب لڑکے جنیں گی جو بڑے ہوکر شہسوار بنیں گے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے، تمہاری کچھ ضرورت نہیں، ان کے ساتھی یا فرشتہ نے یاد دلایا: ان شاء اللہ کہہ لیں، مگر آپؐ ناراضگی کی وجہ سے ان شاء اللہ نہیں کہہ سکے، پھر آپ حسب وعدہ سب بیویوں کے پاس گئے، مگر کسی کے حمل نہیں ٹھہرا، ایک کے ٹھہرا، مگر ناتمام بچہ پیدا ہوا، دائی نے لاکر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں تخت شاہی پر پیش کیا، سورہ ص میں اسی کا ذکر ہے: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾: واقعہ یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا، اور ہم نے ان کے تخت پر ایک ادھورا بچہ ڈالا، پس انھوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

یہ واقعہ بیان کر کے نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو اللہ تعالیٰ ہر بیوی سے لڑکا عنایت فرماتے، اور وہ سب راہِ خدا میں جہاد کرتے۔

وضاحت: پہلی حدیث کے راوی محمد بن سیرینؒ اور دوسری حدیث کے راوی طاؤسؒ ہیں اور طاؤس کے ہم مثل یا ہم معنی اعرج بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں —— اور مثل اور نحو میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ مثل میں الفاظ میں بھی موافقت ہوتی ہے اور نحو میں صرف معنی میں موافقت ہوتی ہے، الفاظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ ضروری نہیں کہ ان شاء اللہ کہنے سے ہر مقصد پورا ہوجائے، یہ بات اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کا علم نہیں ہوسکتا، اور نبی ﷺ نے جو فرمایا کہ ان کی ہر بیوی لڑکا جنتی یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت ہے، جیسے یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں ایک تسبیح پڑھی تو ان کو نجات ملی، یہ بھی آپؐ کے ساتھ خاص ہے، مگر جس طرح آیت کریمہ کا ورد تکمیل مقاصد میں مفید ہے اسی طرح ان شاء اللہ کہہ لینا بھی مقصد کی برآری میں معین ہے۔

سوال: ایک رات میں سو یا ننانوے یا ساٹھ بیویوں سے کیسے ہم کنار ہونگے؟ یہ بات انسان کی استطاعت سے باہر ہے!

جواب: یہ خرق عادت (معجزہ) ہے، علاوہ ازیں قوتیں دن بدن گھٹ رہی ہیں، پہلے زمانہ میں لوگوں میں اور خاص طور پر انبیاء میں اتنی قوت ہوتی تھی کہ متعدد عورتوں سے ایک رات میں ہم کنار ہوسکیں، جیسے نبی ﷺ ایک رات میں نو بیویوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں، اور غیر معمولی طاقت کا ہونا حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھا، سبھی انبیاء کو یہ بات حاصل تھی۔ عمدۃ القاری میں ہے: سَمِعْتُ بَعْضَ الْمَشَايِخِ الْكِبَارِ الثِّقَاتِ أن كل نبيٍّ من الأنبياء عليهم السلام أُعْطِيَ قُوَّةَ أَرْبَعِينَ (عمدہ: ۱۴: ۱۱۶)

[۲۴-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: لَأُطِيفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ، غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَقِيلَ لَهُ: قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَلَمْ يَقُلْ، فَأَطَافَ بِهِنَّ فَلَمْ تَلِدْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا لِحَاجَتِهِ"

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طاؤسؒ نے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ستر بیویوں کا تذکرہ ہے، اور بعض روایت میں نوّے اور بعض میں ننانوے اور سو کا بھی ذکر ہے، اور یہ کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ اعداد میں قاعدہ ہے کہ اقل: اکثر کی نفی نہیں کرتا پس بڑے عدد میں تمام چھوٹے اعداد داخل ہونگے، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض بیویاں تھیں اور بعض باندیاں، اس معنی کر یہ اختلاف ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ متعلقات کا اختلاف ہے جس کی طرف التفات کی قطعاً حاجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[۲۵-] وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: لَأُطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً، كُلُّهَا تَأْتِي بِفَارِسٍ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قُلْ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَلَمْ يَقُلْ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ جَمِيعًا، فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ، فَجَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ، وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ"

وحَدَّثَنِيهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "كُلُّهَا تَحْمِلُ غُلَامًا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"

وضاحت: اس حدیث کو اعرج سے ابو الزناد نے روایت کیا ہے اور ابو الزناد سے ورقاء اور موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے

ہیں، اور دونوں کی روایتوں میں صرف ایک فرق ہے، موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بفارسٍ کے بجائے غلاماً ہے۔

٦- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الإِصْرَارِ عَلَى الْيَمِينِ فِيمَا يَتَأَذَّى بِهِ أَهْلُ الْحَالِفِ مِمَّا لَيْسَ بِحَرَامٍ

جو شخص جائز مگر غیر اولیٰ بات کی قسم کھائے جس میں گھر والوں کا نقصان ہو تو اس کو قسم پر اصرار نہیں کرنا چاہئے

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی فیملی (ماں، باپ، بیوی، بچوں) کے بارے میں کوئی قسم کھالے مثلاً یہ کہ وہ ان سے بولے گا نہیں یا حسن سلوک نہیں کرے گا یا اس کو رکھے گا نہیں تو ایسی قسم توڑ دینی چاہئے، اور کفارہ دیدے، اس پر اڑنا نہیں چاہئے، اور قسم توڑنا بھی اگرچہ گناہ ہے، مگر اس کا کفارہ (تلافی) ہے، کفارہ ادا کرنے سے گناہ معاف ہو جائے گا، اور اگر وہ اپنی قسم پر اڑا رہا تو طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو گا، جن کا کوئی کفارہ نہیں۔

[٢٦-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاللَّهِ لَأَنْ يَلَجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ، آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي فَرَضَ اللَّهُ"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بخدا! یقیناً یہ بات ہے کہ تم میں سے ایک ضد کرے اپنی قسم پر اپنی فیملی کے بارے میں زیادہ گنہگار بنانے والا ہے اس کو اللہ کے نزدیک اس بات سے کہ وہ قسم کا وہ کفارہ دے جو اللہ نے اس (قسم توڑنے) پر مقرر کیا ہے۔

لغت: لَجَّ (ض، س): ضد کرنا، چھوڑنے پر تیار نہ ہونا...... آثَمُ (اسم تفضیل) اَن یَلِجَ کی خبر۔

تشریح: اگر گناہ و معصیت کی قسم کھائے تو اس کو توڑنا واجب ہے یعنی قسم پر عمل کرنا جائز نہیں، اور احناف و حنابلہ کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہے، اور شوافع و مالکیہ کے نزدیک وہ یمین لغو ہے، اس کا کوئی کفارہ نہیں، تفصیل گذر چکی ہے —— البتہ اگر کسی جائز مگر خلافِ اولیٰ بات کی قسم کھائے مثلاً مہمان کی مہمانی نہ کرنے کی قسم کھائے تو وہ قسم توڑ دینی چاہئے اور اس کا کفارہ دے، اس قسم پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، قسم توڑنا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر اس کی تلافی (کفارہ) ہے، کفارہ ادا کرنے سے گناہ معاف ہو جائے گا۔ آثَمُ: اسم تفضیل میں اسی طرح اشارہ ہے۔

٧- بَابُ نَذْرِ الْكَافِرِ وَمَا يَفْعَلُ فِيهِ إِذَا أَسْلَمَ

زمانۂ کفر میں مانی ہوئی منت کا حکم

اگر کوئی شخص حالت کفر میں منت مانے اور اس کو پورا کرنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو اگر وہ طاعت وعبادت کی منت ہے تو مسلمان ہونے کے بعد اس منت کو پورا کرنا چاہئے۔

[٢٧-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ) قَالُوا: حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: "فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ کفر میں یہ منت مانی تھی کہ میں ایک رات بیت اللہ میں طواف کروں گا، آپؐ نے فرمایا: "اپنی نذر پوری کرلو"

تشریح: اگر کوئی شخص حالت کفر میں کوئی منت مانے اور اس کو پورا کرنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو کیا مسلمان ہونے کے بعد اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے؟ بعض شافعیہ [1] اور ظاہریہ کے نزدیک اگر وہ معصیت کی منت نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی دلیل باب کی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانۂ جاہلیت کی منت پوری کرنے کا حکم دیا تھا، معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر کی منت کا وفا مسلمان ہونے کے بعد ضروری ہے، اور حنفیہ، مالکیہ اور اکثر شوافع کے نزدیک حالت کفر کی منت کا وفا واجب نہیں، کیونکہ کفار فروع کے مکلّف نہیں، البتہ اگر نذر معصیت کی نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا مستحب ہے، اور باب کی حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے۔

جاننا چاہئے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، منت بھی ایسا ہی ایک عمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اس منت کا بوجھ تھا، چنانچہ موقع میسر آتے ہی اس کے بارے میں دریافت کیا اور چونکہ وہ منت طاعت کی تھی اور اس کو پورا کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے ان کو منت پوری کرنے کی اجازت دی، تاکہ ان کی طبیعت پر سے بوجھ ہٹ جائے۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک انعقاد نذر کے لئے اسلام شرط ہے، اس لئے کہ غیر مسلم فروعی احکام کے مکلّف نہیں۔ نبی

(۱) زمانۂ کفر کی منت کے سلسلہ میں احناف ومالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب نہیں، صرف مستحب ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کی ایک ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ منت پوری کرنا واجب ہے، ظاہریہ (غیر مقلدین) اسی کے قائل ہیں ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنّما النَّذْرُ ما ابْتَغی به وجهَ الله: یعنی نذر وہی ہے جس میں رضاءِ الٰہی مقصود ہو، اور ظاہر ہے کہ کافر کا فعل رضاءِ الٰہی کے لئے نہیں، پس اس کی نذر معتبر نہیں، یہ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے اور طحاوی میں ہے، اور بھز بن حکیم عن أبیه کے طریق سے یہ مروی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اتنی اور اتنی قسمیں کھا رکھی تھیں ـــــ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا ـــــ کہ نہ آپؐ کے پاس آؤں گا اور نہ آپؐ کا مذہب قبول کروں گا، مگر آ گیا ہوں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قسموں کا کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر کی یمین ونذر کا کوئی حکم نہیں۔

مقاماتِ مقدسہ میں عبادت کی نذر ماننے کا حکم:

نذر: زمان ومکان کے ساتھ مقید نہیں ہوتی، پس کسی مقدس مقام میں نماز پڑھنے کی یا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو کسی بھی جگہ نماز پڑھ لینے سے اور اعتکاف کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔ خاص اسی جگہ میں جہاں کی نذر مانی ہے نماز پڑھنا اور اعتکاف کرنا ضروری نہیں، احناف کے یہاں یہی مفتی بہ قول ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعلیٰ وادنیٰ کا فرق ہوگا، یعنی جس جگہ میں عبادت کی نذر مانی ہے اس سے فضیلت میں بڑھی ہوئی جگہ میں عبادت کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی اور ادنیٰ جگہ میں عبادت کرنے سے نذر پوری نہیں ہوگی پس مسجدِ نبوی یا بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی اور برعکس صورت میں نذر پوری نہ ہوگی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی بھی یہ ایک روایت ہے ـــــ ابوداؤد شریف میں یہ حدیث ہے کہ ایک صحابی نے نذر مانی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو وہ مسجدِ اقصیٰ میں دو نفلیں پڑھے گا، فتح مکہ کے بعد جب اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے اس کو وہیں مسجد الحرام میں نفلیں پڑھنے کے لئے کہا اور اس سے نذر پوری ہو جانے کی بات فرمائی، یہ حدیث کسی کے مخالف نہیں، اور ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مسئلہ بیان کیا ہے۔

ملحوظہ: اعتکاف کی نذر میں روزہ شرط ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب الصوم میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

وحَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ (يَعْنِي الثَّقَفِيَّ) (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ حَفْصٌ، مِنْ بَيْنِهِمْ: عَنْ عُمَرَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، أَمَّا أَبُو أُسَامَةَ وَالثَّقَفِيُّ فَفِي حَدِيثِهِمَا: اعْتِكَافُ لَيْلَةٍ، وَأَمَّا فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ فَقَالَ: جَعَلَ عَلَيْهِ يَوْمًا يَعْتَكِفُهُ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ حَفْصٍ، ذِكْرُ يَوْمٍ وَلَا لَيْلَةٍ.

وضاحت: عبید اللہ سے یہ حدیث ابو اسامہ، عبدالوہاب ثقفی، حفص بن غیاث اور شعبہ رحمہم اللہ بھی روایت کرتے ہیں، اوران کی روایتوں میں ایک فرق تو یہ ہے کہ حفص بن عیاث تنہا عن عمر کہتے ہیں، یعنی دیگر تلامذہ کا بیان یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے ان سے روایت نہیں کیا، اور حفص کی روایت میں حضرت عمرؓ سے روایت کرنے کی بات ہے ـــــ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ابو اسامہؒ اور عبدالوہاب ثقفیؒ کی روایت میں رات کے اعتکاف کی نذر ماننے کی بات ہے اور شعبہؒ کی روایت میں دن کے اعتکاف کی، اور حفص کی روایت میں دونوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

[۲۸-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ أَنَّ أَيُّوبَ حَدَّثَهُ أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ، بَعْدَ أَنْ رَجَعَ مِنَ الطَّائِفِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ يَوْمًا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَكَيْفَ تَرَى؟ قَالَ: "اذْهَبْ فَاعْتَكِفْ يَوْمًا"
قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَعْطَاهُ جَارِيَةً مِنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا أَعْتَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَايَا النَّاسِ، سَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَصْوَاتَهُمْ يَقُولُونَ، أَعْتَقَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَقَالُوا: أَعْتَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَايَا النَّاسِ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ اذْهَبْ إِلَى تِلْكَ الْجَارِيَةِ فَخَلِّ سَبِيلَهَا.

ترجمہ: یہ حدیث ایوب سختیانیؒ بواسطہ نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا ـــــ درانحالیکہ وہ جعرانہ میں تھے، طائف کے محاصرہ سے لوٹنے کے بعد ـــــ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک دن مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، پس آپ شرعی حکم کیا دیکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''مکہ جا کر ایک دن کا اعتکاف کرلو''

ابن عمرؓ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت کے خُمس میں سے ایک باندی دی تھی، پھر جب نبی ﷺ نے لوگوں کے قیدی آزاد فرمائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا شور سنا، وہ خوشی سے چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ہمیں نبی ﷺ نے آزاد کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیسا شور ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے لوگوں کے قیدی آزاد کردیئے ہیں، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: عبداللہ! اس باندی کے پاس جاؤ اور اس کا راستہ چھوڑ دو، یعنی اس کو آزاد کردو۔

ہوازن وثقیف مسلمان ہو کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو ان کے قیدی واپس کیے گئے

نبی ﷺ طائف کا محاصرہ ختم کر کے واپس آئے تو جعرانہ میں کئی دن مالِ غنیمت تقسیم کیے بغیر ٹھہرے رہے، اس

تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن تائب ہو کر حاضرِ خدمت ہو جائیں تو انھوں نے جو کچھ کھویا ہے وہ ان کو پھیر دیا جائے مگر تاخیر کے باوجود وہ لوگ نہیں آئے، پس آپؐ نے غنیمت تقسیم کر دی، غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آیا، وہ کل چودہ آدمی تھے، ان کا سربراہ زہیر بن صُرد تھا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا، وفد نے آپؐ سے عرض کیا: برائے مہربانی ہمارے قیدی اور مال واپس کر دیا جائے اور اس انداز سے گفتگو کی کہ نبی ﷺ کا دل پسیج گیا، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ نے جن کو قید کیا ہے ان میں مائیں، بہنیں، پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، اور ایسوں کو قید کرنا رسوائی کا سبب ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ جو لوگ ہیں، انہیں تم دیکھ ہی رہے ہو (فوج کو فتح مکہ میں کچھ نہیں ملا تھا، غزوۂ حنین میں کچھ ملا، وہ بھی واپس لے لیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوگی) اور مجھے سچی بات زیادہ پسند ہے اور میں نے غنیمت تقسیم کرنے میں تاخیر کی تھی، مگر تم نے آنے میں دیر کر دی، اب بتاؤ تمہیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال؟ انھوں نے کہا: ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں، آپؐ نے فرمایا: اب جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم سب لوگوں کے سامنے کھڑے ہونا اور کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مؤمنین کی طرف سفارشی بناتے ہیں اور مؤمنین کو رسول اللہ ﷺ کی طرف، یعنی رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے سفارش کریں اور مسلمان رسول اللہ ﷺ سے سفارش کریں کہ آپؐ ہمیں قیدی واپس کر دیں، نماز کے بعد جب ان لوگوں نے یہ بات کہی تو آپؐ نے فرمایا: جو قیدی میرے پاس ہیں یا بنو عبد المطلب کے پاس ہیں وہ تمہارے لئے ہیں، اور میں ابھی لوگوں سے دریافت کرتا ہوں، اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا: جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ کون راضی ہے اور کون نہیں۔ لہٰذا آپ حضرات واپس جائیں، اور اپنے چودھریوں سے بات کریں، پھر چودھریوں نے آپ کو بتلایا کہ سب بخوشی راضی ہیں، چنانچہ آپؐ نے سب قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عنایت فرما کر واپس کر دیا۔

حنین کی غنیمت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں دو باندیاں آئی تھیں جو انھوں نے مکہ مکرمہ میں کسی گھر میں رکھی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے کہ انھوں نے شور سنا، حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا: کیسا شور ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ہوازن کے قیدی آزاد کر دیے گئے ہیں، وہ خوشی سے گلیوں میں دوڑ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس بھی دو باندیاں ہیں فلاں گھر میں ہیں، جاؤ انہیں بھی آزاد کر دو۔

وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَمَّا قَفَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ سَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَذْرٍ كَانَ نَذَرَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، اعْتِكَافِ يَوْمٍ، ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ.

وضاحت: یہ حدیث ایوب سختیانی سے معمر نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث جریر بن حازم نے روایت کی ہے۔

وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ عُمْرَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، فَقَالَ: لَمْ يَعْتَمِرْ مِنْهَا، قَالَ وَكَانَ عُمَرُ نَذَرَ اعْتِكَافَ لَيْلَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ وَمَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ.

وضاحت: ایوب سختیانی سے یہ حدیث حماد بن زید نے روایت کی ہے اور اس حدیث میں یہ ایک مضمون زائد ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی مجلس میں آنحضور ﷺ کا جعرانہ سے عمرہ کرنے کا تذکرہ چھڑا تو حضرت ابن عمرؓ نے منع کیا اور فرمایا کہ آنحضور ﷺ نے جعرانہ سے کوئی عمرہ نہیں کیا۔

جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کیا تھا، ایک رات عشاء کے بعد تاخیر سے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عمرہ کر کے رات ہی میں واپس لوٹ آئے، اور فجر کی نماز جعرانہ ہی میں ادا فرمائی، اس لئے بہت سے صحابہ سے یہ عمرہ پوشیدہ رہ گیا۔

وحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، (ح) وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فِي النَّذْرِ، وَفِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا اعْتِكَافُ يَوْمٍ.

وضاحت: یہ حدیث نافع سے ایوب سختیانی اور محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے، اور ایوب سے حماد اور محمد بن اسحاق سے عبدالاعلیٰ روایت کرتے ہیں، اور دونوں کی حدیثوں میں دن کے اعتکاف کی نذر ماننے کی بات ہے۔

۸- بَابُ صُحْبَةِ الْمَمَالِيكِ

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

یہ باب کتاب الأیمان والنذر میں اس لئے لائے کہ قسم کے کفارہ میں غلام بھی آزاد کیا جاتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی منت بھی مانی جاتی ہے، اور الشیئُ بالشیئِ یُذکر: یعنی بات میں سے بات نکلتی ہے اس لئے غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی جو آنحضور ﷺ نے تاکید فرمائی ہے اس سلسلہ کی احادیث مبارکہ اور بعض احکام یہاں بھی بیان فرمائے، اور اکثر احکام کتاب العتاق میں بیان کئے ہیں —— جاننا چاہئے کہ جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جا سکتا ہے۔

پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرینِ مصلحت ہو اس کو قتل کر دیا جائے، آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرینِ مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے، اس کو عربی میں مَنّ (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں، سورۂ محمد (ﷺ) آیت ۵ میں اس کا ذکر ہے۔

تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے یا جنگ کا ہرجانہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اس کو فداء (معاوضہ لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں، سورۂ محمد (ﷺ) کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا جائے، یہ مسئلہ کا آخری حل ہے، اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ پہلے سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، قید میں رکھنا اور کھلانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہو سکتا ہے، اور مفت چھوڑ دینا وبالِ جان بن سکتا ہے اور بلا وجہ قتل کرنا انسانیت کے خلاف ہے اس لئے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے، دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔

غرض: غلام بنانے کا طریقہ اسلام نے شروع نہیں کیا، یہ طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، اور اسلام نے اس کو اس لئے باقی رکھا کہ وہ قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل تھا، اور غلاموں کے حقوق مقرر کئے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکیدی وصیت کی، ان پر ظلم و بربریت کو حرام کیا اور ان کو آزاد کرنے کا بڑا ثواب بیان کیا، اسلام سے پہلے غلاموں کا کوئی حق نہیں تھا، ان پر ہر ظلم روا رکھا گیا تھا، اور جو ایک مرتبہ غلام بن گیا تا عمر اس کو غلام ہی رہنا تھا، غلاموں کی آزادی کا تصور بھی نہیں تھا، یہ طریقہ اسلام نے شروع کیا اور اس کا بڑا ثواب بیان کیا تا کہ لوگ غلاموں کو آزاد کریں اور وہ بھی آزادی کا سانس لیں، اور بہت سے کفاروں میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا، یوں اسلام نے انسانیت کی بڑی خدمت کی جس سے دنیا نابلد تھی (ایضاح المسلم ۱: ۲۴۳)

[۲۹-] حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ فِرَاسٍ، عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ زَاذَانَ أَبِي عُمَرَ قَالَ: أَتَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، وَقَدْ أَعْتَقَ مَمْلُوكًا، قَالَ: فَأَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ عُودًا أَوْ شَيْئًا، فَقَالَ: مَا فِيهِ مِنَ الْأَجْرِ مَا يَسْوَى هَذَا، إِلَّا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ"

ترجمہ: زاذان ابی عمرؒ کہتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، اس وقت انھوں نے ایک غلام آزاد کیا تھا، راوی کہتے ہیں: پس ابن عمرؓ نے زمین پر سے ایک تنکا یا اس جیسی کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا: اس غلام کو آزاد کرنے میں اس کے برابر بھی ثواب نہیں، مگر میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو اپنے غلام کو تھپڑ یا کچھ اور مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے"

تشریح: اگر غلام باندی پر بلا وجہ زیادتی ہو جائے تو کفارہ میں اس کو آزاد کر دینا چاہئے اور یہ حکم بالاتفاق استحبابی ہے،

آزاد کرنا فرض یا واجب نہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غلام باندی کو اگر زیادہ مارا ہے، یعنی اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی، یا ہاتھ یا پیر ٹوٹ گیا، یا گوشت پھٹ گیا اور ہڈی ظاہر ہوگئی تو اس غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔

قوله: ما يَسوى هذا: بروزن يَخشى: اور ایک نسخہ میں ما يساوى (مفاعلہ) ہے، وہی زیادہ صحیح ہے ــــ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے غلام پر کوئی زیادتی ہوگئی تھی اس لئے کفارہ میں اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس آزادی کے بدلہ میں تنکے کے برابر بھی ثواب کی حرص نہیں، میری زیادتی کا کفارہ بن جائے یہی کافی ہے اور میں نے نبی ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے کفارہ میں آزاد کیا ہے۔

[۳۰-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ فِرَاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ زَاذَانَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ دَعَا بِغُلَامٍ لَهُ: فَرَأَى بِظَهْرِهِ أَثَرًا، فَقَالَ لَهُ: أَوْجَعْتُكَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَأَنْتَ عَتِيقٌ.

قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ، فَقَالَ: مَا لِي فِيهِ مِنَ الْأَجْرِ مَا يَزِنُ هَذَا، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ، حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ، أَوْ لَطَمَهُ، فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ"

وحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، (ح) وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ فِرَاسٍ بِإِسْنَادِ شُعْبَةَ وَأَبِي عَوَانَةَ، أَمَّا حَدِيثُ ابْنِ مَهْدِيٍّ فَذَكَرَ فِيهِ: "حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ" وَفِي حَدِيثِ وَكِيعٍ "مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ" وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَدَّ.

ترجمہ: زاذان سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور اس کی پیٹھ پر (مار کا) اثر دیکھا، تو اس سے فرمایا: میں نے تجھے تکلیف دی؟ اس نے عرض کیا: نہیں، ابن عمرؓ نے کہا: تو آزاد ہے، راوی کہتے ہیں: پھر ابن عمرؓ نے زمین پر سے کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا: مجھے اس کے بقدر اجر کی بھی حاجت نہیں (اور غلام کو آزاد اس لئے کیا کہ) بیشک میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو اپنے غلام کو ایسے جرم کی سزا دے جو جرم اس نے نہیں کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے"

سند: یہ حدیث وکیع اور عبدالرحمن بن مہدی: سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ شعبہؒ اور ابو عوانہؒ کی طرح فراس سے روایت کرتے ہیں، اور ابن مہدی کی روایت میں حدًّا لم یاته ہے یعنی ان کی روایت شعبہ کے مانند ہے اور وکیع کی حدیث میں من لطم عبده ہے اور حدًّا لم یاته نہیں ہے، یعنی ان کی روایت ابو عوانہ کی روایت کے مانند ہے۔

[۳۱-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: لَطَمْتُ مَوْلًى لَنَا فَهَرَبْتُ، ثُمَّ

جِئْتُ قُبَيْلَ الظُّهْرِ فَصَلَّيْتُ خَلْفَ أَبِي، فَدَعَاهُ وَدَعَانِي، ثُمَّ قَالَ: امْتَثِلْ مِنْهُ، فَعَفَا، ثُمَّ قَالَ: كُنَّا بَنِي مُقَرِّنٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ لَنَا إِلَّا خَادِمٌ وَاحِدَةٌ، فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَعْتِقُوهَا" قَالُوا: لَيْسَ لَهُمْ خَادِمٌ غَيْرُهَا، قَالَ: "فَلْيَسْتَخْدِمُوهَا، فَإِذَا اسْتَغْنَوْا عَنْهَا، فَلْيُخَلُّوا سَبِيلَهَا"

ترجمہ: معاویۃ بن سُوید کہتے ہیں: میں نے ہمارے ایک غلام کو تھپڑ مارا، پھر (ابا کے ڈر سے وہاں سے) میں بھاگ گیا، پھر میں ظہر سے ذرا دیر پہلے آیا اور ابا کے پیچھے نماز پڑھی، پس ابا نے اس غلام کو بلایا اور مجھے بھی بلایا، پھر غلام سے کہا: اس سے بدلہ لے لے، اس نے معاف کر دیا (اور بدلہ نہیں لیا) پھر حضرت سوید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم لوگ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں بنی مقرن میں اس حال میں تھے کہ ہمارے پاس ایک ہی خادم (غلام) تھا، ہم میں سے ایک نے اس کو تھپڑ مار دیا، اس کی نبی ﷺ کو خبر پہنچ گئی تو آپؐ نے فرمایا: "تم اس کو آزاد کر دو" انھوں نے عرض کیا: ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی غلام نہیں، آپؐ نے فرمایا: "پس اس سے خدمت لیتے رہو، پھر جب تم اس سے بے نیاز ہو جاؤ (دوسرے غلام کا انتظام ہو جائے) تو اس کا راستہ چھوڑ دو، یعنی اس کو آزاد کر دو" معلوم ہوا کہ غلام کو آزاد کرنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔

[۳۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، قَالَ: عَجِلَ شَيْخٌ فَلَطَمَ خَادِمًا لَهُ، فَقَالَ لَهُ: سُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ: عَجَزَ عَلَيْكَ إِلَّا حُرُّ وَجْهِهَا لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مِنْ بَنِي مُقَرِّنٍ مَا لَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةٌ لَطَمَهَا أَصْغَرُنَا، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهَا.

ترجمہ: ہلال بن یسافؒ کہتے ہیں: ایک بڑے میاں نے جلدی کی اور اپنے خادم کو تھپڑ مار دیا، تو اس سے حضرت سُوید بن مقرن نے کہا: تجھ پر تنگ ہو گیا مگر اس کا معزز چہرہ، یعنی چہرہ کے علاوہ تھپڑ مارنے کے لئے کوئی جگہ نہ ملی؟ (پھر اپنا واقعہ سنایا کہ) دیکھا میں نے خود کو بنی مقرن میں سات بھائیوں میں ساتواں، ہمارے پاس ایک ہی خادم تھا یعنی ہم ساتوں بھائیوں کے درمیان ایک ہی باندی تھی، ہم میں سے سب سے چھوٹے نے اس کو تھپڑ مار دیا، پس ہمیں نبی ﷺ نے اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ ابْنِ يَسَافٍ، قَالَ: كُنَّا نَبِيعُ الْبَزَّ فِي دَارِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، أَخِي النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ، فَخَرَجَتْ جَارِيَةٌ، فَقَالَتْ لِرَجُلٍ مِنَّا كَلِمَةً، فَلَطَمَهَا، فَغَضِبَ سُوَيْدٌ، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسَ.

ترجمہ: ہلال بن یساف کہتے ہیں: ہم سُوید بن مُقرّن کے گھر میں جونعمان بن مقرن کے بھائی ہیں کپڑا بیچ رہے تھے، ایک باندی ادھر آنکلی اور اس نے ہم میں سے ایک بندہ کو کوئی بات کہی (جس کی وجہ سے اس کو غصہ آگیا) پس اس نے اس کے تھپٹر مارا، پس حضرت سوید غصہ ہوئے، اور آگے حدیث ابن ادریس کی حدیث کے مانند بیان کی۔

[۴۳-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: مَا اسْمُكَ؟ قُلْتُ: شُعْبَةُ، فَقَالَ مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنِي أَبُوشُعْبَةَ الْعِرَاقِيُّ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ أَنَّ جَارِيَةً لَهُ لَطَمَهَا إِنْسَانٌ، فَقَالَ لَهُ سُوَيْدٌ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الصُّورَةَ مُحَرَّمَةٌ؟ فَقَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي، وَإِنِّي لَسَابِعُ إِخْوَةٍ لِي، مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا لَنَا خَادِمٌ غَيْرُ وَاحِدٍ، فَعَمَدَ أَحَدُنَا فَلَطَمَهُ، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهُ.

وحَدَّثَنَاه إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، عَنْ وَهْبِ بْنِ جَرِيرٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: مَا اسْمُكَ؟ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَبْدِ الصَّمَدِ.

ترجمہ: سوید بن مقرن سے مروی ہے کہ ان کی ایک باندی کو ایک بندہ نے (چہرے پر) تھپٹر مارا، حضرت سُوید نے اس سے کہا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ صورت حرام کی ہوئی ہے یعنی چہرے پر مارنا حرام ہے، پھر فرمایا: البتہ تحقیق میں نے خود کو دیکھا میرے ساتھ بھائی تھے نبی ﷺ کے ہمراہ یعنی آپ کے عہد مبارک میں، اور ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا، پس ہم میں سے ایک نے اس کا ارادہ کیا اور اس کو تھپٹر مارا، پس ہمیں نبی ﷺ نے اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

سند: یہ حدیث شعبہؒ سے وہب بن جریرؒ نے بھی روایت کی ہے اور عبد الصمدؒ کے مانند بیان کی ہے۔

[۴۴-] حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ (يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ) حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ أَبُومَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي بِالسَّوْطِ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ خَلْفِي: "اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُودٍ" فَلَمْ أَفْهَمِ الصَّوْتَ مِنَ الْغَضَبِ، قَالَ: فَلَمَّا دَنَا مِنِّي، إِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ يَقُولُ: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ! اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ!" قَالَ: فَأَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِي، فَقَالَ: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ! أَنَّ اللَّهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى هَذَا الْغُلَامِ" قَالَ فَقُلْتُ: لَا أَضْرِبُ مَمْلُوكًا بَعْدَهُ أَبَدًا.

وحَدَّثَنَاه إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ (وَهُوَ الْمَعْمَرِيُّ) عَنْ سُفْيَانَ (ح) وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ: حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِإِسْنَادِ عَبْدِ الْوَاحِدِ نَحْوَ حَدِيثِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: فَسَقَطَ مِنْ يَدِي السَّوْطُ مِنْ هَيْبَتِهِ.

ترجمہ: ابراہیم تیمی اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مارا، پس میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: جان لے اے ابو مسعودؓ! میں غصہ کی وجہ سے اس آواز کو پہچان نہ سکا، ابو مسعودؓ کہتے ہیں: پس جب وہ متکلم مجھ سے قریب ہوا تو اچانک وہ نبی ﷺ تھے، اور آپ فرما رہے تھے: جان لے ابو مسعودؓ! جان لے ابو مسعودؓ! حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں: پس میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا پھینک دیا، پس آپؐ نے فرمایا: ”جان لے اے ابو مسعود! بیشک اللہ تعالیٰ تجھ پر تیرے اس غلام پر قدرت رکھنے سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں“ حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں: پس میں نے عرض کیا: آج کے بعد کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔

سند: یہ حدیث جریر، سفیان اور ابو عوانہ رحمہم اللہ نے بھی اعمشؒ سے روایت کی ہے اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عبد الواحد نے روایت کی ہے، اور ان کے ہم معنی روایت کی ہے، البتہ جریر کی حدیث میں اس طرح ہے کہ: پس ڈر سے میرے ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔

[۳۵-] وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا: ”اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ“ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ، فَقَالَ: ”أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ، لَلَفَحَتْكَ النَّارُ، أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ“

وضاحت: اس حدیث کو اعمشؒ سے ابو معاویہؒ نے روایت کیا ہے —— أما لولم تفعل إلخ: سن! اگر تو ایسا نہ کرتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلس دیتی یا فرمایا: جہنم کی آگ تجھے چھو جاتی۔

لغت: نَفَحَتْ (ف) نفحًا ونفحانًا النارُ: جھلس دینا۔

[۳۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، أَنَّهُ كَانَ يَضْرِبُ غُلَامَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ، قَالَ: فَجَعَلَ يَضْرِبُهُ، فَقَالَ: أَعُوذُ بِرَسُولِ اللّٰهِ، فَتَرَكَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”وَاللّٰهِ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ“ قَالَ: فَأَعْتَقَهُ.

وحَدَّثَنِيهِ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ (يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ) عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَهُ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ، أَعُوذُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: اس حدیث کو ابراہیم تیمی سے سلیمان نے روایت کیا ہے —— حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں: وہ اپنے غلام کو

مار رہے تھے اس نے اللہ کی پناہ طلب کی یعنی اللہ کا واسطہ دیا، ابو مسعودؓ پھر اس کو مارنے لگے تو اس نے نبی ﷺ کا واسطہ دیا، حضرت ابو مسعودؓ نے اس کو چھوڑ دیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: قسم بخدا! یقیناً اللہ تعالیٰ تجھ پر تیرے اس پر قادر ہونے سے زیادہ قادر ہیں، پس حضرت ابو مسعودؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

سند: یہ حدیث شعبہ سے محمد بن جعفر نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابن ابی عدی نے روایت کی ہے، مگر ان کی روایت میں اللہ اور اس کے رسول کے واسطوں والی بات نہیں ہے۔

٩- بَابُ التَّغْلِيظِ عَلٰى مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بِالزِّنَا

اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگانے پر وعید کا بیان

احصان القذف: یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور پاک دامن ہو، یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو، پس اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام باندی پر زنا کی تہمت لگائے اور گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو اس کو حد قذف نہیں ماری جائے گی۔ باب میں حدیث ہے: ”جس نے اپنے مملوک پر زنا کی تہمت لگائی، درانحالیکہ وہ اس الزام سے پاک ہے تو وہ مولیٰ قیامت کے دن کوڑے مارا جائے گا (معلوم ہوا دنیا میں حد قذف نہیں لگے گی)

[۳۷-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي نُعْمٍ، حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بِالزِّنَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ"

وحَدَّثَنَاه أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ، كِلَاهُمَا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَفِي حَدِيثِهِمَا: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيَّ التَّوْبَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو القاسم حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی اس کو قیامت کے دن کوڑے مارے جائیں گے، مگر یہ کہ بات وہی ہو جو آقا نے کہی“

سند: اس حدیث کو وکیع اور اسحاق بن یوسفؒ نے بھی فضیل بن غزوانؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے نمیر روایت کرتے ہیں، اور ان دونوں کی حدیثوں میں نبیُّ التوبۃ زائد ہے۔

تشریح: حد قذف کے لئے حریّت شرط ہے، پس غلام پر اگر کوئی مرد یا عورت، آزاد یا غلام زنا کی تہمت لگائے تو اس کو

قذف میں حد نہیں ماری جائے گی، اور علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غلام باندی پر زنا کی تہمت لگانے والے کو حد قذف تو ماری نہیں جائے گی، مگر تعزیراً اس کو جو مناسب ہوگی وہ سزا دی جائے گی، اور آخرت میں اگر تہمت جھوٹی نکلی تو آقا کو پوری سزا ملے گی، آخرت میں مرد وعورت اور آزاد وغلام کے درمیان کوئی فرق نہیں، وہاں ہر ایک کو اس کے گناہ کی مکمل سزا ملے گی، البتہ اگر غلام مجرم نکلا تو پھر آقا کو سزا نہیں ملے گی۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کا ایک لقب نبیُّ التَّوبة ہے، اور وجہ تسمیہ اس کی علماء نے یہ بیان کی ہے کہ سابقہ امتوں میں سے بعض امت کی توبہ یہ تھی کہ گناہ کی پاداش میں وہ اپنے آپ کو مار ڈالے، مگر آنحضور ﷺ کی امت کی قولی اور فعلی توبہ قبول ہوتی ہے اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر سب سے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کر کے کفر وشرک کے گناہ سے توبہ کی، اتنی کثیر تعداد میں کسی اور نبی کی امت نے اپنے نبی کے ہاتھ پر اسلام قبول نہیں کیا، اس لئے نبیُّ التَّوبة لقب پڑا۔ واللہ اعلم

۱۰- بَابُ إِطْعَامِ الْمَمْلُوكِ مِمَّا يَأْكُلُ وَإِلْبَاسِهِ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ

جو خود کھائے پیئے وہی غلام باندی کو کھلائے پلائے اور

جو کام ان کے بس میں نہیں اس کا مکلّف نہ بنائے

ہندوستانی نسخوں میں عام طور پر یہ باب نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے جو راقم الحروف کے پیش نظر ہے، اور میں نے یہ بات باقی رکھا ہے تاکہ ابواب کے نمبر مسلسل رہیں۔

[۳۸-] حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: مَرَرْنَا بِأَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ، وَعَلَيْهِ بُرْدٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهُ، فَقُلْنَا: يَا أَبَا ذَرٍّ، لَوْ جَمَعْتَ بَيْنَهُمَا كَانَتْ حُلَّةً، فَقَالَ: إِنَّهُ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنْ إِخْوَانِي كَلَامٌ، وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً، فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَشَكَانِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ" قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ سَبَّ الرِّجَالَ سَبُّوا أَبَاهُ وَأُمَّهُ، قَالَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، هُمْ إِخْوَانُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ"

ترجمہ مع وضاحت: حضرت معرورؒ کہتے ہیں: میری حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات ہوئی

(یہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے) انھوں نے جیسا جوڑا پہن رکھا تھا ویسا ہی ان کے غلام نے بھی پہن رکھا تھا (جبکہ آقا اور غلام کے درمیان فرق ہوتا ہے) میں نے عرض کیا: کاش آپ دونوں کو جمع کر لیتے کہ وہ ایک جوڑا بن جاتا، انھوں نے جواب دیا: میرے اور میرے ایک (دینی) بھائی کے درمیان تو تو میں میں ہوئی اور اس کی ماں عجمی تھی، اور میں نے اس کو اس کی ماں کے ذریعہ عار دلائی تھی (کہا تھا: او کالی کے یعنی حبشن کے!) اس نے آنحضور ﷺ کو یہ بات بتادی، آپؐ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کے ذریعہ عار دلائی؟! (اس کی ماں کالی تھی اس میں اس کا کیا قصور تھا؟ اللہ نے اس کو ایسا بنایا تھا) تم ایک ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت کی باتیں ہیں (پھر فرمایا) تمہارے غلام باندی تمہارے خدام ہیں، اللہ نے تم کو ان کا مالک بنایا ہے، پس جس کا بھائی (غلام باندی) اس کے ہاتھ کے نیچے ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو کھلائے وہ جو خود کھاتا ہے، اور اس کو پہنائے وہ جو خود پہنتا ہے، اور ان کو ایسا کام کرنے کا حکم نہ دے جو ان کو ہرادے یعنی وہ اکیلا نہ کر سکے۔ پس اگر وہ ان کو ایسا حکم دے تو ان کی مدد کرے۔

تشریح: غلام باندی جب تک ملکیت میں ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، ان کو انسانیت کے رتبہ سے نیچے نہیں گرانا چاہئے، آدمی جو کھائے اس کو کھلائے، جو پہنے ان کو پہنائے، اور یہ حکم استحبابی ہے، اور کتاب الایمان میں یہ حدیث لاکر اس طرف اشارہ فرمایا کہ غلام باندیوں کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہ ہے کہ ان کو آزاد کیا جائے، اور اپنے برابر کے درجہ میں لے آیا جائے، کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اور کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بھائی غلامی کی ذلت برداشت کرے، پس ان کے ساتھ اعلی درجہ کا سلوک یہ ہے کہ ان کو آزاد کردے۔ حضرت أبو الْهَيْثَم بْنِ تَيِّهان رضی اللہ کو نبی ﷺ نے ایک غلام بخشا تھا اور ان کو ہدایت دی تھی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جب انھوں نے گھر جا کر بیوی کو نبی ﷺ کی ہدایت سنائی تو بیوی نے کہا: اس کو غلام رکھنا سب سے بڑی بد سلوکی ہے، چنانچہ حضرت ابوالہیثمؓ نے اس کو آزاد کر دیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ کے علم میں آئی تو آپؐ نے فرمایا: استر (نیچے لگانے کے کپڑے) دو طرح کے ہوتے ہیں، اچھے اور برے، پس جس شخص کو اچھا استر (بیوی) مل گیا اس کے وارے نیارے یعنی ان کی بیوی نے شوہر کو بہت اچھا مشورہ دیا۔

اللہ عز و جل نے بھی قرآن مجید میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے: سورۃ النساء کی آیت ۳۶ ہے:
''اور تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اہل قرابت کے ساتھ بھی، اور یتیموں کے ساتھ بھی، اور غریبوں کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور ہم مجلس کے ساتھ بھی، اور راہ گیر کے ساتھ بھی، اور ان کے ساتھ بھی جن پر تمہارا مالکانہ قبضہ ہے، یعنی غلام باندیوں کے ساتھ، بیشک اللہ تعالی ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، شیخی بگھارتے ہیں۔

[۳۹-] وحَدَّثَنَاه أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ وَأَبِي مُعَاوِيَةَ بَعْدَ قَوْلِهِ: "إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ" قَالَ: قُلْتُ: عَلَى حَالِ سَاعَتِي مِنَ الْكِبَرِ؟ قَالَ: "نَعَمْ" وَفِي رِوَايَةِ أَبِي مُعَاوِيَةَ: "نَعَمْ عَلَى حَالِ سَاعَتِكَ مِنَ الْكِبَرِ" وَفِي حَدِيثِ عِيسَى "فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَبِعْهُ" وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ: "فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ" وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ: "فَلْيَبِعْهُ" وَلَا "فَلْيُعِنْهُ" انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ: "وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ"

وضاحت: یہ حدیث زہیر، ابومعاویہ اور عیسیٰ بن یونس رحمہم اللہ نے بھی اعمش ؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے وکیع روایت کرتے ہیں، اور زُہیر اور ابو معاویہ کی حدیث میں آنحضور ﷺ کے ارشاد: إنک امرؤٌ فیک جاهلیّة کے بعد یہ اضافہ ہے: ابوذر ؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میرے بڑھاپے کے باوجود میرے اندر جاہلیت کی باتیں ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا: ہاں، اور ابو معاویہ کی حدیث میں ہے: ہاں، بڑھاپے کے باوجود تجھ میں جاہلیت کی باتیں ہیں، اور عیسیٰ کی حدیث میں ہے: اگر تو غلام کو مکلّف کرے اس کام کا جو اس کے بس میں نہ ہو تو اس کو بیچ دے، اور زُہیر کی حدیث میں ہے: تو اس کی مدد کر، اور ابو معاویہ کی حدیث میں نہ فَلْيَبِعْهُ ہے اور نہ فَلْيُعِنْهُ ان کی حدیث و لا يُكَلِّفُه ما يَغْلِبُه تک ہے۔

[۴۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهَا، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ؟ قَالَ: فَذَكَرَ أَنَّهُ سَابَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَيَّرَهُ بِأُمِّهِ، قَالَ: فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ عَلَيْهِ.

وضاحت: یہ حدیث معرور بن سُوید سے واصل الاحدب نے روایت کی ہے، اور گذشتہ حدیث اعمش ؒ کی روایت کردہ تھی۔

قوله: إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ: بیشک تمہارے بھائی تمہارے خدام ہیں، حالانکہ کہنا یہ چاہیئے تھا کہ تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، مگر مزید تاکید کے لئے ان کے بھائی ہونے کو ان کے خادم ہونے پر مقدم کیا۔ اور اشارہ کیا کہ اخوت کا رشتہ خادمیت کے رشتہ سے مقدم ہے۔

[۴۱-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ الْأَشَجِّ حَدَّثَهُ عَنِ الْعَجْلَانِ مَوْلَى فَاطِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ"

[۴۲-] وحَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا صَنَعَ لِأَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ، وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ، فَلْيَأْكُلْ، فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوهًا قَلِيلًا، فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ" قَالَ دَاوُدُ: يَعْنِي لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ.

وضاحت وترجمہ: یہ دونوں حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہیں، پہلی حدیث عجلانؒ نے اور دوسری موسیٰ بن یسارؒ نے روایت کی ہے —— نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کھانا اور کپڑا غلام کا حق ہے اور اس کو اسی کام کا مکلف بناؤ جو اس کے بس میں ہو"

اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے: "جب تم میں سے کسی کے لئے اس کا خادم (عام ہے، غلام ہو یا محض خادم) کھانا تیار کرے، پھر مخدوم کے پاس لے کر آئے تو چونکہ وہ اس کی طرف سے گرمی اور دھویں کا ذمہ دار بنا ہے یعنی گرمی اور دھویں کی تکلیف اس نے سہی ہے اس لئے اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے، اور اگر کھانا مشفوہ قلیل ہو یعنی کھانے والے زیادہ اور کھانا کم ہو تو چاہئے کہ وہ غلام کے منہ میں ایک دو لقمے رکھ دے، یعنی کھانا کم ہو تو بھی غلام کو اس میں سے کچھ دے —— اور داؤد کی حدیث میں أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ کے بجائے لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ ہے۔

لغت: شَفِهَ زيدٌ: بہت سائلین کا ہونا —— شَفَهَ (ف) شَفَهَا الإناءَ: سب پی کر خالی کر دینا، کہتے ہیں: كادتِ العِيَالُ تَشْفَهُ مالي: قریب ہے کہ میرے اہل وعیال میرے مال کو ختم کر دیں۔

۱۱- بَابُ ثَوَابِ الْعَبْدِ وَأَجْرِهِ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ

غلام آقا کی خیر خواہی کرنے کے ساتھ شاندار عبادت کرے تو اس کا ثواب

یہ باب بھی ہندوستانی متداول نسخوں میں نہیں ہے —— اور یہ باب غلام باندیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ہے، غلام باندیوں کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہم انسانیت کے رتبے سے گرے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے تمہارے لئے دوہرا ثواب رکھا ہے، باب کی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں، بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث: "نیک مملوک غلام کے لئے دوہرا اجر ہے" سنا کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری

جان ہے! اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور میری والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کو پسند کرتا کہ میں مملوک ہونے کی حالت میں مروں، یعنی اگر غلام ہوتا تو یہ تین کام نہ کر سکتا اس لئے مجھے آزاد ہونا پسند ہے ورنہ فی نفسہ مجھے غلامی کی حالت پسند ہے، کیونکہ غلام کو ہر عمل پر دوہرا اجر ملتا ہے (بخاری حدیث ۲۵۴۸) معلوم ہوا کہ غلامی کی حالت بھی ایک اعتبار سے نہایت اچھی حالت ہے، پس غلام باندیوں کو شکستہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔

[۴۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ، وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ، فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ"

وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ الْقَطَّانُ) (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو أُسَامَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ (ح) وحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي أُسَامَةُ، جَمِيعًا عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اپنے پروردگار کی عمدہ عبادت کرے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ آزاد آدمی کو یہ نعمت کہاں حاصل؟ غلام نماز پڑھے گا دوہرا ثواب پائے گا، روزہ رکھے گا دوہرا ثواب پائے گا، وقس علیٰ ہذا، پس غلام کے لئے اس کی حالت بری نہیں، بلکہ ایک اعتبار سے آزاد سے بھی اچھی ہے۔

سند: یہ حدیث یحییٰ قطان، نُمیر اور ابواسامہ رحمہم اللہ نے عبید اللہ کے واسطہ سے اور نافعؒ کے واسطہ سے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور امام مالکؒ کے مانند روایت کی ہے —— ابواسامہ سے ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن وہب نے روایت کیا ہے۔

ملحوظہ: مذکورہ حدیث کی شرح مکمل تفصیل وبسط کے ساتھ ایضاح المسلم (۱:۳۹۸) میں گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

[۴۴-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الْمُصْلِحِ أَجْرَانِ" وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ لَوْلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْحَجُّ، وَبِرُّ أُمِّي لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوتَ وَأَنَا مَمْلُوكٌ.

قَالَ: وَبَلَغَنَا أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ لَمْ يَكُنْ يَحُجُّ حَتَّى مَاتَتْ أُمُّهُ، لِصُحْبَتِهَا.

قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ فِي حَدِيثِهِ: "لِلْعَبْدِ الْمُصْلِحِ" وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَمْلُوكَ.

وحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ الْأُمَوِيُّ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ بَلَغَنَا وَمَا بَعْدَهُ.

ترجمہ مع وضاحت: نبی ﷺ نے فرمایا: نیک مملوک غلام کے لئے دوہرا اجر ہے (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور میری والدہ کے ساتھ حسن سلوک نہ ہوتا تو میں اس کو پسند کرتا کہ میں مملوک ہونے کی حالت میں مروں، یعنی اگر غلام ہوتا تو یہ تین کام نہ کرسکتا، اس لئے مجھے آزاد ہونا پسند ہے، ورنہ فی نفسہ مجھے غلامی کی حالت پسند ہے، کیونکہ غلام کو ہر عمل پر دوہرا اجر ملتا ہے۔

سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں: اور ہمیں یہ بات پہنچی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حج نہیں کیا تا آنکہ ان کی والدہ کی وفات ہوگئی، ان کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے ـــــ ابوالطاہر کی حدیث میں للعبد المملوک کے بجائے للعبد المُصلح ہے، المملوک ان کی روایت میں نہیں ہے۔

سند: یہ حدیث صفوان اموی نے بھی یونس سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابن وہب نے روایت کی ہے، مگر ان کی روایت میں آخری مضمون یعنی سعید بن المسیب کی یہ بات کہ حضرت ابوہریرہؓ نے والدہ کی وفات تک حج نہیں کیا: نہیں ہے۔

[۴۵-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَدَّى الْعَبْدُ حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ كَانَ لَهُ أَجْرَانِ" قَالَ: فَحَدَّثْتُهَا كَعْبًا، فَقَالَ كَعْبٌ: لَيْسَ عَلَيْهِ حِسَابٌ، وَلَا عَلَى مُؤْمِنٍ مُزْهِدٍ.

و حَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الإِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب غلام اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرے اور آقاؤں کا بھی حق ادا کرے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا، راوی کہتا ہے: میں نے یہ حدیث حضرت کعبؓ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: "اس کا حساب کتاب بھی نہیں ہوگا اور نہ زاہد مؤمن کا حساب کتاب ہوگا"

سند: جریرؒ نے بھی یہ حدیث اعمشؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابومعاویہ روایت کرتے ہیں۔

[۴۶-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نِعِمَّا لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يُتَوَفَّى يُحْسِنُ عِبَادَةَ اللهِ وَصَحَابَةَ سَيِّدِهِ نِعِمَّا لَهُ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: غلام کی شاندار حالت ہے یہ کہ اس کی موت آئے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شاندار عبادت کرتا ہو اور اپنے آقا کی اچھی خدمت کرتا ہو، یہ اس کی شاندار حالت ہے ـــــ اس لئے کہ زندگی بھر اس کو ہر عمل کا دوہرا ثواب ملتا رہا۔

قولہ: هذا ما حدثنا إلخ: یہ سرنامہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب البیوع باب ۷ حدیث نمبر ۲۸۔

۱۲- بَابُ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ

مشترک غلام میں ایک شریک اپنا حصہ آزاد کرے تو حکم

اگر کوئی غلام دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے کوئی ایک شریک اپنا حصہ آزاد کردے تو کیا صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا یا سارا غلام آزاد ہوجائے گا؟ اس سلسلہ میں پہلے دو مسئلے جان لیں:

پہلا مسئلہ: عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کبھی متجزی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

وضاحت: یہ تعبیر مجازی ہے کہ عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مراد یہ ہے کہ ازالۂ ملک متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک غلام میں دو آدمی شریک ہیں، ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو کیا صرف اسی کے حصے کی ملک زائل ہوئی یا پورے غلام میں ملک زائل ہوگئی؟ عتق متجزی ہونے نہ ہونے کا یہ مطلب ہے، اور ہر حال کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

غرض: امام اعظمؒ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو عتق متجزی نہیں ہوتا، یعنی اس صورت میں سارا غلام آزاد ہوجاتا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوتا ہے، اس صورت میں عتق متجزی ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن ائمہ کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے ان میں اختلاف ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ غلامی میں برقرار رہے گا یا وہ بھی ثانی حال (بعد) میں آزاد ہوجائے گا؟ امام اعظمؒ کے نزدیک اب وہ غلام غلامی میں باقی نہیں رہ سکتا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دوسرے شریک کا حصہ بدستور غلامی میں باقی رہے گا ـــــ اور یہیں سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوگیا کہ غلام پر سِعایہ (کمانا) ہے یا نہیں؟ احناف کے تینوں ائمہ سعایہ کے قائل ہیں، اور ائمہ ثلاثہ سعایہ کے قائل نہیں۔

اب سنیے: ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک تھا، ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو دیکھیں گے: آزاد کرنے والا مالدار ہے یا غریب؟ یعنی وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضمان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ مالدار ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ

کے نزدیک اس کے شریک کو تین اختیار ہونگے یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے (اس صورت میں غلام کی میراث (ولاء) دونوں کو ملے گی، کیونکہ آزاد کرنے والے دو ہیں) یا وہ اپنے ساتھی سے ضمان لے، کیونکہ پہلے آزاد کرنے والے نے اس کا حصہ بگاڑ دیا ہے، اب وہ غلام نہیں رہ سکتا (اور اس صورت میں دوسرے شریک کا حصہ پہلے شریک کی طرف منتقل ہو کر فوراً آزاد ہو جائے گا، پس میراث تنہا اسی کو ملے گی) یا دوسرا شریک غلام سے اپنے حصہ کی قیمت کموائے (جب غلام اس کو اس کے حصہ کی قیمت کما کر دیدے گا تو وہ حصہ بھی آزاد ہو جائے گا اور اس صورت میں میراث دونوں کو ملے گی) اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو اس کے ساتھی کو دو اختیار ہیں یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے یا قیمت کموائے۔

اور صاحبین کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو صرف ضمان لینے کا اختیار ہے، وہ اپنا حصہ آزاد نہیں کر سکتا، اور نہ قیمت کموا سکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عتق متجزی نہیں ہوتا، پس ایک شریک کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہو گیا ہے۔ اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو دوسرا شریک اپنے حصہ کے بقدر قیمت کموائے اس صورت میں بھی آزاد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ پورا آزاد ہو چکا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کا شریک اس سے ضمان لے گا کیونکہ اس صورت میں عتق متجزی نہیں ہوتا پس پہلے پر ضمان واجب ہے کیونکہ اس نے اپنے شریک کا حصہ بگاڑا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو غلام بدستور غلام رہے گا، کیونکہ وہ حضرات سعایہ (کموانے) کے قائل نہیں اور ساتھی غریب ہے اس لئے ضمان نہیں لے سکتے۔

جاننا چاہئے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مختلف سندوں سے پیش کی ہے جن کی تفصیل حدیثوں کے بعد آئے گی۔

[۴۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ: قُلْتُ لِمَالِكٍ: حَدَّثَكَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ"

ترجمہ: یہ نافع کی ابن عمرؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے تو غلام کی قیمت لگائی جائے، انصاف کے ساتھ، پھر وہ اپنے شرکاء کو ان کے حصہ کا ضمان دے، اور غلام پہلے آزاد کرنے والے کی طرف سے آزاد ہو جائے، ورنہ یعنی پہلا آزاد کرنے والا مالدار نہ ہو تو غلام میں سے جتنا آزاد کیا ہے اتنا آزاد ہوا (یہ امام مالک رحمہ اللہ کی حضرت نافعؒ سے روایت ہے)

ملحوظہ: پہلے ابن عمرؓ کی سب حدیثیں پڑھ لیں، پھر ایک ساتھ ان پر کلام آئے گا۔

[۴۸-] حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ مِنْ مَمْلُوكٍ فَعَلَيْهِ عِتْقُهُ كُلُّهُ، إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَهُ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ"

ترجمہ: یہ ابواسامہ کی عبیداللہ عمری سے روایت ہے: وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا تو اس کے ذمہ سارے غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے، یعنی پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہے، اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے یعنی تنگ دست ہے تو اس میں سے آزاد ہو گیا جو آزاد کیا اس نے، یعنی باقی حصہ غلامی میں برقرار رہے گا۔

نوٹ: بشر بن المفضلؒ بھی عبیداللہ عمریؒ سے یہی روایت کرتے ہیں، مگر ان کی روایت مختصر ہے، یعنی اس میں آخری مضمون نہیں ہے کہ اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو کیا ہوگا؟

[۴۹-] وحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ قَدْرُ مَا يَبْلُغُ قِيمَتَهُ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ"

ترجمہ: یہ جریر بن حازمؒ کی نافعؒ سے روایت ہے، وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے یعنی پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہے تو آزاد کرنے والے پر غلام کی قیمت لگائی جائے انصاف کے ساتھ، ورنہ پس آزاد ہو گیا اس میں سے جو اس نے آزاد کیا"

وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ، (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ) (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ) كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ (ح) وحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِمْ: "وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ" إِلَّا فِي

حَدِيثِ أَيُّوبَ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، فَإِنَّهُمَا ذَكَرَا هٰذَا الْحَرْفَ فِي الْحَدِيثِ، وَقَالَا: لَا نَدْرِي، أَهُوَ شَيْءٌ فِي الْحَدِيثِ أَوْ قَالَهُ نَافِعٌ مِنْ قِبَلِهِ؟ وَلَيْسَ فِي رِوَايَةِ أَحَدٍ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِي حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

وضاحت: لیث بن سعد، یحییٰ بن سعید، ایوب سختیانی، اسماعیل بن امیہ، ابن ابی ذئب اور اسامہ بن زید رحمہم اللہ: یہ سب رواۃ بھی مذکورہ حدیث نافعؒ سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سب کی حدیثوں میں یہ جملہ: —— ''اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام میں سے آزاد ہو گیا جو اس نے آزاد کیا'' —— نہیں ہے، البتہ ایوب اور یحییٰ بن سعید نے یہ جملہ روایت کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تبصرہ کیا ہے کہ: ''ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث میں ہے یا نافع نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے، یعنی وإن لم يكن له مالٌ فقد عتق منه ما عَتَقَ: حدیث ہے یا حضرت نافع کی طرف سے مُدرج ہے: ہمیں معلوم نہیں۔

علاوہ ازیں: ان میں سے کسی کی روایت میں سماعت کی صراحت نہیں، سوائے لیث بن سعدؒ کی حدیث کے، صرف اس میں سماعت کی صراحت ہے۔

قوله: كلاهما عن أيوب: ضمیر حماد بن زید اور اسماعیل ابن علیہ کی طرف راجع ہے۔

[۵۰-] وحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ، قُوِّمَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ قِيمَةَ عَدْلٍ، لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ، ثُمَّ عَتَقَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا"

ترجمہ: یہ سالم کی اپنی ابا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایسے غلام کو آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک تھا تو آزاد کرنے والے پر اس کے مال میں انصاف کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی، نہ کم نہ زیادہ، پھر وہ غلام اس آزاد کرنے والے پر اس کے مال میں آزاد ہو جائے گا، اگر وہ مالدار ہو'' یعنی اگر پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہے تو وہ ضمان ادا کرے گا پھر وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا۔

[۵۱-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، عَتَقَ مَا بَقِيَ فِي مَالِهِ، إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ"

ترجمہ: یہ بھی سالم کی اپنے ابا سے روایت ہے: ”جس نے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا تو باقی غلام اس کے (پہلے آزاد کرنے والے کے) مال میں آزاد ہو جائے گا، جبکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایتوں کا خلاصہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تین طرح کی روایتیں ہیں:

۱- پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہو تو کیا حکم ہے؟ یہی بات سالم رحمہ اللہ کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے حصہ کا ضامن ہوگا، پھر اس کا حصہ پہلے آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سارا غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا۔

۲- امام مالک اور عبداللہ عمری رحمہما اللہ کی روایت میں یہ مضمون مرفوع ہے کہ اگر پہلا آزاد کرنے والا غریب ہے تو باقی حصہ غلامی میں برقرار رہے گا۔

۳- ایوب سختیانی اور یحییٰ بن سعید رحمہما اللہ کی روایتوں میں شک ہے کہ یہ آخری مضمون مرفوع ہے یا حضرت نافع رحمہ اللہ کا قول ہے جو حدیث میں مدرج ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کی جو نافع سے روایت ہے اس کو لیا ہے، اس میں سعایہ (کمانے) کا تذکرہ نہیں ہے (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو اس کے بعد آرہی ہے سعایہ کا تذکرہ ہے) اور پہلے آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں امام مالکؒ کی روایت میں ہے کہ جتنا آزاد ہو گیا: ہو گیا باقی غلام رہے گا، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو لیا، انھوں نے فرمایا کہ امام مالکؒ مضبوط راوی ہیں، مگر ایوب سختیانی اور یحییٰ بن سعید بھی معمولی راوی نہیں، اور ان کو شک ہے کہ یہ حصہ مرفوع ہے یا مُدرج؟ اور ابن عمرؓ کے دوسرے راوی صاحبزادے سالم کی روایت میں بھی یہ مضمون نہیں ہے، اس لئے شک پختہ ہو گیا ـــــ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں شک کے بغیر سعایہ کا تذکرہ ہے اس لئے احناف نے پہلے آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں سعایہ کو لیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ان کے دونوں راوی: سالم اور نافع روایت کرتے ہیں، مگر: وإلا فقد عَتَقَ منه مَاعَتَقَ: صرف نافع کی روایت میں ہے، سالم کی روایت میں یہ ٹکڑا نہیں ہے، اور نافع بھی اس کو کبھی بڑھاتے تھے کبھی نہیں بڑھاتے تھے، یہ بات حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

استدلال: اس حدیث کے آخری ٹکڑے کو جس کو تنہا نافع روایت کرتے ہیں: احناف نہیں لیتے، کیونکہ اس کا مرفوع ہونا یقینی نہیں، پھر صاحبین فرماتے ہیں کہ جب معتق کے مالدار ہونے کی صورت میں عتق متجزی نہیں ہوتا تو غریب ہونے کی صورت میں بھی متجزی نہیں ہوگا۔

اور جمہور کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں مالدار کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر معتق غریب ہو تو

عتق متجزی ہوگا، پھر ائمہ ثلاثہ نے پوری حدیث لی ہے، اس لئے معتق مالدار ہے یا غریب؟ دونوں صورتوں کا حکم علاحدہ علاحدہ کردیا ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب معتق غریب ہو تو عتق متجزی ہوتا ہے پس جب معتق مالدار ہو تب بھی عتق متجزی ہوگا۔

[۵۲-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الْمَمْلُوكِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا، قَالَ: "يَضْمَنُ"

[۵۳-] وحَدَّثَنَاه عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الإِسْنَادِ قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِنْ مَمْلُوكٍ، فَهُوَ حُرٌّ مِنْ مَالِهِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کردے، آپؐ نے فرمایا: "وہ (آزاد کرنے والا) ضامن ہوگا"

سند: یہ حدیث معاذ بھی شعبہ سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس سند سے محمد بن جعفر نے روایت کی ہے، اور ان کی روایت کے الفاظ ہیں: "جو شخص غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کرے تو وہ اس کے مال میں سے آزاد ہوگا"

تشریح: اوپر بتایا ہے کہ مشترک غلام میں سے اگر ایک شریک اپنا حصہ آزاد کرے تو دیکھیں گے: آزاد کرنے والا مالدار ہے یا غریب؟ یعنی وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضمان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ مالدار ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے شریک کو تین اختیار ہونگے، یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے (اس صورت میں غلام کی میراث (ولاء) دونوں کو ملے گی، کیونکہ آزاد کرنے والے دو ہیں) یا وہ اپنے ساتھی سے ضمان لے، کیونکہ پہلے آزاد کرنے والے نے اس کا حصہ بگاڑا ہے، اب وہ غلام نہیں رہ سکتا (اور اس صورت میں دوسرے شریک کا حصہ پہلے شریک کی طرف منتقل ہوکر فوراً آزاد ہوجائے گا، پس میراث تنہا اسی کو ملے گی) یا دوسرا شریک غلام سے اپنے حصہ کی قیمت کموائے (جب غلام اس کو اس کے حصہ کی قیمت کما کر دیدے گا تو وہ حصہ بھی آزاد ہوجائے گا، اور اس صورت میں میراث دونوں کو ملے گی —— اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو اس کے ساتھی کو دو اختیار ہیں یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے یا قیمت کموائے۔

غرض مذکورہ حدیث میں اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کے ساتھی کو جو تین اختیار ہیں ان میں سے دوسرے اختیار کا بیان ہے۔

[۵۴-] وحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ

شَقِيصًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ"

[۵۵-] وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ، وَفِي حَدِيثِ عِيسَى: "ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص غلام میں اپنا حصہ آزاد کرے تو اس کا چھٹکارا اس کے مال میں ہے اگر وہ مالدار ہو، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام سے کموایا جائے گا اس پر مشقت ڈالے بغیر"

سند: یہ حدیث علی بن مُسہر، محمد بن بشر اور عیسیٰ بن یونس رحمہم اللہ نے بھی ابو عروبہؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے اسماعیل بن ابراہیمؒ نے روایت کی ہے، اور عیسیٰ کی حدیث کے الفاظ ہیں: "پھر کموایا جائے گا اس کے حصہ کو جس نے آزاد نہیں کیا اس پر مشقت ڈالے بغیر"

قوله:غير مشقوق عليه: غلام پر مشقت ڈالے بغیر، اس جملہ کی معنویت یہ ہے کہ جب پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہوتا ہے تو شریک معتق پر اکڑتا ہے کہ تو نے میرا حصہ خراب کیا ہے، میں تو اپنے حصہ کے بیس ہزار لوں گا، اس لئے گذشتہ حدیث میں قيمة عدل کی قید آئی ہے کہ بابصیرت لوگ جو قیمت لگائیں گے اس کا اعتبار ہوگا، تیرے اکڑنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

اور جب پہلا آزاد کرنے والا غریب ہوتا ہے اور غلام سے قیمت کموانے کا نمبر آتا ہے تو وہ شریک غلام پر دباؤ ڈالتا ہے، کہتا ہے: میرے حصہ کی قیمت ایک مہینہ میں لاکر بھر دے، ورنہ تیری ایسی تیسی کرڈالونگا! بیچارہ کہاں سے لاکر بھرے گا، اس کے پاس نوٹیں چھاپنے کا کارخانہ تھوڑئے ہے! اس لئے غير مشقوق عليه کی قید لگائی کہ غلام پر کوئی دشواری نہیں ڈالی جائے گی، معروف طریقہ پر کما کر لاکر بھرے گا۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سعایہ (کموانے) کا ذکر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں، اور پہلے آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جتنا آزاد ہوگیا: ہوگیا، باقی غلام رہے گا، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو لیا، انھوں نے فرمایا: امام مالکؒ مضبوط راوی ہیں، مگر حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ بھی معمولی راوی نہیں اور ان کو شک ہے کہ یہ حصہ مرفوع ہے یا مدرج؟ اور ابن عمرؓ کے دوسرے راوی ان کے صاحبزادے سالم کی روایت میں بھی یہ مضمون نہیں، اس لئے شک پختہ ہوگیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں شک کے بغیر سعایہ کا تذکرہ ہے، اس لئے احناف نے پہلے آزاد

کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں سعایہ کو لیا ہے۔

کوئی مرض موت میں تمام غلام آزاد کردے اور اس کے پاس کوئی اور مال نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

[٥٦-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ) عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ؛ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا.

ترجمہ: ایک انصاری صحابی نے مرض موت میں اپنے چھ غلام آزاد کردیئے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کچھ نہیں تھا، نبی ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا، اور ان کی دو دو کی جوڑیاں بنائیں، پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، پس جس جوڑی کے نام قرعہ نکلا ان دو کو آزاد کردیا اور باقی چار کو غلامی میں لوٹا دیا (اس لئے کہ مرض موت کا تبرع بحکم وصیت ہوتا ہے اور تہائی مال سے نافذ ہوتا ہے) اور اس کے حق میں سخت بات کہی۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: آج اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو ایسا ہی کیا جائے گا، اور احناف کے نزدیک ہر غلام کا تہائی آزاد ہوگا اور وہ دو تہائی قیمت ورثاء کو کما کردے گا۔ اس طرح ہر غلام کو آزادی مل جائے گی اور ورثاء کا نقصان بھی نہیں ہوگا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قرعہ کی کیا حیثیت ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قرعہ مُلزِم (لازم کرنے والا) ہے اور احناف کے نزدیک قرعہ کی یہ حیثیت ابتدائے اسلام میں تھی، بعد میں اس کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی، اب قرعہ صرف تطییب قلوب یعنی دل خوش کرنے کے لئے ہے، اور دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں قرعہ سے فیصلہ کیا تھا، پھر جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کی ستائش کی مگر جب حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایسا ہی قصہ پیش آیا تو آپؓ نے قرعہ اندازی سے فیصلہ نہیں کیا (ذکرہ الطحاوی بحوالہ اعلاء السنن ۱۱: ۳۰۹) معلوم ہوا کہ قرعہ اندازی کی جو پہلے حیثیت تھی وہ بعد میں باقی نہیں رہی۔ اور بذل مجہود میں یہ ہے کہ قرعہ کی یہ حیثیت شروع اسلام میں تھی، پھر جب قمار حرام ہوا تو قرعہ کی یہ حیثیت بھی منسوخ ہوگئی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب القرعة في المشكلات (کتاب الشهادة) میں جو روایات ذکر کی ہیں وہ سب باب دیانات سے ہیں، باب حکم (قضاء) سے کوئی بھی روایت نہیں ہے (فیض الباری)

غرض احناف کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب مذکورہ بالا فیصلہ کیا تھا اس وقت قرعہ کی ایک خاص حیثیت تھی جو بعد میں باقی نہیں رہی، اس لئے آج اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر غلام کا ایک تہائی آزاد ہوگا اور اس پر دو تہائی قیمت کمانا لازم ہوگا۔

[۵۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، عَنْ الثَّقَفِيِّ، كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ بِهَذَا الإِسْنَادِ، أَمَّا حَمَّادٌ فَحَدِيثُهُ كَرِوَايَةِ ابْنِ عُلَيَّةَ، وَأَمَّا الثَّقَفِيُّ فَفِي حَدِيثِهِ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ فَأَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ.

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَحَمَّادٍ.

وضاحت: حماد بن زید اور عبدالوہاب ثقفی نے بھی یہ حدیث ایوبؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے اسماعیل بن علیہؒ نے روایت کی ہے، حمادؒ کی روایت ابن علیہؒ کی روایت کے مانند ہے، اور عبدالوہاب ثقفی کی روایت میں یہ ہے کہ: انصار کے ایک شخص نے موت کے وقت وصیت کی اور اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے۔

اور یہ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے محمد بن سیرینؒ نے بھی روایت کی ہے، اور ابن علیہ اور حماد کے مثل روایت کی ہے۔

۱۳- بَابُ جَوَازِ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر کو بیچنے کا جواز

مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا نے کہہ دیا ہو: أنتَ حُرٌّ عن دُبُرٍ مِّنِّي: میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ تدبیر کے بعد بھی مدبر: غلام ہی رہتا ہے، لیکن اب اس کو نہ بیچ سکتے ہیں، نہ ہبہ کر سکتے ہیں، اور نہ کسی اور طرح سے ــــ آزاد کرنے کے علاوہ ــــ آقا کی ملکیت سے نکل سکتا ہے، پھر جب آقا مرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

پھر تدبیر کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید، مطلق یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں جب بھی مروں تو تو آزاد ہے، اور مقید یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں سفر حج میں جا رہا ہوں اگر اس سفر میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، پس اگر آقا سفر حج میں نہیں مرا تو تدبیر ختم ہو گئی، آقا اس کو بیچ سکتا ہے اور اگر سفر حج میں مر گیا تو وہ آزاد ہو گیا، اب بیچنے کا سوال ہی نہیں۔

[۵۸-] حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ؛ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟" فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ.

قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ.

ترجمہ: ایک انصاری صحابی نے جن کا نام ابومذکور تھا، اپنے غلام یعقوب کو مدبر بنایا چونکہ ان کے پاس اس غلام کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہیں تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے اس کو نعیم بن نحام کے ہاتھ فروخت کردیا، وہ قبطی غلام (مصر کا باشندہ) تھا اور وہ ہمیشہ غلام ہی رہا۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال میں اس کا انتقال ہوا۔

مذاہبِ فقہاء:

مدبر مطلق کو آقا کے مرنے کے بعد بالاتفاق فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ موت کے ساتھ ہی آزاد ہوجائے گا، البتہ آقا کی حیات میں فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک مدبر مطلق کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ اگرچہ فی الحال آزاد نہیں ہوا مگر آزادی کا اس کو استحقاق حاصل ہوگیا ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں، البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں: اگر مدبر بنانے سے پہلے آقا مدیون ہو اور غلام دین میں مشغول ہو یعنی اس غلام کو بیچ کر ہی قرض ادا کیا جاسکتا ہو، قرض کو ادا کرنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو آقا اس مدبر غلام کو بیچ سکتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، البتہ قاضی تدبیر فسخ کرکے غلام کو بیچ سکتا ہے۔

مستدلات:

اس حدیث سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ غلام مدبر مطلق تھا اور آنحضور ﷺ نے اس کو فروخت کیا، معلوم ہوا کہ مدبر مطلق کو فروخت کرسکتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا جواب یہ ہے کہ وہ غلام دین میں مشغول تھا اس لئے فروخت کیا گیا، اس سے ہر مدبر مطلق کی بیع کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو آنحضور ﷺ نے یعنی قاضی نے فروخت کیا تھا، مولیٰ نے فروخت نہیں کیا تھا، اور وہ مدبر جو دین میں مشغول ہو قاضی تدبیر فسخ کرکے اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ مولیٰ کو یہ حق نہیں۔ غرض یہ حدیث کسی کے بھی معارض نہیں اور اختلاف نص فہمی کا ہے۔

[۵۹-] وحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ: سَمِعَ عَمْرٌو جَابِرًا يَقُولُ: دَبَّرَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ غُلَامًا لَهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَاعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ جَابِرٌ: فَاشْتَرَاهُ ابْنُ النَّحَّامِ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ، فِي إِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُدَبَّرِ، نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ.

وضاحت: گذشتہ حدیث حماد بن زید نے بواسطہ عمرو بن دینار حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی، اور اس کو سفیان بن عیینہؒ نے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔

اور ابوالزبیر نے بھی حضرت جابرؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے جو حماد بن زید عن عمرو بن دینار کے ہم معنی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ (يَعْنِي الْحِزَامِيَّ) عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ (ح) وحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى (يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ) عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ الْمُعَلِّمِ: حَدَّثَنِي عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مَطَرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، وَأَبِي الزُّبَيْرِ، وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ؛ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَهُمْ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ؛ كُلُّ هَؤُلَاءِ قَالَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمَعْنَى حَدِيثِ حَمَّادٍ وَابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے چند اساتذہ سے روایت کیا ہے: (۱) قتیبہؒ نے بواسطہ عبدالحمیدؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (۲) عبداللہ بن ہاشم نے بواسطہ ذکوان اور عطاء بن ابی رباح حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے (۳) اور ابوغسان مِسْمَعی نے بواسطہ مطر: عطاء بن ابی رباح، ابوالزبیر اور عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے اور وہ سب حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ کی جو عمرو بن دینار سے روایت ہے: اس کے مانند روایت کرتے ہیں۔

الحمدللہ! کتاب الایمان کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی
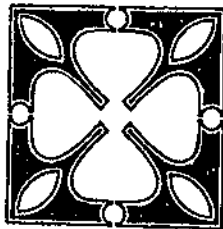
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸- كِتَابُ الْقَسَامَةِ وَالْمُحَارِبِيْنَ وَالْقِصَاصِ وَالدِّيَاتِ

۱- بَابُ الْقَسَامَةِ

قتلِ مجہول میں قسمیں کھلانا

قسامہ اور قسم مترادف الفاظ ہیں، دونوں کے معنی ہیں: حلف برداری، مگر قسامہ: خاص قسم کی حلف برداری کا نام ہے، مطلق قسم کھانا قسامہ نہیں ہے۔ جاننا چاہئے کہ اسلامی حکومت میں کوئی خون رائگاں نہیں جاتا، بہر صورت قاتل کا پتہ چلایا جاتا ہے، اگر کسی بھی صورت سے قاتل کا پتہ نہ چلے تو آخری صورت قسامہ ہے، یعنی جہاں لاش ملی ہے اور اس پر قتل کے آثار ہیں، مقتول کے ورثاء وہاں کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں گے اور وہ سب قاضی کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ نہ انھوں نے قتل کیا نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں، کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں کوئی نہ کوئی قتل سے واقف ہوگا، پس وہ ضرور نشاندہی کرے گا، جھوٹی قسم نہیں کھائے گا، اور اگر سب قسمیں کھالیں تو بستی والوں پر دیت ڈال دی جائے گی۔

اور قسامہ سے فیصلہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ قتل کبھی مخفی جگہ میں یا تاریک رات میں ہوتا ہے جہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا، پس اگر مخفی قتل کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ گواہ نہیں، تو لوگ قتل پر جری ہوجائیں گے، اور اگر بے دلیل مقتول کے ورثاء کا دعوی مان لیا جائے گا تو ہر کوئی اپنے دشمن پر دعوی ٹھوک دے گا کہ اس نے قتل کیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ قسامہ سے فیصلہ کیا جائے۔ (تفصیل حدیث کے بعد آئے گی)

[۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ يَحْيَى (وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ) عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ أَبِي حَثْمَةَ (قَالَ يَحْيَى: وَحَسِبْتُ قَالَ) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ، حَتَّى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَا هُنَالِكَ، ثُمَّ إِذَا مُحَيِّصَةُ يَجِدُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيلًا، فَدَفَنَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ فِي السِّنِّ فَصَمَتَ فَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ وَتَكَلَّمَ مَعَهُمَا، فَذَكَرُوا

لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ، فَقَالَ لَهُمْ: أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ؟" (أَوْ قَاتِلَكُمْ) قَالُوا: وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ؟ قَالَ: "فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا؟" قَالُوا: وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى عَقْلَهُ.

ترجمہ مع وضاحت: عبداللہ بن سہل اوران کے چچازاد بھائی محیّصۃ بن مسعود خیبر گئے، وہاں پہنچ کر دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور اپنی اپنی جائدادیں دیکھنے چلے گئے، پھر جب محیصہ: عبداللہ کے پاس پہنچے تو وہ مرے ہوئے تھے اور خون میں لتھڑے ہوئے تھے، پس وہ اوران کے بھائی حویّصہ اور مقتول کا بھائی عبدالرحمٰن خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، مقتول کا بھائی عبدالرحمٰن تینوں میں کم عمر تھا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات کرنی چاہی مگر وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس لئے نبی ﷺ نے خوبصورت طریقہ سے اس کو روک دیا، فرمایا: بڑے کو بولنے کا موقع دو، چنانچہ وہ خاموش ہوگیا اور اس کے چچازاد بھائیوں نے بات شروع کی، پھر اس نے بھی ان دونوں کے ساتھ بات کی، یعنی بیچ بیچ میں وہ بھی بولتا رہا، انھوں نے نبی ﷺ سے عبداللہ بن سہلؓ کے قتل کا واقعہ بیان کیا (اور جس یہودی کے پاس ان کی زمین تھی اس پر شک ظاہر کیا) آپؐ نے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھانے کو تیار ہو جس کے نتیجہ میں تم اپنے صاحب کے یا فرمایا اپنے قاتل کے مستحق بن جاؤ؟ انھوں نے کہا: جب ہم وہاں موجود نہیں تھے اور ہم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تو ہم قسمیں کیسے کھائیں؟ آپؐ نے فرمایا: پس یہود پچاس قسمیں کھا کر تمہارے مطالبہ سے سبکدوش ہوجائیں گے، ان لوگوں نے کہا: ہم ان سے قسمیں کیسے لیں وہ تو کفار ہیں؟ پس جب آپؐ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو عبداللہ کی دیت اپنے پاس سے ادا فرمائی، اور معاملہ ختم کردیا۔

مذاہبِ فقہاء:

بابِ قسامہ میں ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے اس کی بنیاد: قسامہ کی علت میں اختلاف ہے یعنی کس صورت میں قسامہ ہوگا اور کس صورت میں نہیں ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے: احناف کے نزدیک اگر کوئی ایسی لاش ملی ہے جس پر زخم کا نشان ہے یا اس کو پیٹا گیا ہے یا گلا گھونٹا گیا ہے اور وہ لاش ایسی جگہ ملی ہے جو کسی قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلہ میں یا مسجد میں یا کسی گھر میں ملی ہے یا بستی سے اتنی قریب ملی ہے کہ فریاد کرنے والے کی آواز لوگوں تک پہنچ سکتی ہے تو قسمیں کھلائی جائیں گی اور اگر لاش پر کوئی نشان نہیں اور ڈاکٹری رپورٹ بھی طبعی موت کی ہے یا گاؤں سے بہت دور ویرانہ میں لاش ملی ہے تو قسامہ نہیں، احناف نے یہ علت باب کی حدیث سے سمجھی ہے، یہ واقعہ زمانۂ اسلام کا ہے، اس لئے اس سے علت اخذ کرنا اولیٰ ہے۔

اور شوافع وغیرہ کے نزدیک: اگر کوئی شخص مقتول پایا گیا اور کسی شخص پر شبہ ہے کہ اس نے قتل کیا ہے اور یہ شبہ یا تو

مقتول کے نزعی بیان سے پیدا ہوا ہو یا نا تمام شہادت (ایک شخص کی گواہی) سے یا اس قسم کی کسی اور بات سے پیدا ہوا ہو، مثلاً قتل کی جگہ سے ایک شخص خون آلود خنجر لے کر بھاگا تو قسامہ ہوگا، اور اگر کسی پر شبہ نہیں تو قسامہ نہیں ہوگا۔ ان حضرات نے یہ علت ابوطالب کے فیصلے سے اخذ کی ہے، اس واقعہ میں ایک شخص نے خبر دی تھی جس سے شبہ پیدا ہوا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہاشمی کو قریش کی ایک دوسری شاخ کے آدمی نے مزدور رکھا اور سفر میں لے گیا، مزدور نے اونٹ کے پیر باندھنے کی رسی ایک دوسرے ہاشمی کو دیدی، اس پر مزدور رکھنے والے نے اس کو قتل کر دیا اور معاملہ چھپا دیا، مگر مرنے والے نے ایک یمنی کو وصیت کی کہ وہ اس قتل کی خبر ابوطالب کو پہنچائے، جب ابوطالب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قاتل کے پاس گئے اور کہا: تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو: یا تو دیت کے سو اونٹ ادا کرو، اس لئے کہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے یا تمہاری قوم کے پچاس آدمی قسمیں کھائیں کہ تم نے اس کو قتل نہیں کیا، یا ہم تمہیں مقتول کے بدلے میں قتل کریں گے، اس نے اپنی قوم سے مشورہ کیا، اس کی قوم قسمیں کھانے کے لئے تیار ہوگئی مگر ایک عورت نے اپنے لڑکے کے لئے ابو طالب سے معافی لے لی اور ایک شخص نے قسم کے بدل دو اونٹ دیدیئے، باقی اڑتالیس نے جھوٹی قسمیں کھالیں، ابن عباسؓ قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ سال پورا نہیں ہوا تھا کہ سب کے سب مر گئے (بخاری حدیث ۳۸۴۵)

باب قسامہ میں تین مسئلوں میں اختلاف ہے:

پہلا مسئلہ: قسامہ کے لئے لَوث (کسی بات کا غیر واضح ثبوت، شبہ) ضروری ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں، صرف اتنی بات ضروری ہے کہ موت حادثاتی ہو طبعی نہ ہو، معین شخص یا معین لوگوں پر شبہ ہونا ضروری نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قسمیں لینے کے لئے لوث ضروری ہے یعنی کسی معین شخص پر یا معین لوگوں پر شبہ ہو کہ انھوں نے قتل کیا ہے تب ان سے قسمیں لی جائیں گی۔

دوسرا مسئلہ: قسامہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قصاص ثابت ہوتا ہے، جب مقتول کے ورثاء کسی معین آدمی کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا اور دیگر فقہاء کے نزدیک قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہوسکتا، اس سے دیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

تیسرا مسئلہ: قسامہ میں پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک مقتول کے ورثاء پر قسمیں نہیں، اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے، اگر وہ کسی معین آدمی کے بارے میں عمداً قتل کرنے کی پچاس قسمیں کھالیں امام شافعی رحمہ اللہ کے مختار قول کے مطابق دیت مغلظہ واجب ہوگی، اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا (امام شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے) اور قتل خطا کی قسمیں کھائیں تو بالاتفاق دیت مخففہ واجب ہوگی، اور اگر مقتول کے ورثا قسمیں کھانے سے انکار کریں تو مدعی علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے، اگر وہ قسمیں کھانے سے انکار کریں تو ان پر دیت مخففہ لازم ہوگی، اور

قسمیں کھالیں تو وہ قصاص ودیت سے بری ہوجائیں گے(۱)۔

مزید تفصیل و تنقیح کی غرض سے چند باتیں دوبارہ عرض ہیں:

پہلی بات: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مدعیٰ علیہ کا مشخص و معین ہونا ضروری ہے، خواہ وہ مدعیٰ علیہ ایک ہو یا زیادہ، اگر مدعیٰ علیہ معین نہیں تو قسامہ نہیں، دعویٰ خارج ہوجائے گا، اور احناف کے نزدیک مدعیٰ علیہ کا معین ہونا ضروری نہیں، صرف اتنی بات کافی ہے کہ موت حادثاتی ہو، طبعی نہ ہو، چنانچہ باب میں مذکور واقعہ میں کوئی معین شخص مدعیٰ علیہ نہیں تھا، پھر بھی آنحضور ﷺ نے قسامہ کا فیصلہ فرمایا۔ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مستدل خواجہ ابو طالب کا واقعہ ہے اس میں مدعیٰ علیہ مشخص و معین تھا، غرض: احناف نے مسئلہ کا مدار باب میں مذکور واقعہ پر رکھا ہے، جو زمانۂ اسلام کا واقعہ ہے، اس لئے اس پر مسئلہ کا مدار رکھنا اولیٰ ہے۔

بہ الفاظ دیگر: قسامہ کے لئے لَوث (شبہ) ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی کسی معین شخص یا اشخاص پر شبہ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں، صرف اتنی بات کافی ہے کہ موت حادثاتی ہو، طبعی نہ ہو، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لَوث ضروری ہے، یعنی کسی معین شخص یا اشخاص پر شبہ ہو کہ انھوں نے قتل کیا ہے تب ان سے قسمیں لی جائیں گی۔

ملحوظہ: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک لَوث یعنی شبہ ضروری ہے خواہ وہ شبہ مقتول کے نزعی بیان سے پیدا ہوا ہو، یا نا تمام شہادت (ایک شخص کی گواہی) سے یا اس قسم کی کسی اور بات سے پیدا ہوا ہو، مثلاً: قتل کی جگہ سے ایک شخص خون آلود خنجر لے کر بھاگا، یا جن لوگوں کے بیچ مقتول پایا گیا ان سے پرانی دشمنی تھی، یہ شبہ پیدا کرنے والی بات ہے، پس قسامہ ہوگا، اور کسی پر شبہ نہ ہو تو قسامہ نہیں۔

دوسری بات: قتلِ مجہول میں جہاں لاش ملی ہے وہاں کے پچاس آدمی قسمیں کھائیں گے، جو سب عاقل بالغ، آزاد اور معزز لوگ ہونگے، اور مقتول کے ورثاء ان کا انتخاب کریں گے اور وہ سب قاضی کے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ نہ انھوں نے قتل کیا ہے اور نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں، کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں سے کوئی نہ کوئی قتل سے واقف ہوگا، پس وہ ضرور نشاندہی کرے گا، جھوٹی قسم نہیں کھائے گا، اور اگر وہ سب قسمیں کھالیں تو بستی والوں پر دیت ڈال دی جائے گی تا کہ خون رائگاں نہ جائے اور لوگ آئندہ چوکنا رہ کر زندگی گذاریں، اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردیں تو ان کو قید و بند کی صعوبت سے گذارا جائے گا تا آنکہ وہ قسمیں کھالیں یا قاتل کا پتہ بتادیں، اور کسی بستی میں پچاس سے کم لوگ ہوں تو تکرار قسم کے ساتھ پچاس قسموں کی تعداد پوری کریں گے (یہ تفصیل احناف کے یہاں ہے، اور آئندہ چوتھی بات ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے)

تیسری بات: امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قسامہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے، یعنی اگر مقتول کے ورثاء

---

(۱) ملحوظہ: تحفۃ القاری اور تحفۃ الالمعی میں اس جگہ عبارت میں سقط ہے، یہاں صحیح کیا گیا ہے، قارئین نوٹ فرمالیں ۱۲

کسی معین شخص کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم ہے، اور حضرت کا قول جدید اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہوسکتا، اس سے دیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی بات: حنفیہ کے نزدیک قسامہ میں مقتول کے ورثاء پر قسمیں نہیں، اور جمہور کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء قسمیں کھائیں گے، اگر وہ کسی معین شخص کے بارے میں عمداً قتل کرنے کی پچاس قسمیں کھالیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے مختار قول کے مطابق دیت مغلظہ واجب ہوگی، اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا، اور قتل خطاء کی قسمیں کھائیں تو بالاتفاق دیت مخففہ واجب ہوگی، اور اگر مقتول کے ورثاء قسمیں کھانے سے انکار کردیں تو مدعی علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے، اگر وہ قسمیں کھالیں تو وہ قصاص و دیت سے بری ہوجائیں گے، اور اگر انکار کردیں تو ان پر دیت واجب ہوگی۔

غرض: جمہور کے نزدیک بستی والوں پر قسمیں اسی وقت واجب ہونگی جبکہ مقتول کے ورثاء قسمیں کھانے سے انکار کریں، اور احناف کے نزدیک بستی والوں ہی کو قسمیں کھانی ہیں، مقتول کے ورثاء پر قسمیں نہیں، اور بستی والوں پر ہر حال میں دیت واجب ہوگی، اور جمہور کے نزدیک اگر بستی والے قسم کھالیں گے تو وہ دیت سے بری ہوجائیں گے، خواجہ ابو طالب کے واقعہ میں قسمیں کھانے سے قوم دیت سے بری ہوگئی تھی۔

ملحوظہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء قسم کھانے سے انکار کریں تو بستی والے قسمیں کھائیں گے، اور اگر وہ بھی قسمیں کھانے سے انکار کردیں تو قسم کو مدعی پر یعنی مقتول کے ورثاء پر لوٹایا جائے گا، اگر وہ قسمیں کھالیں تو دیت واجب ہوگی ورنہ مقدمہ خارج کردیا جائے گا، مغنی ابن قدامہ میں ہے: وقال أصحابُ الشّافعي: إذا نَكَلَ الْمُدَّعَى عليهم رُدَّتِ الأَيْمَانُ على المُدَّعِين فإن حَلَفُوا استَحَقُّوا وإن نَكَلُوا فلا شَيْءَ لَهُمْ۔

دلائل:

جاننا چاہئے کہ باب میں مذکور واقعہ روایت بالمعنی ہوکر مختلف ترتیب اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اور ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مسئلہ کی تفصیل و تنقیح کی ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ پہلے اولیاءِ مقتول قسمیں کھائیں گے اس لئے کہ نبی ﷺ نے انہی سے ابتداء کی تھی، فرمایا تھا: أتحلِفُونَ خمسين يميناً؟ کیا تم پچاس قسمیں کھاؤ گے؟

مگر احناف مشہور حدیث: البَيِّنَةُ على المُدَّعِيْ واليمينُ على من أنكرَ: کو اصل قرار دیتے ہیں، اولیاءِ مقتول مدعی ہیں اور جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ مدعی علیہم ہیں، پس قسمیں انہی کو کھانی ہے، نہ کہ اولیاء مقتول کو —— اور احناف

نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت کو لیا ہے، ابوداؤد شریف میں حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت میں مذکور واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے سب سے پہلے اولیاءِ مقتول سے جو مدعی تھے گواہ مانگے، انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس گواہ نہیں، آپ نے فرمایا: پھر یہود کے پچاس آدمیوں سے قسمیں لے لو، انھوں نے کہا: ہمیں یہود کی قسموں پر اعتماد نہیں، آپ نے فرمایا: ''کہ تم قسمیں کھالو؟'' یعنی جب تمہارے پاس گواہ نہیں، اور مدعی علیہم کی قسموں پر تمہیں اعتماد نہیں تو تم قسمیں کھاؤ گے؟ یہ نبی ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ گواہ یا قسم ہی پر تو فیصلہ ہوگا، تمہاری قسموں کا اعتبار تھوڑے ہے تم تو مدعی ہو؟!

غرض: حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث البينة على المدعي واليمين على من أنكر کے اصول کے مطابق ہے، اس لئے احناف نے اس کو لیا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ایسے ہی ایک مجہول قتل میں صحابہ کی موجودگی میں مدعی علیہم ہی سے قسمیں لی تھیں، گویا صحابہ کا اس پر اجماع ہے۔

اور باب کی حدیث (أَتَحْلِفُونَ خَمسِينَ يَمِينًا) میں ہمزہ استفہام انکاری ہے، یعنی تمہارا حق ان کو قسمیں کھلانے کا ہے، جب تم اس پر راضی نہیں ہو تو کیا تم لوگ پچاس قسمیں کھا کر اپنا حق وصول کرو گے؟ یہ ممکن نہیں، روایات میں باہم تطبیق کے لئے یہ تاویل کرنی ضروری ہے۔

قوله: فَتَسْتَحِقُّونَ صاحِبَكم: بعض روایت میں قَاتِلَكُمْ اور بعض میں دَمَ صاحبكم ہے، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اولیاء مقتول اگر کسی معین شخص کے بارے میں قتل عمد کی قسمیں کھالیں تو قصاص واجب ہو جائے گا، حدیث شریف کا یہ جزء ان کا مستدل ہے —— اور احناف وشوافع کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ میں آنحضور ﷺ نے یہود کو خط لکھا تھا اور دیت کی بات لکھی تھی، قصاص کے بارے میں نہیں لکھا تھا، اور قصاص کی بات راوی کا وہم ہے، عبدالرحمٰن بن بجید نے اس کو سہل کا وہم بتایا ہے، ابوداؤد شریف میں ہے: عن عبد الرحمن بن بجيد قال: إن سهلا والله أوهم الحديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى اليهود أنه قد وجد بين أظهركم قتيل فدوه فكتبوا يحلفون بالله خمسين يمينا ما قتلناه وما علمنا قاتلا: یعنی عبدالرحمٰن کہتے ہیں: بخدا! سہل کو حدیث میں وہم ہوا ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے یہود کو لکھا تھا کہ تمہارے درمیان میں مقتول ملا ہے، لہٰذا تم دیت دو، چنانچہ یہود نے جوابی خط میں لکھا کہ وہ پچاس قسمیں کھانے کے لئے تیار ہیں۔

غرض: اولیاء مقتول پچاس قسمیں کھالیں گے تو وہ قصاص کے مستحق ہو جائیں گے یہ بات صحیح نہیں، یہ سہل کا وہم ہے، علاوہ ازیں: اصول مسلّمہ کے خلاف بھی ہے، چنانچہ ابوقلابہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مجلس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اگر پچاس آدمی کسی کے زنا کرنے کی قسمیں کھالیں تو کیا اس کو سنگسار کیا جائے گا؟ یا پچاس آدمی کسی کے چوری کرنے کی قسمیں کھالیں تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ نہ سنگسار کیا جائے گا اور نہ ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح

اولیاءِ مقتول کی پچاس قسموں کی وجہ سے کسی کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا(۱)۔

ملحوظہ: جاننا چاہئے کہ باب کی حدیث مضطرب ہے، مختلف ترتیب اور مختلف الفاظ سے مروی ہے، اس لئے احناف نے شریعت مطہرہ کے جو بنیادی اصول ہیں جو متفق علیہ ہیں ان کو ملحوظ رکھ کر مسئلۂ باب کی تفصیل و تنقیح کی ہے۔

قوله: كَبِّرِ الْكُبْرَ: بڑے کو بولنے کا موقع دینا بڑے کی تعظیم ہے جو شریعتِ مطہرہ کی تعلیم ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: مَن لم يَرحَم صَغيرَنا ويَعرِف حَقَّ كبيرِنا فَلَيسَ مِنَّا: جو ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہمارا ہم مزاج نہیں۔

جاننا چاہئے کہ بڑے کی تعظیم کرنا، بڑے کو بولنے کا موقع دینا اور بڑے سے پوچھنا: یہ تین الگ الگ باتیں ہیں، اور بڑے کی تعظیم مطلق ہے مگر بڑے کو بولنے کا موقع دینا اور بڑے سے پوچھنا: یہ اس وقت ہے جب بڑا اعلم (زیادہ جاننے والا) ہو، ورنہ چھوٹا بولے اور اس سے پوچھا جائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹے تھے مگر سوال کا جواب ان کی سمجھ میں آگیا تھا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تمہیں بولنا چاہئے تھا (بخاری حدیث ۱۳۱) اور لوگ حضرت ابن عباسؓ سے مسائل پوچھتے تھے درانحالیکہ ان کے بڑے حیات تھے، اور حضرت عمرؓ بھی ان کو مجلس میں اہمیت دیتے تھے۔

سوال: جب حدیث کبر الکبر مطلق ہے، تو پھر علماء نے استثناء کیوں کیا؟

جواب: حدیث عام نہیں، خاص مورد میں واقع ہے۔ باب کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ کا خیبر میں قتل ہوا، ان کا ساتھی مُحَيِّصَة واپس آیا، پھر وہ اور اس کا بھائی حُوَيِّصَة اور مقتول کا بھائی عبدالرحمٰن خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، مقتول کا بھائی یہود کی حرکت سے بُھنا ہوا تھا، اس نے بولنا شروع کیا، ایسا شخص بولنے میں توازن قائم نہیں رکھ سکتا، چنانچہ آپؐ نے اس سے کہا: ''بڑے کو بولنے کا موقع دو'' وہ خاموش ہوگیا، اور حویصہ اور محیصہ نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا، پھر بھی عبدالرحمٰن بیچ بیچ میں بولتے رہے، مگر پھر آپؐ نے ان کو نہیں ٹوکا، پس حدیث خاص ہے، ایک مصلحت سے آپؐ نے یہ بات فرمائی تھی۔

قوله: أَعْطَى عَقْلَه: یہاں یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے دیت عطا فرمائی تھی، اور بعض روایت میں ہے کہ یہود نے دیت ادا کی تھی، اور یہ تعارض نہیں، اس لئے کہ بعض دیت آنحضور ﷺ نے ادا فرمائی تھی، جھگڑے کے تصفیہ کے لئے

(۱) حضرت ابو قلابہ اور حضرت عنبسہ کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مجلس میں قسامہ میں قصاص ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ایک مناظرہ ہوا تھا، حضرت عنبسہ کی رائے یہ تھی کہ قسامہ میں قصاص ہے اور حضرت ابو قلابہؒ فرمارہے تھے کہ نبی ﷺ نے صرف تین صورتوں میں قتل کو جائز رکھا ہے: قتل ناحق میں، زنا کی سزا میں اور ارتداد میں، اور قسامہ ان کے علاوہ ہے پس اس میں قصاص و قتل نہیں، پھر حضرت ابو قلابہ کے سمجھانے سے حضرت عنبسہ نے اپنی بات سے رجوع کرلیا تھا، اور حضرت ابو قلابہ کی تعریف کی تھی، وہ پورا واقعہ اور مناظرہ آئندہ باب (باب ۲ حدیث نمبر ۱۲) میں ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تیس اونٹ حضور اکرم ﷺ نے عطا فرمائے تھے اور باقی یہود نے۔ واللہ اعلم

[۲-] وحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ؛ أَنَّ مُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ انْطَلَقَا قِبَلَ خَيْبَرَ، فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ، فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلٍ، فَاتَّهَمُوا الْيَهُودَ، فَجَاءَ أَخُوهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَابْنَا عَمِّهِ حُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فِي أَمْرِ أَخِيهِ، وَهُوَ أَصْغَرُ مِنْهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَبِّرِ الْكُبْرَ" أَوْ قَالَ: "لِيَبْدَأِ الْأَكْبَرُ" فَتَكَلَّمَا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَيُدْفَعُ بِرُمَّتِهِ؟" قَالُوا: أَمْرٌ لَمْ نَشْهَدْهُ كَيْفَ نَحْلِفُ؟ قَالَ: "فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ؟" قَالُوا: يَارَسُولَ اللَّهِ! قَوْمٌ كُفَّارٌ، قَالَ: فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ.

قَالَ سَهْلٌ: فَدَخَلْتُ مِرْبَدًا لَهُمْ يَوْمًا، فَرَكَضَتْنِي نَاقَةٌ مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ رَكْضَةً بِرِجْلِهَا، قَالَ حَمَّادٌ: هٰذَا أَوْ نَحْوَهُ.

ترجمہ: سہل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ محیّصة بن مسعود اور عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہما خیبر کی طرف گئے اور دونوں اپنے باغوں میں جدا ہو گئے یعنی ہر ایک اپنا کھیت دیکھنے گیا، پس عبداللہ بن سہل شہید کر دیئے گئے، پس انھوں نے یہود کو متہم گردانا، پس مقتول کا بھائی عبدالرحمٰنؓ اور دو چچازاد بھائی حُویّصہؓ اور مُحیّصہؓ نبی ﷺ کے پاس آئے، پس عبدالرحمٰنؓ نے اپنے (مقتول) بھائی کے سلسلہ میں بات شروع کی ـــــ اور وہ تینوں میں سب سے چھوٹا تھا ـــــ پس نبی ﷺ نے فرمایا: بڑے کو بولنے دو ـــــ یا فرمایا ـــــ چاہئے کہ بڑا بات کرے (یہ شک راوی ہے) پس دونوں چچازاد بھائیوں نے بات کی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا تم میں سے پچاس آدمی یہود کے کسی معین شخص پر قسم کھاؤ گے پس تم اس کی دیت دیئے جاؤ؟ (ہمزہ استفہام انکاری پوشیدہ ہے) انھوں نے عرض کیا: ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں، ہم موجود نہیں تھے اور ہم نے دیکھا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: پس یہود تمہارے سامنے پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کفار لوگ ہیں، ان کی قسموں کا ہم کیسے اعتبار کریں، راوی کہتا ہے: پس نبی ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو دیت دی۔

سہلؓ کہتے ہیں: میں ایک دن ان اونٹوں کے باڑے میں گیا (جو دیت میں ملے تھے) پس ایک اونٹنی نے مجھے لات ماری (یہ راوی نے دیت والی بات کو پختہ کرنے کے لئے اپنا مشاہدہ بیان کیا)

لغات: رُمَّة: پرانی رسّی کا ٹکڑا، جمع: رُمَم، وہ رسّی جس سے قاتل کو باندھ کر قصاص کے لئے مقتول کے سپرد کیا جائے،

مگر یہاں دیت مراد ہے ـــــ وَدَى يَدِيْ وَدْيًا وَدِيَةً: خون بہا دینا ـــــ المِرْبَد: اونٹ وغیرہ کا باڑہ، کھجور خشک کرنے کی جگہ، گھروں کا پیچھے کا میدان رَبَد الإبلَ: اونٹ کو باڑہ میں باندھنا ـــــ الركضة: دھکا، رَكَضَ (ن) رَكْضًا: دوڑنا، پاؤں ہلانا ـــــ دفع کرنا، دھکا دینا ـــــ الفرس برجليه: گھوڑے کو ایڑ لگانا۔

قوله: أمرٌ لم نَشْهده إلخ: یہ حنفیہ کی دلیل ہے، احناف کے نزدیک قسامہ میں لوث یعنی کسی معین پر شبہ ہونا ضروری نہیں، مذکورہ واقعہ میں اولیاء کو کسی معین پر شبہ نہیں تھا پھر بھی نبی ﷺ نے قسامہ کی بات فرمائی۔

قوله: فتبرئكم يهود إلخ: یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے، ان کے نزدیک اگر مدعیٰ علیہم پچاس قسمیں کھالیں تو دیت وقصاص سے بری ہوجاتے ہیں۔

وحَدَّثَنَا الْقَوَارِيرِيُّ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: فَعَقَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ، وَلَمْ يَقُلْ فِي حَدِيثِهِ فَرَكَضَتْنِي نَاقَةٌ.

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، (يَعْنِي الثَّقَفِيَّ) جَمِيعًا، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ.

وضاحت: یہ حدیث یحییٰ بن سعیدؒ سے بشر بن المفضل نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث حماد بن زید نے روایت کی تھی، اور حماد بن زید کی روایت میں استاذ الاستاذ بشیر بن یسار دو اساتذہ: سہل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیجؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ابن المفضل کی روایت میں بشیر بن یسار نے تنہا سہل بن ابی حثمہ سے روایت کیا ہے، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ابن المفضل کی روایت میں فَوَدَاه کے بجائے فَعَقَلَه ہے، اور مِنْ قِبَلِه کی جگہ من عنده ہے، مطلب ایک ہے، اور ابن المفضل کی روایت میں اونٹ کے لات مارنے کی بات بھی نہیں ہے۔

اور اس حدیث کو یحییٰ بن سعید سے ابن عیینہ اور عبد الوہاب ثقفی بھی روایت کرتے ہیں، اور ابن المفضل، حماد بن زید اور لیث کے مانند روایت کرتے ہیں۔

[۳-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّيْنِ، ثُمَّ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ، خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ، وَأَهْلُهَا يَهُودُ، فَتَفَرَّقَا لِحَاجَتِهِمَا، فَقُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ، فَوُجِدَ فِي شَرَبَةٍ مَقْتُولًا، فَدَفَنَهُ صَاحِبُهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى الْمَدِينَةِ،

فَمَشَى أَخُو الْمَقْتُولِ، عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ، فَذَكَرُوا (لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) شَأْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَحَيْثُ قُتِلَ، فَزَعَمَ بُشَيْرٌ، وَهُوَ يُحَدِّثُ عَمَّنْ أَدْرَكَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ: "تَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ؟" (أَوْصَاحِبَكُمْ) قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ، مَا شَهِدْنَا وَلَا حَضَرْنَا، فَزَعَمَ أَنَّهُ قَالَ: "فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ؟" فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَزَعَمَ بُشَيْرٌ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلَهُ مِنْ عِنْدِهِ.

ترجمہ: بشیر بن یسارؒ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سہلؓ اور محیّصہ بن مسعودؓ ــــــ جن کا انصاری قبیلہ بنو حارثہ سے تعلق تھا ــــــ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں خیبر کی طرف نکلے، ان دنوں مسلمانوں کے درمیان اور خیبر کے یہود کے درمیان صلح تھی، پس دونوں اپنی ضرورتوں کی وجہ سے جدا ہوئے، پس عبداللہ بن سہلؓ قتل کردیے گئے، اور وہ ایک گڑھے میں مرے ہوئے ملے، پس ان کے ساتھی محیّصہؓ نے ان کو دفن کردیا، اور مقتول کے بھائی عبدالرحمٰن، محیصہ اور حویصہ چلے (اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر) انھوں نے نبی ﷺ کو عبداللہؓ کا واقعہ اور قتل ہونے کی جگہ کے بارے میں بتلایا۔

راوی بشیر بن یسارؒ کہتے ہیں درانحالیکہ وہ ان لوگوں سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کے اصحاب سے ملاقات کی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "تم پچاس قسمیں کھا کر اپنے قاتل کے حقدار بنوگے؟ (ہمزہ استفہام انکاری پوشیدہ ہے) انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نہ ہم نے دیکھا ہے اور نہ ہم وہاں موجود تھے، پس بیان کیا کہ آپؐ نے فرمایا: "پس پچاس قسمیں کھا کر تم سے یہود بری ہوجائیں گے" انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم کافروں کی قسموں کو کیسے قبول کریں؟ بشیر کہتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی طرف سے عبداللہ کی دیت ادا فرمائی۔

لغت: شَرَبَة: (بفتحتین) وہ گڑھا جو درخت کے ارد گرد ہوتا ہے جس میں پانی بھر کر رکھتے ہیں، جمع: شَرَب جیسے ثَمَرَة کی جمع: ثَمَر۔

[۳-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ؛ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ، يُقَالُ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ، انْطَلَقَ هُوَ وَابْنُ عَمٍّ لَهُ يُقَالُ لَهُ مُحَيِّصَةُ ابْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ اللَّيْثِ، إِلَى قَوْلِهِ: فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ.

قَالَ يَحْيَى: فَحَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ، قَالَ: لَقَدْ رَكَضَتْنِي فَرِيضَةٌ مِنْ تِلْكَ الْفَرَائِضِ بِالْمِرْبَدِ.

وضاحت: یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے ہُشیم نے روایت کی ہے اور لیث کے مانند روایت کی ہے (جو باب کی پہلی حدیث ہے) اور نبی ﷺ کے اپنے پاس سے دیت دینے کی بات تک روایت کی ہے ــــ آگے کا مضمون لیث کی روایت میں نہیں ہے، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: مجھ سے بشیر بن یسار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے سہل بن ابی حثمہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں: ''ان دیت کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ نے مجھے باڑہ میں لات ماری'' اس میں تحدیث واخبار کی صراحت ہے۔

[۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ: حَدَّثَنَا بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ؛ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ نَفَرًا مِنْهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى خَيْبَرَ، فَتَفَرَّقُوا فِيهَا، فَوَجَدُوا أَحَدَهُمْ قَتِيلًا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ، وَقَالَ فِيهِ: فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْطِلَ دَمَهُ، فَوَدَاهُ مِائَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ.

وضاحت: یہ سعید بن عبید کی حدیث ہے، انھوں نے بھی بشیر بن یسار سے روایت کیا ہے اور اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے، اور ان کی روایت میں اس طرح ہے کہ: صحابہ کی ایک جماعت خیبر گئی، وہاں جا کر وہ جدا ہو گئے، پھر ان میں سے ایک مقتول پایا گیا، باقی حدیث یحییٰ کے مانند روایت کی، اور ان کی روایت کے آخر میں یہ ہے کہ: نبی ﷺ نے ناپسند فرمائی یہ بات کہ ان کا خون رائگاں جائے، اس لئے آپؐ نے صدقہ کے سو اونٹ دیت دیئے ــــ یہ بالمعنی روایت ہے اور یحییٰ کی روایت سے کافی مختلف ہے۔

قوله: مِن إبل الصدقة: یعنی بیت المال سے تالیفِ قلب کے طور پر دیا، اس پر صدقہ کا اطلاق مجازاً کیا ہے، صدقہ اصطلاحی یعنی زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ کے مصارف متعین ہیں، ان کو غیر مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں اس لئے تاویل ناگزیر ہے۔

[٦-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ: يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو لَيْلَى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ؛ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ؛ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ، مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ فَأَخْبَرَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ أَوْ فَقِيرٍ، فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ: أَنْتُمْ، وَاللّٰهِ قَتَلْتُمُوهُ، قَالُوا: وَاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ، فَذَكَرَ لَهُمْ ذَلِكَ، ثُمَّ أَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ، وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُحَيِّصَةَ: "كَبِّرْ، كَبِّرْ" (يُرِيدُ السِّنَّ) فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ" فَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحُوَيِّصَةَ

وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: "أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟" قَالُوا: لَا، قَالَ: "فَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ؟" قَالُوا: لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ نَاقَةٍ حَتّٰى أُدْخِلَتْ عَلَيْهِمُ الدَّارَ.

فَقَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ.

ترجمہ: سہل بن ابی حثمہ کہتے ہیں کہ ان سے ان کی قوم کے کچھ بڑے حضرات نے بیان کیا کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ: دونوں خیبر گئے اپنی کسی ضرورت میں جوان کو درپیش تھی، پس محیصہ آئے اور انھوں نے بتلایا کہ عبداللہ قتل کر دیئے گئے، اور ایک چشمہ میں یا گڈھے میں پھینک دیئے گئے، پس وہ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا: بخدا! تم نے عبداللہ کو مارا ہے، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم نے ان کو نہیں مارا، پھر وہ اپنی قوم میں آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا، پھر وہ اور ان کے بھائی حُوَیِّصہ جو ان سے بڑے تھے اور عبدالرحمٰن خدمتِ نبوی میں آئے، پس مُحَیِّصہ واقعہ بیان کرنے لگے، وہی خیبر میں تھے، پس نبی ﷺ نے محیصہؓ سے فرمایا: بڑے کو بولنے دو، بڑے کو بولنے دو، چنانچہ حویصہ نے بات کی، پھر محیصہ نے بات کی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "یا تو وہ تمہارے آدمی کی دیت دیں یا تم جنگ کا اعلان کر دو" پس نبی ﷺ نے یہود کو اس سلسلہ میں خط لکھا، انھوں نے جواب میں لکھا کہ خدا کی قسم! ہم نے عبداللہ کو نہیں مارا، پس نبی ﷺ نے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن سے فرمایا: "تم قسم کھاؤ گے اور اپنے ساتھی کے خون کے حقدار بنو گے؟ (ہمزہ استفہام انکاری پوشیدہ ہے) انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس تمہاری جگہ یہود قسم کھائیں گے، انھوں نے عرض کیا: وہ مسلمان نہیں ہیں، پس نبی ﷺ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی، چنانچہ ان کے پاس سو اونٹنیاں بھیجیں یہاں تک کہ وہ ان کے گھر میں داخل کی گئیں، سہل کہتے ہیں: پس ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات ماری۔

تشریح: فقیر: گڈھا، گڑھا جس میں درخت کے اردگرد بنا کر پانی بھرا جاتا ہے، اس کو گذشتہ حدیث میں شَرَبَة سے تعبیر کیا گیا ہے ـــــ دمَ صاحبکم: دم اگرچہ قصاص کے معنی میں بھی آتا ہے، مگر یہاں دیت مراد ہے، تمام روایتوں میں تطبیق دینے کے لئے یہ معنی کرنے ضروری ہیں ـــــ نبی ﷺ نے خیبر کے یہود کے پاس اپنے عامل (کارندے) کی معرفت خط بھیجا کہ یا تو مقتول کی دیت دو یا جنگ کا الٹی میٹم سن لو۔

[۷-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى (قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ حَرْمَلَةُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ) أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ، مَوْلَى مَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَرَّ الْقَسَامَةَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.

ترجمہ: ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قسامہ کو اسی طریقہ پر برقرار رکھا جس طریقہ پر وہ زمانہ جاہلیت (اسلام سے پہلے کا دور) میں تھا۔

تشریح: قتل مجہول میں قسمیں لینے کا طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا، اسلام نے اس کو برقرار رکھا، اس لئے کہ قتل کبھی مخفی جگہ میں یا تاریک رات میں ہوتا ہے، جہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا، پس اگر مخفی قتل کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ گواہ نہیں تو لوگ قتل پر جری ہو جائیں گے، اس لئے اسلام نے اس طریقہ کو برقرار رکھا، چنانچہ بخاری شریف (حدیث نمبر ۳۸۴۵) میں خولجہ ابو طالب کا واقعہ ہے جس سے بخوبی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی قسامہ کا طریقہ تھا، اس حدیث کا خلاصہ باب کے شروع میں آچکا ہے۔

[٨-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَزَادَ: وَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ نَاسٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فِي قَتِيلٍ ادَّعَوْهُ عَلَى الْيَهُودِ.

وحَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ) حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ؛ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، أَخْبَرَاهُ عَنْ نَاسٍ مِنَ الأَنْصَارِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ.

وضاحت: یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے ابن جریج نے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے یونس نے روایت کی ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ: نبی ﷺ نے قسامہ کا فیصلہ فرمایا انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان اس قتل کے سلسلہ میں جس کا انھوں نے یہود پر دعوی کیا تھا۔

اور ابو صالح نے بھی یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے روایت کی ہے، زہری کہتے ہیں: ابو سلمہ اور سلیمان بن یسار نے ان کو نبی ﷺ کے بعد انصار صحابہ کے بارے میں بتایا، آگے حدیث ابن جریج کی حدیث کے مانند ہے۔

٢- بَابُ حُكْمِ الْمُحَارِبِينَ وَالْمُرْتَدِّينَ

راہ زنوں اور مرتدین کی سزاؤں کا حکم

مُحَارِب: (اسم فاعل) حَرْب سے ماخوذ ہے، جس کے اصل معنی: سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں، کہا جاتا ہے: حَرَبْتُه مالَه: میں نے اس کا مال چھین لیا، اور حُرِبَ مالُه: اس کا مال چھین لیا گیا، حَرْب: سَلْم کے ضد ہے جس کے معنی ہیں: امن وسلامتی، پس حَارَبَه حِرَابًا وَمُحَارَبَةً (از مفاعلہ) کے معنی ہیں: لوٹ کھسوٹ کرنا اور بدامنی پھیلانا۔

راہ زنی کی سزا کا بیان:

سورۃ المائدہ آیت ۳۳ میں ہے: ''جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں، اور ملک میں فساد (بدامنی) پھیلاتے ہیں: ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور ان کے پیر مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، یا وہ زمین سے دور کردیئے جائیں یعنی قید کردیئے جائیں، یہ سزا ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے، اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے''

راہ زن کی سزا: چور کی سزا سے سخت ہونے کی وجہ:

راہ زن کی سزا: چور کی سزا سے سخت اس لئے تجویز کی گئی ہے کہ راہ زن اکادکا نہیں ہوتے۔ ان کا بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ اور جہاں فسادیوں کا بھاری اجتماع ہو، کچھ لوگ درندہ خُو ضرور ہوتے ہیں۔ ان میں دلیری و بے باکی، مار کاٹ کا جذبہ اور سنگٹھن ہوتا ہے، اس لئے وہ بے پرواہ ہو کر قتل و قتال اور لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں۔ اور اس میں دو طرح سے چوری سے بڑی خرابی ہے۔

اول: مالدار: چور چکار سے تو اپنے اموال کی حفاظت کر سکتے ہیں، مگر راہ رَو: ڈاکوؤں سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے، نہ اس جگہ اور اس وقت میں پولس اور مسلمان مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔

دوم: چور کی بہ نسبت ڈاکو میں لوٹ کھسوٹ کا جذبہ سخت اور بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈاکو جری اور قوی ہوتے ہیں۔ اور ان کا جتھا اور اتحاد و اتفاق ہوتا ہے۔ اور چوری کرنے والوں میں یہ بات نہیں ہوتی ـــــ پس ضروری ہے کہ ڈاکوؤں کی سزا: چوروں کی سزا سے بھاری ہو۔

ڈاکوؤں کی سزاؤں میں تقسیم ہے یا تخییر؟

آیت کریمہ میں راہ زنوں کی چار سزائیں مذکور ہیں: ان کو قتل کیا جائے۔ سولی دی جائے۔ مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔ اور زمین سے دور کردیئے جائیں: یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک: قید کردیئے جائیں، تا آنکہ توبہ کریں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: جلاوطن کئے جائیں۔

ان چاروں سزاؤں کے درمیان حرفِ اَو لایا گیا ہے، جو تقسیم کار کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور چند چیزوں میں اختیار دینے کے لئے بھی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اَو: تخییر کے لئے ہے۔ ان کے نزدیک: امام کو اختیار ہے: ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرم کی شدت و خفت پر نظر کر کے جو مناسب سمجھے سزا دے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اَو کے یہی حقیقی معنی ہیں۔ اور تمام کفارات میں اَو کے یہی معنی مراد ہیں (نور الانوار ص ۱۲۵) پس راہ زنوں کی سزاؤں میں بھی یہی معنی لئے جائیں گے۔

اور باقی ائمہ کے نزدیک: أو تقسیم کار کے لئے ہے۔ پس اگر راہ زنوں نے صرف قتل کیا ہے، مال نہیں لوٹا تو ان کو قتل کیا جائے۔ اور اگر مال بھی لوٹا ہے تو ان کو سولی دی جائے۔ اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔ اور صرف ڈرایا دھمکایا ہے تو قید کیا جائے۔ یا ملک بدر کیا جائے۔ ان حضرات کی دلیل شانِ نزول کی روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۴۲۶-۴۲۸)

ارتداد کی سزاء:

ارتداد کی سزا کی بنیاد: رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''جو شخص اپنا دین یعنی دین اسلام بدل دے یعنی اس کو چھوڑ دے، اس کو قتل کردو'' (رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۳۶۳۳)

تشریح: ارتداد کی یہ سزا اس لئے ہے کہ ملت کو چھوڑنے پر سخت نکیر ضروری ہے، ورنہ ملت کی بے حرمتی کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ دین سماوی لوگوں کے لئے اس فطری امر کی طرح ہو جائے، جس سے جدا نہیں ہوا جاتا۔ یعنی جو شخص اسلام قبول کرے وہ دل وجان سے قبول کرے۔ اور فطری امور کی طرح اس کو اپنائے رہے۔ پس جو اللہ کی مرضی کی خلاف ورزی کرے، وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

اور ارتداد کے تحقق کی صورتیں: یہ ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا (۲) رسولوں کا انکار کرنا (۳) نبی ﷺ کی تکذیب کرنا (۴) قصداً کوئی ایسا فعل کرنا جس سے دین کا کھلا استہزاء ہو (۵) دین کی موٹی موٹی باتوں کا انکار کرنا۔

دلائل: ارتداد کی پہلی تین صورتیں بدیہی ہیں۔ دلائل کی محتاج نہیں۔ چوتھی صورت کی دلیل یہ ہے:

سورۃ التوبہ آیت ۱۲ میں ارشاد پاک ہے: ''اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں، اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے لڑو'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام پر طعن کرنے والا: اگر ذمی ہو تو اس کا عہد و پیمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور مسلمان ہو تو اس کا قتل واجب ہے۔ یہی بات درج ذیل حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

حدیث — حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نبی ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ اور آپ کی برائی کیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا دبایا، یہاں تک کہ وہ مر گئی، پس نبی ﷺ نے اس کا خون رائگاں کر دیا'' (مشکوۃ حدیث ۳۵۵۰)

تشریح: دین اسلام پر طعن کرنے، نبی ﷺ کو گالیاں دینے، اور مسلمانوں کو برملا تکلیف پہنچانے کی وجہ سے اس عورت کا عقد ذمہ باطل ہو گیا۔ اور اس کو قتل کرنا جائز ہو گیا۔ اس لئے نہ اس کا قصاص دلوایا، نہ دیت ادا کروائی۔ یہی حکم مسلمان کا بھی ہے۔ اِس حرکت سے اس کا ایمان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے (بیان القرآن بحوالہ: رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۴۴۳)

[۹-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، كِلَاهُمَا عَنْ هُشَيْمٍ، (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَحُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَاجْتَوَوْهَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا" فَفَعَلُوا، فَصَحُّوا ثُمَّ مَالُوا عَلَى الرُّعَاةِ فَقَتَلُوهُمْ، وَارْتَدُّوا عَنِ الإِسْلَامِ، وَسَاقُوا ذَوْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَعَثَ فِي أَثَرِهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ، فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ، وَتَرَكَهُمْ فِي الْحَرَّةِ حَتَّى مَاتُوا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں آئے، پس ان کو جوی بیماری ہوگئی، ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو صدقات کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو" چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، پس وہ تندرست ہوگئے، پھر وہ چرواہوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو قتل کردیا، اور اسلام سے پھر گئے اور نبی ﷺ کے اونٹ ہنکالے گئے، اس کی نبی ﷺ کو خبر ہوگئی، آپؐ نے ان کے پیچھے لوگ بھیجے، پس وہ پکڑ کر لائے گئے، پس آپؐ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں اور ان کو حرّہ نامی میدان میں ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ مرگئے۔

تشریح:

۱- یہ آٹھ آدمی تھے، چار قبیلہ عُرینہ کے تھے، تین قبیلہ عُکل کے اور ایک کسی اور قبیلہ کا، انھوں نے اسلام قبول کیا مگر ابھی بشاشت ان کے قلوب میں داخل نہیں ہوئی تھی کہ مدینہ منورہ کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی، جوی بیماری لگ گئی، یہ بدہضمی اور یرقان کے علاوہ بیماری ہے، معدہ کی خرابی کا نام بدہضمی ہے اور جگر کی خرابی سے یرقان ہوتا ہے، جوی بیماری ان کے علاوہ ہے، مگر آثار مشترک ہیں۔

۲- جب یہ لوگ تندرست ہوگئے تو ان کی نیت بگڑ گئی اور انھوں نے اونٹوں کے چرواہے کو قتل کردیا، دوسرا چرواہا اس درمیان بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر صورتِ حال بتائی۔ نبی ﷺ نے ان کے پیچھے ایک دستہ روانہ کیا جو ان کو اونٹوں کے ساتھ گرفتار کرلایا، ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیا گیا اور لوہے کی سلائی گرم کرکے ان کی آنکھوں میں پھیر دی گئی اور ان کو حرّہ نامی میدان میں ڈال دیا گیا۔ وہاں وہ شدتِ پیاس سے زمین کاٹتے تھے، آہستہ آہستہ جسم میں سے خون نکل گیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

عرنیین کوسخت سزا کیوں دی گئی؟

۳- ائمہ ثلاثہ قصاص میں مماثلت کے قائل ہیں، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ عرینیین نے نبی ﷺ کے چرواہے کے پہلے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے، پھر ببول کے کانٹوں سے اس کی آنکھیں پھوڑی تھیں، پھر مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا اس لئے نبی ﷺ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔ اور احناف کے نزدیک قصاص تلوار سے ہے خواہ قاتل نے قتل میں کوئی بھی صورت اختیار کی ہو، اس کی صرف گردن ماری جائے گی، زخموں میں مماثلت نہیں ہوگی، اور عرینیین کو یہ سزا سورۂ مائدہ آیت ۳۳ کی رو سے دی گئی تھی۔ وہ اللہ ورسول سے جنگ کرنے والے تھے، ان کو قصاص میں قتل نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ ابوقلابہ فرماتے ہیں: یہ لوگ راہ زن بھی تھے کہ اونٹوں کو ہانک لے گئے، قاتل بھی تھے، چرواہے کو قتل کیا، مرتد بھی ہوگئے، اور اللہ ورسول کے ساتھ جنگ بھی کی، اس لئے ان کو یہ سزا دی گئی، یعنی ان کو قصاصاً قتل نہیں کیا گیا بلکہ ڈاکوؤں والی سزا دی گئی، ارشاد پاک ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ (المائدہ آیت ۳۳) جو لوگ اللہ ورسول کے ساتھ جنگ کریں، اور زمین میں فساد برپا کریں ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے، یا جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ یا زمین سے دور کردیئے جائیں یعنی جلاوطن کئے جائیں یا جیل میں بند کئے جائیں (بخاری حدیث ۲۳۳)

غرض: احناف کے نزدیک قصاص میں مماثلت نہیں، قاتل نے قتل میں کوئی بھی صورت اختیار کی ہو اس کی صرف گردن ماری جائے گی، کیونکہ اگر قتل سے پہلے زخموں کا قصاص لیں گے تو اس سے لاش بگاڑنا لازم آئے گا، اور نبی ﷺ نے مُثلہ سے یعنی لاش بگاڑنے سے منع کیا ہے، نیز آپؐ نے صرف تلوار سے قصاص لینے کا حکم دیا ہے، ابن ماجہ میں حدیث ہے: لَاقَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ: یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے، یہ روایت ناطق ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ قاتل کو ختم کرنا مقصود ہے، دل کی بھڑاس نکالنا اصل مقصد نہیں، اور آیت کریمہ: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ احناف کے نزدیک عام نہیں ہے، بلکہ اس سے وہ زخم مراد ہیں جن کے بعد مجروح اچھا ہوجائے۔

اور حدیث باب کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس طرح سزا سیاسۃً دی گئی تھی، سیاست کے معنی ہیں: مصلحت، یعنی قاضی اگر کسی مجرم کو خاص طریقہ پر سزا دینا مصلحت سمجھے تو اس کو یہ حق ہے، اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ حدود کی تفصیلات نازل ہونے سے پہلے کا ہے، پس سزا دینے کا یہ طریقہ منسوخ ہے (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۵۵)

ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کا حکم

جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، خواہ پالتو جانور ہوں یا جنگلی، ان کے فضلات خواہ آگے کی راہ سے نکلنے والے ہوں یا پیچھے کی راہ سے یعنی پیشاب، لید، گوبر اور مینگنی کی پاکی ناپاکی میں اختلاف ہے۔ تین امام پاک مانتے ہیں اور تین امام ناپاک کہتے ہیں۔ مالک، احمد اور ہمارے محمد رحمہم اللہ تمام فضلات کو پاک کہتے ہیں۔ اور ابو حنیفہ، شافعی اور ابو یوسف رحمہم اللہ ناپاک کہتے ہیں۔ اور نجاست خفیفہ [1] ہے۔ اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک انسان، خنزیر اور کتے کے علاوہ تمام جانوروں کے فضلات پاک ہیں، خواہ وہ ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم۔

استدلال: قائلین طہارت نے اس حدیث سے اونٹوں کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور مینگنیوں کو اس پر قیاس کیا ہے، پھر دیگر ماکول اللحم جانوروں میں یہ حکم متعدی کیا ہے، مگر یہ استدلال بچند وجوہ غور طلب ہے:

۱- جوئی بیماری میں اونٹ کا دودھ پیا جاتا ہے اور پیشاب سونگھا جاتا ہے پیا نہیں جاتا۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف دودھ پینے کا ذکر ہے، پیشاب کا ذکر نہیں (حدیث ۵۶۸۵) طب کی کتابوں میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ پس یہاں جو حدیث ہے: اشربوا من ألبانها وأبوالها: اس کی تقدیر عبارت ہوگی: اشربوا من ألبانها واسْتَنْشَقُوْا من أبوالها: یعنی اونٹوں کا دودھ پیو اور ان کا پیشاب سونگھو۔ پھر دوسرے فعل کو حذف کر کے اس کے معمول کو پہلے فعل کے ساتھ جوڑ دیا جیسے: عَلَفْتُهَا تِبْنًا وماءً: میں نے اس کو بھوسے اور پانی کا چارہ دیا۔ حالانکہ چارہ صرف بھوسے کا دیا جاتا ہے۔ پانی سے تو سیراب کیا جاتا ہے۔ اصل جملہ تھا: عَلَفْتُهَا تِبْنًا وأَرْوَيْتُها ماءً: پھر دوسرے فعل کو حذف کر کے اس کے معمول کو پہلے فعل کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔

۲- اور علی سبیل التسلیم پیشاب پینے کی اجازت علاج کے طور پر تھی۔ پس اس سے طہارت ثابت نہیں ہوتی، جیسے

---

(۱) ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کے بارے میں احناف کے یہاں دو قول ہیں: نجاست غلیظہ کا اور نجاست خفیفہ کا۔ اور دوسرا قول راجح ہے، اس لئے کہ اس کے بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں ائمہ میں اختلاف ہوتا ہے تو حکم ہلکا پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی حدیث مرفوع سے کسی صحابی کا قول و فعل معارض ہو جاتا ہے تو بھی حکم ہلکا پڑتا ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کچھ لوگوں کو آگ میں زندہ جلایا، وہ لوگ آپؓ کی الوہیت کے قائل تھے، آپؓ نے ان کو سمجھایا مگر نہیں مانے تو آپؓ نے ان کو جلانے کی سزا دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو قتل کرتا، جلاتا نہیں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلانے سے منع فرمایا ہے۔ پھر جب حضرت علیؓ کو ابن عباسؓ کی یہ بات پہنچی تو فرمایا: صدق ابنُ عباس: ابن عباس کی بات صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اس حکم شرعی سے واقف تھے، پس ممانعت کی حدیث کو خلافِ اولیٰ پر محمول کریں گے، اس کو حرام قرار نہیں دیں گے اس لئے کہ صحابی کا عمل اس کے معارض ہے، اسی طرح ماکول اللحم جانوروں کے فضلات میں ائمہ میں اختلاف ہوا ہے اس لئے حکم ہلکا پڑ جائے گا اور نجاست خفیفہ قرار دیا جائے گا۔

ایک جنگ میں حضرت زُبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دی تھی مگر اس سے مردوں کے لئے ریشم کی حلت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اجازت علاج کی ضرورت سے تھی۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔

۳- اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے تو صرف دودھ پینے کے لئے فرمایا ہو اور پیشاب انھوں نے خود پیا ہو، کیونکہ عربوں کے تصورات میں جوئی بیماری میں پیشاب بھی پیا جاتا تھا۔

قائلین نجاست کے دلائل: جو تین امام ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کو ناپاک کہتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ترمذی (حدیث ۱۸۱۸) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے جَلّالة جانور کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع کیا۔ جِلّة کے معنی ہیں: مینگنی، اور جَلّالة: وہ بکری وغیرہ ہے جو مینگنی کھاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے دودھ اور پسینے میں بدبو پیدا ہوگئی ہو، اگر مینگنی پاک ہوتی تو وہ چنے کے مانند ہوتی اس کے گوشت اور دودھ سے کیوں روکا جاتا؟ معلوم ہوا کہ مینگنیاں ناپاک ہیں، اور اسی سے تمام ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کا ناپاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲- مشہور حدیث ہے: استَنْزِهُوا من البولِ فإنَّ عامةَ عذابِ القبر منه: پیشاب سے بچو! اس لئے کہ قبر میں زیادہ تر عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوگا (دار قطنی ۱: ۱۲۸ باب نجاسة البول حديث ۷) یہ حدیث عام ہے انسان اور غیر انسان کو اسی طرح ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب کے پیشاب کو شامل ہے۔

فائدہ: لوگوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ نبی ﷺ ایک نیک صالح اور متقی صحابی کے دفن سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ ان پر عذاب قبر شروع ہوگیا ہے۔ نبی ﷺ نے ان کی بیوی سے صورتِ حال دریافت کی کہ اس بندۂ خدا کے احوال کیا ہیں؟ بیوی نے بتایا: وہ بکریاں چرایا کرتے تھے، اور ان کے پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان پر عذاب قبر اسی وجہ سے ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا: إنَّ عَامّةَ عذابِ القبر منه: علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم أرَهُ ولو ثَبَتَ هٰذا لكان فَصْلاً في الباب وحجةً في مَوْرِدِ النزاع: میں نے یہ حدیث نہیں دیکھی اور اگر یہ واقعہ صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو بول مايؤ كل لحمه کی طہارت وعدم طہارت کا جھگڑا ختم ہو جائے (معارف السنن ۱: ۲۷۶)

۳- ابوداؤد میں روایت ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ اپنے چپل کو دیکھ لے اگر اس میں گندگی یا ناپاکی ہو تو اس کو پونچھ ڈالے، پھر اس میں نماز پڑھے (ابوداؤد ۱: ۹۵ باب الصلوٰة في النعل) راستوں میں عام طور پر جانوروں ہی کے فضلات پڑے رہتے ہیں پس اس روایت سے بھی ان کا ناپاک ہونا ثابت ہوا۔

حرام اشیاء سے علاج کا حکم:

ناپاک اور حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں، مجمع الانہر میں ہے: ولا يُشرَب بولُ ما يُؤكَلُ لحمُه عند الإمام ولو للتَّداوِيْ خلافاً لأبي يوسف، فإنّه يَجُوْزُ شُربُه لِلتَّداوي ولو حرامًا وعند محمد يَجُوْز مطلقاً: یعنی امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ما يؤكل لحمه جانوروں کا پیشاب پینا جائز نہیں، خواہ علاج کے طور پر ہو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک علاج کے طور پر ما یوکل لحمہ کا پیشاب پی سکتا ہے، یعنی حرام اشیاء سے علاج جائز ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً پی سکتا ہے، ان کے نزدیک ما یؤکل لحمہ کے فضلات پاک ہیں (مجمع الانہر علی ملتقی الابحر ۱:۵۲) اور صاحب افادات حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تحفۃ القاری (۱:۵۷۰) میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی ہے کہ اگر جان کا خطرہ ہو تو حرام چیز سے علاج کرنا جائز ہے جبکہ شفاء اس میں منحصر ہو، لوگ دوسرا کوئی علاج نہ جانتے ہوں —— جیسے آج کل کووڈ کی ویکسین کے بارے میں طرح طرح کی باتیں ہیں، اگر وہ باتیں صحیح ہوں تو بھی ویکسین لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس وقت کووڈ کا دوسرا کوئی علاج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[۱۰-] حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ نَفَرًا مِنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً، قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَايَعُوهُ عَلَى الإِسْلَامِ، فَاسْتَوْخَمُوا الْأَرْضَ، وَسَقِمَتْ أَجْسَامُهُمْ، فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَلَا تَخْرُجُونَ مَعَ رَاعِينَا فِي إِبِلِهِ فَتُصِيبُونَ مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا؟ فَقَالُوا: بَلَىٰ، فَخَرَجُوا فَشَرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَصَحُّوا، فَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَطَرَدُوا الإِبِلَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَأُدْرِكُوا، فَجِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ بِهِمْ فَقُطِعَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسُمِرَ أَعْيُنُهُمْ، ثُمَّ نُبِذُوا فِي الشَّمْسِ حَتَّى مَاتُوا.

وَقَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ فِي رِوَايَتِهِ: وَاطَّرَدُوا النَّعَمَ، وَقَالَ: وَسُمِّرَتْ أَعْيُنُهُمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ عُکل کی ایک جماعت جو آٹھ نفوس پر مشتمل تھی، نبی ﷺ کے پاس آئی، اور انھوں نے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی، انھوں نے سرزمین مدینہ منورہ کی آب وہوا کو ناموافق پایا، اور ان کے اجسام بیمار پڑ گئے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: "تم لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کی طرف کیوں نہیں نکلتے، پس تم لوگ ان کا دودھ اور پیشاب حاصل کرو؟ انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، پس وہ نکلے اور انھوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا، اور تندرست ہو گئے، پس انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا، اور اونٹوں

کو ہنکا لے گئے، یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے ان کے پیچھے لوگ بھیجے، پس وہ پکڑ لئے گئے، پس وہ لائے گئے، پس نبی ﷺ نے ان کے بارے میں حکم دیا پس ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے، اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں، پھر وہ دھوپ میں پھینک دیئے گئے یہاں تک کہ وہ سب مر گئے، اور ابن الصباح کی روایت میں طَرَدُوا (مجرد) کے بجائے اطَّرَدُوا (مزید) ہے، اور سُمِرت (مؤنث) ہے۔

لغات: النَفَر: تین سے دس تک مردوں کی جماعت، جمع: أنْفار ـــــ اسْتَوْخَم المكانَ: کسی جگہ کی آب وہوا کو ناموافق پانا ـــــ سَقِم (ک، س) سَقْمًا وَسُقْمًا وَسَقَامَةً: بیمار ہونا، یا دیر تک بیمار رہنا ـــــ الراعي: بہت الفت کرنے والا، حاکم قوم، راعي الماشِيَة: چرواہا، مویشی کا نگہبان، جمع: رُعَاة وَرُعْيان وَرُعَاءٌ وَرِعَاءٌ ـــــ اس چرواہے کا نام یَسار تھا، مرتدین نے پہلے اس کے ہاتھ پیر، ناک اور کان کاٹے اور آنکھوں میں کانٹے چبھوئے پھر قتل کیا ـــــ طَرَدَه (ن) طَرْدًا وَطَرَدًا: دور کرنا، علاحدہ کرنا، دھتکارنا ـــــ طَرَدَ الإبلَ: ادھر ادھر سے جمع کر کے ہانکنا ـــــ اِطَّرَدَ: دور ہونا ـــــ القومُ إلى المسير: پے در پے چلنا ـــــ آثار: أَثَر کی جمع: نقش قدم، نشان، علم الآثار، پرانی یادگار چیزوں کا علم ـــــ سَمَرَ (ن) سَمْرًا العَين: گرم سلائی سے آنکھ پھوڑنا۔

[۱۱-] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ مَوْلٰى أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو قِلَابَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَوْمٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ، فَأَمَرَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِلِقَاحٍ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، بِمَعْنٰى حَدِيْثِ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ.
قَالَ: وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوْا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَلَا يُسْقَوْنَ.

وضاحت: یہ حدیث ابو رجاءؒ سے ایوب سختیانی نے روایت کی ہے اور حجاج بن ابی عثمانؒ کے ہم معنی روایت کی ہے، اور ان کی روایت میں یہ ہے کہ: ان کی آنکھیں گرم سلائیوں سے پھوڑ دی گئیں، اور ان کو حرہ نامی میدان میں پھینک دیا گیا، وہ پانی مانگ رہے تھے مگر ان کو پانی نہیں دیا گیا۔

لغت: لِقَاح: لَقُوح کی جمع، اونٹ وغیرہ کا مادہ منویہ، مرادی معنی: حاملہ اونٹنی۔

[۱۲-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ، (ح) وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ: حَدَّثَنَا أَزْهَرُ السَّمَّانُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، مَوْلٰى أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا خَلْفَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، فَقَالَ لِلنَّاسِ مَا تَقُوْلُوْنَ فِي الْقَسَامَةِ؟ فَقَالَ عَنْبَسَةُ: قَدْ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كَذَا وَكَذَا، فَقُلْتُ: إِيَّايَ حَدَّثَ أَنَسٌ، قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ، وَسَاقَ

الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ أَيُّوبَ وَحَجَّاجٍ، قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَلَمَّا فَرَغْتُ، قَالَ عَنْبَسَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ! قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَقُلْتُ أَتَتَّهِمُنِي يَا عَنْبَسَةُ؟ قَالَ: لَا، هٰكَذَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ، يَا أَهْلَ الشَّامِ مَا دَامَ فِيكُمْ هٰذَا أَوْ مِثْلُ هٰذَا.

ترجمہ: ابوقلابہؒ کہتے ہیں: میں حضرت عمر بن العزیز رحمہ اللہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے حاضرین سے فرمایا: قسامہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ پس عنبسہؒ نے کہا: ہم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح اور اس طرح حدیث بیان کی ہے، پس میں نے (ابوقلابہ نے) کہا: (مگر) مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے، اور انھوں نے پوری حدیث بیان کی، ایوب وحجاج کی حدیث کی طرح، یعنی حضرات ایوب وحجاج نے ابوقلابہ کے آزاد کردہ ابورجاء سے روایت کر کے جو حدیث بیان کی ہے وہ حدیث پوری سنائی، ابوقلابہؒ کہتے ہیں: جب میں حدیث بیان کر چکا تو عنبسہ نے کہا: سبحان اللہ! ابوقلابہؒ نے پوچھا: عنبسہ! آپ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں؟ (کیا میں نے حدیث غلط بیان کی؟) عنبسہ نے کہا: نہیں، ہم سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح بیان کیا ہے (پھر ابوقلابہ کی ستائش میں فرمایا:) او شامیو! تم لوگ برابر بھلائی میں رہو گے جب تک تمہارے درمیان یہ (ابوقلابہ) ہیں یا اس کے مانند فرمایا۔

قسامہ میں قصاص ہے یا نہیں؟ ایک مناظرہ:

قسامہ میں قصاص ہے یا نہیں؟ حضرت عمر بن العزیز رحمہ اللہ کی مجلس میں حضرت عنبسہ اور حضرت ابوقلابہ رحمہما اللہ کے درمیان ایک دلچسپ مناظرہ ہوا ہے، حضرت عنبسہؒ فرما رہے تھے کہ قسامہ میں قصاص برحق ہے (امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے) اور حضرت ابوقلابہؒ کی رائے تھی کہ قسامہ میں قصاص نہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے صرف تین صورتوں میں قتل کو جائز رکھا ہے: قتل ناحق میں، زنا کی سزا میں اور ارتداد میں، قسامہ ان کے علاوہ ہیں پس اس میں قصاص نہیں، حضرت عنبسہؒ نے فرمایا: نبی ﷺ نے عرنیین کو قتل کیا ہے، معلوم ہوا کہ ان تین کے علاوہ میں بھی قتل کی سزا ممکن ہے، حضرت ابوقلابہؒ نے ان کو سمجھایا کہ وہ چوتھی قسم کا قتل نہیں تھا، وہ تیسری قسم ہی تھی، ان کو ڈاکہ زنی اور ارتداد کی سزا دی گئی تھی، حضرت عنبسہؒ کی سمجھ میں بات آگئی، چنانچہ انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرنے کے ساتھ حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ کی ستائش کی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ واقعہ بہت مختصر لکھا ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف (حدیث ۶۸۹۹) کتاب الدیات میں مفصلاً بیان کیا ہے، دلچسپ قصہ ہے، قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

سلمان ابورجاء جو ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی بصری کے آزاد کردہ ہیں: اپنے مولیٰ ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک دن لوگوں کے لئے اپنی چارپائی ظاہر کی یعنی دربار عام کیا، پھر لوگوں کو اجازت دی، لوگ آئے، پس عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: آپ حضرات کی قسامہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ قسامہ سے قصاص لینا برحق ہے، قسامہ کے ذریعہ خلفاء نے قصاص لیا ہے، پس مجھ سے فرمایا: اے ابوقلابہ! آپ کی کیا رائے ہے؟ اور مجھے لوگوں کے لئے کھڑا کیا یعنی نشانہ بنایا، میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے پاس لشکروں کے سردار اور عرب کے شرفاء موجود ہیں! یعنی ان کی موجودگی میں میرا بولنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، آپ بتلائیں! اگر پچاس آدمی گواہی دیں کہ ایک شادی شدہ شخص نے دمشق میں زنا کیا، جس کو انھوں نے دیکھا نہیں، تو کیا آپ اس کو سنگسار کریں گے؟ فرمایا: نہیں! میں نے کہا: آپ بتلائیں! اگر پچاس آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے حمص میں چوری کی تو کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹیں گے، درانحالیکہ انھوں نے اس کو دیکھا نہیں؟ فرمایا: نہیں! میں نے کہا: پس بخدا! نہیں قتل کیا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو کبھی مگر تین باتوں میں: (۱) وہ شخص جس نے اپنی ذات کو گنہگار بناتے ہوئے کسی کو قتل کیا، پس وہ قصاصاً مارا گیا (۲) یا وہ شخص جس نے شادی کرنے کے بعد زنا کیا (تو وہ سنگسار کیا گیا) (۳) یا وہ شخص جو اللہ ورسول کے ساتھ برسرپیکار ہوگیا، اور اسلام سے پھر گیا (تو اس مرتد کو قتل کیا) یعنی قسامہ سے کسی کو قصاصاً قتل نہیں کرسکتے، وہ ان تین سے خارج ہے۔ پس لوگوں نے کہا: کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چوری میں ہاتھ کاٹا، اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیری، پھر ان کو دھوپ میں ڈال دیا؟ پس میں نے کہا: میں آپ لوگوں سے حضرت انسؓ کی حدیث بیان کرتا ہوں، مجھ سے انسؓ نے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، انھوں نے بیعتِ اسلام کی، پس انھوں نے مدینہ کی زمین کو وبا والا سمجھا، اور ان کے بدن بیمار پڑ گئے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے ان سے فرمایا: کیا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ اس کے اونٹوں میں نہیں نکلتے، پس حاصل کرو تم ان کے دودھ اور پیشاب کو؟ انھوں نے کہا: ضرور ہم نکلتے ہیں، پس وہ نکلے، اور انھوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا، پس وہ تندرست ہوگئے، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کردیا، اور اونٹوں کو ہانک لے چلے، جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے جو ان کو پکڑ لائے، پس ان کے بارے میں حکم دیا، ان کے ہاتھ اور پیر کاٹے گئے، اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی، اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے، میں نے کہا: اور کونسا گناہ بھاری ہے اس سے جو کیا انھوں نے؟ وہ اسلام سے پھر گئے، چرواہے کو قتل کیا اور چوری کی! (لوگوں نے عرینہ والوں کی حدیث یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی تھی کہ تین قسموں کے علاوہ چوتھی قسم کا بھی قتل ہے، حضرت ابوقلابہ نے ان کو سمجھایا کہ وہ چوتھی قسم کا قتل نہیں تھا، وہ تیسری قسم ہی تھی، ان کو ڈاکہ زنی اور ارتداد کی سزا دی گئی تھی) پس عنبسہ بن سعید اموی نے کہا: بخدا! میں نے آج جیسی گفتگو کبھی نہیں سنی! میں نے کہا: کیا آپ میری حدیث کا انکار کرتے ہیں، اے عنبسہ؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ لائے آپ حدیث کو ٹھیک ٹھیک! بخدا! برابر رہے گا یہ لشکر خیر کے ساتھ

جب تک تمہارے درمیان یہ حضرت زندہ رہیں گے!

وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ (وَهُوَ ابْنُ بُكَيْرٍ الْحَرَّانِيُّ): أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةُ نَفَرٍ مِنْ عُكْلٍ، بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ، وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ: وَلَمْ يَحْسِمْهُمْ.

وضاحت: یہ حدیث ابوقلابہؒ سے یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے روایت کی ہے، گذشتہ حدیثیں ان کے آزاد کردہ ابورجاءؒ کی روایت کردہ تھیں، اور یحییٰ سے اوزاعیؒ روایت کرتے ہیں، ان سے محمد بن یوسفؒ اور مسکین بن بُکیرؒ نے روایت کی ہیں ــــ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے: وَلَمْ يَحْسِمْهُمْ: حَسَمَ الْيَدَ (ض) حَسْمًا کے معنی ہیں: ہاتھ کاٹ کر خون روکنے کے لئے داغ دینا، چور کا ہاتھ سُن کرکے کاٹا جائے گا، پھر داغ دے کر یا آپریشن کرکے خون روکا جائے گا اور علاج ومعالجہ کیا جائے گا، مگر عرنیین کے ساتھ یہ سب نہیں کیا، کیونکہ ان کو مار ڈالنا مقصود تھا۔

[۱۳-] وحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُرَيْنَةَ، فَأَسْلَمُوا وَبَايَعُوهُ، وَقَدْ وَقَعَ بِالْمَدِينَةِ الْمُومُ (وَهُوَ الْبِرْسَامُ) ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ، وَزَادَ: وَعِنْدَهُ شَبَابٌ مِنَ الْأَنْصَارِ قَرِيبٌ مِنْ عِشْرِينَ، فَأَرْسَلَهُمْ إِلَيْهِمْ، وَبَعَثَ مَعَهُمْ قَائِفًا يَقْتَصُّ أَثَرَهُمْ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے معاویہ بن قرہؒ نے روایت کی ہے المُوم (بضم المیم وسکون الواو) کی تفسیر برسام (بکسر الباء وسکون الراء) سے کی گئی ہے، یہ ایک قسم کی بیماری ہے جس سے عقل میں خلل پڑجاتا ہے، اور سینہ پھولتا ہے، اور بعض کتب طب میں لکھا ہے کہ اس بیماری میں جگر اور معدہ کے درمیان جو جھلی ہے وہ متورّم ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم

قبائل عُکل وعرینہ کا واقعہ

(سریہ کرز بن جابر فہری قرشی رضی اللہ عنہ)

قبائل عکل وعرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے، مسلمان ہوئے، پھر وہ مدینہ میں بیمار پڑ گئے، ان کو جوی بیماری لاحق ہوگئی، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہم جانور پالنے والے لوگ ہیں، دودھ پر ہمارا گذارہ ہے، غلہ کے ہم عادی نہیں

اور مدینہ کی آب وہوا ہمیں موافق نہیں آئی، اس لئے اگر ہمیں جنگل میں صدقات کے اونٹوں میں رہنے کی اور ان کا دودھ پینے کی اجازت دی جائے تو بہتر ہوگا، آپؐ نے ان کو اجازت دیدی، وہ شہر سے باہر چراگاہ میں جہاں صدقات کے اونٹ رہتے تھے چلے گئے، اور چند دن میں تندرست، قوی اور توانا ہو گئے، پھر وہ اسلام سے پھر گئے، چرواہے کو جس کا نام یسار تھا قتل کر دیا، اس کے ہاتھ پیر ناک اور کان کاٹے اور آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو لے کر چل دیئے۔

نبی ﷺ نے کرز بن جابر فہری قرشی رضی اللہ عنہ کو بیس آدمیوں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا، وہ سب گرفتار کر کے لائے گئے، آپؐ نے ان لوگوں کو جس طرح انھوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا قتل کرایا یعنی قتل میں قصاص (برابری) کا لحاظ کیا، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مثلہ کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔

یہ واقعہ کب پیش آیا؟ واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کے نزدیک شوال سن ۶ ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ واقعہ حدیبیہ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے پیش آیا ہے۔

تعارف: حضرت کرز رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے مشرکین کے سرداروں میں سے تھے، انھوں نے ہی مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا اور ان کی طلب میں نبی ﷺ سفوان تک گئے تھے، مگر وہ ہاتھ نہیں آیا تھا، یہی غزوۂ بدر اولیٰ کہلاتا ہے، پھر وہ اللہ کے فضل سے ایمان لے آئے، عرنیین کے تعاقب میں انہی کی سرکردگی میں سریہ روانہ کیا گیا تھا، فتح مکہ کے موقع پر شہید ہوئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے، دو شخص ان کے لشکر سے علاحدہ ہو گئے، ایک: حُبیش بن اشعر خزاعی، دوسرے کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہما، مشرکین نے ان کو قتل کر دیا۔

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ وَفِي حَدِيثِ هَمَّامٍ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطٌ مِنْ عُرَيْنَةَ، وَفِي حَدِيثِ سَعِيدٍ: مِنْ عُكْلٍ وَعُرَيْنَةَ، بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ.

وضاحت: اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قتادہؒ نے روایت کیا ہے ـــــ بنحو حديثهم: ضمیر: یحییٰ بن سعید، ابو قلابہ، عبدالعزیز بن صُہیب اور حُمید کی طرف راجع ہے۔

[۱۴-] وحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ غَيْلَانَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: إِنَّمَا سَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَ أُولَئِكَ لِأَنَّهُمْ سَمَلُوا أَعْيُنَ الرِّعَاءِ.

وضاحت: اس کو حضرت انسؓ سے سلیمان تیمی نے روایت کیا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ان کی آنکھیں پھوڑی تھیں، اس لئے کہ انھوں نے چرواہے کی آنکھیں پھوڑی تھیں۔

لغت: سَمَلَ عَيْنَه (ن) سَمْلاً: آنکھ پھوڑنا۔

۳- بَابُ ثُبُوتِ الْقِصَاصِ فِي الْقَتْلِ بِالْحَجَرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُحَدَّدَاتِ وَالْمُثَقَّلَاتِ وَقَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ

(۱) پتھر وغیرہ بھاری یا دھاردار چیز سے قتل کرنے میں قصاص کا ثبوت (۲) اور عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کرنا

قتل بالمحدَّد: یعنی ہتھیار سے یا ہتھیار جیسی کسی دھاردار چیز سے قتل کرنا بالاتفاق قتل عمد ہے اور اس میں قصاص ہے، اور قتل بالمثقَّل: یعنی کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جو ہتھیار نہ ہو قتل عمد ہے یا شبہ عمد؟ قصاص صرف قتل عمد میں ہے، شبہ عمد میں نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک قتل عمد ہے، پس امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں قصاص نہیں اور جمہور کے نزدیک قصاص ہے۔

ملحوظہ: قتل کی پانچوں قسموں کی تعریفیں اور احکام کتاب الفرائض کے پہلے باب میں گذری ہیں۔

دوسرا مسئلہ: باب میں یہ ہے کہ مرد وعورت کے درمیان باہم قصاص ہے یا نہیں؟ نفس میں بالاتفاق قصاص ہے یعنی مرد کو عورت کے قصاص میں اور عورت کو مرد کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہ اجماعی مسئلہ ہے —— اور مادون النفس میں اختلاف ہے، یعنی قطع اعضاء اور زخموں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک قصاص نہیں، البتہ درمختار میں ہے کہ ناقص سے کامل کا قصاص لیا جائے گا (بیان القرآن) اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد وعورت کے درمیانِ زخموں میں بھی قصاص ہے (تفصیل آئندہ دوسرے باب میں آرہی ہے)

قانونِ قصاص ودیت

سورۃ البقرۃ کی (آیت ۱۷۸) ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى، الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى، فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ، ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ، فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! فرض کیا جاتا ہے تم پر برابری کرنا مقتولین میں: آزاد آزاد کے بدل، غلام غلام کے بدل، اور عورت عورت کے بدل (یہ قانون قصاص ہے) پھر جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل گئی یعنی مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کردیا، وہ دیت لینے پر راضی ہوگئے تو معقول طریقہ پر پیروی کرنا ہے یعنی دیت کا مطالبہ کرنا ہے، اور خوبی کے ساتھ اس تک دیت پہنچانا ہے، یہ (دیت کا حکم) تمہارے پروردگار کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے، پس جو شخص بعد

ازیں حد سے بڑھے اس کے لئے دردناک عذاب ہے"

تفسیر: قصاص کے لغوی معنی: برابری اور مساوات کے ہیں، جاہلیت کا دستور کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے تھے لغو ہے، سب جانیں برابر ہیں، آزاد کے بدل وہی آزاد قتل کیا جائے جو قاتل ہے، اور غلام کے بدل وہی غلام قتل کیا جائے جو قاتل ہے، اور عورت کے بدل وہی عورت قتل کی جائے جو قاتل ہے ـــــ پھر اگر مقتول کے وارثوں میں سے کوئی خون معاف کردے تو اب قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کر سکتے، پھر اگر بلا معاوضہ معاف کیا ہے تو کچھ مطالبہ نہیں رہا، اور دیت یا بطور مصالحت کسی مقدار مال پر معاف کیا ہے تو مقتول کے ورثاء کو چاہئے کہ قاتل سے دیت کا معقول طریقہ پر مطالبہ کریں، اور قاتل کو چاہئے کہ ممنونیت اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرے ـــــ یہ قتلِ عمد میں قصاص معاف کرنا اور دیت لینا اللہ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے، پہلے یہ سہولت نہیں تھی، یہود پر قصاص لینا اور نصاریٰ پر عفو و دیت لینا لازم تھا ـــــ پھر عفو یا دیت لینے کے بعد کوئی قاتل کو قتل کرے تو اس کے لئے دنیا و آخرت میں سخت سزا ہے، دنیا میں قصاصاً قتل کیا جائے گا یا آخرت میں دوزخ میں جائے گا۔

قتل خطا اور اس کے احکام

سورۃ النساء کی (آیت ۹۲) ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾:

ترجمہ: اور کسی مسلمان کا کام نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، لیکن غلطی سے (ہوسکتا ہے) اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان بَردہ آزاد کرے، اور مقتول کے خاندان والوں کو خوں بہا پہنچائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں، پس اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان بَردہ آزاد کرے، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں ناجنگ معاہدہ ہے تو خون بہا مقتول کے خاندان والوں کو پہنچائے، اور ایک مسلمان بَردہ آزاد کرے، پس جو شخص بردہ نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، گناہ بخشوانے کے طور پر اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے ہیں۔

تفسیر: غلطی سے قتل کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) شکار سمجھ کر گولی چلائی اور وہ کوئی مسلمان تھا (۲) شکار پر گولی چلائی اور وہ کسی مسلمان کے جا لگی، (۳) کوئی مسلمان کافروں کے لشکر میں تھا، اس کو کافر سمجھ کر قتل کیا ـــــ قتل خطا

کے دو حکم ہیں: (۱) مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا، اور اس کو نہ پائے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا، (۲) مقتول کے وارثوں کو خون کی قیمت ادا کرنا، یہ معاف کرنے سے معاف ہوسکتا ہے، اور کفارہ کسی صورت میں معاف نہیں ہوسکتا۔ پھر تین صورتیں ہیں: مقتول مسلمان کے وارث مسلمان ہیں یا کافر؟ (۱) اگر مسلمان ہیں تو دیت دینی ہوگی (۲) کافر ہیں اور معاہد ہیں تو بھی دیت دینی ہوگی (۳) کافر حربی ہیں تو دیت لازم نہیں۔

فائدہ: قصاص لینے کا حق گو کہ مقتول کے ورثاء کا ہے، مگر اس کو نافذ کرنے کا حق صرف حکومت کو ہے، مقتول کے ورثاء کو تنفیذ کا حق نہیں، اس لئے کہ اگر ہر شخص ذاتی طور پر قصاص لینا شروع کردے گا تو وہ غصہ میں حد سے تجاوز کرسکتا ہے یہ بات دوسرے فریق کے لئے پریشانی کا باعث بنے گی، پھر اس کی طرف سے بھی ردعمل ہوگا، اور امن وامان کی جگہ بدامنی پھیل جائے گی، اس لئے تنفیذ کا حق صرف حکومت کا ہے۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا، فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ، قَالَ: فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِهَا رَمَقٌ، فَقَالَ لَهَا: "أَقَتَلَكِ فُلَانٌ؟" فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ قَالَ لَهَا الثَّانِيَةَ، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ، فَقَالَتْ: نَعَمْ، وَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا فَقَتَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

وحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسَ فَرَضَخَ رَأْسَهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک باندی (بکریاں چرانے) نکلی اور اس نے زیور پہن رکھا تھا (اوضاح: وَضَحٌ کی جمع ہے اور یہ ایک خاص قسم کا زیور ہوتا تھا جو پاؤں میں پہنا جاتا تھا) اس کو ایک یہودی نے پکڑلیا، اور دو پتھروں کے درمیان اس کا سر کچل دیا، اور زیورات لے کر فرار ہوگیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس وہ اس حال میں پائی گئی کہ اس میں کچھ جان باقی تھی، لوگ اس کو اٹھا کر نبی ﷺ کے پاس لائے، آپؐ نے اس کا نزعی بیان لیا، آپ یعنی آپؐ کی طرف سے کوئی صحابی مدینہ کے ایک ایک گنڈے کا نام لے کر پوچھتے تھے: کیا تجھے فلاں نے قتل کیا؟ وہ سر کے اشارہ سے منع کرتی، وہ دوسرے کا نام لیتے یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا پس اس نے ہاں کا اشارہ کیا، اس پر وہ یہودی پکڑا گیا، پس اس نے قتل کا اقرار کیا (اور وہ زیورات بھی برآمد ہوگئے) تو نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کا سر دو پتھروں کے بیچ میں کچل دیا گیا۔

تشریح: اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے:

۱-پولیس مرتے وقت زخمی سے نزعی بیان لے گی، اور اس بیان کی بنیاد پر اگرچہ کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ زخمی پورے ہوش میں نہیں ہوتا وہ غلط نام بھی لے سکتا ہے مگر وہ بیان قرائن میں شامل کیا جاسکتا ہے اور اس کی بنیاد پر قتل کی تفتیش کی جاسکتی ہے۔

۲-پولیس کے پاس شہر کے گنڈوں کا ریکارڈ ہونا چاہئے۔ نبی ﷺ نے اس باندی کے سامنے گنڈوں کا نام لیا تھا، مدینہ کے تمام باشندوں کا نام نہیں لیا تھا، معلوم ہوا کہ آپ مدینہ کے گنڈوں کو جانتے تھے اور ان پر آپؐ کی نظر تھی۔

۳-قتل بالمُثقَلُ (کسی ایسی بھاری چیز سے مارنا جو ہتھیار نہ ہو) قتل عمد ہے یا شبہ عمد؟ قصاص صرف قتل عمد میں ہے، شبہ عمد میں نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قتل عمد ہے، پس امام اعظمؒ کے نزدیک قصاص نہیں اور مذکورہ واقعہ میں قاتل کا قتل سیاسۃً ہے، اور جمہور کے نزدیک قصاص ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قصاص بالسیف ہے یا بالمثل؟ یعنی قاتل کی صرف گردن اڑائی جائے گی یا اس نے قتل جس طرح کیا ہے اسی طریقہ سے اس کو قتل کیا جائے گا؟ احناف کے نزدیک صرف سر قلم کیا جائے گا، ان کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لاقَوَدَ إلا بالسَّيفِ: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے۔ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قصاص بالمثل ہے مثلاً ایک شخص نے کسی کو کنویں میں پھینک دیا اور وہ مرگیا تو قاتل کو بھی کنویں میں ڈالا جائے گا[1]۔

پس اصل سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث قصاص میں دوٹوک نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو اس یہودی کو قتل کرایا ہے وہ قصاص بھی ہوسکتا ہے اور سیاست بھی، اگر امیر ملک کے مفاد میں کسی کو شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے علاوہ کوئی سزا دینا چاہے تو اس کا نام سیاست ہے اور امیر کو اس کا اختیار ہے، وہ سزائیں ہلکی بھاری کرسکتا ہے، پس نبی ﷺ نے جو اس یہودی کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر کچلوایا تھا وہ قصاص تھا یا سیاست؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک وہ قصاص تھا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: قتل بالمثقل قتل عمد ہے اور قصاص میں مماثلت ضروری ہے، اور امام اعظمؒ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ آپؐ نے اس یہودی کو سیاستاً قتل کرایا ہو، اور شبہ عمد میں بلکہ قتل خطا میں بھی امیر سیاستاً قتل کرسکتا ہے، پس اس حدیث کی وجہ سے قتل بالمثقل کو قتل عمد قرار دینا اور مماثلت کا قول کرنا محل نظر ہے، غرض اس حدیث کو امام اعظم رحمہ اللہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم

چند فوائد:

۱-امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قتل بالمثقل میں اگرچہ قصاص نہیں، لیکن اگر قتل کرنے ہی کا ارادہ ہو تو پھر قتل بالمثقل

(۱) جاننا چاہئے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قصاص میں مماثلت صرف جائز کاموں میں ہے، حرام کاموں میں مماثلت نہیں، پس اگر کوئی شخص چھوٹے بچے سے اغلام کرے یا چھوٹی بچی سے زنا کرے اور وہ مرجائے تو وہاں مماثلت نہیں بلکہ تلوار سے گردن اڑادی جائے گی۔

میں بھی قصاص ہے، یہودی کا قتل کرنے کا ارادہ تھا اور اسی ارادہ سے اس نے سر کچلا تھا، اس صورت میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قصاص ہے، پس یہ حدیث امام اعظمؒ کے قول کے معارض نہیں۔

۲- حدیث لاقَوَدَ إلاَّ بالسَّيفِ: متعدد اسانید سے مروی ہے جو ابن ماجہ، دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں ہیں، اور اس کے مرسل اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، اور بعض رواۃ پر کلام بھی ہے، مگر تعدد اسناد اور متابعات و شواہدات کی وجہ سے حدیث قابل استدلال ہے، تفصیل تکملہ فتح الملہم میں ہے۔

۳- دار قطنی اور مسند احمد میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے: كل شيئ خطاء إلا السيف وفي كل خطأ أرش: یعنی تلوار (دھار دار چیز) کے علاوہ ہر قتل بمنزلہ قتل خطاء ہے اور ہر قتل خطاء میں دیت ہے، پس قتل بالمثقل میں بھی دیت واجب ہوگی قصاص نہیں ـــــ اس حدیث کو سفیان نے جابر جعفی سے روایت کیا ہے، اور زُہیر اور قیس بھی جابر جعفی سے یہ روایت کرتے ہیں: كل شيئ سوى الحديدة فهو خطأ وفي كل خطأ أرش: نیز حضرت نعمان بن بشیر سے بایں الفاظ بھی یہ حدیث مروی ہے: لا عمدَ إلا بالسيف: یعنی صرف تلوار سے مارنا قتل عمد ہے، یہ حدیث کنز العمال میں ہے ـــ جاننا چاہئے کہ جابر جعفی متکلم فیہ راوی ہے، بعض ائمہ نے اس کے مقام کو بڑھایا ہے اور بعض نے حد درجہ گھٹایا ہے۔

علاوہ ازیں: ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ألا: إن دية الخطأ شبه العمد، ما كان بالعصا مأة من الإبل منها أربعون في بطونها أولادها: یعنی قتل خطاء کی دیت وہی ہے جو شبہ عمد کی ہے، شبہ عمد کسی کو لاٹھی سے مارنا ہے، اس میں سو اونٹ دیت ہیں جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں ـــــ اس حدیث میں علی الاطلاق لاٹھی سے موت کو (قتل بالمثقل کو) شبہ عمد قرار دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں: قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں جو سوکنیں تھیں آپس میں لڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمہ کی لکڑی سے مارا جس سے وہ بھی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت دلوائی، یہ حدیث آئندہ باب ۱۱ میں آرہی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل بالمثقل میں دیت کا فیصلہ فرمایا ہے، یہ بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی صریح دلیل ہے۔

۴- امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگرچہ دھار دار چیز یا اس کے مانند سے قتل کرنا ہی قتل عمد ہے، مگر آج کل لوگ قتل کے نئے نئے طریقے اختیار کرتے ہیں، مثلاً: زہر دے کر مار ڈالتے ہیں، یا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں ان میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے پس قصاص واجب ہوگا، نیز پیتل، تانبا اور کانچ وغیرہ کو بھی علماء احناف نے حدید و تلوار کے عموم میں داخل کیا ہے، پس ان میں بھی قصاص واجب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاوی عثمانی ۳: ۵۴۸)

لڑکی کے قصاص میں یہودی کو قتل کیا، معلوم ہوا کہ مرد و عورت کے درمیان نفس میں قصاص جاری ہوگا، یعنی مرد کو عورت کے قصاص میں اور عورت کو مرد کے قصاص میں قتل کریں گے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ زخموں میں قصاص ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور تفصیل آئندہ دوسرے باب میں ہے۔

[۱۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ، قَتَلَ جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى حُلِيٍّ لَهَا، ثُمَّ أَلْقَاهَا فِي الْقَلِيبِ، وَرَضَخَ رَأْسَهَا بِالْحِجَارَةِ فَأُخِذَ فَأُتِيَ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ حَتّٰى يَمُوتَ، فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ.

وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

[۱۷-] وحَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَسَأَلُوهَا: مَنْ صَنَعَ هٰذَا بِكِ؟ فُلَانٌ؟ فُلَانٌ؟ حَتّٰى ذَكَرُوا يَهُودِيًّا، فَأَوْمَتْ بِرَأْسِهَا، فَأُخِذَ الْيَهُودِيُّ فَأَقَرَّ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ.

وضاحت: پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابو قلابہؒ حضرت ایوب سختیانی نے اور ان سے معمرؒ نے روایت کی ہے، اور معمر سے عبدالرزاق اور ابن جریج روایت کرتے ہیں۔

اور آخری حدیث حضرت قتادہؒ نے روایت کی ہے، اس میں صراحت ہے کہ لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلا گیا تھا، اور اس کی بھی صراحت ہے کہ یہودی نے اس قتل کا اقرار کر لیا تھا، یعنی یہودی کو قصاص میں قتل اس کے اقرار کی وجہ سے کیا گیا تھا، لڑکی کے نزعی بیان کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔

لغات: القلیب: کنواں بغیر مَن کا، پرانا کنواں (کبھی مذکر اور کبھی مؤنث استعمال کرتے ہیں) جمع: قُلُبٌ وَقُلُبٌ وَاَقْلِبَة —— رَضَخَ الْحَصٰی (ض، ف) رَضْخًا: کنکری توڑنا —— الرأسَ: سر توڑنا —— قوله: أن يُرجَم حتى يموتَ: یہ مجاز ہے، اس کا سر پتھر سے کچلا گیا تھا، اس کو سنگسار نہیں کیا گیا تھا —— رَضَّهُ (ن) رَضًّا: کوٹنا۔

۴- بَابٌ: الصَّائِلُ عَلٰى نَفْسِ الْإِنْسَانِ أَوْ عُضْوِهِ إِذَا دَفَعَهُ الْمَصُولُ عَلَيْهِ فَأَتْلَفَ نَفْسَهُ أَوْ عُضْوَهُ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ

کوئی شخص کسی پر حملہ کرے، جان پر یا عضو پر اور جس پر حملہ کیا گیا ہے وہ بچاؤ کرے جس میں حملہ کرنے والے کی جان یا عضو تلف ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں

اگر کوئی شخص کسی پر حملہ آور ہو اور دوسرا اپنا بچاؤ کرے جس سے حملہ کرنے والے کی جان چلی جائے یا کوئی عضو تلف ہو جائے تو بچاؤ کرنے والے پر کچھ واجب نہیں نہ قصاص اور نہ دیت، باب میں حدیث آرہی ہے کہ ایک غزوہ میں لوگ

کسی چشمہ سے پانی بھر رہے تھے، دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا، ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو کاٹا، اس نے بچاؤ کے لئے اپنا ہاتھ کھینچا پس کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا، اس نے قصاص کا مطالبہ کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ دیئے رہتا کہ تو اس کو سانڈ کی طرح چباتا رہتا؟ وہ بچاؤ کے لئے ہاتھ تو کھینچے گا؟ اور آپؐ نے اس کا خون رائگاں کیا، یعنی نہ قصاص واجب کیا، نہ دیت۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ مُنْيَةَ أَوْ ابْنُ أُمَيَّةَ رَجُلًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ فَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، (وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: ثَنِيَّتَيْهِ) فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَيَعَضُّ أَحَدُكُمْ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ؟ لَا دِيَةَ لَهُ"

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ يَعْلَى، عَنْ يَعْلَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت عمرانؓ کہتے ہیں: یعلی ابن منیہ کا ــــ یا کہا ــــ یعلی ابن امیہ کا ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کا ہاتھ کاٹا، پس دوسرے نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا پس اس کا سامنے کا اوپر کا ایک دانت ٹوٹ گیا ــــ اور ابن المثنی کہتے ہیں ــــ اوپر کے دو دانت ٹوٹ گئے ــــ پس وہ دونوں اپنا جھگڑا نبی ﷺ کے پاس لے کر گئے، آپؐ نے فرمایا: کیا کاٹتا ہے تم میں سے ایک جیسا کہ سانڈ (نر اونٹ) کاٹتا ہے؟ اس کے لئے دیت نہیں۔

سند: یہ حدیث قتادہ نے بواسطہ زرارہ: حضرت عمرانؓ سے بھی روایت کی ہے اور عطاء اور ابن یعلی کے واسطوں سے حضرت یعلی سے بھی حضرت عمرانؓ کے مانند روایت کی ہے۔

تشریح: حضرت یعلیٰؓ بڑے درجہ کے صحابی ہیں، ان کی ماں کا نام مُنیہ اور باپ کا نام اُمیہ ہے، بعض روات نے ماں کی طرف نسبت کی اور بعض نے باپ کی طرف، اور آئندہ روایت میں یہ ہے کہ حضرت یعلیٰؓ کے نوکر کا جھگڑا ہوا تھا، جس میں نوکر کا دانت ٹوٹ گیا تھا، اور یہاں حضرت یعلیٰؓ کے جھگڑا کرنے کی اور دانت ٹوٹنے کی بات ہے، یہ اسناد مجازی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

لغات: عَضَّه (س) عَضًا وَعَضِيضًا: دانت سے پکڑنا، کاٹنا، با اور علی کے صلہ کے ساتھ عضّ به اور عضّ علیه بھی بولا جاتا ہے ــــ الثَّنِيَّة: سامنے کے اوپر نیچے کے دو دو دانت، جمع: ثَنایا ــــ الفَحْلُ: سانڈ، نر حیوان، جمع: فُحُول واَفْحُل وفِحَال۔

[۱۹-] حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ (يَعْنِي ابْنَ هِشَامٍ) حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ

ابْنِ أَوْفَى، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ؛ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ ذِرَاعَ رَجُلٍ، فَجَذَبَهُ فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتُهُ فَرُفِعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَلَهُ، وَقَالَ: "أَرَدْتَ أَنْ تَأْكُلَ لَحْمَهُ"

لغات: الذِّراع: کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ جمع: أَذْرُع وَذُرْعَان۔ جَذَبَه (ض) جَذْبًا و اجْتَذَبَه إليه: کھینچا۔

[۲۰-] حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ بُدَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى؛ أَنَّ أَجِيرًا لِيَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ، عَضَّ رَجُلٌ ذِرَاعَهُ، فَجَذَبَهَا فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتُهُ، فَرُفِعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَلَهَا وَقَالَ: "أَرَدْتَ أَنْ تَقْضَمَهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟"

ترجمہ: صفوان بن یعلی سے مروی ہے کہ حضرت یعلیٰؓ کے ایک نوکر نے ایک شخص کی انگلی دانت سے کاٹی، پس اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا اوپر کا دانت ٹوٹ گیا، پس مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا، آپؐ نے اس نقصان کو رائگاں قرار دیا (اس کا قصاص یا دیت نہیں دلوائی) اور فرمایا: ”کیا تو چاہتا تھا کہ اس کی انگلی چبائے جیسا کہ سانڈ چباتا ہے“

لغت: قَضَم (ض،س) قَضْمًا الشيئَ: دانت کے اطراف سے کاٹنا اور کھانا۔

تشریح: بعض علماء نے یہ دو الگ الگ واقعے قرار دیئے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے، اس کو بعض روات نے مجازاً حضرت یعلیٰؓ کی طرف منسوب کردیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۲۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ: حَدَّثَنَا قُرَيْشُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ؛ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتُهُ أَوْ ثَنَايَاهُ، فَاسْتَعْدَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَأْمُرُنِي تَأْمُرُنِي؟ أَنْ آمُرَهُ أَنْ يَدَعَ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟ ادْفَعْ يَدَكَ حَتَّى يَعَضَّهَا ثُمَّ انْتَزِعْهَا"

[۲۲-] حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا عَطَاءٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، وَقَدْ عَضَّ يَدَ رَجُلٍ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتَاهُ (يَعْنِي الَّذِي عَضَّهُ) قَالَ: فَأَبْطَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "أَرَدْتَ أَنْ تَقْضَمَهُ كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟"

ترجمہ: پہلی حدیث محمد بن سیرینؒ نے حضرت عمرانؓ سے روایت کی ہے اور دوسری حدیث صفوان نے اپنے ابا حضرت یعلیٰؓ سے ـــــ حضرت عمرانؓ کہتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ چبایا، اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا اوپر کا ایک دانت ـــــ یا فرمایا ـــــ دو دانت ٹوٹ گئے، اس نے نبی ﷺ سے مدد مانگی، یعنی قصاص کا مطالبہ کیا، آپؐ نے فرمایا: ”تو کیا چاہتا ہے؟ کیا مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو حکم دوں کہ وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑے رکھے، اور تو

اس کو چبا تا رہے جیسا کہ سانڈ چباتا ہے (اس کو حکم دوں کہ) اپنا ہاتھ روکے رکھ یہاں تک کہ وہ اس کو چبا لے پھر اس کو کھینچ؟
لغت: اسْتَعْدَى الرجلَ: مدد طلب کرنا ــــ الفرسَ: گھوڑے کو دوڑانا۔

[۲۳-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوكَ، قَالَ: وَكَانَ يَعْلَى يَقُولُ: تِلْكَ الْغَزْوَةُ أَوْثَقُ عَمَلِي عِنْدِي، فَقَالَ عَطَاءٌ: قَالَ صَفْوَانُ: قَالَ يَعْلَى: كَانَ لِي أَجِيرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ (قَالَ: لَقَدْ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ أَيُّهُمَا عَضَّ الْآخَرَ) فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِّ، فَانْتَزَعَ إِحْدَى ثَنِيَّتَيْهِ، فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ.
وحَدَّثَنَاه عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت یعلیٰؓ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں شریک ہوا ــــ صفوان کہتے ہیں: اور حضرت یعلیٰؓ کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک یہ غزوہ میرے اعمال میں سب سے زیادہ قابل بھروسہ ہے، یعنی مجھے اللہ عزوجل کے حضور میں اس عمل کے قبول ہونے کا سب سے زیادہ یقین ہے ــــ عطاء کہتے ہیں کہ صفوان نے کہا: حضرت یعلیٰؓ فرماتے ہیں: میرا ایک نوکر تھا اس نے ایک انسان سے جھگڑا کیا، پس ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا، صفوان کہتے ہیں: مجھے حضرت یعلیٰؓ نے بتلایا تھا کہ دونوں میں سے کس نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا تھا (مگر میں بھول گیا) پس جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا، تو اس کا اوپر کا ایک دانت ٹوٹ گیا، پس دونوں نبی ﷺ کے پاس آئے، پس آپؐ نے اس کے دانت کو رائگاں قرار دیا۔

سند: اسماعیل بن ابراہیمؒ نے بھی ابن جریج سے اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے ابواسامہؒ نے روایت کیا ہے۔

۵- بَابُ إِثْبَاتِ الْقِصَاصِ فِي الْأَسْنَانِ وَمَا فِي مَعْنَاهَا

دانت اور دیگر اعضاء میں قصاص کا ثبوت

جس طرح نفس (جان) میں قصاص ہے اعضاء میں بھی یعنی زخموں میں بھی قصاص ہے، بشرطے کہ مماثلت ممکن ہو، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ﴾: اور زخموں میں قصاص ہے، پس زخموں میں بھی قصاص لیا جائے گا، البتہ وہ زخم جن میں مماثلت (برابری) ممکن نہیں ان میں صرف دیت ہے۔

کیا مرد وزن میں زخموں میں قصاص ہے؟

مرد وزن میں نفوس (جان) میں قصاص ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ قطع اعضاء یعنی زخموں میں قصاص ہے

یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک قصاص ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نفوس میں مردوزن میں باہم ایک دوسرے سے قصاص لیا جاتا ہے قطع اعضاء اور زخموں میں بھی قصاص لیا جائے گا، اور احناف کے نزدیک زخموں میں قصاص نہیں، البتہ درمختار میں ہے کہ ناقص سے کامل کا قصاص لیا جائے گا (بیان القرآن)

سورۃ المائدۃ (آیت ۴۵) میں ہے: ''اور ہم نے یہود پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور خاص زخموں میں بھی قصاص (بدلہ) ہے'' —— یہ آیت مطلق ہے پس مردوزن کے درمیان میں بھی قصاص ہوگا، قصاص کے معنی ہیں: برابری، پس جن زخموں میں برابری ممکن ہے ان میں قصاص ہوگا، مردوزن کا فرق نہیں کیا جائے گا۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: آیت میں صرف ظاہری برابری مراد نہیں، معنوی برابری بھی مراد ہے، اور مردوزن کی دیت برابر نہیں، عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، پس معنوی برابری نہیں، اس لئے قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسے غلام اور آزاد کے درمیان جراحات میں قصاص نہیں، کیونکہ اعضاء کی دیت یکساں نہیں، اختلاف کی بنیاد یہ نقطہ ہے، اور کوئی دلیل اس کے خلاف نہیں۔

[۲۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ: أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُخْتَ الرُّبَيِّعِ أُمَّ حَارِثَةَ جَرَحَتْ إِنْسَانًا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْقِصَاصَ، الْقِصَاصَ" فَقَالَتْ أُمُّ الرَّبِيعِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُقْتَصُّ مِنْ فُلَانَةَ؟ وَاللّٰهِ لَايُقْتَصُّ مِنْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ! يَا أُمَّ الرَّبِيعِ! الْقِصَاصُ كِتَابُ اللّٰهِ" قَالَتْ: لَا، وَاللّٰهِ لَا يُقْتَصُّ مِنْهَا أَبَدًا، قَالَ: فَمَا زَالَتْ حَتَّى قَبِلُوا الدِّيَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رُبیعؓ کی بہن ام حارثہؓ نے ایک انسان کو زخمی کر دیا (ایک جوان لڑکی کا سامنے کا دانت توڑ دیا تھا) پس انھوں نے نبی ﷺ کے پاس جھگڑا کیا یعنی آپؐ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا، آپؐ نے فرمایا: قصاص! قصاص! یعنی آپؐ نے قصاص کا فیصلہ فرمایا، پس ام ربیع نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا فلانہ کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا؟ قسم بخدا! اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! اے اُم ربیعؓ! قصاص قرآن کا حکم ہے، ام ربیع نے عرض کیا: نہیں بخدا! اس سے کبھی بھی قصاص نہیں لیا جائے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ام ربیع برابر یہ کہتی رہیں یہاں تک کہ لڑکی کے ورثاء نے دیت قبول کر لی، یعنی وہ دیت لینے پر راضی ہو گئے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم

ضرور نیک بنائیں گے یعنی ان کی قسم کو پوری فرمادیتے ہیں۔

تشریح:

۱-حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں چند اختلافات ہیں، مثلاً: (۱) یہاں یہ بات ہے کہ ربیعؓ کی بہن ام حارثہؓ نے دانت توڑا تھا اور بخاری شریف (حدیث ۲۷۰۳) میں ہے کہ خود ربیعؓ نے دانت توڑا تھا (۲) یہاں کسی انسان کو زخمی کرنے کی بات ہے، اور بخاری شریف میں ہے: كسرت ثنية جارية: یعنی ایک لڑکی کا دانت توڑا تھا، لڑکی پر بھی انسان کا اطلاق ہوتا ہے (۳) یہاں ہے کہ ام ربیع نے قسم کھائی تھی اور بخاری میں حضرت ربیعؓ کے بھائی انس بن النضرؓ کے قسم کھانے کی بات ہے۔ واللہ اعلم

۲-یہ حدیث نہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مستدل ہے اور نہ حنفیہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ مذکورہ واقعہ میں ایک لڑکی کا دانت توڑا گیا تھا، بخاری شریف میں اس کی صراحت ہے، اور عورتوں کے درمیان باہم قصاص میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ مرد وزن کے درمیان زخموں میں قصاص ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک اعضاء بحکم مال ہیں اور مالیت میں تفاوت ہے، عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے پس قصاص (برابری) ممکن نہیں، اس لئے صرف دیت واجب ہوگی۔

۳-"قسم بخدا! ہرگز قصاص نہیں لیا جائے گا" یہ آنحضور ﷺ کے حکم کو رد کرنا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غایت درجہ تعلق کی وجہ سے ایک طرح کا ناز کرنا ہے، علامہ اقبال نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ❁ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

چنانچہ یہ بات سن کر دوسرے فریق کے دل نرم پڑ گئے، انھوں نے قصاص معاف کر دیا اور دیت لینے پر راضی ہو گئے۔

٦- بَابُ مَا يُبَاحُ بِهِ دَمُ الْمُسْلِمِ

وہ کام جن کی وجہ سے مسلمان کا خون مباح ہو جاتا ہے

مسلمان کی جان اور مال محفوظ ہیں ان میں تعدی جائز نہیں، البتہ تین کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان کا خون مباح ہو جاتا ہے یعنی اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے: ایک: قتل ناحق، دوسرا: زنا اور تیسرا ارتداد، ان کے علاوہ کسی بھی صورت میں مسلمان کا قتل جائز نہیں۔

[٢٥--] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ وَأَبُومُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَايَحِلُّ

دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ! إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ، الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی ایسے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی وجہ سے: جان کے بدلہ میں جان، اور شادی شدہ زنا کار، اور اپنے دین سے جدا ہونے والا، جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا''

تشریح:

۱- مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں، کیونکہ ارشاد پاک ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾: دین میں زبردستی نہیں چنانچہ مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جاتا، گھر میں نظر بند کیا جاتا ہے، اگر ارتداد کی وجہ سے قتل ہوتا تو مرتدہ کو بھی قتل کیا جاتا، بلکہ مرتد کا قتل: فتنہ روکنے کے لئے ہے، چونکہ اسلام میں جیل کی سزا نہیں اور مرد کو نظر بند رکھنا اس کے موضوع کے خلاف ہے پس اس کو چلنے پھرنے کی آزادی ہوگی، اس لئے وہ لوگوں کے ذہن بگاڑے گا اور فتنہ میں مبتلا کرے گا اس لئے اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ یعنی فتنہ: قتل سے سنگین بات ہے، اس لئے فتنہ روکنے کے لئے مرتد کو قتل کیا جاتا ہے۔

۲- امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک مرتد مرد اور عورت دونوں کو اسلامی حکومت قتل کرے گی، حدیث میں ہے: من بَدَّل دينَه فاقتلوه: جو اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دھرم اختیار کرے اس کو قتل کردو، یہ حدیث عام ہے مرد وزن کو، اور دونوں کا گناہ یکساں ہے، پس دونوں کو قتل کیا جائے گا، اور احناف کے نزدیک مرد کو تو قتل کیا جائے گا، عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، یہ حدیث بھی احوال کو عام ہے، پس عورت کو ارتداد کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا اصل یہ ہے کہ غلط عقائد واعمال کی سزا آخرت میں ملے گی، اور مرتد مرد کا قتل فتنے کے سدباب کے لئے ہے، اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہے اور مرتد عورت کو گھر میں نظر بند کردیا جائے گا، اور دوسری عورتوں کو اس سے ملنے سے روک دیا جائے گا، مرد کو نظر بند نہیں کرسکتے، یہ مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اور اسلام میں جیل کی سزا نہیں، پس وہ آزاد پھرے گا، اور لوگوں کے ذہن بگاڑے گا، اور فتنہ پھیلائے گا، اور فتنہ قتل سے بھاری ہے، اس لئے اس کو قتل کردیا جائے گا۔

۳- اگر ان کے شبہات ہوں تو ایسا عالم مہیا کیا جائے گا جو ان کے شبہات کو دور کرے، اور اس حد تک ان کو جواب دے کہ وہ لاجواب ہوجائیں، پھر ان کو تین دن کی مہلت دی جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو فبہا! ورنہ مرد کو قتل کردیا جائے گا اور عورت کو گھر میں نظر بند کردیا جائے گا۔

قوله: المُفارِق للجماعة: یہ صفت کاشفہ ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وضاحت: یہ حدیث نمیر، سفیان اور عیسیٰ بن یونس نے بھی اَعمش سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے حفص بن غیاثؒ، ابومعاویہ اور وکیع نے روایت کی ہے۔

[۲۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى (وَاللَّفْظُ لِأَحْمَدَ) قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ لَا يَحِلُّ دَمُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؛ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ التَّارِكُ الإِسْلَامَ، الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ أَوِ الْجَمَاعَةَ، (شَكَّ فِيهِ أَحْمَدُ) وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ"

قَالَ الْأَعْمَشُ: فَحَدَّثْتُ بِهِ إِبْرَاهِيمَ، فَحَدَّثَنِي عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ بِمِثْلِهِ.

وحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بِالإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ، وَلَمْ يَذْكُرَا فِي الْحَدِيثِ قَوْلَهُ "وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ"

قوله: سفیان: یہ حدیث ابن عیینہؒ سے ابن مہدیؒ نے روایت کی ہے، اور اوپر ابن ابی عمر نے روایت کی تھی۔

قوله: قال الأعمش: اَعمش رحمہ اللہ نے یہ حدیث ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو سنائی جس کو وہ عبداللہ بن مُرّہ اور مسروق کے واسطوں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، پس ابراہیم نخعیؒ نے ان سے بواسطہ اسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی، جو ابن مسعودؓ کی حدیث کے مانند تھی۔

قوله: بالإسنادين جميعا: شیبان نے بھی اَعمش سے روایت کیا ہے اور دونوں سندوں کو جمع کیا ہے یعنی دونوں سندوں سے روایت کیا ہے اور سفیان کی مذکورہ حدیث کے مانند روایت کیا ہے، البتہ ان حدیثوں میں والذی لا إله غيره نہیں ہے۔

۷- بَابُ بَيَانِ إِثْمِ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

اس شخص کا گناہ جس نے قتل کا طریقہ ڈالا

یہ ناحق قتل کی سنگینی کا بیان ہے، کسی بے گناہ کو ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچانا گویا سارے انسانوں کو بچانا ہے، اور اس کی ضد: کسی ایک کو بے گناہ قتل کرنا سارے انسانوں کے قتل کے مترادف ہے، یہ مضمون سورۃ المائدۃ کی (آیت ۳۲) میں ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ناحق خون سے دوسرے دلیر ہوجاتے ہیں، اور بدامنی کی جڑ قائم ہوجاتی ہے، اور جو کسی

بے گناہ کو بچاتا ہے وہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اسی طرح سب کو بچاؤ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''جس نے ناحق قتل کو (اپنے اوپر) حرام کرلیا اس سے سب لوگ مامون ہوجاتے ہیں'' اب اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا، یہ سب لوگوں کو زندہ کرنا ہے۔

[۲۷-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''لَاتُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا، إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا، لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ''

وحَدَّثَنَاه عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ وَعِيسَى ابْنُ يُونُسَ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، وَعِيسَى بْنِ يُونُسَ: ''لِأَنَّهُ سَنَّ الْقَتْلَ'' لَمْ يَذْكُرَا أَوَّلَ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں قتل کیا جاتا کوئی شخص ناحق مگر ہوتا ہے آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے خون میں سے ایک حصہ، اس لئے کہ پہلے بیٹے نے سب سے پہلے (ظالمانہ) قتل کا سلسلہ شروع کیا ہے (پہلے بیٹے کا نام قابیل تھا، وہ بڑا ہی ناقابل تھا اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ قرآنی ضابطہ ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾: کسی کے گناہ کی گٹھری کوئی نہیں ڈھوتا، پھر آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو ہر ناحق قتل میں سے ایک حصہ کیوں پہنچتا ہے؟

جواب: یہ بری راہ ڈالنے کی سزا ہے، اور وہ اسی کا عمل ہے، جیسے اچھا راستہ ڈالنے والے کو نیک عمل کرنے والے کے حصہ میں سے پہنچتا ہے، اسی طرح یہ معاملہ ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث جریر، عیسیٰ بن یونس اور سفیان نے بھی اعمش سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابو معاویہ روایت کرتے ہیں، اور جریر کی حدیث میں لفظ اول نہیں ہے۔

۸- بَابُ الْمُجَازَاةِ بِالدِّمَاءِ فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّهَا أَوَّلُ مَا يُقْضَى فِيهِ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آخرت میں خونوں کا حساب چکتا کیا جائے گا، اور

قیامت کے دن سب سے پہلے اسی کا حساب ہوگا

خون ناحق اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار ہے، کعبہ شریف ڈھادینے سے بھی اشد ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمام آسمانوں والے اور زمین والے مل کر ایک مسلمان کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں سب کو جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیں گے'' (ترمذی حدیث ۱۳۸۳) اسی لئے قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کا حساب ہوگا۔

[۲۸-] حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ"

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ: (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) (ح) وحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّ بَعْضَهُمْ قَالَ عَنْ شُعْبَةَ: "يُقْضَى" وَبَعْضُهُمْ قَالَ: "يُحْكَمُ بَيْنَ النَّاسِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کے درمیان ناحق خونوں کا فیصلہ ہوگا''

سند: یہ حدیث معاذ، خالد بن الحارث، محمد بن جعفر اور ابن ابی عدی رحمہم اللہ نے شعبہؒ سے روایت کی ہے اور وہ اعمشؒ سے اسی سند سے روایت کرتے ہیں، جس سند سے وکیع نے روایت کی ہے، اور شعبہ رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ یُقضی کہتے ہیں اور بعض یُحکَم۔

تشریح: ترمذی کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۹۱) میں یہ حدیث ہے کہ قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اس حدیث کا باب کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جس عمل کو سب سے پہلے جانچا جائے گا وہ نماز ہے اور جس کا سب سے پہلے نتیجہ نکلے گا وہ خون کا معاملہ ہے، حدیثوں میں اس کی صراحت ہے۔

۹- بَابُ تَغْلِيظِ تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَعْرَاضِ وَالْأَمْوَالِ

لوگوں کے خون، اموال اور عزتوں کو پامال کرنے پر سخت وعید

کسی کی جان، مال اور عزت کو پامال کرنا سخت ناپسندیدہ بات اور گناہِ کبیرہ ہے، احادیثِ شریفہ میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

[۲۹-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَيَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ (وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ) قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَشَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ شَهْرُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ" ثُمَّ قَالَ: "أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟" قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: "فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ، سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟" قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: "فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِاسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟" قُلْنَا: بَلَى، يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: "فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ (قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ) وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، فَلَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا (أَوْ ضُلَّالًا) يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا! لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلَّغُهُ يَكُونُ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ" ثُمَّ قَالَ: "أَلَا! هَلْ بَلَّغْتُ؟"

قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ فِي رِوَايَتِهِ: "وَرَجَبُ مُضَرَ" وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: "فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي"

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ زمانہ گھوم کر اس حالت پر ہوگیا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، جن میں سے چار مہینے اشہر حرم (محترم مہینے) کہلاتے ہیں، تین مسلسل ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ رجب ہے جو مضر کا مہینہ کہلاتا ہے جو جمادی الآخری اور شعبان کے درمیان میں ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، راوی کہتے ہیں: پس آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس مہینہ کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، آپؐ نے فرمایا: کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، راوی کہتے ہیں: پس آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس شہر کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، آپؐ نے فرمایا: "کیا یہ بلدۃ الحرام (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپؐ نے پھر پوچھا: آج کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، راوی کہتے ہیں: پس آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپؐ نے فرمایا: کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول!

آپؐ نے فرمایا: بیشک تمہارے خون اور تمہارے اموال ـــــ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں: اور میرا گمان ہے کہ استاذ نے

فرمایا تھا ـــــ اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح، تمہارے اس شہر کی حرمت کی طرح، تمہارے اس مہینہ کی حرمت کی طرح۔

اور عنقریب تم اپنے پروردگار سے ملاقات کروگے، پس وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھیں گے، لہٰذا میرے بعد کفر کی طرف ـــــ یا فرمایا ـــــ گمراہی کی طرف ہرگز نہ لوٹنا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگو۔

سنو! چاہئے کہ موجود غائب کو پہنچادے، پس شاید بعض وہ جس کو یہ حدیث پہنچے وہ حدیث کو زیادہ محفوظ رکھے، اس سے جو سن رہا ہے، پھر فرمایا: سنو! کیا میں نے پہنچا دیا؟

ابن حبیبؒ کی روایت میں رجبُ شهرُ مُضَرَ کے بجائے رَجَبُ مُضَرَ ہے اور ابوبکرہ کی روایت میں فلا ترجعنّ کے بجائے فلا ترجعوا ہے۔

تشریح: یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، دس ذی الحجہ میں جو یوم النحر ہے آپؐ نے یہ تقریر فرمائی ہے، آپؐ اونٹنی پر سوار تھے، جلو میں ایک لاکھ سے زیادہ پروانے تھے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کی لگام تھام رکھی تھی۔

قوله: إن الزَّمَان قد استَدَارَ إلخ: تمام شریعتوں میں عبادتوں کی ادائیگی چاند کے حساب سے ہوتی رہی ہے، جب سے چاند سورج اور آسمان وزمین بنے ہیں تب سے برابر یہ نظام چل رہا ہے کہ مہینہ میں ایک بار چاند ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے جس سے سال کے بارہ مہینے بنتے ہیں، لیکن اللہ عزوجل نے قمری چال کچھ اس قسم کی تجویز فرمائی ہے کہ دن اور مہینے آہستہ آہستہ (سال میں دس دن اور چند گھنٹے) مقدم ہوتے رہتے ہیں اور سال کے تمام موسموں میں گردش کرتے رہتے ہیں رمضان شریف کا مہینہ کبھی گرمیوں میں آتا ہے، کبھی سردیوں میں اور کبھی برسات میں، حج اور قربانی کا بھی یہی حال ہے۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی امت تھے، اس لئے وہ بھی قمری حساب سے عبادتیں ادا کرتے تھے لیکن جب انھوں نے دین فراموش کردیا اور عبادتیں رسم بن گئیں تو ان کے بڑوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں اس طرح کتر بیونت کی کہ حساب تو قمری باقی رکھا مگر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے یہودیوں سے سیکھ کر کَبِیْسَة (لوند ـــــ وہ مہینہ جو ہر تیسرے سال شمسی حساب سے بڑھایا جاتا ہے) کا سسٹم جاری کیا۔

ہندوستان میں جو بکرمی سن رائج ہے وہ بھی قمری شمسی ہے یعنی اس کا مدار چاند کی رفتار پر ہے، لیکن ہر تیسرے سال لوند کا مہینہ بڑھا کر شمسی سال کے مطابق کرلیا جاتا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ لوند کا مہینہ بڑھانے سے قمری حساب تو موسم کا پابند نہیں ہوجائے گا، اس کے دن اور مہینے تو برابر تمام موسموں میں گردش کرتے رہیں گے، چاہے لوگ کچھ ہی خیال کرتے رہیں۔

چونتیس سال میں دن اور مہینے گردش کرتے ہوئے اپنی اصلی جگہ پہنچ جاتے ہیں اس لئے عرب تینتیس سال حج اس کی

اصل تاریخوں کے علاوہ دوسری تاریخوں میں ادا کرتے تھے، البتہ چوبیسویں سال اصلی وقت میں یعنی ذوالحجہ کی نو، دس تاریخ کو ادا ہوتا تھا، سن ۱۰ ہجری وہ چوبیسواں سال تھا جس میں حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اصلی تاریخوں میں آپہنچا تھا، اس لئے اسی سال آنحضور ﷺ نے فریضۂ حج ادا فرمایا، اور اپنے منی والے خطبہ میں صاف اعلان فرمایا: "سنو! وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اس حالت پر آپہنچا ہے جو کائنات کی تخلیق کے وقت سے مقرر ہے" آنحضور ﷺ کے اس اعلان سے لوند کا سسٹم ختم ہو گیا اور تمام عبادتیں ٹھیک وقت پر ادا ہونے لگیں۔

ملحوظہ: اللہ عزوجل نے ابتدائے آفرینش ہی سے سال کے بارہ مہینے بنائے ہیں جن میں سے چار مہینے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب کا ادب واحترام کرنا ملت ابراہیمی میں ضروری قرار دیا گیا تھا، مگر جب عرب دین سے ناآشنا ہو گئے اور نفسانی خواہشات کے غلام ہو گئے تو ان کے بڑوں نے حرام مہینوں کو حلال بنالینے کا طریقہ ایجاد کیا جس کو قرآن مجید نے نسیئ سے تعبیر کیا ہے، اسی کو لوند کا سسٹم بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل نے سورۃ التوبہ کی آیات ۳۶ و ۳۷ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ہدایت القرآن میں آسان اور عام فہم انداز میں اس کو سمجھایا گیا ہے۔

قوله: رجبُ شهر مضر: قبیلۂ مضر اس مہینہ کی تعظیم کرتا تھا اس لئے اس کی طرف اس مہینہ کی نسبت کی گئی ہے ـــــ آنحضور ﷺ کا نسب اطہر مُضر سے ملتا ہے (دیکھئے ایضاح المسلم ۱: ۱۰۲)

قوله: فلا ترجعنّ بعدی کفارا إلخ: خانہ جنگی فتنوں کا دروازہ کھولتی ہے، لوگ جب باہم بھڑتے ہیں تو ہوش کھو بیٹھتے ہیں، اور کردنی ناکردنی کرتے ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں خاص طور پر نصیحت فرمائی تھی کہ: "میرے بعد دین کا (عملی) انکار کرنے والے نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگو، یہاں حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ دین کا عملی انکار مراد ہے، جس کی ایک صورت مسلمانوں کا باہم قتل وقتال کرنا بھی ہے (دیکھئے: ایضاح المسلم ۱: ۲۱۷)

قوله: لیبلغ الشاهد إلخ: نبی ﷺ نے فرمایا: "کبھی مُبلَّغ یعنی جس کو حدیث پہنچائی گئی ہے حدیث سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے" یعنی علم کو آگے بڑھانے کے بے شمار فائدے ہیں، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ علم محفوظ ہو جاتا ہے، ضائع نہیں ہوتا۔

علم میں بخیلی ایک قدیم مزاج رہا ہے، کیونکہ ہر نفیس چیز میں آدمی بخیلی کرتا ہے، اور علم سے زیادہ نفیس چیز کوئی نہیں، اس لئے علم کے سلسلہ میں بخیلی کرنا عام مزاج رہا ہے، فن طب میں ایک رسالہ قبریہ ہے، کہتے ہیں: اس کا نام رسالہ قبریہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ایک حکیم نے اس میں نبض کی تفصیلات لکھی تھیں اور زندگی بھر کسی کو اس رسالہ کی ہوا نہیں لگنے دی، بلکہ مرتے وقت وصیت کی کہ یہ رسالہ میرے ساتھ دفن کیا جائے، چنانچہ اس رسالہ کو اس کے ساتھ دفن کر دیا گیا مگر ایک آدمی جانتا تھا اس نے قبر کھول کر وہ رسالہ نکال لیا اس لئے وہ رسالہ قبریہ کہلایا۔

غرض علم کے سلسلہ میں بخیلی برتنا ایک قدیم بیماری ہے، لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ اگر علم خرچ کیا جائے گا تو خزانہ خالی ہوجائے گا، حالانکہ سونے چاندی کے خزانے میں اور علم کے خزانے میں فرق ہے، سونے چاندی کا خزانہ خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم کا خزانہ بڑھتا ہے، چنانچہ سب سے پہلے اسلام ہی نے علم سے اجارہ داری ہٹائی، اور علم کو عام کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: اگر تم سے کوئی علمی بات پوچھی جائے اور وہ بات تم جانتے ہو تو اسے بتاؤ ورنہ قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی، اسی قبیل کی یہ حدیث بھی ہے، آنحضور ﷺ نے فرمایا: جو بات تم نے مجھ سے سنی ہے اسے اپنی ذات تک مت رکھو، اُسے آگے بڑھاؤ، ہوسکتا ہے جس کو تم حدیث پہنچاؤ اس کا حافظہ تم سے قوی ہو، پس وہ اس کو اچھی طرح محفوظ رکھے گا، اور حدیث ضائع ہونے سے بچ جائے گی۔

[۳۰-] حَدَّثَنَا نَصرُ بنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ، قَعَدَ عَلَى بَعِيرِهِ وَأَخَذَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ، فَقَالَ: "أَتَدْرُونَ أَيَّ يَوْمٍ هٰذَا؟" قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ، فَقَالَ: "أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ؟" قُلْنَا: بَلٰى، يَارَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: "فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ؟" قُلْنَا: بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: "فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ بِالْبَلْدَةِ؟" قُلْنَا: بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: "فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" قَالَ: ثُمَّ انْكَفَأَ إِلٰى كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا، وَإِلٰى جُزَيْعَةٍ مِنَ الْغَنَمِ فَقَسَمَهَا بَيْنَنَا.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ دن (حجۃ الوداع میں یوم النحر) آیا تو نبی ﷺ اپنی اونٹنی پر بیٹھے، اور ایک شخص نے (خود حضرت ابوبکرہؓ نے) اونٹنی کی لگام تھام لی، پس آپؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس کا کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے، آپؐ نے فرمایا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے پھر فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ ورسول زیادہ جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے پھر پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ ورسول زیادہ جانتے ہیں — ابوبکرہؓ کہتے ہیں — ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس کا کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے، آپؐ نے فرمایا: کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے، ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری

عزتیں تم پر حرام ہیں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح، تمہارے اس مہینہ کی حرمت کی طرح، تمہارے اس شہر کی حرمت کی طرح، پس چاہئے کہ موجود غائب کو پہنچادے۔
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر نبی ﷺ دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ذبح فرمایا، پھر بکریوں کے ایک ریوڑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، قَالَ: قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ ذَلِكَ الْيَوْمُ جَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيرٍ، قَالَ: وَرَجُلٌ آخِذٌ بِزِمَامِهِ (أَوْ قَالَ بِخِطَامِهِ) فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ زُرَيْعٍ.

وضاحت: اس حدیث کو ابن عونؒ سے حماد بن مَسعدہ نے روایت کیا ہے اور گذشتہ حدیث یزید بن زریع نے روایت کی تھی، دونوں کی روایتیں معناً ایک اور لفظاً ذرا مختلف ہیں۔

[۳۱-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ فِي نَفْسِي أَفْضَلُ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ وَأَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا قُرَّةُ بِإِسْنَادِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ (وَسَمَّى الرَّجُلَ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: "أَيُّ يَوْمٍ هَذَا" وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عَوْنٍ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَذْكُرُ: "وَأَعْرَاضَكُمْ" وَلَا يَذْكُرُ: ثُمَّ انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ، وَمَا بَعْدَهُ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: "كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: "اللّٰهُمَّ اشْهَدْ"

وضاحت: یہ حدیث محمد بن سیرینؒ سے قرۃ بن خالدؒ روایت کرتے ہیں اور قرۃ سے یحییٰ بن سعید اور ابو عامر عبد الملکؒ روایت کرتے ہیں، اور محمد بن سیرینؒ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد الرحمٰنؒ سے اور ایک اور شخص سے روایت کیا ہے، وہ شخص کون ہے؟ یحییٰ کی روایت میں اس کا نام نہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ شخص محمد بن سیرینؒ کو عبد الرحمٰن سے زیادہ پسند تھا یعنی وہ عبد الرحمٰن سے زیادہ مضبوط راوی ہے، اور ابو عامر عبد الملک کی روایت میں اس دوسرے شخص کا نام حمید بن عبد الرحمٰن مذکور ہے۔

قوله: وساقوا الحديث: ان اساتذہ کی روایت ابن عون کی روایت کے مانند ہے مگر چند فرق ہیں: ان کی حدیثوں

میں واعر اضکم نہیں ہے اور آخری مضمون یعنی نبی ﷺ کا تقریر سے فارغ ہو کر مینڈھوں کو ذبح کرنے والی بات بھی نہیں ہے ـــــ اور یہ اضافہ ہے: تمہارے اس دن کی، اس مہینہ کی، اس شہر کی حرمت کی طرح اس دن تک جب تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو، یعنی قیامت تک، سنو! کیا میں نے پہنچادیا؟ سب نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہو!

١٠- بَابُ صِحَّةِ الإِقْرَارِ بِالْقَتْلِ وَتَمْكِيْنِ وَلِيِّ الْقَتِيْلِ مِنَ الْقِصَاصِ وَاسْتِحْبَابِ طَلَبِ الْعَفْوِ مِنْهُ

قتل کا اقرار کرنا اور قصاص میں قاتل کو مقتول کے ورثاء کو سونپنا صحیح ہے اور ولی سے معافی طلب کرنا مستحب ہے

باب میں بلاوجہ کی طول بیانی ہے اور مدعیٰ صرف اتنا ہے کہ اقرار سے بھی قصاص ثابت ہوتا ہے۔

[٣٢-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا أَبُو يُونُسَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ أَنَّ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، قَالَ: إِنِّي لَقَاعِدٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ يَقُودُ آخَرَ بِنِسْعَةٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَذَا قَتَلَ أَخِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَقَتَلْتَهُ؟" (فَقَالَ: إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَعْتَرِفْ أَقَمْتُ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ) قَالَ: نَعَمْ قَتَلْتُهُ، قَالَ: "كَيْفَ قَتَلْتَهُ؟" قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَهُوَ نَخْتَبِطُ مِنْ شَجَرَةٍ، فَسَبَّنِي فَأَغْضَبَنِي، فَضَرَبْتُهُ بِالْفَأْسِ عَلَى قَرْنِهِ فَقَتَلْتُهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ لَكَ مِنْ شَيْءٍ تُؤَدِّيهِ عَنْ نَفْسِكَ؟" قَالَ: مَا لِي مَالٌ إِلَّا كِسَائِي وَفَأْسِي، قَالَ: "فَتَرَى قَوْمَكَ يَشْتَرُونَكَ؟" قَالَ: أَنَا أَهْوَنُ عَلَى قَوْمِي مِنْ ذَاكَ، فَرَمَى إِلَيْهِ بِنِسْعَتِهِ، وَقَالَ: "دُونَكَ صَاحِبَكَ" فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ، فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ" فَرَجَعَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ قُلْتَ: "إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ" وَأَخَذْتُهُ بِأَمْرِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَا تُرِيدُ أَنْ يَبُوءَ بِإِثْمِكَ وَإِثْمِ صَاحِبِكَ؟" قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ (لَعَلَّهُ قَالَ) بَلَى، قَالَ: "فَإِنَّ ذَاكَ كَذَاكَ" قَالَ: فَرَمَى بِنِسْعَتِهِ وَخَلَّى سَبِيلَهُ.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک شخص آیا جو ایک دوسرے شخص کو تسمہ سے باندھ کر لایا تھا، اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے، نبی

ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے اس کے بھائی کو قتل کیا ہے؟ مدعی نے عرض کیا: اگر اس نے اعتراف نہ کیا ہوتا تو میں اس پر گواہ قائم کرتا، مدعی علیہ نے کہا: جی ہاں، میں نے اس کے بھائی کو قتل کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: تو نے کس طرح قتل کیا؟ اس نے عرض کیا: میں اور وہ ایک، درخت سے پتے جھاڑ رہے تھے، اس نے مجھے گالی دی، مجھے غصہ آ گیا اور میں نے کلہاڑی اس کے سر پر دے ماری، اور میں نے اس کو قتل کر دیا۔

اس سے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس اتنا مال ہے کہ تو اسے اپنی جان کے فدیہ میں دے؟ اس نے عرض کیا: میرے پاس کوئی مال نہیں سوائے میری چادر اور کلہاڑی کے، آپؐ نے فرمایا: تیرا تیری قوم کے بارے میں کیا خیال ہے وہ تجھے خریدیں گے؟ یعنی تیرا فدیہ دے کر تیری جان بچالیں گے؟ اس نے عرض کیا: میں اپنی قوم پر اس سے زیادہ بے قیمت ہوں، پس نبی ﷺ نے مدعی کی طرف اس کا تسمہ پھینکا اور فرمایا: ''تیرا ساتھی تیرے حوالے'' یعنی جا: قصاص میں اس کو قتل کر دے، پس وہ اس کو لے چلا، جب اس نے پیٹھ پھیری (اور کچھ دور چلا گیا) تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس نے اس کو قتل کیا تو وہ بھی اسی جیسا ہوگا'' یعنی دونوں میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، پس مدعی واپس لوٹا، اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ بات پہنچی کہ آپؐ نے فرمایا: اگر اس نے قتل کیا تو وہ اسی جیسا ہوگا، حالانکہ میں نے اس کو آپؐ کے حکم سے پکڑا ہے'' پس نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تو اپنا اور اپنے ساتھی (مقتول) کا گناہ (حق) وصول کرنا چاہتا ہے، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! واقعی ایسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، پس اس نے عرض کیا: بیشک یہ اس کی طرح ہے، راوی کہتے ہیں: پس اس نے اس کا تسمہ پھینک دیا، اور اس کا راستہ چھوڑ دیا یعنی قصاص معاف کر دیا۔

لغات: قَادَ يَقُوْدُ قَوْدًا وَقِيَادَةً ـــــ وَقَوَّدَ تَقْوِيْدًا الدابةَ: چوپائے کو آگے سے کھینچنا ـــــ النِسْعُ: کجاوہ کسنے کی چوڑی رسّی یا تسمہ، اس کے ایک ٹکڑے کو نِسْعَة کہتے ہیں، جمع: نُسْعٌ وَنِسَعٌ وَنُسُوْعٌ وَانْسَاعٌ ـــــ خَبَطَهُ الشَّجَرَةَ (ض) خَبْطًا: پتے جھاڑنا ـــــ بَاءَ يَبُوْءُ بَوْءًا إليه: لوٹنا، بَاءَهُ وَبَاءَ بِه: لوٹانا۔

تشریح:

۱- مذکورہ واقعہ میں آنحضور ﷺ نے محض اقرار پر قصاص کا فیصلہ فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ اقرار سے بھی قصاص ثابت ہوگا، اور ایک مرتبہ اقرار کافی ہے، زنا کی طرح چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار شرط نہیں۔

۲- یہ ارشاد کہ: ''اگر وارث نے قصاص لیا تو قاتل ووارث برابر ہونگے'' اس میں اشتراک اسمی ہے، یعنی دونوں پر قاتل ہونے کا اطلاق ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ پہلا قاتل گناہ کا مستحق ہے اور دوسرا نہیں ـــــ اور علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آنحضور ﷺ کی دوراندیشی تھی کہ ایک مبہم جملہ ارشاد فرما کر قاتل کی جان بچالی، واللہ اعلم بالصواب

قولہ: اما تريد أن يبوء باثمك واثم صاحبك: یعنی اگر تو نے قصاص لے لیا تو تو نے اپنا اور اپنے مقتول بھائی کا حق وصول کر لیا اور معاف کر دیا تو تم دونوں کا گناہ معاف ہو جائے گا۔

[۳۳-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَتَلَ رَجُلًا، فَأَقَادَ وَلِيَّ الْمَقْتُولِ مِنْهُ، فَانْطَلَقَ بِهِ وَفِي عُنُقِهِ نِسْعَةٌ يَجُرُّهَا، فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ" فَأَتَى رَجُلٌ الرَّجُلَ فَقَالَ لَهُ مَقَالَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلَّى عَنْهُ.
قَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِحَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَشْوَعَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا سَأَلَهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُ فَأَبَى.

ترجمہ: یہ حدیث حضرت وائل کے صاحبزادے علقمہ سے اسماعیل بن سالم نے روایت کی ہے ـــــ حضرت وائلؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے ایک بندہ کو قتل کیا تھا، پس نبی ﷺ نے مقتول کے ولی کو قاتل سونپ دیا (أقَادَهُ کے معنی ہیں: آگے سے کھینچنے کے لئے دینا یعنی قصاص کے لئے سونپ دینا) وہ اس کو لے کر چلا، درانحالیکہ اس کی گردن میں رسّی تھی، وہ اس کو کھینچ کر لے جا رہا تھا، پھر جب اس نے پیٹھ پھیری تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہیں'' پس ایک شخص ولی کے پاس آیا اور اس نے نبی ﷺ کا ارشاد بیان کیا تو ولی نے قاتل کا راستہ چھوڑ دیا (قصاص معاف کر دیا)

اسماعیل بن سالم کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث حبیب بن ابی ثابت سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: مجھ سے ابن اشوعؒ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس سے معاف کر دینے کی درخواست کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

قولہ: القاتل والمقتول فی النار: اس جملہ کی علماء نے متعدد توجیہیں کی ہیں، مگر راجح یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہے، آنحضور ﷺ نے مبہم جملہ ارشاد فرمایا تھا: إن قتله فهو مثله: راوی نے اس کا جو مطلب سمجھا اس کے مطابق روایت کر دیا۔ واللہ اعلم

فائدہ (۱): ابوداؤد شریف وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ قاتل نے عرض کیا تھا کہ میرا ارادہ مار ڈالنے کا نہیں تھا، یعنی غلطی سے قتل ہو گیا، جان بوجھ کر قتل نہیں کیا، پس آنحضور ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مصلحت ہو تو مفتی کو توریہ کرنا چاہئے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قاتل کی توبہ کے بارے میں پوچھا گیا: آپؓ نے فرمایا: لا توبة للقاتل (شرح نووی)

فائدہ (۲): جن احکام کی علتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان میں کسی ظاہر پر حکم کا مدار ہوتا ہے، قتل میں عمد کی نیت ہے یا نہیں؟ یہ پوشیدہ چیز ہے پس ظاہر یعنی آلہ پر حکم کا مدار ہوگا، اگر ہتھیار یا ہتھیار جیسی کسی چیز سے قتل کیا ہے تو قاضی قتل عمد ہی کا فیصلہ کرے گا، خواہ نیت کچھ ہو، اور اس سے قصاص لینا جائز ہوگا، مگر دیانۃً نہیں (الاشباہ والنظائر ۱: ۹۷)

۱۱- بَابُ دِيَةِ الْجَنِينِ وَوُجُوبِ الدِّيَةِ فِي قَتْلِ الْخَطَأِ وَشِبْهِ الْعَمَدِ عَلَى عَاقِلَةِ الْجَانِي

پیٹ کے بچہ کی دیت، اور قتل خطاء اور شبہ عمد میں عاقلہ پر دیت کا وجوب

حاملہ عورت پر کسی نے تعدی کی (پیٹ پر مارا، بھگایا، دوڑایا) اور اس سے حمل گر پڑا تو اگر حمل میں اعضاء نہیں بنے تو حکومتِ عدل ہے یعنی معتبر اشخاص جو نقصان تجویز کریں وہ ادا کیا جائے، اور اعضاء بننے لگے ہیں یا مکمل بن گئے ہیں اور بچہ مرا ہوا گر پڑا تو بُرّہ وہ یا دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا، اور زندہ گرا پھر مر گیا تو کامل دیت واجب ہوگی، اور یہ دیت عاقلہ دیں گے، باب کی حدیث میں یہی حکم ہے۔

عاقلہ: کی تفسیر حدیثوں میں عصبہ (قوم، خاندان) سے آئی ہے، مگر جب خاندانی نظام بکھر گیا یا تھا ہی نہیں تو احناف نے اہل تناصر (وہ لوگ جو باہم ایک دوسرے کی معاونت و مدد کرتے ہیں) سے تفسیر کی 'عقل' کے معنی روکنے کے ہیں، بڑھی کو بھی عقل اس کے لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو بری باتوں سے روکتی ہے، خوں بہا (خون کی قیمت) بھی یہی کام کرتا ہے، آدمی صرف اپنی ذات پر بھروسہ کر کے جرم نہیں کرتا، بلکہ خاندانی پشت پناہی کے سہارے حرکت کرتا ہے، پس جب ان پر تاوان ڈالا جائے گا تو وہ سماج کے بدقماش لوگوں کو جرم کے ارتکاب سے روکیں گے، اور عاقلہ (اہل تناصر) کون ہیں؟ اور ان سے سالانہ کتنی رقم وصول کی جائے گی؟ یہ باتیں کتب فقہ میں ہیں۔

ملحوظہ: قتل خطاء، شبہ عمد اور قتل کی دیگر اقسام کی تعریفات اور احکام کتاب الفرائض کے پہلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا، فَقَضَى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغُرَّةٍ: عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو مارا (وہ حاملہ تھی) پس اس کے پیٹ کا بچہ گر گیا، پس نبی ﷺ نے اس واقعہ میں غرّہ کا: غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا۔

تشریح:

۱- غُرّہ کے اصل معنی ہیں: گھوڑے کی پیشانی پر سفید داغ، پھر ہر روشن چیز پر اس کا اطلاق ہونے لگا، غلام باندی پر بھی اطلاق ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اوپن اور کھلا مال ہیں۔

۲- یہ عورتیں سوکنیں تھیں اور حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کے نکاح میں تھیں اور قبیلہ ہذیل کی شاخ بنولحیان سے ان کا تعلق تھا اور ایک کا نام ملیکہ اور دوسری کا نام ام غُطیف تھا۔

۳-اگر پیٹ کا بچہ مراہوا گرے تو بردہ یا دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اور زندہ گرا پھر مر گیا تو کامل دیت واجب ہوگی۔
۴-دیت ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں، اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں۔

[۳۵-] وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّهُ قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ، سَقَطَ مَيِّتًا، بِغُرَّةٍ: عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک عورت کے پیٹ کے بچہ میں ــــــ جس کا قبیلہ ہذیل کی شاخ بنولحیان سے تعلق تھا ــــــ جو مرا ہوا گرا تھا ایک غرہ کا یعنی غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا، پھر وہ عورت جس پر غرہ کا فیصلہ فرمایا تھا وفات پا گئی، تو نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کی اولاد اور شوہر کو ملے گی، اور دیت عصبہ پر واجب ہوگی۔

تشریح:

میراث میں صرف ورثاء کا حق ہے، غیر وارث کا اس میں کوئی حصہ نہیں، دیت اگرچہ عاقلہ پر واجب ہوتی ہے مگر میراث میں ان کا حصہ نہیں، جیسے اگر میت قرض چھوڑے یا نادار ناتواں اور ہلاکیت کے کگار پر بچوں کو چھوڑے تو ان کی کفالت کی ذمہ داری بیت المال پر ہے، اور ترکہ چھوڑے تو وہ وارثین کا ہے، بیت المال کا حصہ اس میں کچھ نہیں۔

عاقلہ کون لوگ ہیں؟

۲-احناف نے عاقلہ کی تفسیر اہل تناصُر (وہ لوگ جو باہم ایک دوسرے کی معاونت و مدد کرتے ہیں) سے کی ہے، اگرچہ حدیثوں میں عاقلہ کی تفسیر عصبہ (قوم، خاندان) سے آئی ہے مگر جب خاندانی نظام بگڑ گیا یا تھا ہی نہیں، تو احناف نے اہل تناصر سے تفسیر کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دیت کو اہل دیوان پر لازم کیا تھا اور اس پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی تھی، معلوم ہوا کہ حدیث معلول بعلت ہے اور احناف نے علت اہل تناصر نکالی ہے، پس کسی ایک پیشہ سے منسلک لوگ، کسی محکمہ میں یا دفتر میں کام کرنے والے لوگ یا ایک سوسائٹی میں رہنے والے لوگ باہم ایک دوسرے کے عاقلہ ہیں، اور ان پر دیت لازم ہوگی، اور اس طرح کی کوئی بات نہ ہو تو برادری عاقلہ ہوگی اور اس پر دیت لازم ہوگی، اور دیگر فقہاء صرف عصبات کو عاقلہ قرار دیتے ہیں ــــــ اور دیت عاقلہ پر کیوں واجب ہوتی ہے؟ اس کی وجہ اوپر آچکی۔

[۳۶-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ (ح) وحَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: اقْتَتَلَتْ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا، وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا

إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أَغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ، وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ؟ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ" مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ.

وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ، وَلَمْ يَذْكُرْ: وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، وَقَالَ: فَقَالَ قَائِلٌ: كَيْفَ نَعْقِلُ وَلَمْ يُسَمِّ حَمَلَ بْنَ مَالِكٍ.

ترجمہ: قبیلہ ہذیل کی دوعورتوں میں باہم جھگڑا ہوا، پس ایک نے دوسری کو پتھر سے مارا، جس کی وجہ سے عورت کی بھی جان چلی گئی اوراس کے پیٹ کے بچہ کی بھی، پس لوگوں نے نبی ﷺ کے پاس جھگڑا کیا یعنی آپؐ کی عدالت میں مقدمہ لے گئے، پس نبی ﷺ نے جنین کی دیت میں غرہ کا یعنی ایک غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا، اور عورت کی دیت اس کے (پتھر مارنے والی کے) عاقلہ پر لازم کی، اوراس کے لڑکے کو (مضروبہ کے لڑکے کو) اور جواس کے ساتھ وارث تھے ان کو وارث بنایا، پس حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کیسے دیت دوں اس کی جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چلایا ایسا خون تو رائگاں جانا چاہئے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ شخص کاہنوں کا بھائی ہے، مسجع کلام کرنے کی وجہ سے" (یہ فرمایا)

سند: یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے یونسؒ کی طرح معمر نے بھی روایت کی ہے، اور دونوں کی روایتوں میں تین فرق ہیں: (۱) یونس کی روایت میں استاذ الاستاذ دو ہیں اور معمر کی روایت میں صرف ابوسلمہ (۲) معمر کی روایت میں یہ جملہ وورثها ولدها ومن معهم نہیں ہے (۳) ہم کیسے دیت دیں الخ یہ بات کس نے کہی تھی؟ معمر کی روایت میں اس کا نام نہیں ہے۔

قولہ: فَقَتَلَتْهَا: یہاں یہ ہے کہ پتھر کی چوٹ سے جنین بھی مرگیا اور مضروبہ بھی مرگئی اور گذشتہ حدیث میں تھا کہ ضاربہ مری تھی، علامہ نووی رحمہ اللہ نے تطبیق دینے کے لئے اوپر روایت میں علیها کو لها کے معنی میں لیا ہے ـــــ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جنین کے ساتھ مضروبہ مری ہو، پھر کچھ وقت کے بعد ضاربہ بھی مرگئی ہو، پس اس کے عاقلہ نے اس بناء پر کہ انھوں نے اس کی دیت دی ہے وارثت میں حصہ مانگا، پس آپؐ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ عاقلہ صرف دیت میں بھاگیدار ہیں، وارثت میں نہیں۔ واللہ اعلم

قولہ: وقضى بدية المراة: تمام روایات میں یہی ہے کہ نبی ﷺ نے دیت کا فیصلہ فرمایا، یعنی اس قتل کو شبہ عمد قرار دیا، معلوم ہوا کہ قتل بالمثقل شبہ عمد ہے اوراس میں قصاص نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں ـــــ اور ابوداؤد کی

روایت میں جس کو ابن جریج نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ضاربہ کو قتل کرنے کا حکم دیا: وہ صحیح نہیں، خود ابن جریج نے عمرو بن دینار پر اعتراض کیا ہے، تفصیل ابوداؤد شریف میں ہے۔

قوله: وَلَدَهَا ومن معهم: ضمیر جمع: جنس ولد کی طرف راجع ہے، اور بعض روایت میں أولادها ہے، پس تاویل کی ضرورت نہیں۔

قوله: حَمَل بن النابغة: یہ دادا کی طرف نسبت ہے اور باپ کا نام مالک تھا ـــــ یہ قاتلہ کا شوہر اور عصبہ تھا، اس کو دیت بھرنی تھی اس لئے مذکورہ بات کہی۔

قوله: مِن أجل سجعه الذى إلخ: کاہن مسجع کلام سے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے، یہ کلام بھی اسی جیسا تھا اس لئے کاہن کے ساتھ تشبیہ دی۔ واللہ اعلم

[۳۷-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نُضَيْلَةَ الْخُزَاعِيِّ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: ضَرَبَتِ امْرَأَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلَى، فَقَتَلَتْهَا، قَالَ: وَإِحْدَاهُمَا لِحْيَانِيَّةٌ، قَالَ: فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُولَةِ عَلَى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ، وَغُرَّةً لِمَا فِي بَطْنِهَا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ: أَنَغْرَمُ دِيَةَ مَنْ لَا أَكَلَ وَلَا شَرِبَ وَلَا اسْتَهَلَّ؟ فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَسَجْعٌ كَسَجْعِ الْأَعْرَابِ؟" قَالَ: وَجَعَلَ عَلَيْهِمُ الدِّيَةَ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی لکڑی سے مارا، وہ حاملہ تھی اور اس کو جان سے مار ڈالا، راوی کہتے ہیں: اور ان میں سے ایک لِحیانیہ تھی یعنی قبیلہ ہذیل کی شاخ بنولحیان سے اس کا تعلق تھا، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبہ پر لازم کی اور ایک غرہ لازم کیا، اس بچہ کے بدلہ میں جو اس کے پیٹ میں تھا، پس قاتلہ کے عصبہ میں سے ایک بندہ نے عرض کیا: کیا ہم اس کی دیت دیں جس نے نہ کھایا نہ پیا اور نہ چلایا، یعنی جو ابھی تک دنیا میں آیا ہی نہیں، اس کی دیت کیسی؟ اس جیسی چیز کو رائگاں قرار دیا جانا چاہئے؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: "اس نے بدوؤں کی طرح مسجع کلام کیا" راوی کہتے ہیں: اور ان پر دیت کو لازم کیا (اور ان کی دلیل کو جو بشکل مسجع کلام تھی لائق التفات نہ جانا)

لغت: فُسْطَاط: خیمہ، اون کا خیمہ، جمع: فَسَاطِيط ـــــ بعمود: خیمہ کھڑا کرنے کے لئے درمیان میں ایک لکڑی لگاتے ہیں وہ لکڑی مراد ہے۔

تشریح: گذشتہ روایت میں تھا کہ پتھر سے مارا اور یہاں ہے کہ خیمہ کی لکڑی سے مارا، اور اس میں کچھ تعارض نہیں، ممکن ہے کہ دونوں سے مارا ہو، غرض یہ قتل بالمثقل تھا جو شبہ عمد ہے، اسی لئے دیت لازم کی قصاص نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ اسی

کے قائل ہیں۔

[۳۸-] وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نُضَيْلَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ؛ أَنَّ امْرَأَةً قَتَلَتْ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ، فَأُتِيَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى عَلَى عَاقِلَتِهَا بِالدِّيَةِ، وَكَانَتْ حَامِلًا، فَقَضَى فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ، فَقَالَ بَعْضُ عَصَبَتِهَا: أَنَدِي مَنْ لَا طَعِمَ وَلَا شَرِبَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ؟ وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ؟ قَالَ: فَقَالَ: "سَجْعٌ كَسَجْعِ الْأَعْرَابِ؟"

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، مِثْلَ مَعْنَى حَدِيثِ جَرِيرٍ وَمُفَضَّلٍ.

وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ بِإِسْنَادِهِمُ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ، غَيْرَ أَنَّ فِيهِ: فَأَسْقَطَتْ، فَرُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَضَى فِيهِ بِغُرَّةٍ، وَجَعَلَهُ عَلَى أَوْلِيَاءِ الْمَرْأَةِ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ دِيَةَ الْمَرْأَةِ.

وضاحت: یہ حدیث منصور نے ابراہیم اور عبید بن نُضیلة کے واسطوں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور منصور سے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہیں، گذشتہ حدیث جریرؒ کی روایت کردہ تھی اور یہاں پہلی حدیث مفضل کی، دوسری سفیان کی اور تیسری شعبہ رحمہم اللہ کی ہیں۔

سفیان کی حدیث جریر اور مفضل کی حدیث کے ہم معنی ہے اور شعبہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: پس پیٹ کا بچہ گر گیا، پس یہ بات نبی ﷺ کی طرف اٹھائی گئی، آپؐ نے جنین میں غرہ کا فیصلہ فرمایا اور عورت کے اولیاء پر اس کو لازم کیا، اس حدیث میں دیۃُ المرأۃ نہیں ہے۔

قوله: أندى من لاطعم إلخ: کیا ہم دیت دیں گے اس کی جس نے نہ کھایا، نہ پیا، اور نہ چیخا چلایا، اس جیسی چیز باطل قرار دینی چاہیے۔

لغات: طَلّ الغريمَ (ن) طَلًّا: ٹالنا ـــــ ہ حقّه: باطل کرنا ـــــ سَجَع الخطيبُ (ف) سَجْعًا: مُقفّیٰ کلام بولنا ـــــ السَّجْعة: قافیہ دار کلام کا ایک ٹکڑا ـــــ استهَلَّ الصَّبِيُّ: پیدائش کے وقت بچہ کا چلانا ـــــ صَاحَ يَصِيحُ صَيْحًا وَصَيْحَانًا: چیخنا، چلانا۔

[۳۹-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالَ: إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ،

قَالَ: اسْتَشَارَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ النَّاسَ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ: شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِيهِ بِغُرَّةٍ: عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: ائْتِنِي بِمَنْ يَشْهَدُ مَعَكَ، قَالَ: فَشَهِدَ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ.

ترجمہ: مسور بن مخرمہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے عورت کا بچہ قبل از وقت گرا دینے کے سلسلہ میں مشورہ کیا، پس حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ نے اس میں غرہ یعنی ایک غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس ایسے شخص کو لاؤ جو تمہاری بات کی گواہی دے؟ راوی کہتے ہیں: پس حضرت مغیرہؓ کے لئے محمد بن مسلمہؓ نے گواہی دی ـــــ إملاص کے معنی ہیں: بچہ کا قبل از وقت باہر آجانا۔

تشریح: بعض صحابہ نے حدیث قبول کرنے کے لئے بعض احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں، مثلاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان سے کوئی حدیث بیان کرتا تو وہ اس سے قسم لیتے تھے، اگر وہ قسم کھا کر کہتا کہ اس نے براہِ راست آنحضور ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے تو ہی حدیث قبول فرماتے تھے، نماز توبہ والی حدیث ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کی تو ان سے قسم نہیں لی، وہ امیر المؤمنین تھے، اور خاص شان کے حامل تھے، ان سے قسم کا مطالبہ بے ادبی تھا، یہ بات ترمذی شریف میں باب صلوٰۃ التوبۃ میں ہے ـــــ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان سے کوئی حدیث بیان کرتا تو وہ اس سے گواہ طلب کرتے تھے، اگر کوئی شخص آکر گواہی دیتا کہ اس نے بھی آنحضور ﷺ سے وہ حدیث سنی ہے تو اس کی بیان کردہ حدیث قبول فرماتے تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اسی لئے گواہ طلب فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

چند ضروری مسائل: قتل کی قسمیں:

قتل کی دو قسمیں ہیں: قتلِ عمد (بسکون المیم) اور قتل خطا۔ دونوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے، پھر نبی ﷺ نے قتل خطا میں سے ایک تیسری قسم شبہ عمد علحدہ کی یعنی وہ قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہے یہ قسم: قتل خطا سے اوپر اور قتل عمد سے نیچے ہے، اور فقہاء نے جو قسمیں مستنبط کی ہیں وہ اس سے نیچے ہیں، پس کل پانچ قسمیں ہوئیں، اور حدیثیں سمجھنے کے لئے جاری مجری خطا اور قتل بالسبب کے احکام جاننے ضروری نہیں، البتہ قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطا کے احکام جاننے ضروری ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ قتل کی یہ تینوں قسمیں گناہ اور کوتاہی کے اعتبار سے ہلکی بھاری ہیں، شدید ترین قتل: جان بوجھ کر قتل کرنا ہے، پھر شبہ عمد ہے، پھر قتل خطا ہے، اس لئے ان کے احکام بھی ہلکے بھاری ہیں، اور تغلیظ و تخفیف تین طرح سے کی گئی ہے۔

پہلی صورت: قتل عمد میں قصاص واجب ہے اور باقی دو قتلوں میں دیت واجب ہے۔ پھر قصاص میں یہ تخفیف کی گئی

ہے کہ اس کو حد نہیں قرار دیا، حد میں معافی اور تبدیلی کا اختیار نہیں ہوتا، اور قصاص میں معافی کی گنجائش ہوتی ہے وہ بالکل بھی معاف کیا جا سکتا ہے اور اس کے بدل دیت بھی لی جا سکتی ہے۔

دوسری صورت: قتل عمد میں دیت خود قاتل کو ادا کرنی ہوتی ہے کوئی دوسرا اس میں حصہ دار نہیں ہوتا اور شبہ عمد اور خطا میں دیت عاقلہ پر یعنی قاتل کے خاندان اور قبیلہ پر واجب ہوتی ہے۔ اور اب جبکہ نسب کے اعتبار سے خاندان اور قبیلے نہیں رہے تو برادری عاقلہ ہے۔

اور قتل عمد میں تشدید کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز قاتل کے لئے سخت جھڑکی اور بھاری ابتلا بنے، اور اس کو بہت مالی خسارہ ہوتا کہ آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرے اور باقی دو قتلوں میں دیت کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ کسی خون کا رائگاں جانا بڑی خرابی کی بات ہے، کیونکہ مقتول کے ورثاء کی تشفی ضروری ہے، ورنہ ان کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی، اور وہ کوئی بھی حرکت کر بیٹھیں گے اور یہ قتل اگرچہ عمداً نہیں ہوا مگر قتل جیسے سنگین معاملہ میں لاپرواہی برتنا بھی قابل گرفت ہے، اس لئے اگر قصاص معاف کر دیا گیا تو دیت ضرور دلائی جائے، اور دیت عاقلہ پر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل خطا میں لاپرواہی برتنا اگرچہ قابل گرفت ہے اور قاتل کو اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے، مگر اس سزا کو آخری حد تک پہنچانا یعنی دیت تنہا اس پر واجب کرنا مناسب نہیں، اس لئے اس میں قاتل کے رشتہ داروں کو بھی شامل کیا گیا۔

تیسری صورت: قتل عمد میں دیت فوری ایک سال میں ادا کرنی ہوتی ہے اور باقی دو قتلوں میں عاقلہ سے تین سال میں دیت وصول کی جاتی ہے، یہ تغلیظ و تخفیف بھی قتل کی نوعیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔

دیت کتنے اونٹ ہیں؟

قتل کی تینوں قسموں میں دیت بالاجماع سو اونٹ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قتل خطا میں بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعے اور بیس حقوں کا فیصلہ فرمایا (ترمذی حدیث ۱۳۷۱) اس حدیث میں قتل خطا کی دیت کا ذکر ہے۔

قتل خطا: وہ قتل ہے جس میں آلۂ قتل مارنے کا ارادہ نہ ہو، غلطی سے لگ جائے، اور مر جائے جیسے کوئی کسی پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کوئی شکار کو تیر مارے اور وہ آدمی کو لگ جائے اور وہ مر جائے، قتل خطا کی دیت ہلکی ہے اور اس میں پانچ طرح کے اونٹ لئے جاتے ہیں: ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ جذعے اور ۲۰ حقے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: ابن مخاض کے بجائے ۲۰ ابن لبون لئے جاتے ہیں۔

قتل عمد میں دیت اثلاثاً ہے یا ارباعاً؟

قتل عمد: وہ قتل ہے جو (بظاہر) جان سے ختم کرنے کے ارادہ سے کسی ایسے آلہ سے کیا گیا ہو جس سے عام طور پر آدمی

مرجاتا ہے خواہ وہ زخمی کرنے والا ہتھیار ہو خواہ وزنی چیز ہو جیسے بڑا پتھر، اور اس دیت کو دیت مغلظہ کہتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دیت مغلظہ اثلاثاً ہے یعنی تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں ہیں، یہ بات عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے جو ترمذی شریف (حدیث نمبر ۱۳۷۲) میں ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک ارباعاً ہے یعنی ۲۵ جذعے، ۲۵ حقے، ۲۵ بنت لبون اور ۲۵ بنت مخاض، ان کی دلیل ابن مسعودؓ کا قول ہے جو ابوداؤد (حدیث ۴۵۵۲) میں ہے اور یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (ابوداؤد حدیث ۴۵۵۳) یہ روایت حکماً مرفوع ہے۔

دراہم سے دیت کی مقدار کتنی ہے؟

حضور اقدس ﷺ کی شریعت عرب وعجم سب کے لئے ہے اور دنیا میں سب لوگ اونٹ نہیں پالتے اور نہ سب جگہ اونٹ دستیاب ہیں، اس لئے آپؐ نے سونے اور چاندی سے بھی دیت مقرر فرمائی ہے۔ سونے سے ایک ہزار دینار، اور چاندی سے بارہ ہزار درہم، اور بعض روایات میں دس ہزار درہم ہیں۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے بارہ ہزار والی روایت لی ہے، اور امام اعظمؒ نے دس ہزار والی۔ اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۵۰۰) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ گایوں سے دوسو گائیں اور بکریوں سے دو ہزار بکریاں دیت مقرر کی گئی ہے۔

دیت صرف اونٹوں سے مقرر کی گئی ہے یا دیگر اموال سے بھی؟

اصل دیت صرف اونٹوں سے مقرر کی گئی ہے یا دیگر اموال سے بھی؟ اس میں اختلاف ہے: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اونٹوں سے مقرر کی گئی ہے اور دیگر اموال میں قیمت کا اعتبار ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تین اصناف سے یعنی اونٹ، سونا اور چاندی سے دیت مقرر کی گئی ہے اور گایوں اور بکریوں اور دیگر اموال میں قیمت کا اعتبار ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ بالا پانچوں صنفوں سے دیت مقرر کی گئی ہے، اور ان کے علاوہ میں قیمت کا اعتبار ہے۔

مقتول کے ورثاء کو دو اختیار ہیں، اور اختیار کامل ہے یا ناقص؟

اگر کوئی شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو مقتول کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار ہوگا، چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں، مگر احناف کے نزدیک دیت لینے کا اختیار: اختیارِ ناقص ہے یعنی قاتل کی رضامندی سے دیت لے سکتے ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اختیار: اختیار کامل ہے یعنی دیت لینے کے لئے قاتل کی رضامندی ضروری نہیں۔

ورثاء اور قاتل کسی چیز پر صلح کرلیں تو وہی دیت ہے:

اگر ورثاء اور قاتل باہمی رضامندی سے کسی چیز پر صلح کرلیں تو یہ جائز ہے مثلاً کسی مکان یا جائداد پر معاملہ طے ہوجائے تو وہی ان کو ملے گا۔

الحمدللہ! کتاب القسامہ وغیرہ کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹- کِتَابُ الْحُدُوْدِ

شرعی سزاؤں کا بیان

حدود: حَدّ کی جمع ہے، اور حد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، اس میں کسی کو کسی طرح کی تبدیلی کا حق نہیں اور ایسی سزائیں صرف چار ہیں: ان میں سے تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور ایک کا حدیث میں ہے: پہلی: زنا کی سزا ہے۔ اگر زانی غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑوں کی سزا ہے اور یہ سزا قرآن مجید میں مذکور ہے، اور شادی شدہ کی سزا سنگساری ہے یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور تھی، مگر بعد میں آیت منسوخ کردی گئی اور حکم باقی رکھا گیا، اب اس کا ذکر حدیث میں ہے۔ دوسری: چوری کی سزا ہے۔ اور وہ ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ سزا بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔ تیسری: حد قذف ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا اور وہ اسّی کوڑے ہیں اور اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چوتھی: شراب پینے کی سزا ہے۔ اس کا تذکرہ حدیثوں میں ہے، قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، قاضی انتظامی نقطۂ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے اور بالکل معاف بھی کر سکتا ہے۔ قرآن وحدیث نے ان جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں، البتہ حدیثوں میں راہنمائی ہے کہ کس طرح کی سزائیں دینی چاہئیں، پھر فقہاء نے احادیث کی روشنی میں بہت سے جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں، اسی طرح آج کل پارلیمنٹ بھی جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائیں مقرر کرسکتی ہے، قاضی وہ سزائیں بھی دے سکتا ہے مگر شرعاً وہ ان کا پابند نہیں وہ ان کے علاوہ بھی سزا دے سکتا ہے اور سزاؤں میں تخفیف وتشدید بھی کر سکتا ہے۔

آج ساری دنیا نے جو شور مچا رکھا ہے کہ اسلام میں بربریت ہے اور وحشت ناک سزائیں ہیں وہ صرف مذکورہ بالا چار سزائیں ہیں اور یہ واویلا صرف کافر نہیں مچاتے بلکہ ان سے زیادہ اسلامی ملکوں میں جو دانشور ہیں: وہ مچاتے ہیں، وہ شرعی سزائیں نافذ نہیں ہونے دیتے کیونکہ یہی دانشوران چار گناہوں میں سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، شراب وہ پیتے ہیں، زنا وہ کرتے ہیں، سب سے زیادہ تہمتیں وہ لگاتے ہیں اور چوری تو ایسی کرتے ہیں کہ ملک کے سارے چور ان کے پاسنگ کو نہیں پہنچ سکتے، اس لئے ان کو ڈر ہے کہ اگر اسلامی سزائیں نافذ ہوگئیں تو سب سے پہلے ان کی گردن نپے گی،

آنرا کہ حساب بے باک است از کسے چہ باک! جس کا حساب صاف ہو اس کو کسی سے کیا ڈرنا! ان کا حساب چونکہ صاف نہیں اس لئے وہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سزا سے بہتر سزا کا ہوا ہے، مذکورہ بالا سزائیں صرف ہوا ہیں ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے مگر ان کے ڈر سے آدمی سہار رہتا ہے، کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے مثلاً: سنگساری: حد درجہ کی بھیانک سزا ہے مگر اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے، زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی، دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس طرح زنا ہوتے دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی برسر عام زنا نہیں کرتا، جو زنا کرتا ہے چھپ کر کرتا ہے، پس آسانی سے اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا، مشکل ہی سے کسی زنا کا ثبوت ہوجاتا ہے، اور حد زنا جاری کرنے کی نوبت آتی ہے، اگر آپ سعودیہ میں جو قتل اور زنا وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اور یوروپ، امریکہ اور برطانیہ میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کا تناسب دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں! سعودیہ میں یہ گناہ ایک دو فیصد بھی نہیں ہوتے اور یوروپ وغیرہ میں ان جرائم کی کوئی حد ہی نہیں حالانکہ سعودیہ میں سب اولیاء اللہ نہیں بستے، ان کے بھی نفس ہیں، ان کے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر ان سزاؤں کا ہوا ایسا سوار ہے کہ کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ غرض مذکورہ بالا سزائیں وحشت ناک ضرور ہیں مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے، کیونکہ ان کا ہوا ہی جرائم سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔

ملحوظہ: قتل عمد میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے، خواہ قصاص لیں یا دیت، کسی چیز پر مصالحت کرلیں یا معاف کردیں، ان کو پورا اختیار ہے مگر قاضی اور امیر کو کوئی اختیار نہیں۔

۱- بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ وَنِصَابِهَا

چوری کی سزا؟ اور کتنی چوری پر سزا دی جائے گی؟

سورۃ المائدہ (آیت ۳۸) میں ارشادِ پاک ہے: ”چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کی بدکرداری کا بدلہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہیں“

تفسیر: قرآن کریم دین و شریعت کی اصل و اساس ہے، مگر اس میں عام طور پر اصول مذکور ہیں۔ اور بعض باتیں وضاحت طلب بھی ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ”دیت“ کا ذکر ہے، مگر قرآن میں اس کی تفصیل نہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں قرآن کی وضاحت اور بیان بھی ہے۔ سورۃ النحل آیت ۴۴ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وہ کتاب واضح کرکے سمجھادیں جو ان کے پاس بھیجی گئی ہے۔ یہ وضاحتِ نبوی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ سورۃ

القیامہ آیت ۱۹ میں ارشاد پاک ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾ ترجمہ: پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

چوری کی سزا لفظ سارق بول کر بیان کی گئی ہے۔ اور جب اسم مشتق پر کوئی حکم مرتب کیا جاتا ہے تو وصف عنوانی حکم کی علت ہوتا ہے۔ پس حد سرقہ کی علت وصف سرقہ ہے۔ مگر اس وصف کی جامع مانع تعریف ہم کو معلوم نہیں کہ چوری کیا چیز ہے؟ کیونکہ دوسرے کا مال لینے کی کئی صورتیں ہیں۔ اور ان کے لئے عربی میں الگ الگ الفاظ ہیں۔ مثلاً: سرقہ (چوری) قطع طریق (ڈاکہ زنی) اختطاف (جھپٹا مارنا) خیانت (بددیانتی) التقاط (پڑی ہوئی چیز اٹھالینا) غصب (زبردستی لے لینا) قلت مبالات اور قلت ورع (لاپروائی اور بے احتیاطی) یہ سب صورتیں ملتی جلتی ہیں۔ پس ضروری ہے کہ نبی ﷺ چوری کی حقیقت بیان فرمائیں۔ اور اس طرح بیان فرمائیں کہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے۔

اور امتیاز کا طریقہ: یہ ہے کہ پہلے سرقہ کے علاوہ دیگر الفاظ کی ذاتیات میں غور کیا جائے، جو انہیں میں پائی جاتی ہیں، سرقہ میں نہیں پائی جاتیں، اور جن کے ذریعہ سرقہ اور غیر سرقہ میں امتیاز ہوتا ہے۔ پھر سرقہ کی ذاتیات میں غور کیا جائے، جن کو اہل عرف لفظ سرقہ سے سمجھتے ہیں۔ پھر سرقہ کو چند معلوم امور کے ذریعہ منضبط کیا جائے، تاکہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے۔ پس:

۱۔ قطع طریق (راہ زنی) نہب (لوٹ) اور حرابہ (لڑائی) ایسے الفاظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ظالموں کے پاس مظلوموں کی بہ نسبت طاقت زیادہ ہے۔ اور وہ کارروائی کے لئے ایسی جگہ اور ایسا وقت منتخب کرتے ہیں جس میں مظلوموں کو جماعت مسلمین کی طرف سے مدد نہ پہنچ سکے۔ اس طرح وہ بے بس لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔

۲۔ اختلاس (ربودگی) یہ ہے کہ مالک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر، لوگوں کے دیکھتے سنتے مال اڑا لیا جائے۔

۳۔ خیانت: خبر دیتی ہے کہ پہلے مالک اور خائن میں تجارت وغیرہ میں ساجھا رہا ہوگا، یا دونوں میں بے تکلفی ہوگی، یا مالک نے خائن کو چیز میں تصرف کی اجازت دی ہوگی، یا یونہی اس کے پاس حفاظت کے لئے چھوڑ دی ہوگی، جس میں اس نے خیانت کی، اور وہ اس چیز سے منکر گیا۔

۴۔ التقاط (زمین سے اٹھانا) آگاہی دیتا ہے کہ کوئی چیز غیر محفوظ جگہ سے لی گئی ہے۔ جیسے گری پڑی چیز اٹھالی۔

۵۔ غصب: سے مظلوم کی بہ نسبت ظالم کا غالب ہونا سمجھا جاتا ہے۔ غاصب لڑتا بھڑتا اور بھاگ نہیں جاتا، بلکہ جھگڑا کر کے ہتا مارتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ معاملہ حکام تک نہیں پہنچے گا، اور ان کو حقیقت حال کا پتہ نہیں چلے گا۔

۶۔ قلت مبالات (لاپروائی) اور قلت ورع (بے احتیاطی) کا اطلاق معمولی چیزوں پر ہوتا ہے۔ جیسے دوسرے کا پانی اور سوختہ لے لیا۔ جنہیں لوگ خرچ کیا کرتے ہیں۔ اور جن کے ذریعہ باہمی تعاون کی عادت ہے۔ ایسی معمولی چیز کسی نے بے اعتنائی اور بے احتیاطی سے اٹھالی ہو تو وہ سرقہ نہیں۔

پس چونکہ دوسرے کا مال لینے کی بہت سی صورتیں ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے درج ذیل احادیث شریفہ میں سرقہ کو

مثبت ومنفی پہلوؤں سے منضبط کیا ہے، تاکہ چوری کی حقیقت واضح ہوجائے، اور مذکورہ مشتبہ چیزوں سے احتراز بھی ہوجائے۔

[۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَىٰ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) (قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ) عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْطَعُ السَّارِقَ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا.

وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِمِثْلِهِ فِي هَذَا الإِسْنَادِ.

[۲-] وحَدَّثَنِي أَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَحَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ (وَاللَّفْظُ لِلْوَلِيدِ وَحَرْمَلَةَ) قَالُوا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ: "لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ چور کا ہاتھ چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں کاٹا کرتے تھے۔

اسناد: حضرت عائشہؓ سے نصابِ سرقہ سے متعلق احادیث قولی بھی مروی ہیں اور فعلی بھی، اول دو حدیثیں فعلی ہیں، ان کو ابن شہاب زہریؒ سے سفیان بن عیینہ، معمر، سلیمان بن کثیر اور ابراہیم بن سعد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے، اور ابن شہاب زہریؒ بواسطہ عَمرہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اور آخری حدیث قولی ہے اس کو ابن شہاب زہری سے یونس نے روایت کیا ہے اور ابن شہاب: عُروہ اور عَمرہ دونوں کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

مذاہبِ فقہاء: نصاب سرقہ کیا ہے؟ یعنی کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک: نصاب سرقہ: چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں (امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک تین درہم۔ اور یہ دونوں قول درحقیقت ایک ہیں کیونکہ چوتھائی دینار کے ڈھائی درہم ہوتے ہیں اور عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں، یا پوری گنتے ہیں، یہاں احتیاطاً پوری گنی گئی ہے) اور حنفیہ کے نزدیک: نصابِ سرقہ ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں، صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹا، پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا، چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا، تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ اور ابن عباس اور عبد

اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا، علاوہ ازیں ایک ضعیف روایت میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے:
لاقَطْعَ إِلَّا فِيْ عَشْرَةِ دراهم یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے، حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس وغیرہ نے جو ڈھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے: اس کو لیا ہے، یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح مافی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دو وجہ سے لی ہے: ایک: چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آجاتی ہیں اس لئے ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے، مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے، پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اب فرض کرو: نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم نہیں تھی اس وجہ سے کہ نصاب سرقہ دس درہم ہے تو یہ حد جاری کرنے میں غلطی ہوئی اور اگر نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی، اور یہی بہتر ہے۔ ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر مجرم کے لئے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے'' اس لئے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

[۳-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدِ الْأَيْلِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى (وَاللَّفْظُ لِهَارُونَ وَأَحْمَدَ) قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَمْرَةَ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تُحَدِّثُ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ''لَا تُقْطَعُ الْيَدُ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَمَا فَوْقَهُ''

[۴-] حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا''

وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ جَمِيعًا، عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْعَقَدِيِّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ، مِنْ وَلَدِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث حضرت عمرہ رحمہا اللہ سے سلیمان بن یسار اور ابوبکر بن محمد نے روایت کی ہے، پہلی حدیث سلیمان بن یسار کی ہے اور دوسری ابوبکر بن محمد کی، اور ابوبکر بن محمد سے یزید بن عبداللہ اور عبداللہ بن جعفر نے روایت کیا ہے۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار یا زیادہ میں''

تشریح: جاننا چاہئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کی بنیاد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ڈھال چرانے کی

وجہ سے ہاتھ کاٹا تھا، حضرت عائشہؓ نے اس ڈھال کی قیمت کا چوتھائی دینار اندازہ لگایا اور مذکورہ بات فرمائی جس کو راویوں نے مختلف طرح سے تعبیر کیا ہے۔

[٥-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّوَاسِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمْ تُقْطَعْ يَدُ سَارِقٍ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي أَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ وَكِلَاهُمَا ذُوْ ثَمَنٍ.

وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ بْنُ سُلَيْمَانَ (ح) وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ نُمَيْرٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّوَاسِيِّ، وَفِيْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، وَأَبِيْ أُسَامَةَ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ ذُوْ ثَمَنٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ کے عہد مبارک میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا ڈھال کی قیمت سے کم میں، خواہ حجفہ ہو یا تُرس اور ہر ایک قیمتی ہو'' ـــــ یہ فعلی روایت ہے۔

سند: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہشام بن عروۃ نے اپنے ابا کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن عبدالرحمٰن، عبدالرحیم بن سلیمان اور ابو اسامہ روایت کرتے ہیں، اور حمید سے محمد بن عبداللہ اور عثمان بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے (اور وہ عبدۃ بن سلیمان سے بھی روایت کرتے ہیں) ـــــ عبدالرحیم اور ابو اسامہ کی روایت میں وکلاھما ذو ثمن کے بجائے وھو یؤمئذ ذو ثمن ہے۔

[٦-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ سَارِقًا فِيْ مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَابْنُ رُمْحٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ (ح) وحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ الْقَطَّانُ) (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِيْ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ (ح) وحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ) (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (ح) وحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ، وَأَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ (ح) وحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُوْنُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، وَعُبَيْدِ

اللّٰهِ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْجُمَحِيِّ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اللَّيْثِيِّ، كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، غَيْرَ أَنَّ بَعْضَهُمْ، قَالَ: قِيمَتُهُ، وَبَعْضُهُمْ قَالَ: ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ڈھال چرانے کی وجہ سے جس کی قیمت تین درہم تھی''

اسناد: اس حدیث کو ابن عمرؓ سے نافع نے روایت کیا ہے اور ان سے امام مالکؒ نے، ان سے یحییٰ بن یحییٰ نے اور ان سے امام مسلمؒ نے ـــــ اور حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ کے علاوہ بھی متعدد اساتذہ سے روایت کیا ہے جو سب مختلف اسناد سے حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، ان سب کی روایتیں ایک جیسی ہیں، بس بعض ثمنه ثلاثة دراهم کہتے ہیں اور بعض قيمته ثلاثة دراهم کہتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں۔

[۷-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ"

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، كُلُّهُمْ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ: "إِنْ سَرَقَ حَبْلًا، وَإِنْ سَرَقَ بَيْضَةً"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چور پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار! انڈا چراتا ہے پس اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے پس اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے''

سند: یہ حدیث اعمش سے عیسیٰ بن یونس نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابو معاویہ نے روایت کی ہے، البتہ الفاظ مختلف ہیں۔

تشریح: اعمش رحمہ اللہ نے حدیث کی شرح میں فرمایا کہ بیضہ سے مراد خود ہے، جو لڑائی میں پہنا جاتا ہے، وہ قیمتی ہوتا ہے، اس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا، اور رسی سے مراد قیمتی رسی ہے، بعض رسیاں کئی درہم کی ہوتی ہیں، اس کے چرانے پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا: یہ تفسیر صحیح نہیں، ابن قتیبہؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے (دیکھئے بخاری شریف باب ۷ کتاب الحدود کا

حاشیہ) صحیح تفسیر خطابیؒ کی ہے کہ حدیث باب تدریج سے ہے، آدمی پہلے معمولی چیز چراتا ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے، تا آنکہ وہ ایسی چیز چراتا ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

غیر معین چور پر لعنت بھیجنا جائز ہے:

کسی معین گنہگار/ کافر پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، کیونکہ لعنت کا مفہوم ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنا، پس اگر وہ مسلمان ہے تو اس کو اللہ کی رحمت سے کیسے محروم کریں گے؟ ممکن ہے وہ موت سے پہلے توبہ کرلے، ورنہ آخرت میں تو وہ بخشا ہی جائے گا، اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کا انجام معلوم نہیں، ممکن ہے وہ مسلمان ہوجائے، ہاں جس کا کفر پر مرنا یقینی ہے اس پر لعنت بھیج سکتے ہیں، جیسے فرعون اور ابولہب۔ البتہ تعیین کئے بغیر مرتکب کبیرہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے، یہ گناہ کی قباحت دل میں بٹھانے کے لئے ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کی تعیین کئے بغیر لعنت بھیجی ہے، اور مقصد چوری کی شناعت بیان کرنا ہے۔

خلاصہ کلام:

حضرات ائمہ مجتہدین کے درمیان جو نصاب سرقہ کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے اس کی بنیاد روایات کا اختلاف ہے، باب کی روایتوں میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال چرانے میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت بعض نے تین درہم بیان کی اور بعض نے چوتھائی دینار، اور اس کو بعض رُوات نے فعلی حدیث کے طور پر بیان کیا اور بعض نے قولی حدیث کے طور پر ــــــ اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرات عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے ڈھال کی قیمت کا اندازہ دس درہم لگایا ہے اور ایک روایت میں لا قطعَ إلا فی عشرة دراهم آیا ہے، حنفیہ نے اس کو لیا ہے، کیونکہ اس میں احتیاط ہے، اور حدود میں احتیاط مطلوب ہے، تفصیل اوپر آچکی ہے۔

۲- بَابُ قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيْفِ وَغَيْرِهِ وَالنَّهْيِ عَنِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ

چوری کی سزا قطع ید ہے، چور شریف ہو یا غیر شریف اور شرعی سزاؤں میں سفارش کرنا جائز نہیں

حدود اربعہ (چار سزائیں) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں ہیں، ان میں کسی طرح کی تبدیلی یا تخفیف کا حق کسی کو نہیں، ان میں کوئی سفارش بھی نہیں کی جاسکتی، نہ ان میں شریف غیر شریف، اور مالدار غریب کا فرق کیا جائے گا، یہ سزائیں سب پر یکساں جاری ہونگی۔

[۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ؛ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ، حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟" ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، فَقَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"

وَفِي حَدِيثِ ابْنِ رُمْحٍ: "إِنَّمَا هَلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

ترجمہ مع وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کی ایک شاخ بنومخزوم کی ایک عورت نے قریش کو فکر مند بنا دیا، اس نے چوری کی تھی، قریش نے سوچا: ابھی ابھی مکہ فتح ہوا ہے جس سے ہماری ہیٹی ہو چکی ہے، اب اگر قریش کی عورت کا ہاتھ کٹا تو پوری قوم کی ناک کٹ جائے گی، چنانچہ انھوں نے مشورہ کیا کہ کس سے سفارش کرائی جائے؟ ان کو مشورہ دیا گیا کہ حضرت اسامہؓ جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کے صاحبزادے ہیں اور آپؐ کے لئے بمنزلہ پوتے کے ہیں، وہی سفارش کر سکتے ہیں، وہ آپؐ کے محبوب ہیں، چنانچہ لوگوں نے ان کو تیار کیا اور انھوں نے سفارش کی، آپؐ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتے ہیں؟ پھر آپؐ نے تقریر فرمائی کہ گذشتہ امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو معاف کر دیتے اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، خدا کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (پناہ بخدا!) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا ـــــ اور ابن رُمح کی حدیث میں قبلکم کے بجائے من قبلکم ہے۔

تشریح:

۱- اس عورت کا نام جس نے چوری کی تھی اور جس کا فتح مکہ کے موقع پر ہاتھ کاٹا گیا تھا فاطمہ بنت الاسود تھا، قریش کی شاخ قبیلہ بنومخزوم سے اس کا تعلق تھا، وہ زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سابق شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھی۔

۲- جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تو آنحضور ﷺ سخت ناراض ہوئے، اس لئے کہ عدالت میں مقدمہ آجانے کے بعد شرعی سزاؤں میں سفارش کرنا جائز نہیں، البتہ جب تک مقدمہ عدالت میں نہ آئے سفارش کی جا سکتی ہے، چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے: تعافوا الحدود فیما بینکم، فما بلغنی من حد فقد وجب (ابوداود)

[۹-] وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ) قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الَّتِي سَرَقَتْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ الْفَتْحِ، فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأُتِيَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَلَّمَهُ فِيهَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟" فَقَالَ لَهُ أُسَامَةُ: اسْتَغْفِرْ لِي، يَارَسُولَ اللّٰهِ! فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاخْتَطَبَ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ، أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" ثُمَّ أَمَرَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقُطِعَتْ يَدُهَا.

قَالَ يُونُسُ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا بَعْدُ، وَتَزَوَّجَتْ، وَكَانَتْ تَأْتِينِي بَعْدَ ذٰلِكَ، فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کو ایک عورت کے معاملہ نے فکر مند بنادیا، جس نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں فتح مکہ کے دن چوری کی تھی، قریش نے باہم کہا: اس بارے میں کون نبی ﷺ سے گفتگو کرے گا؟ پس انھوں نے کہا: نبی ﷺ سے سوائے اسامہ بن زید کے کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، وہ نبی ﷺ کے محبوب ہیں، چنانچہ قریش نے ان کو نبی ﷺ سے سفارش کرنے کے لئے تیار کیا، پس حضرت اسامہؓ نے سفارش کی، پس نبی ﷺ کے رخِ انور کا رنگ (غصہ سے) تبدیل ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتے ہیں؟ پس حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے استغفار فرمایئے۔

پھر جب شام ہوئی تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے تقریر فرمائی، سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان کی جیسا کہ وہ اس کا حق ہے، پھر فرمایا: —— حمد وصلوٰۃ کے بعد! بلاشبہ گذشتہ امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو وہ اس کو معاف کردیتے اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، پھر اس عورت کا جس نے چوری کی تھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

یونس بواسطہ ابن شہاب اور عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بعد میں اس نے سچی توبہ کرلی تھی، اور شادی کرلی تھی، اور اس کے بعد وہ میرے پاس آتی تھی اور میں اس کی حاجت نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھی۔

[۱۰-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتِ امْرَأَةٌ مَخْزُومِيَّةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُقْطَعَ يَدُهَا، فَأَتَى أَهْلُهَا أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَكَلَّمُوهُ، فَكَلَّمَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ اللَّيْثِ وَيُونُسَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک مخزومی عورت لوگوں سے سامان عاریت پر (برتنے کے لئے) لیتی پھر اس کا انکار کردیتی (کہ اس نے لیا ہی نہیں) پس نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے، پس اس کے خاندان کے لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بات کی یعنی ان سے سفارش کرنے کی درخواست کی، پس انھوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے گفتگو کی، آگے حدیث لیث اور یونس کی حدیث کی طرح بیان کی ہے۔

تشریح:

۱- گذشتہ حدیثوں میں یہ تھا کہ چوری کی سزا میں عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، اور یہاں یہ ہے کہ وہ عورت لوگوں سے عاریت پر سامان لیا کرتی تھی پھر لوٹاتی نہیں تھی بلکہ انکار کردیا کرتی تھی کہ اس نے لیا ہی نہیں، اس لئے اس کا ہاتھ کاٹا گیا، یہ صریح تعارض ہے؟

اور اس تعارض کے دفعیہ کے لئے بعض علماء نے ان حدیثوں کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے، مگر شاید یہ بات صحیح نہیں، یہ ایک ہی واقعہ ہے، اور ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا، اور یہاں اس عورت کا تعارف کرایا گیا ہے، یعنی وہ عورت جس کا چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹا گیا تھا وہی عورت ہے جو لوگوں سے عاریت پر سامان لے کر پھر اس کا انکار کردیا کرتی تھی۔ واللہ اعلم

۲- امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص عاریت پر سامان لے کر مکر جائے اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اس حدیث سے ان کا استدلال ہے، مگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس کے قائل نہیں، اس لئے کہ حدیث کی یہ مراد نہیں، اور حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ليس على خائنٍ ولا منتهِبٍ قطعٌ: یعنی خیانت کرنے والے پر اور لوٹ مچانے والے پر قطع ید نہیں، یعنی خیانت کرنے اور لوٹ پاٹ کرنے کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، پس عاریت پر لے کر اس کا انکار کرنے والے کا ہاتھ بدرجۂ اولی نہیں کاٹا جائے گا ــــــ یہ حدیث سنن اربعہ میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

[۱۱-] وحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ: حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ؛ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ سَرَقَتْ، فَأُتِيَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَعَاذَتْ بِأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاللَّهِ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" فَقُطِعَتْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اس کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، پس اس نے زوجۂ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ پناہ چاہی یعنی حضرت ام سلمہؓ سے سفارش کروائی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "بخدا! اگر فاطمہؓ ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا" پھر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

تشریح: یہ الگ واقعہ ہے جو حجۃ الوداع میں پیش آیا تھا، اور اس عورت کا نام ام عمرو تھا اور اس کا بھی قبیلہ بنومخزوم سے تعلق تھا۔

قولہ: فعاذت بأم سلمة: اور ابوداؤد میں زوجۂ مطہرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے سفارش کرانے کی بات ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے دونوں سے سفارش کروائی ہو ــــــ بعض روایت میں صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے سفارش کرانے کی بات ہے، وہ صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا فتح مکہ سے قبل ہی انتقال ہوگیا تھا، یا زینب بنت رسول اللہ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی اور آنحضور ﷺ کی ربیبہ مراد ہو، اس کو مجازاً بنت رسول اللہ کہہ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۳- بَابُ حَدِّ الزِّنَا

زنا کی سزا کا بیان

اگر زانی اور زانیہ آزاد، عاقل، بالغ ہوں، اور نکاح کئے ہوئے نہ ہوں یا نکاح کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے ہے، سورۃ النور کی دوسری آیت میں یہ سزا بیان ہوئی ہے، اور جو آزاد نہ ہو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے، اس کا تذکرہ سورۃ النساء کی (آیت ۲۵) میں ہے، اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلّف نہیں، اس کا ذکر حدیث میں ہے، اور جس مسلمان میں تمام صفتیں ہوں، حریّت، بلوغ، عقل، نکاح اور ہم بستری سے فراغت: اس کی سزا سنگساری ہے، اس کو مُحْصَن (صاد کا زبر اور زیر) کہتے ہیں، اور جو بیماری کی وجہ سے کوڑوں کا متحمل نہ ہو، اس کی صحت کا انتظار کیا جائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم قرآنِ کریم میں نازل کیا گیا تھا، سورۃ الاحزاب میں یہ آیت تھی: الشيخُ والشيخةُ إذا زَنَيَا فارجموهُمَا الْبَتَّةَ، نكالاً من الله، والله عزيز حكيم: شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت: اگر زنا کریں تو ان کو قطعی طور پر سنگسار کردو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ

زبردست حکمت والے ہیں (یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی، فتح الباری ۱۲:۱۴۳) پھر اس آیت کی تلاوت منسوخ کی اور حکم باقی رکھا، کیونکہ قرآن صرف کتابِ قانون نہیں، کتابِ دعوت بھی ہے، اور سبھی انسانوں کے لئے اتارا گیا ہے، پس غیر مسلم بھی اس کو پڑھیں گے اور وہ جب اس آیت سے گذریں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، کیونکہ وہ زنا میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ اسلام قبول کرنے کے بعد دل کا حال بدل جاتا ہے، اور سابقہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں، اس لئے تلاوت منسوخ کی اور حکم باقی رکھا۔

[۱۲-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ"
وحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو، مجھ سے سیکھ لو، تحقیق اللہ تعالیٰ نے (بدکار) عورتوں کے لئے راستہ بنا دیا ہے، کنوارے مرد کی کنواری عورت کے ساتھ زنا کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور شادی شدہ مرد کی شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔

سند: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ اور عمرو الناقد سے روایت کی ہے، اور دونوں کی سندیں ایک ہیں۔

تشریح:

۱- سورۃ النساء کی آیت (۱۵) ہے: "اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو تم ان کے خلاف اپنے میں سے چار گواہ بنالو، پھر اگر وہ گواہ گواہی دیں تو ان بدکار عورتوں کو گھروں میں روک لو، یہاں تک کہ وہ مر جائیں، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ پیدا کر دیں"

تفسیر: شروع اسلام میں جب تک زنا کی سزا مقرر نہیں کی گئی تھی: بدکار عورتوں کی سزا یہ تھی کہ اگر ان کی بدکاری پر چار گواہ گواہی دیں تو ان کو گھروں میں قید کر دو: موت تک یا دوسرا حکم آنے تک۔ چنانچہ جب سورۃ النور کی دوسری آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق بدکار عورتوں کے لئے راہ نکال دی، اب ان کی بدکاری کی سزا اگر کنواری ہے تو سو کوڑے ہیں اور شادی شدہ ہے تو رجم ہے، غرض سورۃ النساء کی آیت تلاوتاً باقی اور حکماً منسوخ ہو گئی۔

قرآن مجید میں آیات تین قسم کی ہیں:

۲- قرآنِ کریم میں تین قسم کی آیتیں ہیں: اول: وہ آیات جن کی تلاوت بھی باقی ہے اور حکم بھی۔ دوم: وہ آیات جن کی صرف تلاوت باقی ہے، حکم منسوخ ہے۔ سوم: وہ آیات جن کا حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ ہے۔

اول الذکر سارا ہی قرآن ہے اور وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہے تقریباً بیس ہیں، اور وہ قرآن میں اس لئے باقی ہیں کہ بعض صورتوں میں اور بعض زمانوں میں وہ معمول بہ ہیں، مثلاً مؤلفۃ القلوب کا حکم منسوخ ہے، لیکن اگر آئندہ کبھی مسلمانوں کی حالت دور اول کے مسلمانوں جیسی ہو جائے تو یہ حکم لوٹ آئے گا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر میں ایسی تمام آیتوں کو جمع کیا ہے، اور شاہ صاحبؒ نے ان میں سے اکثر کا مطلب بیان کیا ہے، اور جو پانچ چھ آیتیں باقی رہ گئی ہیں جن کا حضرت نے مطلب بیان نہیں کیا، ان کا مطلب صاحب افادات حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر کی عربی شرح العون الکبیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں فلاں فلاں مواقع کے لئے اور فلاں فلاں زمانوں میں معمول بہا ہیں، غرض قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو کسی بھی موقع اور کسی بھی زمانہ میں معمول بہ نہ ہو۔

آیت رجم کی تلاوت کیوں منسوخ ہے:

اور وہ آیات جن کا حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ کی گئی ہے: آیت رجم ہے، اور اس کی تلاوت اس لئے منسوخ کی گئی ہے کہ قرآن کتابِ دعوت بھی ہے، صرف کتابِ احکام نہیں اور جب یہ کتابِ دعوت ہے تو اس کو غیر مسلم بھی پڑھیں گے اور جب وہ اس آیت پر سے گذریں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، کیونکہ غیر مسلموں کے نزدیک زنا کوئی گناہ ہی نہیں، یوروپ وامریکہ کا حال تو اور بھی ابتر ہے پس یہ لوگ اسلام سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے، وہ خیال کریں گے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو فوراً گردن نپ جائے گی، حالانکہ اسلام سابقہ تمام گناہوں سے درگذر کرتا ہے، حدیث میں ہے: الإسلام یھدم ما کان قبلہ: اسلام سابقہ گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، مگر ان کو یہ اندیشہ دامن گیر رہے گا کہ شاید ہم اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس گناہ سے نہ بچ سکیں، حالانکہ اسلام سے مکمل زندگی بدل جاتی ہے۔

غرض اس مصلحت سے حکمت بالغہ کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت باقی نہ رکھی جائے جو غیر مسلموں کے لئے قبول اسلام میں روڑا بنے اس لئے پہلے یہ آیت قرآن میں نازل کی گئی، پھر جب اس پر عمل شروع ہو گیا تو اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید میں آیت رجم لکھنے کا ارادہ کیا تھا:

۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم میں آیت رجم لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا (یہ حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے ترمذی حدیث نمبر ۱۴۱۶) مگر اس خدشہ سے کہ جب زمانہ طویل ہو جائے گا تو کچھ لوگ اس وجہ سے کہ آیتِ رجم قرآن میں نہیں ہے: رجم کا انکار کریں گے، کیونکہ جو حکم طبیعتوں کے خلاف ہوتا ہے عام طور پر لوگ اس کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کی باتیں چھانٹتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں واضح کر دیا ہے کہ قرآن کریم میں آیتِ رجم موجود تھی بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے، لیکن حکم بحالہ باقی ہے، بلکہ حضرت عمرؓ نے قرآن کے آخر میں

اس آیت کو لکھنے کا ارادہ بھی کیا تھا مگر پھر اندیشہ لاحق ہوا کہ لوگ کہیں گے: عمرؓ نے قرآن مجید میں اضافہ کردیا، اس لئے ارادہ بدل دیا اور نہیں لکھا (قرآن کے آخر میں آج بھی دعائے ختم القرآن وغیرہ لکھی ہوئی ہیں، پس اگر حضرت عمرؓ یہ آیت لکھ دیتے تو کچھ آسمان ٹوٹ نہ پڑتا، مگر باتیں چھانٹنے والوں کی زبان کون پکڑتا، اس لئے اچھا ہوا حضرت نے نہ لکھا)

جلاوطن کرنا حد ہے یا تعزیر؟

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک سال بھر کے لئے جلاوطن کرنا کنوارے کی سزا کا جزء ہے، پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی اور امام رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو بھی جلاوطن کیا جائے گا اور چونکہ مجلود کو مسافت سفر سے دور بھیجا جاتا ہے اور عورت کے لئے اتنا سفر تنہا کرنا جائز نہیں، پھر اس کی نگرانی کی بھی ضرورت ہوگی، اس لئے ولی بھی ساتھ جائے گا، اور احناف کے نزدیک جلاوطن کرنا تعزیر ہے، کنوارے کی سزا کا جز نہیں اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جہاں ہر شخص سزا سے خائف ہوتا ہے، اگر کوئی زنا کرتا ہے تو وہ معاشقہ کے نتیجہ میں کرتا ہے، جب عشق ہوجاتا ہے تو آدمی اندھا ہوجاتا ہے، اس لئے اگر زانی اور زانیہ کو کوڑے مار کر وہیں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر زنا ہوگا، اس لئے مرد کو جلاوطن کرنا ضروری ہے، جب سال بھر تک عاشق و معشوق جدا رہیں گے تو عشق کا بھوت اتر جائے گا، یہ جلاوطن کرنے کی حکمت ہے۔ اور یہ احناف کے نزدیک سیاست (حسن انتظام) ہے اگر قاضی مصلحت سمجھے تو جلاوطن کرے، ورنہ نہیں۔ غرض یہ کنوارے کی سزا کا جزء نہیں اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص کو جلاوطن کیا، وہ عیسائی بن گیا اور روم چلا گیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''آئندہ میں کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا'' اگر یہ کنوارے کی سزا کا جز ہوتی تو حضرت عمرؓ یہ بات کیسے فرماتے؟ معلوم ہوا کہ یہ حد میں شامل نہیں، بلکہ سیاست و تعزیر ہے۔ واللہ اعلم

شادی شدہ زانی کی سزا صرف سنگساری ہے یا کوڑے بھی؟

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مُحصن (شادی شدہ) کو پہلے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر رجم کیا جائے گا، دیگر ائمہ کے نزدیک صرف رجم کیا جائے گا، اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے، کیونکہ بڑی سزا میں چھوٹی سزا آجاتی ہے —— مذکورہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کا مستدل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی ان کی دلیل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراحہ نامی عورت کو پہلے کوڑے مارے پھر رجم کیا اور فرمایا: میں نے اس کو کتاب اللہ (سورۃ النور آیت ۲) سے کوڑے مارے اور نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق رجم کیا۔

اور جمہور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعزیراً اور سیاسۃً کوڑے مارے تھے، اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بھی تعزیر و سیاست پر محمول ہے —— اور دلیل یہ ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو متعدد صحابہ نے

روایت کیا ہے، اس میں صرف رجم کا ذکر ہے، کوڑے مارنے کی بات کوئی روایت نہیں کرتا، اسی طرح غامدیہ کی روایت اور عُسیف کے قصہ میں بھی صرف رجم کا ذکر ہے، کوڑوں کا ذکر نہیں۔ (یہ دونوں واقعے آئندہ دوسرے باب میں آرہے ہیں)

ملحوظہ: یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراحہ نامی عورت کو پہلے کوڑے مارے پھر سنگسار کیا: وہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ اس کو عامر شعبیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حازمی کہتے ہیں: عامر شعبیؒ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور دارقطنی رحمہ اللہ سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: صرف یہی روایت سنی ہے اور کچھ نہیں سنا، مگر یہ روایت سنی ہے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں (دیکھئے بخاری شریف کتاب الحدود باب ۲۱ کا حاشیہ، اور تحفۃ القاری ۱۱: ۴۸۴)

[۱۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُرِبَ لِذٰلِكَ وَتَرَبَّدَ لَهُ وَجْهُهُ: قَالَ: فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ ذَاتَ يَوْمٍ، فَلُقِيَ كَذٰلِكَ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ، قَالَ: "خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، الثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ، ثُمَّ رَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ"

[۱۴-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنِي أَبِي، كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمَا: "الْبِكْرُ يُجْلَدُ وَيُنْفَى، وَالثَّيِّبُ يُجْلَدُ وَيُرْجَمُ" لَا يَذْكُرَانِ: سَنَةً وَلَا مِائَةً.

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپؐ پر بے چینی طاری ہوجاتی تھی اور نزولِ وحی کی وجہ سے رخِ انور کا رنگ بدل جاتا تھا، حضرت عبادہؓ کہتے ہیں: ایک دن آپؐ پر وحی نازل ہوئی، پس آپؐ کی وہی کیفیت ہوئی، پھر جب آپؐ کی بے چینی دور ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''مجھ سے سیکھ لو، تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدکار عورتوں کے لئے راہ بنادی ہے: ثیب ثیبہ کے ساتھ اور کنوارا کنواری کے ساتھ، ثیب کو سو کوڑے پھر پتھر سے رجم ہے اور کنوارے کو سو کوڑے پھر ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

سند: یہ حدیث شعبہ اور ہشام نے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے سعید روایت کرتے ہیں، اور ان دونوں کی حدیث میں ہے: کنوارے کو کوڑے مارے جائیں اور جلاوطن کیا جائے اور شادی شدہ کو کوڑے مارے جائیں اور رجم کیا جائے'' ان کی حدیثوں میں نہ سنۃً ہے اور نہ ماۃً۔

لغات: تَرَبَّدَتِ اللَّوْنُ: رنگ بدل جانا ـــــ سَرَّی عنہ: کسی سے غم دور کرنا۔

۴- بَابُ رَجْمِ الثَّيِّبِ فِي الزِّنَا

شادی شدہ زانی کوسنگسار کرنا

شادی شدہ زانی کی سزا سنگساری ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اور یہ سزا قرآنِ مجید سے ثابت ہے، وہ آیت گو کہ تلاوتاً منسوخ ہے مگر حکم اس کا اب بھی باقی ہے اور اس پر اجماع ہے۔

[۱۵-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ؛ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ، قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللَّهُ، وَإِنَّ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللَّهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ، مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ.

وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا (الحق: صفت موصوف کے قائم مقام ہے، تقدیر عبارت بالدین الحق ہے) اور آپ پر کتاب نازل فرمائی، پس آپ پر جو آیات اتاری گئیں ان میں آیتِ رجم بھی تھی، ہم نے اس کو پڑھا، اس کو محفوظ کیا اور اس کو سمجھا، پس رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا اور مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے، پس کوئی کہنے والا کہے: ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے، پس وہ اُس فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، سنو! رجم اللہ کی کتاب (شریعت) میں برحق ہے اس شخص پر جس نے زنا کیا: جب وہ شادی شدہ ہو، مرد ہو یا عورت اور گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار ہو"

سند: امام زہریؒ سے یہ حدیث سفیان نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے یونس نے روایت کی ہے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت رجم لکھنے کا ارادہ کیوں فرمایا تھا؟ —— اور قرآن مجید میں آیات تین قسم کی ہیں —— اور آیت رجم کی تلاوت منسوخ مگر حکم باقی ہے —— اور شادی شدہ کی سزا صرف سنگساری ہے یا کوڑے بھی؟

یہ سب باتیں بالتفصیل گذشتہ باب میں آچکی ہیں۔

آیتِ رجم: جس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے اور حکم باقی ہے یہ ہے: الشيخُ والشيخةُ إذا زَنَيَا فارجموهُمَا البَتَّةَ نكالاً مِنَ الله، والله عزيز حكيم یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت: جب زنا کریں تو ان کو قطعی طور پر سنگسار کردو، اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی (فتح الباری ۱۲: ۱۴۳) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں آخر میں آیت رجم لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا (حوالہ بالا) جیسا کہ قرآن مجید کے آخر میں دعاء ختم القرآن وغیرہ لکھی ہوئی ہے۔

قوله: إذا أقامت البينة إلخ: زنا کا ثبوت یا تو چار عینی گواہوں سے ہوتا ہے یا چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرنے سے، البتہ اگر زنا کا قرینہ موجود ہو تو ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی حد جاری کرنے کے لئے کافی ہے، مثلاً زانی یا زانیہ میں سے کسی ایک پر زنا کی سزا جاری ہوگئی ہو تو اب دوسرے کا ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے، یا مثلاً کوئی کنواری لڑکی حاملہ ہو تو یہ زنا کا واضح ثبوت ہے، پس جب وہ ایک مرتبہ اقرار کرے تو حد جاری کی جائے گی اب بار بار اقرار کی ضرورت نہیں، البتہ اس میں امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک کنواری کا حاملہ ہونا سزا کو قطعی کردیتا ہے، خواہ وہ زنا کا اقرار کرے یا نہ کرے حد جاری کی جائے گی۔ اور حنفیہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار لینا اس لئے ضروری ہے کہ ممکن ہے اس کے ساتھ کسی نے جبراً زنا کیا ہو، اس صورت میں زانیہ پر حد نہیں آتی۔

۵- بَابُ مَنِ اعْتَرَفَ عَلٰى نَفْسِهِ بِالزِّنَا

زنا کا اعتراف کرنا

زنا کا ثبوت چار عینی گواہوں سے بھی ہوتا ہے اور اعتراف سے بھی ہوتا ہے، یعنی اگر چار الگ الگ مجلسوں میں زنا کا اعتراف کرے تو اس سے بھی زنا کا ثبوت ہوگا۔

[۱۶-] وحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَتَنَحَّى تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتّٰى ثَنَى ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، دَعَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَبِكَ جُنُونٌ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَهَلْ أُحْصِنْتَ؟" قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ"
قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: فَكُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ، فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ، فَأَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ.
وَرَوَاهُ اللَّيْثُ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک مسلمان شخص نبی ﷺ کے پاس آیا درانحالیکہ آپ مسجد میں تھے، اس نے آپ کو پکارا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، آپؐ نے اس سے اعراض فرمایا، پس اس نے چہرۂ مبارک کا قصد کیا یعنی سامنے آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، آپؐ نے (پھر) اس سے اعراض فرمایا، یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ مکرر یہی بات کہی، جب اس نے چار مرتبہ اپنی ذات پر گواہی دی تو نبی ﷺ نے اس کو بلایا اور پوچھا: کیا تو پاگل ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: کیا تیری شادی ہوگئی؟ اس نے عرض کیا: ہاں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور رجم کردو۔

ابن شہابؒ کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے بتلایا جس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: "میں رجم کرنے والوں میں تھا، ہم نے اس کو جنازہ پڑھنے کی جگہ میں رجم کیا، پھر جب اس کو پتھروں نے کمزور کردیا تو وہ بھاگا، ہم نے اس کو حرہ نامی میدان میں پالیا اور اس کو وہاں رجم کردیا۔

سند: یہ حدیث لیث نے بھی بواسطہ عبدالرحمٰن بن خالد حضرت ابن شہاب زہریؒ سے روایت کی ہے اور عقیل کے مانند روایت کی ہے۔

لغات: تَنَحَّى عن مَوْضِعِه: جدا ہونا ـــ للشي: اعتماد کرنا ـــ انتحاءَ الشيئَ: قصد کرنا ـــ نَحَا يَنْحُوا نَحْوًا الشيئَ: قصد کرنا ـــ ثَنَى (ض) ثَنْيًا: دوسرا ہونا ـــ ثَنَى عليه بضَرْبَةٍ ثانيةٍ: دوبارہ مارنا ـــ ثنى عليه أربع مرات: چار بار کہنا ـــ اَذْلَقَه وَذَلَّقَه: کمزور ولاغر کرنا۔

تشریح:

۱۔حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو متعدد حضرات روایت کرتے ہیں، اور کم وبیش اور مختلف طرح سے روایت کرتے ہیں، ان تمام روایتوں کا ماحصل درج ذیل ہے:

قبیلۂ اسلم کے ایک شخص حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک دوست ھزّال کی باندی سے زنا کیا، جب اس کی خبر ہزال کو ہوئی تو انھوں نے حضرت ماعزؓ سے کہا: تمہیں نبی ﷺ کے پاس جاکر اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہئے، اور جو سزا ملے اس کو سہنا چاہیے تاکہ دنیا ہی میں قصہ نمٹ جائے، اور آخرت میں اس کی کوئی سزا نہ ملے، حضرت ماعزؓ نے کہا: میں

یہ بات کس منہ سے کہوں؟! آپ کیا خیال فرمائیں گے! ہزال برابر ان کی ذہن سازی کرتے رہے کہ کچھ بھی ہو تمہیں زنا کا اقرار کرنا چاہئے، وہ ہمت کر کے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور زنا کی بات کہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا، چنانچہ وہ لوٹ گئے، اور ہزال کو کوسا کہ مجھے رسوا کیا، مگر انھوں نے پھر اصرار کیا اور برابر پیچھے لگے رہے کہ دوبارہ جاؤ اور اقرار کرو، چنانچہ وہ پھر حاضر خدمت ہوئے اور زنا کا اقرار کیا، اب بھی آپؐ نے منہ پھیر لیا اور وہ لوٹ گئے، پھر ہزال ہی کے اصرار پر تیسری مرتبہ آئے اور اقرار کیا اب بھی آپؐ نے منہ پھیر لیا، پھر جب چوتھی مرتبہ حاضر ہو کر اقرار کیا تو آپؐ نے منہ نہیں پھیرا بلکہ پوچھا: تو پاگل تو نہیں! انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں باہوش ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تو نے بوسہ لیا ہوگا؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آخر تک معاملہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تو نے ہاتھ لگایا ہوگا؟ آپ اس کو ٹلانا چاہتے تھے مگر وہ اپنے اقرار پر مصر تھے، پس آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: اس کا منہ سونگھو! اس نے پی تو نہیں رکھی؟ لوگوں نے منہ سونگھا اور عرض کیا: یہ مست نہیں ہے، آپؐ نے اس کی قوم میں آدمی بھیجا اور اس کے بارے میں معلومات لیں کہ اس کو کوئی دماغی مسئلہ تو نہیں، انھوں نے بھی صاف کر دیا کہ وہ باہوش اور تندرست آدمی ہے، پس آپؐ نے ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، جب ان کو سنگسار کیا جانے لگا تو جب تک طاقت رہی پتھر کھاتے رہے، مگر جب سکت نہ رہی تو بھاگے، لوگ پیچھے بھاگے، اتفاق سے ادھر سے ایک آدمی سنگسار کرنے ہی کے لئے آرہا تھا اور وہ اونٹ کا جبڑا لئے ہوئے تھا اس نے وہ جبڑا ان کو مارا تو وہ گر گئے پھر سب نے ان کو سنگسار کر دیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر آیا کہ وہ بھاگے تھے تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، کیونکہ بھاگنا فعلی رجوع تھا پس ان کو چھوڑ دینا چاہئے تھا، پھر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی کہ ماعزؓ جو بار بار آکر اقرار کرتے تھے تو اس کے پیچھے ہزال کا ہاتھ تھا تو آپؐ نے ہزال سے فرمایا: ہزال! تم نے اچھا نہیں کیا، اگر تم ماعز کے معاملہ کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تو بہتر ہوتا، پھر آپؐ نے ایک شخص کو سنا جو ماعزؓ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، پس آپؐ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ پر بانٹ دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے۔

۲- اس حدیث سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ماعز اسلمیؓ نے ایک ہی مجلس میں چار الگ الگ جانبوں سے اعتراف کیا تھا مگر یہ روایت بالمعنی ہے واقعہ ایسا نہیں تھا واقعہ کی صحیح نوعیت وہ ہے جو اوپر عرض کی ہے۔

کیا اقرار چار مرتبہ ضروری ہے؟

اقرار سے بھی زنا کا ثبوت ہوتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ ایک مرتبہ اقرار کافی ہے یا چار مرتبہ اقرار ضروری ہے؟ اس میں اختلاف ہے: حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک زانی چار مرتبہ اقرار نہ کرے اس پر سزا جاری نہیں ہوگی، نیز حنفیہ کے نزدیک چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرنا بھی ضروری ہے، حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا مذکورہ واقعہ ان

کی دلیل ہے، اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک: ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے، ان کا استدلال ایک مزدور کے واقعہ سے ہے، مزدور نے جس عورت سے زنا کیا تھا اس کے پاس نبی ﷺ نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو اس کو رجم کر دینا، آپؐ نے چار مرتبہ اقرار لینے کی قید نہیں لگائی تھی، اسی طرح غامدیہ والا واقعہ بھی شافعیہ اور مالکیہ کا مستدل ہے، اس میں بھی ایک ہی مرتبہ اقرار کی بات ہے (یہ دونوں واقعے باب میں آرہے ہیں)

اور حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ چار مرتبہ اقرار لینا ابتداءً ضروری ہے جہاں زنا کا کوئی قرینہ نہ ہو، اور مزدور والے واقعہ میں قرینہ موجود ہے، زانی پر حد زنا جاری کی جاچکی ہے پس زانیہ کا ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی کافی ہے، اب چار مرتبہ اقرار ضروری نہیں، اسی طرح غامدیہ حاملہ تھی، وہ حمل زنا کا قرینہ تھا اس لئے چار مرتبہ اقرار ضروری نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

وحَدَّثَنِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُوالْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَيْضًا، وَفِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَمَا ذَكَرَ عُقَيْلٌ.
وحَدَّثَنِي أَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، وَابْنُ جُرَيْجٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ رِوَايَةِ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

مذکورہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے شعیب نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عُقیل روایت کرتے ہیں، اور شعیب اور لیث دونوں کی روایتوں میں آخری ٹکڑا: کسی مجہول راوی کے واسطہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ عُقیل کی روایت میں بھی وہ واسطہ مجہول ہے۔

اور یونس، معمر اور ابن جریج رحمہم اللہ بھی ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، اس میں واسطہ ابوسلمہ مذکور ہے، یعنی امام زہریؒ آخری ٹکڑا ابوسلمہ سے اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت عُقیل کے مانند ہے جس کو عُقیل نے زہری سے، انھوں نے سعید اور ابوسلمہ سے، اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

[۱۷-] وحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ جِيءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَصِيرٌ أَعْضَلُ، لَيْسَ عَلَيْهِ رِدَاءٌ، فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ؛ أَنَّهُ زَنَى، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَلَعَلَّكَ؟" قَالَ: لَا، وَاللهِ! إِنَّهُ قَدْ زَنَى الْأَخِرُ، قَالَ: فَرَجَمَهُ، ثُمَّ خَطَبَ، فَقَالَ: "أَلَا كُلَّمَا نَفَرْنَا

غَازِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، خَلَفَ أَحَدُهُمْ لَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ، يَمْنَحُ أَحَدُهُمُ الْكُثْبَةَ، أَمَا وَاللّٰهِ! إِنْ يُمْكِنِّي مِنْ أَحَدِهِمْ لَأُنَكِّلَنَّهُ عَنْهُ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، جب ان کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، وہ سخت ٹھگنے ہوئے قد کے آدمی تھے یعنی زیادہ پست قد کے تھے، ان کے بدن پر چادر نہیں تھی، پس انھوں نے اپنے آپ پر گواہی دی کہ انھوں نے زنا کیا ہے؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: شاید تو نے؟ —— سوال محذوف ہے اور بخاری شریف میں ہے: لعلک قبَّلتَ او غمزتَ او نظرتَ: یعنی شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، یا دبایا ہوگا یا دیکھا ہوگا —— انھوں نے عرض کیا: نہیں بخدا! اس محروم نے زنا کیا ہے، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے ان کو رجم کیا، پھر آپؐ نے خطبہ دیا، فرمایا: "سنو! جب ہم راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو بعض پیچھے رہ جاتے ہیں، وہ آواز نکالتا ہے بکرے کے آواز نکالنے کی طرح، اور بعض کسی کو کچھ بخش دیتا ہے، سنو! اللہ کی قسم! اگر ان میں سے کسی پر میں قادر ہوا تو میں ضرور اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔

لغات: القَصِير: چھوٹا، چھوٹے قد والا، قصیر العلم: کم علم، جمع: قِصَار وقُصَرَاء —— أَعْضَلَ الأمرُ: سخت ہونا، مشکل ہونا —— الأخِر: غیر، آخری، محروم، بے حیثیت —— نَبَّ (ض) نَبًّا وَنَبِيبًا التَّيْسُ خاصّةً: بکرے کا جوش کے وقت بلبلانا —— التَّيْسُ: بکرا، جنگلی بکرا جمع: تُيُوسٌ وَاتْيَاسٌ —— مَنَحَهُ (ف ض) مَنْحًا الشيئَ: دینا، عطا کرنا —— الناقةَ: اونٹنی فائدہ اٹھانے کے لئے دینا —— الكُثْبة: تھوڑا پانی یا دودھ، ہر تھوڑی اکٹھی چیز، جمع: كُثَبٌ —— فَنَكَّلَ به: عبرتناک سزا دینا۔

قولہ: انه زنی حضرت ماعزؓ نے زنا کا اقرار کرتے وقت متکلم کی ضمیر استعمال کی ہوگی مگر راوی نے اس کو ضمیر غائب سے بدل دیا ہے کیونکہ بولنے کا یہی ادب ہے، بری بات حکایت کے طور پر بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے۔

[۱۸-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَصِيرٍ أَشْعَثَ، ذِي عَضَلَاتٍ، عَلَيْهِ إِزَارٌ، وَقَدْ زَنَى، فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلَّمَا نَفَرْنَا غَازِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، تَخَلَّفَ أَحَدُكُمْ يَنِبُّ نَبِيبَ التَّيْسِ، يَمْنَحُ إِحْدَاهُنَّ الْكُثْبَةَ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُمْكِنِّي مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ إِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا" (أَوْ نَكَّلْتُهُ) قَالَ فَحَدَّثْتُهُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، فَقَالَ: إِنَّهُ رَدَّهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس ایک پستہ قد انسان لایا گیا جو پراگندہ سر، گٹھیلے بدن کا

تھا، اس کے بدن پر (صرف) ازار تھا (اور اوپر کا آدھا بدن ننگا تھا) اور اس نے زنا کیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو مرتبہ واپس لوٹایا، پھر اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ سنگسار کیا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (تقریر فرمائی اور) فرمایا: ''جب ہم راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو تم میں سے بعض پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کی آواز بکرے کے آواز نکالنے کی طرح ہوجاتی ہے، بعض ان میں سے تھوڑا بخش دیتا ہے (یعنی ہمارے غزوہ میں نکلنے کے بعد بعض لوگ پر مارنے لگتے ہیں، وہ زنا کی کوششیں کرتے ہیں اور بعض کچھ دے دلا کر کامیاب بھی ہوجاتے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی پر اگر مجھے قدرت دی تو میں اس کو نشانِ عبرت بنادوں گا ـــ یا فرمایا ـــ میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا، راوی کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث سعید بن جبیر سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چار مرتبہ لوٹایا تھا۔

لغت: الأشعث: چکٹے ہوئے اور غبار آلود بال والا، مؤنث: شَعْثَاءُ، جمع: شُعْثٌ ـــ شَعِثَ (س) شَعَثًا وَتَشَعَّثَ: پراگندہ ہونا، بکھرنا۔

قوله: مرّتين: بعض روایت میں ثلاث مرّات اور بعض میں أربع مرّات ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ ہر چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا أَبُوعَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ جَعْفَرٍ، وَوَافَقَهُ شَبَابَةُ عَلَى قَوْلِهِ: فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ، وَفِي حَدِيثِ أَبِي عَامِرٍ: فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

وضاحت: مذکورہ حدیث شعبہ رحمہ اللہ سے شبابہ اور ابو عامر عقدیؒ نے بھی محمد بن جعفر کے مانند روایت کی ہے، اور ابن جعفر اور شبابہ کی حدیثوں میں فَرَدَّہ مرّتین ہے اور ابو عامر کی حدیث میں فَرَدَّہ مرّتین أو ثلاثًا ہے۔

[۱۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ (وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ) قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ: "أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ؟" قَالَ: وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي؟ قَالَ: "بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ بِجَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ سے پوچھا: کیا وہ بات صحیح ہے جو مجھے تیرے بارے میں پہنچی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: آپ کو میرے بارے میں کیا بات پہنچی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو نے فلاں خاندان کی باندی سے زنا کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں (آپ کو صحیح بات پہنچی ہے) راوی

کہتے ہیں: پس انھوں نے چار بار گواہی دی، پھر نبی ﷺ نے ان کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ وہ سنگسار کیے گئے۔

تشریح: یہ واقعہ کی صحیح نوعیت نہیں، حضرت ماعزؓ نے خود حاضر خدمت ہو کر زنا کا اقرار کیا تھا، اور چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کیا تھا، آنحضور ﷺ نے خود دریافت نہیں فرمایا تھا، بلکہ چار مرتبہ گواہی ہو جانے کے بعد بھی ان کو واپس لوٹانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اپنے اقرار پر قائم رہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ باب باندھا ہے کہ: ”قاضی زنا کا اقرار کرنے والے کو رجوع کی تلقین کرے“ اور بعض علماء نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ماعزؓ اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے تھے، اور ان کا واقعہ قوم کے لوگوں نے عرض کیا تھا، اس کے بعد نبی ﷺ نے حضرت ماعزؓ سے پوچھا تھا اور تصدیق چاہی تھی، مگر صحیح پہلی ہی بات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۲۰-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهُ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ، أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَصَبْتُ فَاحِشَةً، فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، فَرَدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرَارًا، قَالَ: ثُمَّ سَأَلَ قَوْمَهُ؟ فَقَالُوا: مَا نَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا، إِلَّا أَنَّهُ أَصَابَ شَيْئًا، يَرَى أَنَّهُ لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ إِلَّا أَنْ يُقَامَ فِيهِ الْحَدُّ، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَنَا أَنْ نَرْجُمَهُ، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، قَالَ: فَمَا أَوْثَقْنَاهُ وَلَا حَفَرْنَا لَهُ، قَالَ: فَرَمَيْنَاهُ بِالْعَظْمِ وَالْمَدَرِ وَالْخَزَفِ، قَالَ: فَاشْتَدَّ وَاشْتَدَدْنَا خَلْفَهُ، حَتَّى أَتَى عُرْضَ الْحَرَّةِ فَانْتَصَبَ لَنَا، فَرَمَيْنَاهُ بِجَلَامِيدِ الْحَرَّةِ (يَعْنِي الْحِجَارَةَ) حَتَّى سَكَتَ، قَالَ: ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا مِنَ الْعَشِيِّ فَقَالَ: "أَوَ كُلَّمَا انْطَلَقْنَا غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَخَلَّفَ رَجُلٌ فِي عِيَالِنَا، لَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ، عَلَيَّ أَنْ لَا أُوتَى بِرَجُلٍ فَعَلَ ذَلِكَ إِلَّا نَكَّلْتُ بِهِ" قَالَ: فَمَا اسْتَغْفَرَ لَهُ وَلَا سَبَّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص جس کو ماعز بن مالک کہا جاتا تھا، نبی ﷺ کے پاس آیا، اور عرض کیا: میں نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری فرمائیے، نبی ﷺ نے اس کو چند مرتبہ واپس لوٹایا، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے اس کی قوم سے پوچھا (کہ وہ پاگل وغیرہ تو نہیں ہے؟) انھوں نے عرض کیا: ہم اس میں کوئی برائی نہیں جانتے مگر یہ کہ اُسے کوئی چیز پہنچی ہے یعنی اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، اور وہ سمجھتا ہے کہ اسکو گناہ کے وبال سے کوئی نہیں نکال سکتا، مگر یہ کہ اس پر حد قائم کر دی جائے، راوی کہتے ہیں: پس وہ نبی ﷺ کے پاس واپس لوٹ کر آیا، پس آپؐ نے ہمیں اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، راوی کہتے ہیں: پس ہم اس کو بقیع الغرقد لے کر گئے، راوی کہتے ہیں: پس ہم نے اس کو نہ باندھا اور نہ اس کے لئے گڑھا کھودا، راوی کہتے ہیں: پس ہم نے اس کو ہڈیوں سے، ڈھیلوں سے اور ٹھیکروں سے مارا، راوی کہتے ہیں: پس وہ دوڑا، پس ہم اس کے پیچھے دوڑے، یہاں

تک کہ وہ حرہ نامی میدان کے چوڑے حصہ میں آگیا، پس وہ ہمارے سامنے کھڑا ہوگیا، پس ہم نے اس کو حرہ کے پتھروں سے مارا، یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ راوی کہتے ہیں: پھر نبی ﷺ شام میں تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: سنو! جب ہم راہِ خدا میں کسی غزوہ میں جاتے ہیں تو ہماری قوم میں سے کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کی آواز بکرے کی آواز کی طرح ہوجاتی ہے، مجھ پر لازم ہے کہ نہیں لایا جائے گا میرے پاس کوئی ایسا شخص جس نے یہ کام کیا ہو، مگر یہ کہ میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے نہ اس کے لئے استغفار کیا اور نہ اس کو برا کہا۔

لغات: المَدَرُ: مٹی کا ڈھیلا ــــ الخزَف: ٹھیکری، مٹی کے پکے ہوئے برتن ــــ اِنْتَصَبَ اِنْتِصَابًا: کھڑا ہونا، بلند ہونا ــــ الجَلَامِيدُ: پتھر، چٹان، مفرد: الْجَلْمَدُ ــــ ارضٌ جَلْمَدَةٌ: پتھریلی زمین۔

قوله: إلى بقيع الغرقد: اوپر حدیث میں تھا کہ مُصَلّٰی میں رجم کیا، یہاں بقیع الغرقد[1] (قبرستان) میں رجم کرنے کی بات ہے اور بعض روایت میں حرہ نامی میدان میں رجم کرنے کا تذکرہ ہے اور ان میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مُصلّٰی سے عیدگاہ مراد نہیں بلکہ مصلّی الجنائز مراد ہے، جو بقیع قبرستان کے پاس جنازہ پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ تھی، پس دونوں روایتوں کا مدعیٰ ایک ہے، اور جس روایت میں حرہ کا تذکرہ ہے وہ آخری حالت کے اعتبار سے ہے، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پتھر کھا کر بھاگے تھے اور حرہ نامی میدان میں پہنچ گئے تھے اور وہاں ان کو رجم کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

سنگسار کرنے کے لئے گڑھا کھودنے کا حکم:

احناف کے نزدیک مرد کو رجم کرنے کے لئے گڑھا نہیں کھودا جائے گا، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ حضرت ماعزؓ کو نہ باندھا گیا تھا اور نہ گڑھا کھودا گیا تھا، رواۃ نے حضرت ماعزؓ کے قصہ کا جزء جزء بیان کیا ہے، مگر گڑھا کھودنے کی بات کسی روایت میں نہیں سوائے ایک روایت کے، مگر وہ روایت بشیر بن المہاجر کی وجہ سے ضعیف ہے (وہ ابھی آرہی ہے) امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، پس وہ روایت صحیحین کی دیگر روایتوں کے مقابل رکھنے کے قابل نہیں۔

اور عورت کے لئے گڑھا کھودا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حنفیہ کہتے ہیں کہ گڑھا نہ کھودنے کی گنجائش ہے مگر کھودنا مستحب ہے، ہدایہ میں ہے: إن حَفَر لها جاز لأنه عليه السلام حفر لغامدية وإن ترك لا يضرُّ والحفرُ احسن: غرض گڑھا کھودنا مستحب ہے تاکہ پردہ ہوجائے، اور علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر زنا کا ثبوت اقرار سے ہوا

---

(۱) مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان بقیع الغرقد: جنت البقیع کے نام سے مشہور ہے، مگر یہ عوامی اصطلاح ہے، کسی حدیث میں یہ نام نظروں سے نہیں گذرا واللہ اعلم اور بقیع کے معنی ہیں: کشادہ جگہ، جہاں درخت ہوں، اور غرقد: ایک کانٹے دار جھاڑی کا نام ہے، اس جگہ میں یہ درخت بکثرت تھے، اس لئے یہ نام ہے۔ واللہ اعلم

ہو تو گڑھا نہیں کھودا جائے گا اور عینی گواہوں سے ہوا ہو تو گڑھا کھودنا مستحب ہے، یہ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے (امام شافعی رحمہ اللہ سے تین روایتیں مروی ہیں اور علامہ نوویؒ نے جو بیان کی وہ اصح روایت ہے)

زنا کا اقرار کرنے والا اگر رجوع کرلے تو حد ساقط ہوجاتی ہے:

جرم کا اقرار کرنے سے جرم ثابت ہوجاتا ہے پس حد جاری ہوگی، پھر اگر معترف سزا سے پہلے یا سزا کے دوران اپنے قول سے رجوع کرلے اگرچہ رجوع فعلی ہو تو حد ساقط ہوجائے گی، اس لئے کہ جب مجرم کا اقرار معتبر ہے تو اس کا رجوع بھی معتبر ہے، کیونکہ وہ بھی ایک اقرار ہے، البتہ اگر جرم گواہیوں سے ثابت ہوا ہو تو پھر لامحالہ حد جاری ہوگی۔ ہاں اگر گواہ اپنے قول سے رجوع کرلیں تو حد ساقط ہوجائے گی اور گواہوں کو حد قذف لگے گی۔

غرض: رجوع سے حد ساقط ہوجائے گی، خواہ رجوع فعلی ہو، چنانچہ جب آنحضور ﷺ کو یہ بات بتلائی گئی کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ بھاگے تھے تو آپؐ نے فرمایا: هَلاّ تركتموه فلَعَلّه يَتوبُ فيَتُوبُ اللّٰهُ عليه: (ابوداؤد) تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا، ہوسکتا ہے وہ توبہ کرلیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے، چونکہ بھاگنا فعلی رجوع تھا اس لئے آپؐ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ واللہ اعلم

[۲۱-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ مَعْنَاهُ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَشِيِّ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ أَقْوَامٍ إِذَا غَزَوْنَا، يَتَخَلَّفُ أَحَدُهُمْ عَنَّا، لَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ" وَلَمْ يَقُلْ: "فِي عِيَالِنَا"

وضاحت: یزید بن زریع نے بھی مذکورہ حدیث داؤد سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عبدالاعلیٰ نے روایت کی ہے اور عبدالاعلیٰ کے ہم معنی روایت کی ہے، یعنی الفاظ مختلف ہیں مگر مفہوم ایک ہے۔

وَحَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كِلَاهُمَا، عَنْ دَاوُدَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ بَعْضَ هٰذَا الْحَدِيثِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ: فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَىٰ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

وضاحت: مذکورہ حدیث یحییٰ بن زکریا اور سفیان نے بھی داؤد سے اسی سند سے روایت کی ہے اور بعض حدیث روایت کی ہے اور سفیان کی حدیث میں تین مرتبہ زنا کا اعتراف کرنے کی بات ہے۔

[۲۲-] وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى (وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ الْمُحَارِبِيُّ)

عَنْ غَيْلَانَ (وَهُوَ ابْنُ جَامِعِ الْمُحَارِبِيُّ) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! طَهِّرْنِي، فَقَالَ: "وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ" قَالَ: فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! طَهِّرْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ" قَالَ: فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ، حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم "فِيمَ أُطَهِّرُكَ؟" فَقَالَ مِنَ الزِّنٰى، فَسَأَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَبِهِ جُنُونٌ؟" فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ، فَقَالَ: "أَشَرِبَ خَمْرًا؟" فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَزَنَيْتَ؟" فَقَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ، فَكَانَ النَّاسُ فِيهِ فِرْقَتَيْنِ: قَائِلٌ يَقُولُ: لَقَدْ هَلَكَ، لَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، وَقَائِلٌ يَقُولُ: مَا تَوْبَةٌ أَفْضَلَ مِنْ تَوْبَةِ مَاعِزٍ: أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَالَ اقْتُلْنِي بِالْحِجَارَةِ، قَالَ: فَلَبِثُوا بِذٰلِكَ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ جُلُوسٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: "اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ" قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللّٰهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ"

قَالَ: ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْأَزْدِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي، فَقَالَ: "وَيْحَكِ ارْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ" فَقَالَتْ: أَرَاكَ تُرِيدُ أَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: "وَمَا ذَاكِ؟" قَالَتْ: إِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى، فَقَالَ: "آنْتِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهَا: "حَتّٰى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ" قَالَ: فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ، قَالَ: فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ، فَقَالَ: "إِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ" فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: إِلَيَّ رَضَاعُهُ، يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، قَالَ: فَرَجَمَهَا.

ترجمہ: حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ماعز بن مالکؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کردیجیے، آپؐ نے فرمایا: بھلے مانس! واپس جا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس کی طرف متوجہ ہو، اس سے توبہ کر، راوی کہتے ہیں: پس وہ لوٹا (مگر) دور نہیں گیا، پھر آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کردیجیے، نبی ﷺ نے فرمایا: بھلے مانس! واپس جا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر، راوی کہتے ہیں: پس وہ لوٹا (مگر) دور نہیں گیا، پھر آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کردیجیے، نبی ﷺ نے پھر یہی بات فرمائی، یہاں تک کہ جب

چوتھی مرتبہ آیا تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''میں تمہیں کس چیز سے پاک کروں؟'' اس نے عرض کیا: زنا سے، پس نبی ﷺ نے (موجود لوگوں سے) پوچھا: کیا یہ پاگل ہے؟ پس بتلایا گیا کہ یہ پاگل نہیں ہے، آپؐ نے پوچھا: کیا اس نے شراب پی ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس کا منہ سونگھا تو اس کے منہ سے شراب کی بو نہیں پائی، راوی کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں، پس آپؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ وہ رجم کیا گیا۔

پس اس کے بارے میں لوگوں کی دو جماعتیں ہوگئیں، ایک جماعت کہہ رہی تھی: تحقیق وہ ہلاک ہوگیا، اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا، اور دوسری جماعت کہہ رہی تھی: کس کی توبہ ماعز کی توبہ سے افضل ہوگی! وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ میں دیا، پھر عرض کیا: آپ پتھروں سے مجھے مار دیجئے، راوی کہتے ہیں: لوگ اسی اختلاف میں دو یا تین دن رہے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے درانحالیکہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے سلام کیا، پھر مجلس میں بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ماعزؓ کے لئے استغفار کرو، راوی کہتے ہیں: پس لوگوں نے استغفار کیا کہ اللہ تعالیٰ ماعز کی مغفرت کریں، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے فرمایا: بالتحقیق ماعزؓ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ پر تقسیم کردی جائے تو ان سب کے لئے کافی ہوجائے۔

غامدیہ کا قصہ:

راوی کہتے ہیں: پھر آپؐ کے پاس ایک عورت آئی جو ازد میں سے غامدی تھی (یعنی یمن کے قبیلہ ازد کی شاخ غامد کی تھی) اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کردیجئے، آپؐ نے فرمایا: بھلی عورت! واپس جا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس سے توبہ کر، اس نے عرض کیا: دیکھ رہی ہوں میں آپ کو، لوٹانا چاہتے ہیں آپؐ مجھے جیسا کہ آپؐ نے ماعز کو لوٹایا تھا، آپؐ نے فرمایا: کیوں؟ اس نے عرض کیا: وہ زنا سے حاملہ ہے، آپؐ نے فرمایا: کیا تو؟ اس نے عرض کیا، جی ہاں، آپؐ نے اس سے فرمایا: ''یہاں تک کہ تو رکھ دے وہ جو تیرے پیٹ میں ہے'' یعنی بچہ کی پیدائش کے بعد آنا، راوی کہتے ہیں: پس ایک انصاری نے اس کی ذمہ داری لی، یہاں تک کہ اس نے بچہ جن دیا۔ راوی کہتے ہیں: پس وہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: تحقیق غامدیہ نے بچہ جن دیا، آپؐ نے فرمایا: ''تب تو ہم اس کو رجم نہیں کریں گے کہ اس کے بچہ کو چھوڑ دیں اس حال میں کہ اس کو دودھ پلانے والی نہ ہو'' پس ایک انصاری شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! بچہ کے دودھ کی ذمہ داری مجھ پر ہے، راوی کہتے ہیں: پس آپؐ نے اس کو سنگسار کردیا۔

چند وضاحتیں:

قوله: ویحک: یہ محاورہ ہے، محاورے کے لغوی معنی نہیں ہوتے بلکہ محل استعمال کے اعتبار سے جو مرادی معنی ہوتے ہیں وہ مراد لئے جاتے ہیں، تفصیل ایضاح المسلم (۲۱۹:۱) میں ہے۔

قوله: استغفروا لماعز بن مالک: آنحضور ﷺ نے ابتداء میں خاموشی اختیار فرمائی تھی، نہ استغفار فرمایا تھا

اور نہ برا کہا تھا مگر دو چار دن کے بعد استغفار فرمایا اور صحابہ سے بھی استغفار کرنے کے لئے کہا اور ان کی عظیم توبہ پر کلمات خیر ارشاد فرمائے۔

قولہ: إمراۃٌ من غامدٍ: اور حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی روایت میں إمراۃ جهينية ہے، دونوں ایک ہی ہیں اس لئے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کا نام غامد ہے۔

وقولہ: فقام رجلٌ من الأنصار: یہ سلیمان بن بُریدہ کی اپنے ابا سے روایت ہے، اور اس میں یہ ہے کہ جب وہ عورت بچہ کی پیدائش کے بعد آئی تو نبی ﷺ نے رجم کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا: اگر تجھے رجم کر دیں گے تو بچہ کو دودھ کون پلائے گا؟ چنانچہ ایک انصاری نے دودھ کی ذمہ داری لی تو غامدیہ کو رجم کر دیا گیا —— اور حضرت بریدہؓ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ نے بھی اپنے ابا سے اس کو روایت کیا ہے، جس کو بشیر بن المہاجر (ضعیف راوی) روایت کرتے ہیں، اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دودھ پلانے کے لئے فرمایا، جب مدت رضاعت ختم ہوئی تو وہ بچہ لے کر آئی اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، آپؐ نے وہ بچہ ایک شخص کی کفالت میں دیا پھر سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔

ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن بریدہ کی روایت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ وہ مفصل ہے، اور سلیمان بن بریدہ کی روایت کی تاویل کی ہے، فرماتے ہیں کہ اس میں رضاعت سے کفالت مراد ہے: قام رجلٌ من الأنصار فقال: إِلَيَّ رضاعُه إنما قال بعد الفطام وأراد بالرضاعة كفالتَه: یعنی جو انصاری نے کہا تھا کہ اس کے دودھ کی ذمہ داری مجھ پر ہے اس سے مراد مدت رضاعت گذرنے کے بعد کفالت ہے (شرح نووی) ——
مگر عبداللہ بن بریدہ کی روایت بشیر بن المہاجر کی وجہ سے ضعیف ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے اور دیگر بعض ائمہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے، پس صحیح سلیمان بن بریدہ کی روایت ہے جو یہاں ہے، اور اس کو واقعہ کے متعلقات کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

[۲۳-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ (وَتَقَارَبَا فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ) حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا بَشِيرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ الْأَسْلَمِيَّ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَزَنَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ تُطَهِّرَنِي، فَرَدَّهُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ، فَرَدَّهُ الثَّانِيَةَ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَوْمِهِ، فَقَالَ: "أَتَعْلَمُونَ بِعَقْلِهِ بَأْسًا تُنْكِرُونَ مِنْهُ شَيْئًا؟" فَقَالُوا: مَا نَعْلَمُهُ إِلَّا وَفِيَّ الْعَقْلِ، مِنْ صَالِحِينَا، فِيمَا نُرَى، فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ أَيْضًا فَسَأَلَ عَنْهُ فَأَخْبَرُوهُ: أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ وَلَا بِعَقْلِهِ، فَلَمَّا كَانَ الرَّابِعَةَ حَفَرَ لَهُ حُفْرَةً ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ.

قَالَ فَجَاءَ تِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَطَهِّرْنِي، وَإِنَّهُ رَدَّهَا، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ تَرُدُّنِي؟ لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزًا، فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَحُبْلَى، قَالَ: "إِمَّا لَا، فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي" فَلَمَّا وَلَدَتْ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي خِرْقَةٍ، قَالَتْ: هٰذَا قَدْ وَلَدْتُهُ، قَالَ: "اذْهَبِي فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ" فَلَمَّا فَطَمَتْهُ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي يَدِهِ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا، يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ فَطَمْتُهُ، وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ، فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا إِلَى صَدْرِهَا، وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَجَرٍ، فَرَمَى رَأْسَهَا، فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ، فَسَبَّهَا، فَسَمِعَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّهُ إِيَّاهَا، فَقَالَ: "مَهْلًا يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً، لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ" ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ.

ترجمہ: عبداللہ بن بُریدہ اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا ہے اور زنا کیا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ آپؐ مجھے پاک کردیں، آپؐ نے اس کو واپس لوٹا دیا، پھر جب آئندہ کل ہوا تو وہ پھر آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، آپؐ نے اس کو دوبارہ لوٹا دیا، پس نبی ﷺ نے اس کی قوم کے پاس کسی کو بھیجا اس نے لوگوں سے پوچھا: کیا تم ماعز کی عقل میں کوئی ایسی بات جانتے ہو جس کو تم عجیب سمجھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہم اس کو نہیں جانتے مگر کامل عقل، ہمارے خیال میں وہ تندرست لوگوں میں سے ہے، پس وہ نبی ﷺ کے پاس تیسری مرتبہ آیا، پھر آپؐ نے اس کی قوم کے پاس کسی کو بھیجا اور دوبارہ اس کے بارے میں معلومات لیں، انھوں نے بتایا کہ اس میں یا اس کی عقل میں کوئی فتور نہیں ہے، پھر جب وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپؐ نے اس کے لئے گڑھا کھودوایا پھر اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

راوی کہتے ہیں: پس غامدیہ آئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، آپؐ مجھے پاک کردیجئے، آپؐ نے اس کو لوٹا دیا، پھر جب آئندہ کل ہوا تو اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے مجھے کیوں لوٹایا؟ شاید آپ مجھے لوٹانا چاہتے ہیں جیسا کہ آپؐ نے ماعز کو لوٹایا تھا، خدا کی قسم! میں تو حاملہ ہوں، آپؐ نے فرمایا: "اگر یہ بات ہے تو نہیں (اِی اِن ما) ابھی جا، یہاں تک کہ بچہ کی پیدائش ہوجائے" پھر جب بچہ پیدا ہوگیا تو وہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور عرض کیا: میں نے اس کو جن دیا ہے، آپؐ نے فرمایا: "ابھی جا، اس کو دودھ پلا یہاں تک کہ تو اس کا دودھ چھڑا دے" پھر جب اس نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا تو وہ اس کو لے کر آئی اس حال میں کہ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے، اور وہ کھانا کھانے لگا ہے، پس آپؐ نے ایک مسلمان شخص کو وہ بچہ دیا اور اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، پس اس کے لئے سینہ تک گڑھا کھودا گیا، اور لوگوں کو (رجم کرنے

کا) حکم دیا، پس لوگوں نے اس کو سنگسار کردیا، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر پر مارا، پس خون کی چھینٹیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اڑیں تو انھوں نے غامدیہ کو برا کہا: نبی ﷺ نے حضرت خالدؓ کا غامدیہ کو برا کہنا سن لیا، آپؐ نے فرمایا: ''اے خالدؓ! رکو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تحقیق اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس لینے والا (ظالم) کرتا تو اس کی بھی مغفرت کردی جاتی'' پھر آنحضور ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ اس کا جنازہ پڑھا اور وہ دفن کی گئی۔

تشریح: حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث آپ کے دو صاحبزادے سلیمان اور عبداللہ روایت کرتے ہیں، یہ عبداللہ کی روایت ہے اور گذشتہ روایت سلیمان کی تھی، اور دونوں روایتوں میں چند باتوں میں تعارض ہے، مثلاً: (۱) سلیمان کی روایت میں حضرت ماعزؓ کے لئے گڑھا کھودنے کی بات نہیں ہے (۲) اور رضاعت تک غامدیہ کو مہلت دینے کی بات بھی نہیں ہے (۳) اور غامدیہ کا جنازہ پڑھنے کی بات بھی نہیں ہے ـــــ اور عبداللہ کی روایت میں یہ باتیں ہیں، مگر عبداللہ سے روایت کرنے والے بشیر بن المہاجر کی متعدد ائمہ نے تضعیف کی ہے، اگرچہ بعض ائمہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے مگر زیادہ تر نے تضعیف کی ہے۔ اور امام احمدؒ نے منکر الحدیث کہا ہے، اس لئے سلیمان کی روایت راجح ہے، تفصیل اوپر آچکی ہے۔

قولہ: صاحبُ مَکْسٍ: ظلماً ٹیکس وصول کرنے والا، اس کے ذمہ میں لوگوں کے حقوق بکثرت ہوتے ہیں، اس لئے یہ بڑا گناہ اور جرم ہے۔

قولہ: فصلّی علیها: اس کو مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مجہول قراءت: میں مطلب ہوگا کہ لوگوں نے جنازہ پڑھا حضور اکرم ﷺ نے نہیں اور معروف قراءت: میں مطلب ہوگا کہ نبی ﷺ نے بھی جنازہ پڑھا، ابوداؤد شریف میں ہے: ثم أمرهم أن يُصلوا عليها: اس سے مجہول قراءت کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

جاننا چاہئے کہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص کا جنازہ پڑھا جائے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد، حدیث میں ہے: صَلُّوا على كلِّ بَرٍّ وفاجرٍ: ہر ایک کا جنازہ پڑھو، وہ نیک ہو یا بد، اور علماء احناف فرماتے ہیں کہ بُروں کا جنازہ عام لوگ پڑھیں، علماء صلحاء اور مقتدیٰ قسم کے لوگوں کو بروں کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے درس عبرت ہو۔ واللہ اعلم

[۲۴--] حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمِسْمَعِيُّ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ (يَعْنِي ابْنَ هِشَامٍ) حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ: أَنَّ أَبَا الْمُهَلَّبِ حَدَّثَهُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتْ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ حُبْلَى مِنَ الزِّنَى، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، فَدَعَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا، فَقَالَ: "أَحْسِنْ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا" فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّى

عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: تُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: "لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالَى؟"

وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا أَبَانُ الْعَطَّارُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی، درانحالیکہ وہ زنا سے حاملہ تھی، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے قابل سزا جرم کیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری فرمایئے، پس نبی ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور اس سے فرمایا: اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کر، اور جب وہ بچہ جن دے تو اس کو میرے پاس لے کر آ، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، یعنی وضع حمل کے بعد زانیہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا، پس نبی ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ اس کے کپڑوں کو کس کر باندھا گیا، پھر آپؐ نے رجم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو رجم کیا گیا، پھر آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ اس کا جنازہ پڑھ رہے ہیں، حالانکہ اس نے زنا کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ مدینہ منورہ کے ستر خاندانوں پر تقسیم کردی جائے تو ان سب کو کافی ہوجائے اور کیا آپؓ نے کوئی توبہ دیکھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جان کی سخاوت کرنے سے بڑھ کر ہو؟

سند: یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر سے ابان نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے معاذ بن ہشام نے روایت کی ہے۔

چند وضاحتیں:

قولہ: امرأة من جهينة: قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ غامد ہے، بعض روات نے اصل کی طرف نسبت کی اور بعض نے شاخ کی طرف۔

قولہ: أحسن إليها: عام طور پر لوگ زانیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں، مگر حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا نے توبہ کرلی تھی اس لئے ولی کو بلا کر حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔

قولہ: ثم صلّٰی علیها وتصلی علیها: ان کو معروف ومجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، غرض آنحضور ﷺ نے حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھایا نہیں؟ واضح نہیں، مگر لوگوں نے جنازہ پڑھا اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ واللہ اعلم

[۲۵-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وحَدَّثَنَاه مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُمَا

قَالَا: إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْشُدُكَ اللّٰهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَ الْخَصْمُ الْآخَرُ، وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ: نَعَمْ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَأْذَنْ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قُلْ" قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ، إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا"

قَالَ فَغَدَا عَلَيْهَا، فَاعْتَرَفَتْ، فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَتْ.

وحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ (ح) وحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں موجود تھے: دو شخص اپنا مقدمہ لے کر آئے ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں (جاننا چاہئے کہ کسی کے قسم دینے سے قسم نہیں ہوتی، البتہ جو اللہ کی قسم دے کر کوئی کام کرنے کو کہے اس کا کام ضرور کرنا چاہئے، جیسے اگر کوئی اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اس کی ضرور مدد کرنی چاہئے مگر پیشہ ور سائل اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ "اللہ کے لئے" ان کا تکیہ کلام ہے) آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کریں، پس اس کے حریف نے جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا کہا: ہاں! اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں اور آپ مجھے اجازت دیں: میں واقعہ عرض کروں: میرا بیٹا اس کے یہاں مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا، اس لئے میں نے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر اس کی جان بچائی، پھر میری اہل علم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لئے اس کو جلاوطن کیا جائے گا (کیونکہ وہ کنوارا ہے اور جلاوطنی حد میں شامل ہے یا تعزیر ہے؟ یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے) اور اس کی بیوی سنگسار کی جائے گی (کیونکہ وہ شادی شدہ ہے، پس میں نے اس سے اپنی بکریاں اور غلام واپس مانگا) نبی ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں ضرور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، تم نے جو سو بکریاں اور ایک غلام بہ طور فدیہ دیا ہے وہ تمہیں واپس کیا

جاتا ہے، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا، اور کل صبح جاؤ انیسؓ! اس کی بیوی کے پاس، پس اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو چنانچہ انیسؓ آئندہ صبح کو اس کی بیوی کے پاس گئے، پس اس نے اقرار کیا، پس اس کو رجم کر دیا۔

تشریح: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر زانی ایک بار بھی زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اس کا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری نہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت اُنیس سے مطلق فرمایا ہے کہ اگر وہ عورت زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو، یہ نہیں فرمایا تھا کہ چار مرتبہ اقرار لینا پھر رجم کرنا۔

مگر اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے کہ چار مرتبہ اقرار لینا ابتداءً ضروری ہے جہاں زنا کا کوئی قرینہ نہ ہو، اور یہاں چونکہ قرینہ موجود ہے، زانی پر حد زنا جاری کی جا چکی ہے پس زانیہ کا ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی کافی ہے، اب چار مرتبہ اقرار ضروری نہیں۔

٦- بَابُ رَجْمِ الْيَهُوْدِ أَهْلِ الذِّمَّةِ فِي الزِّنَا

یہودی کو جو ذمی ہو زنا کی سزاء میں سنگسار کرنے کا بیان

حنفیہ کے نزدیک سنگسار کرنے کے لئے احصان (شادی شدہ ہونا) کے علاوہ مسلمان ہونا بھی شرط ہے، پس اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہریوں کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے پرسنل لاء کے مطابق ان کو سزا دی جائے گی۔ تفصیل حدیث شریف کے بعد آئے گی۔

فائدہ: احصان کی دو قسمیں ہیں: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم: یہ ہے کہ مرد اور عورت: دونوں عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں تو وہ مُحصِن (بکسر الصاد) اور مُحصَنہ (بفتح الصاد) ہیں۔ اور زنا میں ان کی سزا رجم ہے، اور احصان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو، ایسا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں مُحصِن اور مُحصَنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی، اور اگر کوئی شخص پاگل، بچے، غلام، غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۱۲)

[٢٦-] حَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِيَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةٍ قَدْ زَنَيَا،

فَانطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى جَاءَ يَهُودَ، فَقَالَ: "مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ عَلٰى مَنْ زَنٰى؟" قَالُوا: نُسَوِّدُ وُجُوهَهُمَا وَنُحَمِّلُهُمَا وَنُخَالِفُ بَيْنَ وُجُوهِهِمَا، وَيُطَافُ بِهِمَا، قَالَ: "فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ، إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فَجَاؤُوا بِهَا فَقَرَأُوهَا، حَتّٰى إِذَا مَرُّوا بِآيَةِ الرَّجْمِ، وَضَعَ الْفَتَى، الَّذِي يَقْرَأُ يَدَهُ عَلٰى آيَةِ الرَّجْمِ، وَقَرَأَ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا وَرَاءَ هَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ، وَهُوَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مُرْهُ فَلْيَرْفَعْ يَدَهُ، فَرَفَعَهَا، فَإِذَا تَحْتَهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَرُجِمَا.

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُمَا، فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَقِيهَا مِنَ الْحِجَارَةِ بِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک یہودی اور یہودیہ لائے گئے، انھوں نے زنا کیا تھا، پس نبی ﷺ چلے، یہاں تک کہ یہود کے پاس آئے اور فرمایا: ''تم تورات میں اس شخص کی سزا کیا پاتے ہو، جس نے زنا کیا ہو؟'' انھوں نے کہا: ہم دونوں کے چہرے کالے کرتے ہیں اور دونوں کو (گدھے پر) سوار کرتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب کر کے بٹھاتے ہیں پھر ان کو گھمایا جاتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تورات لاؤ اگر تم سچے ہو؟'' پس وہ تورات لائے اور اس کو پڑھا، یہاں تک کہ جب وہ آیت رجم پر سے گذرے تو اس نوجوان نے جو تورات پڑھ رہا تھا اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا، اور آگے پیچھے سے ملا کر پڑھ دیا، پس عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھے، اس کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیجیے، پس اس نے ہاتھ اٹھایا، تو اس کے نیچے آیت رجم تھی، پس نبی ﷺ نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں سنگسار کیے گئے، ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے ان دونوں کو سنگسار کیا تھا، پس میں نے یہودی کو دیکھا وہ اپنی ذات کے ذریعہ یہودیہ کو بچا رہا تھا، یعنی اس پر پتھر نہیں پڑنے دے رہا تھا، خود اپنے اوپر ان پتھروں کو لے رہا تھا۔

تشریح: یہود یہ خیال کر کے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں آسانی ہے مقدمہ آپ کے پاس لے کر آئے تھے، اور ان کا پلان یہ تھا کہ آپؐ رجم کے علاوہ کوئی حکم دیں گے تو اسے قبول کرلیں گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ عذر کردیں گے کہ ہمیں اس کا حکم آپؐ کے نبی نے دیا تھا، مگر ان کا پلان دھرا رہ گیا، اس لئے کہ آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی، اور عبداللہ بن صوریا نے پڑھنا شروع کیا اور آیت رجم کو چھوڑ دیا اور آگے پیچھے سے ملا کر پڑھ دیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی، آپؐ نے دونوں کو تورات کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ مسجد نبوی کے قریب جو مصلی الجنائز تھا اس کے قریب دونوں کو سنگسار کیا گیا۔

مذاہب فقہاء اور مستدلات:

رجم کے لئے محصن ہونا بالاتفاق شرط ہے، یعنی زانی اور زانیہ کا آزاد، عاقل، بالغ اور نکاح کئے ہوئے ہونا شرط ہے، اور مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کوئی غیر مسلم مرد وعورت زنا کریں اور ان کا مقدمہ اسلامی عدالت میں آئے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو جنھوں نے زنا کیا تھا رجم کیا ہے۔ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک: احصان الرجم کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، پس غیر مسلموں کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے قانون کے مطابق سزادی جائے گی۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کا مذکورہ واقعہ سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اس واقعہ میں نبی ﷺ نے یہودی اور یہودیہ کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اور فرمایا تھا: میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے ماردیا تھا" اُس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق رجم نہیں کیا تھا پس اس حدیث سے شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال تام نہیں، بلکہ یہ حدیث حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے پرسنل لا کے مطابق سزادی جائے گی۔

جاننا چاہئے کہ بعض احناف مذکورہ حدیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں ہر ایک کے لئے سنگساری کی سزا تھی اس کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں تھا، اس لئے نبی ﷺ نے یہودی اور یہودیہ کو سنگسار کیا تھا، بعد میں مسلمان ہونے کی شرط بڑھائی گئی، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مَن اشرک فليس بِمُحْصِن: یعنی جو مشرک ہے وہ محصن نہیں، یہ حدیث مسند اسحاق بن راہویہ میں ہے اور مرفوعا بھی مروی ہے اور موقوفا بھی۔

غرض: اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں احصان الرجم میں مسلمان ہونا شرط نہیں تھا، مسلمان ہونے کی شرط بعد میں بڑھائی گئی ـــــ مگر اس سے بہتر وہ بات ہے جو اوپر عرض کی کہ یہودی اور یہودیہ کو جو سنگسار کیا گیا تھا وہ سزا ان کی شریعت کے مطابق دی گئی تھی، اسلامی شریعت کے مطابق نہیں۔ واللہ اعلم

[۲۷-] وحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِى ابْنَ عُلَيَّةَ) عَنْ أَيُّوبَ (ح) وحَدَّثَنِى أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِى رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُمْ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ فِى الزِّنَى يَهُودِيَّيْنِ، رَجُلًا وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَأَتَتْ الْيَهُودُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا، وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِنَحْوِهِ.

وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْيَهُودَ

جَاؤُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ قَدْ زَنَيَا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ.

وضاحت: مذکورہ پہلی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے زُہیر اور ابو الطاہر رحمہما اللہ سے روایت کی ہے، زُہیر بواسطہ اسماعیل: ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں، اور ابو الطاہر: عبداللہ بن وہب سے روایت کرتے ہیں اور وہ متعدد علماء سے روایت کرتے ہیں جن میں سے ایک امام مالکؒ ہیں، وہ سب حضرات یعنی ایوب سختیانی اور امام مالک وغیرہ نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزاء میں ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو رجم کیا، جنھوں نے زنا کیا تھا، پس یہود ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، آگے حدیث عبیداللہ عمری کے مانند بیان کی۔

اور دوسری حدیث موسیٰ بن عقبہ بواسطہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: یہود اپنی قوم میں سے ایک مرد اور ایک عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے جنھوں نے زنا کیا تھا، آگے حدیث عبیداللہ عمری کے مانند بیان کی۔

[۲۸-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَهُودِيٍّ مُحَمَّمًا مَجْلُودًا، فَدَعَاهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "هَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟" قَالُوا: نَعَمْ، فَدَعَا رَجُلًا مِنْ عُلَمَائِهِمْ، فَقَالَ: " أَنْشُدُكَ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى: أَهَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟" قَالَ: لَا، وَلَوْلَا أَنَّكَ نَشَدْتَنِي بِهَذَا لَمْ أُخْبِرْكَ، نَجِدُهُ الرَّجْمَ، وَلَكِنَّهُ كَثُرَ فِي أَشْرَافِنَا، فَكُنَّا إِذَا أَخَذْنَا الشَّرِيفَ تَرَكْنَاهُ، وَإِذَا أَخَذْنَا الضَّعِيفَ أَقَمْنَا عَلَيْهِ الْحَدَّ، قُلْنَا تَعَالَوْا فَلْنَجْتَمِعْ عَلَىٰ شَيْءٍ نُقِيمُهُ عَلَى الشَّرِيفِ وَالْوَضِيعِ، فَجَعَلْنَا التَّحْمِيمَ وَالْجَلْدَ مَكَانَ الرَّجْمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ" فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ﴾(المائدة: ۴۱) يَقُولُ: ائْتُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ أَمَرَكُمْ بِالتَّحْمِيمِ وَالْجَلْدِ فَخُذُوهُ، وَإِنْ أَفْتَاكُمْ بِالرَّجْمِ فَاحْذَرُوا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾(المائدة: ۴۴) ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾(المائدة: ۴۵) ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(المائدة: ۴۷) فِي الْكُفَّارِ كُلُّهَا.

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، إِلَى قَوْلِهِ: فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ: مَا بَعْدَهُ مِنْ نُزُولِ الْآيَةِ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی گذارا گیا، جو کالا کیا ہوا، کوڑے مارا ہوا تھا، پس نبی ﷺ نے ان کو بلایا (جو اس کو لے کر جارہے تھے) اور ان سے فرمایا: (کیا) تم اپنی کتاب توریت میں زنا کی سزا یہی پاتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، پس نبی ﷺ نے ان کے علماء میں سے ایک عالم کو بلایا اور اس سے فرمایا: میں تجھے قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی ہے، کیا تم اپنی کتاب توریت میں زنا کی سزا یہی پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتاتا، ہم توریت میں رجم کو پاتے ہیں، مگر ہمارے شرفاء میں زنا بکثرت ہوگیا، پس جب ہم کسی معزز کو پکڑتے ہیں تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب کسی کمزور (بے حیثیت) کو پکڑتے ہیں تو اس پر حد جاری کرتے ہیں، پھر ہم نے باہم مشورہ کیا کہ آؤ! چاہئے کہ ہم کسی ایسی بات پر جمع ہو جائیں جس کو ہم معزز اور بے حیثیت پر یکساں طور پر جاری کریں، پس ہم نے منہ کالا کرنے کو اور کوڑے مارنے کو سنگساری کی جگہ میں مقرر کیا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جو آپ کے حکم کو زندہ کررہا ہوں جس کو لوگوں نے ماردیا ہے، یعنی عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، چنانچہ آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا پس وہ رجم کیا گیا، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "اے اللہ کے رسول! آپ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو کفر میں تیزی کررہے ہیں" ارشادِ پاک: "اگر یہ فتوی تمہیں دیا جائے گا تو تم اس کو لے لو، اور اگر تمہیں یہ فتوی نہ دیا جائے تو تم بچ کررہو" تک۔

وہ کہہ رہے تھے: محمد (ﷺ) کے پاس چلو، پس اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے کا اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس کو لے لو، اور اگر وہ سنگسار کرنے کا فتوی دیں تو اس کو چھوڑ دو، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے پس وہی لوگ ناشکرے ہیں" اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے پس وہی ظلم کرنے والے ہیں" اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے پس وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں" کفار کے بارے میں یہ سب آیتیں نازل ہوئیں۔

سند: یہ حدیث وکیعؒ نے بھی اعمشؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابو معاویہؒ نے روایت کی ہے، اور **فأمَرَ به النبيُّ صلى الله عليه وسلم فرُجِم** تک روایت کی ہے اور بعد کا مضمون یعنی آیات کے نزول والی بات اس روایت میں نہیں ہے۔

ایک تعارض اور حل:

قولہ: مُرَّ علی النبیِّ إلخ: گذشتہ حدیث میں یہ تھا کہ یہود نے از خود کوئی سزا نہیں دی تھی بلکہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں معاملہ پیش کیا تھا اور یہاں یہ ہے کہ یہود نے از خود زانی کو سزا دی تھی، اس کا منہ کالا کرکے اور کوڑے مار کر تشہیر کی تھی، اسی اثناء میں وہ نبی ﷺ کے پاس سے گذر رہے تھے، پس آپ نے ان کو بلا کر خود دریافت فرمایا تھا، یہ صریح تعارض ہے؟

جواب: بعض علماء نے ان دونوں حدیثوں کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے، ایک واقعہ اسلام کے ابتدائی دور کا ہے اور دوسرا فتح خیبر کے بعد کا، مگر دونوں واقعوں میں قدر مشترک بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہود کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق سزا نہیں دی تھی ــــ اور بعض علماء نے دونوں کو ایک واقعہ قرار دیا ہے، اور تطبیق یوں دی ہے کہ صرف زانی کو کوڑے مارے تھے اور منہ کالا کر کے اس کی تشہیر کی تھی، اور عورت کو سزا نہیں دی تھی، اور اسی کے بارے میں نبی ﷺ سے دریافت کیا تھا، مگر ان کے پوچھنے سے قبل ہی وہ یہودی جس کی تشہیر کی جارہی تھی نبی ﷺ کے پاس سے گذرا تھا، پس آپؐ نے خود بھی دریافت فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

[۲۹-] وحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي أَبُوالزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: رَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ، وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَامْرَأَتَهُ.

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: وَامْرَأَةً.

وضاحت: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں جن کو ابن جریج نے بواسطہ ابوالزبیر روایت کیا ہے اور ان سے حجاج بن محمد اور روح بن عبادہ روایت کرتے ہیں۔

[۳۰-] وحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: هَلْ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قُلْتُ: بَعْدَ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةُ النُّورِ أَمْ قَبْلَهَا؟ قَالَ: لَا أَدْرِي.

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے سنگسار کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: سورۃ النور کی آیت کے نزول کے بعد یا پہلے؟ ابن ابی اوفیؓ نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

تشریح: ایک رائے یہ ہے کہ سورۃ النور کی (آیت ۲) کے نزول سے پہلے سنگسار کیا جاتا تھا، پھر وہ حکم سورۂ نور کی (آیت ۲) سے منسوخ ہوگیا، اب کوڑے مارے جائیں گے، شادی شدہ کو بھی رجم نہیں کیا جائے گا، مگر یہ رائے صحیح نہیں، سورۃ النور کی آیت کے بعد بھی آپؐ نے اور خلفائے راشدین نے رجم کیا ہے، اس لئے رجم کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہوا۔

[۳۱-] وحَدَّثَنِي عِيسىٰ بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ، فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب باندی زنا کرے اور اس کا زنا کھل جائے یعنی رنگے ہاتھوں پکڑی جائے تو اس کو کوڑے مارے، اور سرزنش نہ کرے، پھر اگر زنا کرے تو کوڑے مارے اور سرزنش نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے تو اس کو فروخت کردے، اگرچہ بالوں کی رسّی کے عوض ہو، یعنی نہایت معمولی قیمت پر بکے پھر بھی بیچ دے۔

تشریح:

۱- تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام باندی اگر زنا کریں تو وہ خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے اور یہ مسئلہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں ہے، البتہ حد جاری کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے یا آقا کو بھی ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے اور حنفیہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، صرف حاکم حد جاری کرسکتا ہے۔

دلائل: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر میں فرمایا: لوگو! اپنے غلام باندیوں پر حد جاری کرو جو شادی شدہ ہوں ان پر بھی اور جو کنوارے ہوں ان پر بھی، بیشک نبی ﷺ کی ایک باندی نے زنا کیا (یہ باندی سُرّیہ نہیں تھی، یعنی آپؐ اس کو بیوی کے طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے) پس آپؐ نے مجھے کوڑے مارنے کا حکم دیا، میں کوڑے مارنے کی غرض سے اس کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اس کو نفاس آرہا ہے یعنی اس نے ابھی بچہ جنا ہے، پس مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے اس کو کوڑے مارے تو وہ کہیں مر نہ جائے، اس لئے میں نے اس کو کوڑے نہیں مارے اور آنحضرت ﷺ سے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا"

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ اپنے غلاموں پر حد جاری کرو، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حقیقت پر محمول ہے، پس مولیٰ خود اپنے غلام باندیوں کو حد مار سکتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے غلام باندیوں پر حدیں جاری کراؤ، ان کے گناہ مت چھپاؤ، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے تو معاملہ دبا دیتا ہے کیونکہ اس میں مولیٰ کی بھی بدنامی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ایسا مت کرو بلکہ قاضی کو اس کی اطلاع دو اور شرعی شہادت سے ثابت کرو، اور ان پر حد جاری کراؤ، تاکہ وہ آئندہ اس گناہ سے باز رہیں۔

جاننا چاہئے کہ آزاد کو زنا کی سزا دینے کے لئے جو شرائط ہیں غلام باندیوں کو سزا دینے کے لئے بھی وہی شرائط ہیں، یعنی چار عینی گواہ یا اقرار ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر مالک اس ذمہ داری کو ٹھیک ٹھیک انجام نہیں دے سکتا، علاوہ

ازیں: اگر مالکوں کو اس کا اختیار دیدیا جائے گا تو وہ غلام باندی پر ناروا ظلم کریں گے، اس لئے جس طرح آزاد کی سزاؤں کے مخاطب امراء وحکام ہیں غلام باندی کی سزاؤں کے مخاطب بھی امراء وحکام ہیں، چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی پر حد سحر جاری کردی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر نکیر کی تھی، اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے حد سحر جاری کی تو ان کو قید کردیا تھا، یہ دلیل ہے کہ غلام باندی کی سزاؤں کے مخاطب بھی حکام وامراء ہیں۔ واللہ اعلم

۲- **قوله: ولا يُثرّب**: اس کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: اگر غلام باندی زنا کریں تو ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ نہ دے، ان پر حد جاری کرائے یعنی ان کے گناہ کو مت چھپاؤ، جب کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے تو معاملہ دبا دیتا ہے، کیونکہ اس میں مولیٰ کی بھی بدنامی ہے، یہ ٹھیک نہیں، ان پر حد جاری کرائے، تاکہ وہ آئندہ اس گناہ سے باز رہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب حد جاری کرادی تو اب ان کو لعن طعن اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے کیونکہ ان کو ان کے گناہ کی سزا مل چکی۔

۳- نبی ﷺ نے زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ کبھی باندی کی کسی سے دوستی ہوجاتی ہے اس لئے وہ بار بار زنا کا ارتکاب کرتی ہے، پس اس کو فروخت کردینا بہتر ہے تاکہ وہ اپنے یار سے جدا ہوجائے اور وہ اس گناہ سے بچ جائے، پھر آقاؤں کی تربیت اور کنٹرول کا طریقہ بھی جدا ہوتا ہے، بعض آقا نرم طبیعت ہوتے ہیں وہ کنٹرول نہیں کرسکتے، پس ہوسکتا ہے کہ دوسرا آقا باندی کی اصلاح کردے اور اس پر کنٹرول کرلے اس لئے نبی ﷺ نے اس کو فروخت کرنے کا حکم دیا، پس یہ بیچنا اپنی مصیبت دوسرے کے سر تھوپنا نہیں ہے۔

[۳۲-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ ابْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ (ح) وحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ (ح) وحَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنَّ ابْنَ إِسْحَاقَ قَالَ فِي حَدِيثِهِ: عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَلْدِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ ثَلَاثًا: "ثُمَّ لِيَبِعْهَا فِي الرَّابِعَةِ"

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث متعدد اساتذہ سے روایت کی ہے، وہ سب مختلف واسطوں سے سعید مقبریؒ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں — سعید مقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے براہِ راست روایت کرتے ہیں یا واسطہ سے؟ تنہا ابن اسحاق: سعید کے والد کا واسطہ بڑھاتے

ہیں دوسرا کوئی راوی اس واسطہ کو ذکر نہیں کرتا، یعنی ابن اسحاق کی روایت مزید فی متصل الاسناد کی مثال ہے۔

[۳۳-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ (ح) وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ؟ قَالَ:"إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ بِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ"قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَا أَدْرِي، أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوْالرَّابِعَةِ. وَقَالَ الْقَعْنَبِيُّ، فِي رِوَايَتِهِ :قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَالضَّفِيرُ الْحَبْلُ.

ترجمہ: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عبید اللہ بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زانیہ باندی کے بارے میں جو محصنہ نہ ہو پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو (یعنی اس کے گناہ کو مت چھپاؤ، بلکہ اس پر حد جاری کرواؤ) پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر زنا کرے تو اس کو بیچ دو اگر چہ رسّی کے عوض (معمولی دام میں) فروخت کرنا پڑے'' ـــــ ابن شہابؒ کہتے ہیں: تین مرتبہ کے بعد بیچنے کے لئے فرمایا یا چار مرتبہ کے بعد مجھے معلوم نہیں، اور قعنبی کی روایت میں ہے: ابن شہابؒ نے فرمایا: الضَّفِير کے معنی ہیں: رسّی۔

[۳۴-] وحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ ابْنِ شِهَابٍ: وَالضَّفِيرُ الْحَبْلُ.

حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ ابْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كِلَاهُمَا، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ، وَالشَّكُّ فِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا، فِي بَيْعِهَا فِي الثَّالِثَةِ أَوْ الرَّابِعَةِ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ابو الطاہر سے بھی روایت کی ہے، وہ بھی ابن مسلمہ قعنبی اور ابن یحییٰ کی طرح امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں، البتہ اس میں ایک واسطہ زائد ہے، پس یہ نازل سند ہے، نیز اس روایت میں عبید اللہ دو اساتذہ: حضرات ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ابن مسلمہ اور ابن یحییٰ کی روایتیں عبید اللہ کی تنہا ابو ہریرہ سے روایت ہیں۔

اور ابو صالح اور معمر نے بھی امام مالکؒ کی طرح ابن شہاب زہریؒ سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں بھی عبید اللہ دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، اور زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم تین مرتبہ کے بعد ہے یا چار مرتبہ کے بعد؟ یہ شک ان دونوں کی روایتوں میں بھی مذکور ہے۔

۷- بَابُ تَاخِيرِ الْحَدِّ عَنِ النُّفَسَاءِ

نفاس والی عورت کی سزا کو مؤخر کرنے کا بیان

اگر مجرم بیمار ہو یا اتنا کمزور ہو کہ کوڑے مارنے سے مر جائے گا تو اس کی سزا مؤخر کر دی جائے گی، تا آنکہ وہ تندرست ہو جائے، اور کوڑوں کا تحمل کر سکے، کیونکہ کوڑے مارنے کا مقصد مار ڈالنا نہیں ہے، صرف تنبیہ مقصود ہے۔

[۳۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو دَاوُدَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ السُّدِّيِّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: خَطَبَ عَلِيٌّ، فَقَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَقِيمُوا عَلَى أَرِقَّائِكُمُ الْحَدَّ، مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ، فَإِنَّ أَمَةً لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا، فَإِذَا هِيَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ، فَخَشِيتُ، إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا، أَنْ أَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَحْسَنْتَ"

وحَدَّثَنَاه إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنِ السُّدِّيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يَذْكُرْ: مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ، وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ: "اتْرُكْهَا حَتَّى تَمَاثَلَ"

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر میں فرمایا: لوگو! اپنے غلام باندیوں پر حد جاری کرو جو شادی شدہ ہوں ان پر بھی اور جو کنوارے ہوں ان پر بھی، بیشک نبی ﷺ کی ایک باندی نے زنا کیا (یہ باندی سُرّیہ نہیں تھی، یعنی آپؐ اس کو بیوی کے طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے) پس آپؐ نے مجھے کوڑے مارنے کا حکم دیا، میں کوڑے مارنے کی غرض سے اس کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اس کو نفاس آ رہا ہے یعنی اس نے ابھی بچہ جنا ہے، پس مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے اس کو کوڑے مارے تو وہ کہیں مر نہ جائے، اس لئے میں نے اس کو کوڑے نہیں مارے اور آنحضرت ﷺ سے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا"

سند: یہ حدیث سُدّی سے اسرائیل نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے زائدہ نے روایت کی ہے، مگر وہ یہ جملہ: "چاہے وہ شادی شدہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو" ذکر نہیں کرتے، اور ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: "اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے" تَمَاثَلَ العليلُ مِن علته تماثُلاً کے معنی ہیں: بیمار کا اچھا ہونے کے قریب ہونا۔

٨- بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ

شرابی کی سزاء کا بیان

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں شرابی کو سزا دینے کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص دونوں ہاتھوں میں دو چھڑیاں یا دو چپل لے کر ایک ساتھ چالیس مرتبہ مارتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا، پھر جب خرابی بڑھ گئی یعنی نئے ایمان لانے والوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھتا نظر آیا تو دورِ فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا، اور دو باتیں سامنے آئیں: ایک: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن کریم میں جو سب سے ہلکی سزا ہے وہ دی جائے یعنی اسّی کوڑے مارے جائیں، کیونکہ شراب نوشی کی سزا قرآن کریم میں منصوص نہیں، پس اس کو منصوص سے بڑھانا نہیں چاہئے۔ دوسری بات: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ شرابی جب مخمور ہوتا ہے تو اول فول بکتا ہے اور کبھی تہمت لگانے کی بھی نوبت آتی ہے اس لئے اس کو اسّی کوڑے مارے جائیں، یہ دونوں مشورے ایک بات پر متفق تھے اس لئے شرابی کو اسّی کوڑے مارنے کی تجویز عمل میں آئی۔ اور دورِ فاروقی سے یہی سزا باجماعِ امت جاری ہے، اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا ذرا سا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: شراب نوشی کی اصل سزا تو چالیس کوڑے ہیں، باقی چالیس کوڑے تعزیر ہیں اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک اسّی کے اسّی حد ہیں ان میں کمی کرنا جائز نہیں۔

[٣٦-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ، نَحْوَ أَرْبَعِينَ.

قَالَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: أَخَفُّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ، فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ.

[٣٧-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ): حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا جو شراب پیے ہوئے تھا، آپؐ نے اس کو دو شاخوں سے چالیس کے قریب مارا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے لوگوں سے مشورہ کیا، پس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی

اللہ عنہ نے فرمایا: کم سے کم سزا اسّی کوڑے ہیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کا حکم دیا، یعنی آئندہ سے شرابی کی سزا اسّی کوڑے ہیں یہ آرڈیننس پاس کردیا۔

سند: یہ حدیث قتادہ رحمہ اللہ سے محمد بن جعفرؒ کے علاوہ خالد بن الحارث نے بھی روایت کی ہے جس کے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

تشریح: اس کی تفصیل باب کے شروع میں آگئی ہے، اور خلفائے راشدین کے رائج کیے ہوئے اُن طریقوں کو اپنانا ضروری ہے جن کا تعلق ملک وملت کی تنظیم سے ہے، حدیث میں ہے: ''میرے طریقہ کو لازم پکڑو، اور میرے جانشینوں کے طریقہ کو لازم پکڑو، جو راہ یاب اور ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑ و اور دانتوں سے کاٹو!''

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ تک قومی حکومت قائم ہوئی تھی، اور ملت بھی محدود تھی، بین الاقوامی حکومت خلفائے راشدین کے زمانہ میں قائم ہوئی، اور ملت بھی پھیل گئی، اور دیگر اقوام نے بھی اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کی، اس لئے ملک وملت کی تنظیم ضروری ہوئی، خلفائے راشدین نے اس سلسلہ میں بہت سے کام کیے ہیں، شرابی کے لئے اسّی کوڑوں کی تجویز بھی اسی قبیل سے ہے۔

مذاہب فقہاء:

تمام ائمہ متفق ہیں کہ شرابی کی سزاء اسّی کوڑے ہیں مگر وہ اسّی کوڑے کل حد ہیں یا بعض تعزیر؟ اس میں اختلاف ہے (حد میں امیر وحاکم کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، اس سزا کو ہر حال میں نافذ کرنا ضروری ہے، اور تعزیر میں اختیار ہوتا ہے، وہ مصلحت کے اعتبار سے کم وبیش بھی کرسکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کُل حد ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چالیس حد اور چالیس تعزیر ہیں، یہ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے۔

اور ان کا مستدل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں شرابی کو چالیس مرتبہ مارا جاتا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں بھی یہی طریقہ تھا، پھر جب آخری دور آیا اور لوگ حد سے بڑھنے لگے اور دائرہ اطاعت سے باہر نکلنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے مارنے شروع کیے یعنی چالیس کا اضافہ کیا اور مصلحتاً کیا پس یہ چالیس تعزیر ہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اجماع ہوگیا ہے کہ شرابی کی سزا اسّی کوڑے ہیں اور وہ سب حد ہیں، اور نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اور دورِ صدیقی میں بھی اسّی ہی تھے، دو چپلوں سے یا دو شاخوں سے بیک وقت شرابی کو بجایا جاتا تھا پس اگرچہ ضرب کے اعتبار سے چالیس تھے مگر آلہ کے اعتبار سے اسّی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ضرب کے اعتبار سے بھی اسّی کو ضروری قرار دیا گیا اور اس پر اجماع ہوا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَدَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، ثُمَّ جَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ، وَدَنَا النَّاسُ مِنَ الرِّيفِ وَالْقُرَى، قَالَ: مَا تَرَوْنَ فِي جَلْدِ الْخَمْرِ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا كَأَخَفِّ الْحُدُودِ، قَالَ: فَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِينَ.

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے شرابی کو ٹہنیوں اور چپلوں سے مارا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس مرتبہ مارا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ چراگاہوں اور گاؤں کے قریب ہو گئے ـــــ یعنی گاؤں اور کھیتوں میں بس گئے اور شراب نوشی کے واقعات بڑھ گئے ـــــ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ مانگا، فرمایا: تم لوگ شرابی کی سزا کیا پاتے ہو؟ پس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرا خیال ہے کہ آپؓ شرابی کی سزا سب سے ہلکی سزا کے مانند مقرر کردیں (جو حد قذف کی سزاء ہے) راوی کہتے ہیں: پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے مارنے شروع کیے۔

سند: یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے بھی ہشام سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے صاحبزادے معاذ نے روایت کی ہے۔

لغت: الریف: سبزہ زار، پانی کے قریب کی زمین، جمع: أریاف و رُیُوف۔

[۳۸-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ أَرْبَعِينَ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمَا، وَلَمْ يَذْكُرِ الرِّيفَ وَالْقُرَى.

وضاحت: یہ حدیث ہشام سے وکیعؒ نے روایت کی ہے، اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے صاحبزادے معاذ نے اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی ہے، البتہ یہ بات کہ: جب لوگ چراہوں اور گاؤں کے قریب ہو گئے" یہ مضمون اس حدیث میں نہیں ہے۔

[۳۹-] وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ) عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الدَّانَاجِ (ح) وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ (وَاللَّفْظُ لَهُ) أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ فَيْرُوزَ مَوْلَى

ابْنِ عَامِرٍ الدَّانَاجِ: حَدَّثَنَا حُضَيْنُ بْنُ الْمُنْذِرِ، أَبُوسَاسَانَ، قَالَ: شَهِدْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَأُتِيَ بِالْوَلِيدِ، قَدْ صَلَّى الصُّبْحَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: أَزِيدُكُمْ؟ فَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلَانِ: أَحَدُهُمَا حُمْرَانُ أَنَّهُ شَرِبَ الْخَمْرَ وَشَهِدَ آخَرُ أَنَّهُ رَآهُ يَتَقَيَّأُ، فَقَالَ عُثْمَانُ: إِنَّهُ لَمْ يَتَقَيَّأْ حَتَّى شَرِبَهَا، فَقَالَ: يَا عَلِيُّ، قُمْ فَاجْلِدْهُ، فَقَالَ عَلِيٌّ: قُمْ يَا حَسَنُ، فَاجْلِدْهُ فَقَالَ الْحَسَنُ: وَلِّ حَارَّهَا مَنْ تَوَلَّى قَارَّهَا (فَكَأَنَّهُ وَجَدَ عَلَيْهِ) فَقَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ، قُمْ فَاجْلِدْهُ، فَجَلَدَهُ، وَعَلِيٌّ يَعُدُّ فَلَمَّا بَلَغَ أَرْبَعِينَ، قَالَ: أَمْسِكْ، ثُمَّ قَالَ: جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ، وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ، وَعُمَرُ ثَمَانِينَ، وَكُلٌّ سُنَّةٌ، وَهَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ.

زَادَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ: إِسْمَاعِيلُ: وَقَدْ سَمِعْتُ حَدِيثَ الدَّانَاجِ مِنْهُ فَلَمْ أَحْفَظْهُ.

ترجمہ: حُضین بن المنذر ابوساسان کہتے ہیں: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (اسی اثناء میں) ولید بن عُقبہ کو لایا گیا جس نے فجر کی نماز پڑھ لی تھی، پھر اس نے کہا: میں تمہارے لئے زیادہ کرتا ہوں (یعنی دوبارہ فجر پڑھتا ہوں وہ نشہ میں تھا اس لئے یہ بات کہی) پس ان پر دو آدمیوں نے گواہی دی، ان میں سے ایک (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ) حمران تھے کہ ولید نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے ولید کو الٹیاں کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو الٹیاں نہ کرتا، اور آپؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علیؓ! کھڑے ہو اور اس کو کوڑے مارو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: حسن! کھڑے ہو اور اس کو کوڑے مارو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس کی گرمی کا ذمہ دار بنے وہ جو اس کی ٹھنڈک کا ذمہ دار بنا ہے (یہ بلیغ محاورہ ہے، یعنی جس نے حکومت کے مزے لوٹے ہیں وہ کوڑے مارے) پس گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ناراضگی ظاہر فرمائی، چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا: ابن جعفرؓ! کھڑے ہو اور اس کو کوڑے مارو، پس ابن جعفرؓ نے کوڑے مارے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شمار کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب مارنا چالیس کو پہنچا تو ابن جعفرؓ سے فرمایا: ٹھہرو! پھر فرمایا: نبی ﷺ نے چالیس مرتبہ مارا، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چالیس مرتبہ مارا، اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسّی مرتبہ مارا، اور ہر طریقہ سنت ہے، اور یہ (اسّی کوڑے مارنا) مجھے زیادہ پسند ہے۔

علی بن حجر کی روایت میں یہ اضافہ ہے: اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اس سے داناج کی روایت کردہ حدیث سنی تھی لیکن میں اس کو یاد نہ رکھ سکا۔

تشریح:

۱۔ ولید بن عقبہ قرشی: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اخیافی (ماں شریک) بھائی تھا، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا،

شعر وشاعری اور فصاحت وبلاغت میں امتیازی شان رکھتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، پھر شراب نوشی کے الزام میں معزول کر دیا تھا، پھر رقہ نامی جگہ میں الگ تھلگ زندگی گذاری اور وہیں انتقال ہوا۔

۲- یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی قوی دلیل ہے، ان کے نزدیک شرابی کی سزا اسّی کوڑے ہیں، مگر ان میں سے چالیس تعزیر ہیں، وہ امیر وحاکم کی صوابدید پر موقوف ہیں، یہ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے —— مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرابی کو اسّی کوڑے مارنے ضروری ہیں، اور وہ تمام حد ہیں، چنانچہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے۔ واللہ اعلم

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو بھی سنت کہا، اور اُسی طریقہ کو پسندیدہ قرار دیا، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے ان طریقوں کو جن کا تعلق ملک وملت کی تنظیم سے ہے ان کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور اس کو سنت کہا ہے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو بھی سنت کہا۔

۴- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شرابی کو دو چپلوں سے یا دو شاخوں سے یا کسی اور جوڑے سے بیک وقت مارا جاتا تھا، پس وہ ضرب کے اعتبار سے چالیس اور آلہ کے اعتبار سے اسّی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے اس کو ضرب کے اعتبار سے اسّی کر دیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد شرب میں کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ سزاء کو پھیلا دیا —— ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے ہو کہ چالیس حد ہیں اور چالیس تعزیر جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس لئے چالیس پر کوڑوں کو رکوا دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو بھی سنت بلکہ پسندیدہ قرار دیا۔ واللہ اعلم

۵- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شرابی کو باقاعدہ کوڑوں سے نہیں مارا جاتا تھا بلکہ جو بھی چیز ہاتھ پڑتی اسی سے مار دیا جاتا تھا، مگر خلفاء راشدین نے کوڑوں سے مارنے کو لازم کیا، اور اسّی کوڑے سزاء مقرر کی اور یہ بھی سنت ہے اس لئے کہ مشہور حدیث ہے: ”میرے طریقہ کو لازم پکڑو، اور میرے خلفاء کے طریقہ کو لازم پکڑو جو راہ یاب اور ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو ہاتھوں سے اور دانتوں سے مضبوط پکڑو“

[۴۰-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: مَا كُنْتُ أُقِيمُ عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتُ فِيهِ، فَأَجِدَ مِنْهُ فِي نَفْسِي، إِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ، لِأَنَّهُ إِنْ مَاتَ وَدَيْتُهُ، لِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهُ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی پر بھی حد جاری کروں اور وہ مر جائے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا، مگر

شرابی مرجائے تو میں اس کی دیت دونگا، اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑے مارنا متعین نہیں کیا۔

تشریح: شرابی کو کوڑے مارنا خلفائے راشدین کے زمانہ میں طے پایا ہے، اور اس میں حضرت علیؓ کا مشورہ بھی شامل تھا، اور خود حضرت بھی کوڑے مارتے تھے، مگر تعیینِ نبوی اور تعیینِ خلفاء میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے، جس کی طرف حضرت علیؓ نے اشارہ کیا۔

مذاہبِ فقہاء: اگر زنا کی سزاء میں یا حد قذف میں محدود (جس کو کوڑے مارے گئے) مرجائے تو بالاتفاق کوئی ضمان واجب نہیں، بشرطے کہ اصول کی رعایت کر کے کوڑے مارے گئے ہوں، اور شرابی کو کوڑے مارے گئے اور محدود مرگیا تو ضمان واجب ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک اگر اصول کی رعایت کے ساتھ کوڑے مارے گئے ہیں تو کوئی ضمان واجب نہیں، اور اس اختلاف کی بنیاد بھی یہی ہے کہ شرابی کو کوڑے سے مارنا یا اسّی کوڑے مارنا حد ہے یا تعزیر؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تعزیر میں ضمان واجب ہوتا ہے دیگر ائمہ کے نزدیک نہیں۔ واللہ اعلم

ملحوظہ: خمر کی تعریف؟ کن چیزوں پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے؟ اور دیگر باتیں اسی جلد میں كتاب الأشربه کے شروع میں تفصیل وبسط کے ساتھ گذری ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۹- بَابُ قَدْرِ أَسْوَاطِ التَّعْزِيْرِ

تعزیر میں کتنے کوڑے مارے جائیں

تعزیر: حدود کے علاوہ دوسری سزاؤں کو کہتے ہیں، حدود میں کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، نہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، اور تعزیر میں مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور اس کی کوئی حد بھی متعین نہیں، قاضی کی صوابدید پر معاملہ چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات کے مطابق جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے، مگر اس کو حد تک نہ پہنچائے۔

[۴۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، إِذْ جَاءَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ جَابِرٍ، فَحَدَّثَهُ، فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا سُلَيْمَانُ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيِّ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَا يُجْلَدُ أَحَدٌ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ، إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''حدود کے علاوہ کسی بھی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں''

تشریح: بعض ظاہر یہ اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں: تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں، مگر یہ قول صحیح نہیں، ترمذی میں حدیث (نمبر ۱۴۶۲) ہے اگر کوئی کسی کو 'او ہجڑا' کہے تو اس کو بیس کوڑے مارو، علاوہ ازیں: خلفائے راشدین نے تعزیر میں دس، بیس سے زیادہ کوڑے بھی مارے ہیں، اس لئے تعزیر میں دس سے زیادہ کوڑے مارنا جائز ہے۔ البتہ جمہور فرماتے ہیں کہ اخف حدود سے کم کوڑے مارے جائیں اور حد کے کم سے کم اسّی کوڑے ہیں جو حد قذف میں مارے جاتے ہیں اور غلام کو چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں کیونکہ اس کی سزا آزاد سے آدھی ہے، اس لئے اخف حدود چالیس کوڑے ہوئے، پس تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے مارے جائیں، اس سے زیادہ نہ مارے جائیں، یہ احناف کا مشہور قول ہے، اور امام ابو یوسف اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حاکم تعزیر میں جتنے کوڑے چاہے مار سکتا ہے، اور اس حدیث کی علماء نے دو توجیہیں کی ہیں: ایک: یہ کہ یہ حدیث صحابہ کے ساتھ خاص ہے اور خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے معمولی تنبیہ بھی ان کے لئے کافی تھی، بلکہ ان کو ادنیٰ تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں تھی، وہ خود ہی اپنی غلطیوں اور خطاؤں پر پشیمان ہوتے تھے، اور جرم سے باز آجاتے تھے، پھر بھی اگر تنبیہ کی ضرورت پڑے تو معمولی تنبیہ کافی ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ سزا اس جرم کے ساتھ خاص ہے جو فی نفسہ گناہ نہیں، صرف حکم حاکم کی خلاف ورزی کی بناء پر گناہ ہے، مثلاً: فساد میں کرفیو لگایا گیا اور گھر سے نکلنے پر پابندی لگائی گئی، پس اگر کوئی شخص گھر سے نکلے تو یہ فی نفسہ گناہ نہیں، یہ صرف حکم حاکم کی خلاف ورزی کی بنا پر گناہ ہے، اس قسم کے جرائم میں دس کوڑے ہی مارے جائیں زیادہ نہ مارے جائیں۔ واللہ اعلم

۱۰- بَابُ الْحُدُوْدِ كَفَّارَاتٌ لِأَهْلِهَا

حدود گناہوں کے لئے کفارہ ہیں؟

حدود کفارۂ سیئات ہیں یا زواجر؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفارۂ سیئات ہیں اور احناف کے نزدیک صرف زواجر ہیں، یعنی جھڑ کنے والی ہیں، وہ گناہوں سے باز رکھتی ہیں ان سے گناہ معاف نہیں ہوتے بلکہ دیگر کبائر کی طرح قولی یا فعلی توبہ ضروری ہے[1]۔

(۱) امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک توبہ نہ کرے، اور توبہ فعلی بھی ہوتی ہے اور قولی بھی، قولی توبہ تو ظاہر ہے۔ اور فعلی توبہ یہ ہے کہ زندگی کا ورق پلٹ دے، یعنی برائیاں چھوڑ کر شریعت کی پیروی کرنے لگے، مثلاً: شراب پیتا تھا، اس کو بالکل چھوڑ دے، زنا کرتا تھا اس کو بالکل چھوڑ دے تو یہ فعلی توبہ ہے۔

[۴۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌوالنَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ (وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو) قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ، فَقَالَ: "تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَفَى مِنكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَعُوقِبَ بِهِ، فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ، فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ"

[۴۳-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ، وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ فَتَلَا عَلَيْنَا آيَةَ النِّسَاءِ ﴿أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا﴾ الآيَةَ.

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا: "مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ اس نفس کو قتل کرو گے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، پس تم میں سے جس نے بیعت کی شرطیں پوری کیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے (یعنی قیامت کے دن اس کو اس کا اجر ملے گا) اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا (یعنی کسی شرط کی خلاف ورزی کی مثلاً چوری یا زنا وغیرہ کا ارتکاب کیا، پھر دنیا میں اس کو اس جرم کی سزاء دی گئی تو وہ سزاء اس کے لئے کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی گناہ کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو چھپا دیا (اور اس کو دنیا میں ان گناہوں کی سزا نہیں ملی) تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس کو معاف کر دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کو سزا دیں گے"

سند: یہ حدیث معمر نے بھی امام زہری رحمہ اللہ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے سفیان نے روایت کی ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے: "پس نبی ﷺ نے ہمارے سامنے سورۂ ممتحنہ کی آیت (۱۲) تلاوت فرمائی"

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حدود کفارۂ سیئات ہیں یعنی حد جاری ہونے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا: اس مسئلہ میں کہ حدود گناہوں کے لئے کفارہ ہیں یہ حدیث سب سے عمدہ ہے (ترمذی) اور احناف کے نزدیک حدود درحقیقت زواجر ہیں یعنی جھڑکنے والی ہیں وہ گناہوں سے باز رکھتی ہیں، ان سے گناہ معاف نہیں ہوتے بلکہ دیگر کبائر کی طرح قولی یا فعلی توبہ ضروری ہے، قولی توبہ تو ظاہر ہے اور فعلی توبہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کا ورق پلٹ دے یعنی برائی چھوڑ کر شریعت کی پابندی کرنے لگے۔

اور جب کسی پر حد جاری ہوتی ہے تو عادی مجرم کی بات تو الگ ہے مگر جس سے اتفاقاً گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ آئندہ

گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے یعنی حدود کے ساتھ فعلی توبہ مل جاتی ہے اس اعتبار سے حدود کو گناہوں کے لئے کفارہ کہا گیا ہے ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے مانند مروی ہے، وہ روایت ترمذی شریف میں ہے، اس حدیث میں بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حدود کفارہ ہیں اور اس کا جواب بھی یہی ہے کہ عام طور پر حدود کے ساتھ فعلی توبہ ملی ہوئی ہوتی ہی ہے اس معنی کر اس کو کفارہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

احناف کے دلائل:

۱- اللہ تعالیٰ نے آیت سرقہ کے بعد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدہ آیت ۳۹) "پس جو اپنے اوپر ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کریں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مغفرت کرنے والے، نہایت رحم کرنے والے ہیں" ـــــ یہاں قطع ید کے بعد توبہ کا ذکر کیا ہے، اور قطع ید کو نکال (عبرتناک سزاء) فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ قطع ید (حد) زاجر (جھڑکنے والی، روکنے والی) ہے، گناہ کا کفارہ نہیں، گناہ کا کفارہ توبہ ہی ہے۔

۲- حد قذف میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النور آیت ۴و۵) "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر وہ چار گواہ سے ثابت نہ کریں تو تم ان کو اسّی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ نافرمان ہیں، مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اس کے بعد، اور اصلاح کر لی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے نہایت رحم والے ہیں" ـــــ یہاں حد جاری ہونے کے بعد بھی فاسق (گنہ گار) کہا گیا، اور جس نے توبہ کی اس کو مستثنیٰ فرمایا، معلوم ہوا کہ حد کفارہ نہیں بلکہ کفارہ توبہ ہے۔

۳- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لا أدری الحدودَ کفارةٌ لأھلھا أم لا: مجھے معلوم نہیں کہ حدود گناہوں کے لئے کفارہ ہیں یا نہیں ـــــ یہ حدیث مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔

غرض: ان کے علاوہ بھی نصوص ہیں جن کا مدعیٰ یہی ہے کہ حدود زواجر ہیں گناہوں کے لئے کفارہ نہیں، چنانچہ احناف اسی کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

قوله: من ذلک: مشارٌالیہ شرک کے علاوہ ہیں، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ کفر وارتداد کی سزا کفر و شرک کے لئے کفارہ نہیں اور ان کی توبہ کے بغیر معافی نہیں، البتہ شرک کے علاوہ گناہوں کے لئے حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

چند ضروری فوائد:

۱- حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت آنحضور ﷺ نے کب لی تھی؟

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ فتح مکہ کے بعد سورۂ ممتحنہ کے نزول کے بعد وہ بیعت لی تھی، چنانچہ اس روایت کے بعض طرق میں ہے: فَتَلاَ علينا آيةَ النساء: یعنی بیعت لینے کے بعد نبی ﷺ نے سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ پڑھی، اور علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ لیلۃ العقبہ میں آپؐ نے یہ بیعت لی تھی، پھر بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے۔

بیعت عقبہ کی تفصیل:

مدینہ منورہ کی زیادہ آبادی اوس وخزرج کی تھی، جو مشرک تھے، اور مدینہ میں یہود بھی تھے، جو اہل کتاب تھے، یہود کا اوس وخزرج کے ساتھ جھگڑا رہتا تھا، یہود ان سے کہا کرتے تھے: عنقریب نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں، ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تم کو عاد وثمود کی طرح ہلاک کریں گے۔

پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ موسم حج میں خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے، یہ نبوت کا گیارہواں سال تھا، اتفاق سے ان کی ملاقات نبی ﷺ سے ہوگئی، اور آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، وہ آپؐ پر ایمان لے آئے، یہ چھ آدمی تھے، یہ حضرات آپؐ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں دعوت کا کام کیا، ایک سال میں صورت حال یہ ہوگئی کہ کوئی گھر اور کوئی مجلس نبی ﷺ اور اسلام کے ذکر سے خالی نہیں رہی، چنانچہ دوسرے سال جو نبوت کا بارہواں سال تھا بارہ حضرات آپؐ سے ملنے کے لئے مکہ آئے، پانچ تو انہی چھ میں سے تھے اور سات ان کے علاوہ تھے، ان حضرات نے منیٰ میں جمرہ عقبہ کے پاس گھاٹی میں آپؐ سے ملاقات کی اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے، جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو تعلیم قرآن اور احکامِ اسلام سکھلانے کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔

پھر اگلے سال جو نبوت کا تیرھواں سال تھا، حضرت مصعب بن عمیرؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر مکہ مکرمہ آئے، اس وفد میں پچھتر حضرات تھے، تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں، انھوں نے اسی گھاٹی میں نبی ﷺ سے ملاقات کی اور بیعت کی، اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے، بیعت کے بعد ان حضرات نے نبی ﷺ کو مدینہ منورہ تشریف آوری کی دعوت دی، اس طرح ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا، اور بالآخر نبی ﷺ نے ہجرت کی، اس موقع پر نبی ﷺ نے بارہ نقیب (نگران) بھی منتخب فرمائے تھے جو اپنے قبیلوں میں دعوت کے کام کے ذمہ دار تھے۔ تفصیل: طبقات ابن سعد (۱:۱۵۰) میں ہے۔

بیعت کے معنی:

۳-بَيْعَةٌ: باع يبيع بَيْعًا کا مصدر ہے، آخر میں عربی میں گول ۃ اور اردو میں لمبی ت لگاتے ہیں، اس کے معنی ہیں: فروخت کرنا، بیچنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: اپنی جان کو برضاء ورغبت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جنت کے عوض میں بیچنا۔ حضرات صحابہ نے آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر مختلف بیعتیں کی ہیں، یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت سلوک ہے، سورۂ ممتحنہ

(آیت ۱۰) میں بھی اس بیعت کا ذکر ہے۔

بیعت سلوک: نوافل اعمال کر کے جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے بیعت کی جاتی ہے، اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ نجات اخروی کے لئے بیعت سلوک ضروری نہیں، ورنہ تمام صحابہ وصحابیات یہ بیعت کرتے، آخرت میں نجات کے لئے ایمان صحیح اور اعمالِ صالحہ کافی ہیں، اور جاہلوں کا یہ خیال کہ پیر کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی صحیح نہیں۔

بیعت سلوک کے تعلق سے مختلف نظریے:

۴- جاننا چاہئے کہ بیعتِ سلوک کے تعلق سے دنیا میں تین نظریے پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ: غیر مقلدین، سلفیوں، نجدیوں اور مودودیوں کا ہے، ان کے نزدیک بیعتِ سلوک بے اصل ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

دوسرا نظریہ: بریلویوں کا ہے، وہ کہتے ہیں: آخرت میں نجات کے لئے بیعت ضروری ہے، اور جس کا کوئی پیر نہیں: اس کا پیر شیطان ہے، بلکہ ان کے جاہل تو کہتے ہیں: گونگے پیر (قرآنِ کریم) سے نجات نہیں ہوگی، بولتا پیر (زندہ پیر) چاہئے۔

تیسرا نظریہ: علمائے دیوبند کا ہے، وہ کہتے ہیں: بیعتِ سلوک کا قرآن وحدیث سے ثبوت ہے، مگر نجات اخروی کے لئے بیعت ضروری نہیں۔ نجات کا مدار ایمانِ صحیح اور اعمالِ صالحہ پر ہے۔ البتہ بیعتِ سلوک کے دو بڑے فائدے ہیں:

ایک: بیعت نوافل اعمال میں زیادتی اور اس کے ذریعہ جنت میں بلند درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ آدمی خود بھی نوافل اعمال کرسکتا ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوتا اگر خود کو کسی کے سپرد کردے تو یہ مقصد آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسرا: بیعت کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جاسکتی ہے، جس طرح ہمارا ظاہر میلا ہوتا ہے اور اس کو صاف کرنا پڑتا ہے، اسی طرح باطن بھی میلا ہوتا ہے اور اس کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ باطن کا میل اخلاق رذیلہ ہیں جس کی صفائی آنحضور ﷺ کا فرضِ منصبی تھا، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۹) میں آنحضور ﷺ کے چار فرائض بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک: ﴿یُزَکِّیهِمْ﴾: ہے یعنی مسلمانوں کے باطن کو صاف کرنا اور ان کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا، اور آپؐ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأَخْلَاقِ: میری بعثت اخلاق حسنہ کی تعلیم کے لئے ہوئی ہے، یہ مقصد بھی بیعت ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

بیعتِ سلوک کی دفعات اور اس کی تفصیلات:

۵- بیعتِ عقبہ ثانیہ میں آنحضور ﷺ نے صحابہ وصحابیات سے چھ عہد لئے تھے:

(الف) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے: شرک دو ہیں: ایک: شرک جلی ہے جس کو شرک اکبر بھی کہتے

ہیں، یہ مشرکین کا شرک ہے۔ دوسرا شرک: شرک خفی ہے، اس کی بہت سی شکلیں ہیں، مثلاً: قبر کا طواف کرنا، قبروں کو سجدہ کرنا، ان کو چومنا، صاحب قبر کی منت ماننا، صاحب قبر کی نیاز کرنا وغیرہ سب شرک کی باتیں ہیں، مگر یہ نیچے کے درجہ کا شرک ہے، اور شرک کا ادنی درجہ نام ونمود ہے، جس طرح شرک جلی سے عمل باطل ہو جاتا ہے، ریا کاری سے بھی عمل خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: میں شرکاء میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے علاوہ کو شریک کیا تو میں اس عمل سے بیزار ہوں۔ وہ عمل اسی شریک کے لئے ہے (مشکوۃ حدیث ۵۳۱۵) غرض: ہر طرح کے شرک سے بچنا چاہئے شرک جلی سے بھی اور شرک خفی سے بھی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے کیا خوب کہا ہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا خود حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے!

(ب) چوری نہیں کرو گے: شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ البالغہ میں لکھا ہے کہ کچھ بندوں کو کمانے کی اچھی راہیں نہیں ملتیں اس لئے وہ بری راہوں کی طرف چل پڑتے ہیں، چوری: کمانے کی ایسی ہی بری راہ ہے، جس طرح لڑنا اور مال غنیمت لوٹنا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا: چوریاں کرنا بھی ان کا بہترین مشغلہ تھا، اس لئے آنحضور ﷺ نے دوسرا عہد یہ لیا کہ چوری نہیں کرو گے۔

(ج) زنا نہیں کرو گے: عربوں میں زنا کوئی برائی نہیں تھی، جیسے یورپ اور امریکہ میں زنا کوئی برائی نہیں، ان کی سوچ یہ ہے کہ مرد اور عورت باہمی رضامندی سے جو چاہیں کریں سرکار کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ غرض: عربوں میں زنا عام تھا اس لئے تیسرا عہد زنا کے بارے میں لیا۔

(د) اولاد کو قتل نہیں کرو گے: قتل اولاد کا بھی عربوں میں عام رواج تھا، لڑکوں کو رزق کے ڈر سے قتل کرتے تھے اور لڑکیوں کو عار کے خوف سے، اگر لڑکی زندہ رہے گی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا جو بڑی شرم کی بات ہے، حالانکہ خود دوسرے کی لڑکی گھر میں بسائے ہوئے تھے، وہ کوئی شرم کی بات نہیں تھی۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ اور دوسری جگہ ہے: ﴿مِنْ إِمْلَاقٍ﴾ یعنی سردست تنگی ہے، کھانے کے لئے کچھ نہیں پھر اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس لئے قتل کرتے تھے۔ یہ ﴿مِنْ إِمْلَاقٍ﴾ ہے، اور فی الحال تو تنخواہ سے گذارہ ہو جاتا ہے لیکن اگر بچے زیادہ ہو گئے تو تنخواہ ناکافی ہو جائے گی اس لئے بھی قتل کرتے تھے۔ یہ ﴿خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ ہے، دونوں وجوہ میں سے کسی بھی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں۔

جاننا چاہئے کہ قتل اولاد کے بہت سے درجات ہیں: پیدا ہونے کے بعد بچہ کو مار ڈالنا، روح پڑنے کے بعد حمل گرا دینا، روح پڑنے سے پہلے حمل گرا دینا، یہ سب قتل اولاد کی شکلیں ہیں اور سب سے ادنی شکل عزل ہے یعنی مانع حمل صورتیں اختیار کرنا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے متعلق پوچھا گیا، آپؐ نے فرمایا: ذاک الْوَأْدُ الْخَفِيُّ: یہ چپکے سے بچہ کو زندہ درگور کرنا ہے (مشکوۃ حدیث ۳۱۸۹) اور جب قتل اولاد کے درجات مختلف ہیں تو

احکام بھی مختلف ہونگے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں: تحفۃ الالمعی (۳:۵۶۹-۵۷۱)

(ہ) اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بہتان گھڑ کر نہیں لاؤ گے: تفترونه بين أيديكم وارجلكم: ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں: جھوٹ گھڑنا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہیں کروگے، مثلاً: شوہر والی عورت نے زنا کیا اور اس کے حمل کو شوہر کی طرف منسوب کیا، یا کسی مرد نے شوہر والی عورت سے زنا کیا اور حمل کو اس عورت کے شوہر کی طرف منسوب کردیا یہ افتراء ہے ـــــــ افتراء کی اور بھی بہت صورتیں ہیں: کہیں کوئی بچہ گرا پڑا ملا اس کو اٹھا کر پال لیا اور کہہ دیا کہ میرا بچہ ہے، یا اسپتال میں نرس سے مل کر چپکے سے دوسرے کا لڑکا رکھ لیا اور اپنی لڑکی اس کے گود میں ڈال دی۔ یہ افتراء کی نہایت گھناؤنی صورت ہے۔

(و) کسی نیک کام میں نافرمانی نہیں کروگے: معروف: وہ کام ہے جو شرعاً جائز ہے، اور منکر: وہ کام ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔ اور مشہور حدیث ہے: لاطاعةَ لمخلوقٍ في معصية الخالق: اللہ کی نافرمانی والے کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، صرف جائز کاموں میں بڑوں کی اطاعت کرنی چاہئے، پیر بھی معروف کا حکم دے تو اطاعت کرے ورنہ نہیں۔

اس کے بعد فرمایا: جو عہد و پیمان کا لحاظ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ثواب سے نوازیں گے اور لازوال نعمت جنت کا وارث بنائیں گے، اور جو عہد و پیمان کا پاس نہیں کرے گا اور کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا، تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہیں گے تو سزا دیں گے: دنیا میں یا آخرت میں۔ اور چاہیں گے تو معاف کردیں گے وہ بڑے بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں (بخاری حدیث نمبر ۱۸)

مسئلہ: بیعتِ سلوک مرد و زن کے لئے یکساں ہے اور اس کی دفعات میں کمی بیشی کرسکتے ہیں، مثلاً ایک شخص غیبت کرتا ہے جب اس کو بیعت کریں گے تو کہیں گے: کہو: غیبت نہیں کروں گا، یا کسی علاقہ میں اغلام کی وبا عام ہے تو وہاں کے لوگوں سے یہ گناہ نہ کرنے کا بھی عہد لیں گے یا کسی جگہ میت کا ماتم کیا جاتا ہے تو وہاں کی عورتوں سے بیعت میں یہ حرکت نہ کرنے کا عہد لیں گے۔

[۴۴-] وحَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا أَخَذَ عَلَى النِّسَاءِ: أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا، وَلَا يَعْضَهَ بَعْضُنَا بَعْضًا، "فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَتَى مِنْكُمْ حَدًّا فَأُقِيمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ، وَمَنْ سَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ"

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ہم سے عہد و پیمان لیا جیسا کہ عورتوں سے عہد و پیمان لیا

(عہد و پیمان لیا کہ) ہم کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کریں گے اور نہ ہم چوری کریں گے اور نہ ہم زنا کریں گے اور نہ ہم اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ ہم ایک دوسرے پر بہتان باندھیں گے، پس تم میں سے جس نے بیعت کی شرطیں پوری کیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا پھر اس پر حد قائم کردی گئی تو وہ سزا اس کے لئے کفارہ ہے، اور جس کے گناہ کو اللہ تعالیٰ نے چھپادیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس کو عذاب دیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس کی بخشش فرمادیں گے"

[۴۵-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنِ الصُّنَابِحِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ؛ أَنَّهُ قَالَ: إِنِّي لَمِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا نَنْتَهِبَ، وَلَا نَعْصِيَ، فَالْجَنَّةُ إِنْ فَعَلْنَا ذَلِكَ فَإِنْ غَشِينَا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، كَانَ قَضَاءُ ذَلِكَ إِلَى اللّٰهِ، وَقَالَ ابْنُ رُمْحٍ: كَانَ قَضَاؤُهُ إِلَى اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ان (بارہ) نقباء میں شامل تھا جنھوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی، کہا تھا: ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں اس شرط پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گے، نہ زنا کریں گے، نہ چوری کریں گے، نہ اس نفس کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ (یعنی قصاص وغیرہ میں) نہ لوٹ پاٹ کریں گے اور نہ معاصی کا ارتکاب کریں گے پس (ہمارے لئے) جنت ہے اگر ہم نے یہ شرطیں پوری کیں، پس اگر چھا گیا ہم پر اس میں سے کچھ یعنی کسی گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور ابن رُمح کی روایت میں قضاء ذلک کے بجائے قضاءه ہے۔

۱۱- بَابٌ: جَرْحُ الْعَجْمَاءِ وَالْمَعْدِنِ وَالْبِئْرِ جُبَارٌ

چوپائے کا زخم، کھان اور کنواں رائگاں ہے

العَجْمَاءُ: کے معنی ہیں: حیوان، جُرْحٌ، اور جَرْحٌ کے معنی ہیں: زخم اور زخمی کرنا، ایک مصدر ہے، ایک حاصل مصدر ہے، جُبَارٌ کے معنی ہیں: رائگاں، هدر الذی لاضمان فیه: —— مَعدِن (بکسر الدال) کے معنی ہیں: کھان، اور بئر کے معنی ہیں: کنواں، پہلے حدیث شریف پڑھ لیں۔

[۴۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ (ح) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ"
وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ كُلُّهُمْ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ (يَعْنِي ابْنَ عِيسَى): حَدَّثَنَا مَالِكٌ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ مِثْلَ حَدِيثِهِ.
وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "چوپائے کا زخم رائگاں ہے، اور کنواں رائگاں ہے اور کھان رائگاں ہے اور رکاز میں خمس واجب ہے۔

سند: یہ حدیث ابن عیینہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے بھی ابن شہاب زہریؒ سے روایت کی ہے اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے لیث نے روایت کی ہے، یعنی تینوں حضرات نے ابن شہابؒ سے، انھوں نے ابن المسیب اور ابوسلمہ سے اور ان دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور یونس بھی ابن شہابؒ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، مگر اس کی سند مختلف ہے، اس کو ابن شہاب نے ابن المسیب اور عبید اللہ سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں چار مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: مواشی کا زخم رائگاں ہے، یعنی اگر جانور مالک کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، یا کھونٹے سے کھل جائے اور کسی کو زخمی کردے یا ہلاک کردے یا کوئی مالی نقصان کردے تو یہ خون اور نقصان رائگاں ہے، مالک پر اس کا تاوان نہیں۔ اس لئے کہ بچنے بچانے کی ذمہ داری دو طرفہ ہے مگر جب جانور تنہا ہوگیا تو اب صرف لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اور اپنے مال کی حفاظت کریں، اب جانور کوئی نقصان کرتا ہے تو مالک پر کوئی تاوان نہیں، کیونکہ وہ جانور کے ساتھ نہیں۔

اسی طرح اگر جانور کسی کھیت میں گھس جائیں اور فصل برباد کردیں تو دن میں مالک پر ضمان نہیں، کیونکہ دن میں کھیت کی حفاظت کی ذمہ داری کھیت والوں کی ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ اگر جانور رات میں کسی کا کھیت چر جائیں تو ضمان واجب ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ضمان واجب ہے اس لئے کہ رات میں مالکان مواشی پر جانوروں کی حفاظت ضروری ہے۔ ان کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے دن میں کھیت والوں پر ذمہ داری عائد کی ہے اور رات میں مالکانِ مواشی پر (ابوداؤد ۲:۵۰۲ آخر کتاب البیوع) اور حنفیہ کے نزدیک رات اور دن کا حکم یکساں ہے۔ اور وہ باب کی حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جانور کا نقصان بہر حال رائگاں ہے

یعنی اس کا ضمان نہیں۔

بہ الفاظ دیگر: راستوں پر سے گذرنا ہر ایک کا حق ہے، مگر سلامتی کی شرط کے ساتھ (درمختار) اور یہ حق ان کے جانوروں کا بھی ہے اور جانور اگر کسی کو نقصان پہنچادے جانی یا مالی تو اگر جانور کے ساتھ مالک نہ ہو تو احناف کے نزدیک وہ نقصان علی العموم رائگاں ہے، دن ہو یا رات، مالک پر کوئی ضمان واجب نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ رات ودن کا فرق کرتے ہیں، دن میں مالک پر کوئی ضمان واجب نہیں کرتے اور رات میں مالک پر ضمان واجب کرتے ہیں، اس لئے کہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ رات میں اپنے جانور باندھ کر رکھتے ہیں، پس رات میں اگر جانور کسی کو نقصان پہنچائے: جانی یا مالی تو اس میں مالک کی طرف سے تعدی ہے، پس وہ ضامن ہوگا، اور دن میں جانور چرنے کے لئے کھلے چھوڑ دیئے جاتے ہیں پس مالک کی طرف سے تعدی نہیں، پس وہ ضامن نہیں ہوگا —— ابوداؤد شریف میں مُحَیِّصہ کی روایت میں ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی اونٹنی نے ایک باغ میں جاکر نقصان کر دیا، پس نبی ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: ”دن میں باغ کی حفاظت کی ذمہ داری باغ کے مالک کی ہے اور رات میں جانور کی حفاظت کی ذمہ داری جانور کے مالک کی ہے“ یعنی آنحضور ﷺ نے دن ورات کا فرق کیا، دن میں ذمہ داری باغ کے مالک پر ڈالی اور رات میں جانور کے مالک پر، امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اور احناف نے باب میں مذکور حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، اور رات ودن کا حکم یکساں بیان کیا ہے —— اور امام مالک رحمہ اللہ نے صرف زراعت میں فرق کیا ہے، رات میں کسی کی کھیتی کو جانور چر جائے تو مالک پر ضمان واجب ہوگا، دن میں نہیں، اور دیگر چیزوں میں وہ احناف کے ساتھ ہیں، یعنی علی العموم ضمان واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر مالک جانور کے ساتھ ہو تو رات ہو یا دن ہر صورت میں ضمان واجب ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں مالک کی طرف سے تعدی ہے، البتہ اگر جانور نے پاؤں سے روندا ہے یا کھر مار کر کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا ہے تو ضمان واجب نہیں، اس لئے کہ مالک کی طرف سے تعدی نہیں، ابوداؤد شریف میں ہے: الرِّجلُ جُبَارٌ: پاؤں کا نقصان رائگاں ہے، امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مالک ساتھ ہے تو ہر صورت میں ضمان واجب ہوگا۔

ایکسیڈنٹ کا حکم:

ایکسیڈنٹ میں گاڑی چلانے والا ضامن ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں متقدمین سے کچھ مروی نہیں، گاڑی ان کے زمانہ میں نہیں تھی، اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے تکملہ فتح الملہم میں تحریر فرمایا ہے کہ: ظاہر یہ ہے کہ ڈرائیور ضامن ہوگا، خواہ آگے سے نقصان پہنچائے یا پیچھے سے یا سائڈ سے، دن ہو یا رات، اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ چوپایہ اپنے

ارادہ واختیار سے حرکت کرتا ہے، پس کھر مارنا یا روندنا راکب کی جانب منسوب نہیں ہوگا، برخلاف گاڑی کے، وہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں ہوتی، اس کی تمام حرکات ڈرائیور کی جانب منسوب ہوتی ہیں، پس وہ ہر صورت میں ضامن ہوگا واللہ اعلم

فائدہ: بعض علماء نے اس کو عرف پر محمول کیا ہے، جہاں کا جیسا عرف ہوگا اس کے مطابق حکم ہوگا، دارقطنی میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ما أصابت الإبل بالليل ضمن اهلها، وما أصابت بالنهار فلا شيء فيها وما أصابت الغنم بالليل والنهار غرم أهلها: یعنی اونٹ اگر رات میں نقصان کرے تو مالک ضامن ہوگا اور دن میں نقصان کرے تو کوئی ضمان نہیں، اور بکری اگر نقصان کرے خواہ رات میں خواہ دن میں تو مالک ضامن ہوگا، عام طور پر لوگ اونٹوں کو اور گایوں اور بھینسوں کو دن میں چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور رات میں گھر میں لاکر باندھ دیتے ہیں اور بکریوں کو آزاد نہیں چھوڑتے، بلکہ ان کے ساتھ رہتے ہیں، پس بکریوں میں ہر صورت میں ضمان واجب ہوگا، وہاں مالک کی طرف سے تعدی ہے اور اونٹوں اور گایوں اور بھینسوں میں رات و دن کا فرق ہوگا، اور عرف کچھ اور ہو تو اسی کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ: کنواں رائگاں ہے، اس کا مطلب ہے کہ کنواں کھودتے وقت اگر کوئی مزدور گر کر ہلاک ہوجائے تو مالک پر اس کی دیت نہیں وہ خون رائگاں ہے، البتہ مالک کو برضاء ورغبت ہلاک ہونے والے کے پسماندگان کی اعانت کرنی چاہئے۔

فائدہ: اگر اپنی زمین میں کنواں کھودا یا غیر کی زمین میں مالک کی اجازت سے کنواں کھودا یا مباح زمین میں امیر وحاکم کی اجازت سے کنواں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا یا کنواں کھودنے والا مزدور دورانِ عمل کنویں میں گر کر مر گیا تو وہ خون رائگاں ہے، کنویں کے مالک پر کوئی ضمان واجب نہیں، البتہ اگر غیر کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کنواں کھودایا مباح زمین میں امیر وحاکم کی اجازت کے بغیر کنواں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو ضمان واجب ہوگا یعنی عاقلہ پر دیت اور اس کے مال میں کفارہ واجب ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: مَعدِن (بکسر الدال) رائگاں ہے۔ معدِن: کھان۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو قدرتی خزانہ ملے تو وہ رائگاں ہے، یعنی اس میں حکومت کا حصہ نہیں، یعنی گورنمنٹ اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں لے گی، سارا خزانہ پانے والے کا ہے۔ اور اس میں زکوٰۃ واجب ہے یعنی اگر سونے یا چاندی کی کھان ملی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے اور کوئلہ، تانبا، پیتل یا لوہے وغیرہ کی کھان ملی ہے تو اس میں زکوٰۃ بھی نہیں۔ جب تک وہ فروخت نہ ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک قدرتی خزانوں میں بھی خمس واجب ہے ان کے نزدیک یہ چیزیں بھی رکاز میں داخل ہیں۔ اور ان کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھان میں کوئی حادثہ پیش آئے اور کسی کا جانی نقصان ہوجائے تو کھان کے مالک پر اس کا کوئی ضمان نہیں۔

چوتھا مسئلہ: رکاز میں خمس ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکاز: صرف دفینے (کنز) ہیں، لہٰذا اگر کسی شخص کے ہاتھ

دفینہ لگے تو وہ بحکم لقطہ ہے، اس پر مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ مالک نہ ملے تو پانچواں حصہ حکومت لے گی اور چار حصے پانے والے کے ہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق قدرتی خزانوں پر بھی ہوتا ہے پس کھانوں میں بھی حکومت پانچواں حصہ لے گی۔ اور چار حصے پانے والے کے ہیں۔ پھر وہ خزانہ اگر زکوۃ کی جنس سے ہے تو زکوۃ بھی واجب ہے اور اگر زکوۃ کی جنس سے نہیں ہے تو جب تک وہ فروخت نہ ہو کچھ واجب نہیں۔

فائدہ (۱): رِکاز: رَکَزَ الأرض سے ہے، اس کے معنی ہیں: زمین میں گاڑنا، اور مراد ہے خزانہ، خزانے دو قسم کے ہیں: ایک: وہ جو انسانوں نے زمین میں گاڑے ہیں، ان کو دفینہ (کنز) کہتے ہیں، دوسرے: وہ جو قدرت نے زمین میں پیدا کئے ہیں، جیسے سونا، چاندی، لوہا اور کوئلہ وغیرہ کی کھانیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکاز صرف دفینے ہیں قدرتی کھانیں رکاز نہیں ہیں، اور احناف کے نزدیک دونوں رکاز ہیں۔

فائدہ (۲): جمہور کہتے ہیں کہ اگر قدرتی کھان بھی رکاز کا مصداق ہوتی تو مذکورہ حدیث شریف میں ضمیر ہوتی اسم ظاہر نہیں، یعنی وفیہ الخمس ہوتا، اسم ظاہر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ معدن (قدرتی کھان) رکاز نہیں۔

جواب: یہاں جو ترتیب ہے حدیث شریف صرف اسی ترتیب پر مروی نہیں، اس کے برخلاف ترتیب پر بھی مروی ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں معدن کا ذکر پہلے ہے اور بئر (کنواں) کا بعد میں، اگر اسم ضمیر لاتے تو وہاں اشتباہ پیدا ہوتا ——— علاوہ ازیں: یہ ضروری نہیں کہ نبی ﷺ نے چاروں احکام بیک وقت بیان کئے ہوں، ممکن ہے کہ آپؐ نے مختلف اوقات میں یہ احکام بیان کئے ہوں جس کو کسی راوی نے جمع کر کے ایک ساتھ روایت کیا ہو ——— اور دوسرا جواب: یہ ہے کہ حسن کلام کے لئے بھی کبھی اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لاتے ہیں، چنانچہ سورۃ والناس میں اسم ظاہر الناس کو پانچ بار مکرر لایا گیا ہے، کیونکہ اسی سے کلام میں حُسن پیدا ہوا ہے، اگر وہاں اسم ضمیر لاتے تو وہ حسن پیدا نہ ہوتا، اور یہ ظاہر ہے، یہاں بھی اسی لئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔ واللہ اعلم

فائدہ (۳): مذکورہ حدیث شریف میں جو رکاز کا مَعدِن پر عطف ہے اس سے بھی ائمہ ثلاثہ کا استدلال ہے اس طرح کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے، معلوم ہوا کہ معدن اور رکاز دو جدا جدا حقیقتیں ہیں ——— اور اس کا جواب یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں من وجہٍ مغایرت کافی ہے من کل الوجوہ مغایرت ضروری نہیں، اور لفظوں کا اختلاف بھی من وجہٍ مغایرت ہے۔

فائدہ (۴): احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب کوئی علاقہ فتح کر لیا تو کفار کے تمام اموال اور اراضی مال غنیمت ہیں، پس جو خزانہ ملے خواہ قدرتی خزانہ ہو یا دفینہ: سب میں خمس واجب ہوگا۔

احناف کے دلائل:

(۱) موطا محمد میں مرفوعاً مروی ہے: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: وفی الرِّکاز الخُمسُ، فقیل یارسول اللہ! وما الرِّکازُ؟ قال: المالُ الذی خَلَقَہ اللّٰہُ فی الْأرضِ یَومَ خلق السماوات والأرض، فی ھذہ

المعادن ففیھا الخمس: یعنی نبی ﷺ نے فرمایا: ’’رکاز میں خمس واجب ہے‘‘ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! رکاز کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’ہر وہ مال رکاز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں گاڑا ہے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، اس معادن (گاڑے ہوئے مال) میں خمس ہے، یعنی ہر وہ مال جو زمین میں گاڑا گیا ہو خواہ اللہ تعالیٰ نے گاڑا ہو یا بندوں نے وہ سب رکاز ہے اور اس میں خمس واجب ہے —— (۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: الرکاز الذی ینبت فی الأرض: رکاز وہ ہے جو زمین میں پیدا کیا گیا ہو، یہ حدیث بیہقی میں ہے —— امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الخراج میں مرفوعاً یہ حدیث ہے: وفی الرّکاز الخمس، فقیل: ما الرکاز یارسول اللہ! فقال: الذھب والفضۃ الذی خلقہ اللہ تعالیٰ فی الأرض یوم خُلقت: نبی ﷺ نے فرمایا: رکاز وہ سونا اور چاندی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے جب زمین پیدا کی گئی۔

غرض: ان تمام احادیث میں قدرتی کھانوں کو رکاز کہا گیا ہے اور ان میں خمس واجب ہونے کی بات ہے، احناف کی یہ صریح دلیلیں ہیں۔ واللہ اعلم

[۴۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَالَ: "الْبِئْرُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جَرْحُهُ جُبَارٌ، وَالْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ"

وحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَّامٍ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ ح و حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اسود بن العلاء نے بھی بواسطہ ابو سلمہ روایت کی ہے، گذشتہ حدیث ابن شہابؒ کی روایت کردہ تھی، انھوں نے ابن المسیب اور ابو سلمہ کے واسطہ سے بھی روایت کی تھی اور ابن المسیب اور عبید اللہ کے واسطہ سے بھی اور یہاں یہ حدیث اسود بن العلاء نے صرف ابو سلمہ کے واسطہ سے روایت کی ہے —— اور یہاں حدیث میں چاروں احکام میں ترتیب دوسری ہے، پس اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے ذریعہ نیز عطف کے ذریعہ استدلال کمزور ہے، تفصیل ابھی گذری۔

اور محمد بن زیاد نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان سے شعبہ اور معاذ روایت کرتے ہیں۔

الحمد للہ! کتاب الحدود کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰- كِتَابُ الأَقْضِيَةِ

عدالتی احکام

أَقْضِيَة: قَضَاء کی جمع ہے، قَضَى يَقْضِيْ قَضَاءً وَقَضِيَّةً کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، الأمرَ له أو عليه: موافق یا مخالف فیصلہ کرنا —— عدالت میں جب کوئی مقدمہ آئے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے، اگر وہ گواہ پیش کردے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے، اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے یا ناتمام پیش کرے (ایک گواہ پیش کرے) یا وہ گواہ قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں اور قاضی مدعیٰ علیہ کو قسم کھلائے پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے۔

دعوی، مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریفیں:

دعوى: قول مقبول عند القاضي يقصد به طلب حق قبل غيره أو دفعه عن حق نفسه: یعنی دعوی وہ قول ہے جو قاضی کے نزدیک مقبول ہو جس کے ذریعہ غیر سے پہلے کوئی حق طلب کرنا یا غیر سے اپنا حق دفع کرنا مقصود ہو —— مدعی: جس کی بات ظاہر کے خلاف ہو یا جو زائد کا دعوی کرے —— مدعیٰ علیہ: جس کی ظاہر موافقت کرے یا جو زائد کا انکار کرے۔

چند ضروری فوائد .... نظامِ عدالت ناگزیر ہے:

۱- لوگوں کے درمیان نزاعات بکثرت پیش آتے ہیں، جو سخت ضرر رساں ہوتے ہیں۔ وہ بغض وعداوت پیدا کرتے ہیں، اوران سے آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ حقوق کی پامالی کی شدید حرص پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ اس بات پر ابھارتی ہے کہ آدمی کسی دلیل کی پیروی نہ کرے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر علاقہ میں ایسے حضرات بھیجے جائیں جو حق کے ساتھ لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کریں۔ اور طاقت کے ذریعہ لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ ان فیصلوں پر عمل کریں۔ خواہ فیصلے ان کو پسند ہوں یا نہ ہوں، چنانچہ نبی ﷺ قاضیوں کو بھیجنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور بعد میں بھی مسلمان برابر اس کا اہتمام کرتے رہے ہیں۔ غرض: نظام عدالت انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین کے دوسرے ابواب کی

طرح اس باب میں بھی اپنے عمل اورارشادات کے ذریعہ پوری راہ نمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب اجتماعیت کی شکل پیدا ہوئی تو آپؐ نے نظام عدالت قائم فرمایا۔ آپؐ بذاتِ خود قاضی تھے۔ نزاعی معاملات آپؐ کے سامنے پیش ہوتے، اور آپ ان کا فیصلہ فرماتے۔ اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے۔ پھر جب یمن کا علاقہ اسلامی قلم رو میں آگیا تو آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا۔ پھر بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ خلفائے راشدین نے ہمیشہ ہی نظام عدالت کی طرف خصوصی توجہ مبذول رکھی ہے تا کہ حقداروں کو ان کے حقوق ملتے رہیں (ماخوذ از معارف الحدیث ۷:۱۹۸)

قضاء کے لئے ہدایات وقوانین:

لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے میں چونکہ ظلم وجور کا احتمال ہے، اس لئے نبی ﷺ نے قاضیوں کو سخت تاکید فرمائی ہے کہ وہ قضا کی ذمہ داری امکان بھر عدل وانصاف اور خداترسی کے ساتھ انجام دیں۔ اور جانبداری اور ناانصافی کرنے والوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا، اور سخت وعیدیں سنائیں۔ اور ایسی ہدایات اور ایسے قوانین بنائے جو فیصلوں کے لئے بنیاد بنیں۔ اس سلسلہ کے ارشادات کتبِ احادیث میں ہیں اور بعض یہاں بھی ہیں۔

قاضی دین دار عالم ہو:

۳- قضاء کا مستحق وہ شخص ہے جس میں دو باتیں ہوں: ایک: دیندار، ظلم وجور کے جذبے سے پاک ہو۔ اور اس کی یہ خوبی لوگ بخوبی جانتے ہوں۔ دوسری: عالم ہو، جو حق بات کو جان سکتا ہو، خاص طور پر قضاء کے مسائل سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی شخص قضاء کا اہل کیوں ہے: یہ بات واضح ہے۔ کیونکہ قاضی کے تقرر سے جو مقصد پیشِ نظر ہے: وہ ان دو باتوں کے ذریعہ ہی تکمیل پذیر ہوسکتا ہے۔

قضاء میں دو مقام:

۴- کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں دو باتوں کی ضرورت پیش آتی ہے: ایک: جس چیز میں نزاع ہے اس کی حقیقت حال جاننا۔ دوسری: منصفانہ فیصلہ کرنا ـــــ اور حقیقت حال جاننے کا بہترین ذریعہ گواہیاں اور قسم ہے، کیونکہ صورتِ حال کا پتہ یا تو اس شخص کی اطلاع سے ہوسکتا ہے جو واقعہ میں حاضر تھا یہی گواہ ہے یا جو شخص حال سے واقف ہے وہ قسم کھا کر اطلاع دے، کیونکہ جب وہ قسم کھا کر بات بتلائے گا تو ظن غالب یہ قائم ہوگا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا، چنانچہ احادیث مبارکہ میں فیصلہ کا مدار انہی دو باتوں پر رکھا گیا ہے۔

گواہوں کا معتبر ہونا ضروری ہے:

۵- گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے، اگر گواہ غیر عادل ہیں تو ان کی گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ سورۃ الطلاق کی

آیت ۲ میں ہے: ''اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو'' اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں ہے: ''ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو'' ان دونوں آیتوں سے گواہوں کا عادل اور پسندیدہ ہونا ثابت ہوا۔

اور دورِ اول میں لوگوں میں عدالت غالب تھی، اس لئے تزکیہ کی ضرورت نہیں تھی، بخاری شریف (باب ۵) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگ عہدِ نبوی میں وحی کے ذریعہ پکڑے جاتے تھے، یعنی کون گواہ معتبر ہے کون غیر معتبر؟ اس کا علم وحی سے ہوجاتا تھا، اور اب وحی منقطع ہوگئی، اب ہم لوگوں کو ان کے اعمال سے جو ہمارے لئے ظاہر ہوتے ہیں پکڑتے ہیں یعنی ہم ظاہری احوال کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں، پس جو ہمارے لئے خیر کو ظاہر کرتا ہے ہم اس پر مطمئن ہوجاتے ہیں اور اس کو ہم نزدیک کرتے ہیں، یعنی جو شخص بہ ظاہر دین دار نظر آتا ہے ہم اس کو دین دار سمجھتے ہیں۔ اور ہم اس کے باطن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کے بارے میں اس سے داروگیر کریں گے، اور جو ہمارے لئے کوئی برائی ظاہر کرتا ہے ہم اس پر اطمینان نہیں کرتے، نہ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں، اگرچہ وہ کہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے زمانہ تک گواہوں کا تزکیہ نہیں کیا جاتا تھا، گواہوں کا ظاہر حال دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا تھا، پھر جب لوگوں کے احوال بدلے تو تمام ائمہ نے کہا کہ اب گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے، گواہ دین دار ثابت ہوں تبھی قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کرے گا، پھر امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے زمانہ تک حالات زیادہ خراب نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے انھوں نے کہا: ایک مزکّی کا تزکیہ کافی ہے، پھر جب حالات اور بگڑے تو امام محمد اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے کہا کہ کم از کم دو مزکّی ہونے ضروری ہیں۔

اور اب تزکیہ کی صورت یہ ہوگی کہ قاضی گواہوں کے نام اور پتے خفیہ محکمہ کو بھیجے گا اور ان سے رپورٹ طلب کرے گا، وہ لوگوں سے تحقیق کرکے رپورٹ دیں گے، اگر رپورٹ یہ آئی کہ گواہ معتبر ہیں تو قاضی ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرے گا، ورنہ مدعی سے کہے گا: دوسرے گواہ لاؤ، وہ نہ لاسکے تو مدعیٰ علیہ کے انکار پر فیصلہ کرے گا۔

کارِ قضاء کی فضیلت:

۶- دراصل نظام قضاء کا قیام امت کا اجتماعی فریضہ یعنی فرض کفایہ ہے، اسی لئے کسی زمانہ میں اگر ایک ہی شخص اس عہدہ کا اہل ہو تو اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا واجب ہے، جہاں عہدہ قضاء کی طلب ایک مذموم بات ہے، سوائے اس کے کہ اس کے سواء اور کوئی شخص اس کام کے لائق نہ ہو، وہیں طلب وخواہش کے بغیر اگر یہ ذمہ داری سونپی جائے، تو علم وعدل کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا جائے تو اسی قدر اس پر اجر وثواب بھی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قیامت کے دن ان لوگوں کو سایۂ خداوندی میں شرف سبقت کی خوشخبری سنائی جو مسلمانوں کے لئے اسی طرح منصفانہ فیصلہ کرے جیسا اپنے لئے کرسکتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

میرے نزدیک ایک دن کار قضاء کی انجام دہی ستر سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے، مشہور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو قابل رشک قرار دیا، ان میں سے ایک وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت ودانائی عطاء فرمائی ہے، وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرے اور خود اس پر عمل کرے۔

قاضی مقرر کرنے کا حق:

۷- قاضی مقرر کرنے کا حق اصل میں مسلمانوں کے فرماں روا (امام المسلمین) کا ہے؛ کیونکہ اس کو تمام مسلمانوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے، اگر کسی شخص کو ایک بہت بڑے علاقے پر قاضی مقرر کیا گیا ہو، جس کے لئے اس پورے علاقے کے مقدمات کو فیصل کرنا دشوار ہو تو اس کی اور امیر کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کے دور دراز علاقوں کے لئے علاحدہ علاحدہ قضاۃ مقرر کردیں، اور اگر ملک کا دار الخلافہ ان علاقوں سے بہت دور ہو اور قاضی وہاں سے قریب ہو، تو پھر یہ فریضہ قاضی سے متعلق ہوگا، اس قاضی کو اصطلاع میں "قاضی اقلیم" کہتے ہیں۔

تاہم اگر کسی علاقہ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہوجائے، اور زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ رہے تو وہاں نصب قاضی کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ اگر حکومت نے کسی مسلمان کو مسلمانوں پر ذمہ دار مقرر کردیا ہو، تو وہ ذمہ دار قاضیوں کا تقرر کرے ــــــ اور اگر حکومت کی طرف سے کسی مسلمان کو بحیثیت ذمہ دار مقرر نہ کیا گیا ہو، تو پھر مسلمانوں پر شرعی فریضہ ہے کہ وہ خود باہمی اتفاق رائے سے ایک امیر منتخب کرلیں، اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہوگا ــــــ اور اگر خدانخواستہ مسلمان اپنے اوپر کسی امیر کے انتخاب میں بھی ناکام رہیں، تو پھر مسلمانوں میں ارباب حل وعقد باہمی اتفاق سے کسی شخص کو قاضی مقرر کرلیں، چنانچہ ابن فرحون مالکی نے اصحاب رائے کو بھی قاضی مقرر کرنے کا اہل قرار دیا ہے۔

قاضی کا دائرہ عمل:

۸- قاضی کا تقرر کرتے ہوئے اس کے دائرہ عمل کو عام بھی رکھا جاسکتا ہے اور محدود بھی، عام رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے ملک کے لئے اور ملک کے تمام طبقات کے لئے قاضی ہو، اور محدود سے مراد یہ ہے کہ ایک علاقہ یا ایک نسل کے لوگوں کے ساتھ اس کا دائرۂ اختیار محدود ہو، ایسی صورت میں وہ اپنے متعینہ حلقہ میں ہی کارِ قضاء انجام دے سکتا ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ قاضی کے لئے مقدمات کی نوعیت بھی متعین اور محدود کردی جائے، مثلاً کسی قاضی سے معاملات جیسے نکاح، خرید وفروخت کا معاملہ متعلق ہو، کسی قاضی کا تعلق وقف ووصیت سے ہو، کوئی حدود یعنی جرائم اور سزاؤں کے مقدمات کو دیکھے۔

قاضی کے اوصاف:

۹- عہدۂ قضاء پر ایسے شخص کو مامور کرنا چاہئے، جو مسلمان ہو، کافر نہ ہو، عاقل ہو، خلل دماغی کا مریض نہ ہو، بالغ ہو، نابالغ بچہ نہ ہو، عادل یعنی معتبر اور قابل اعتماد شخص ہو، عقیدہ یا عمل کے اعتبار سے فاسق نہ ہو، احکام شرعیہ سے واقف ہو، بینا

ہو، نابینا نہ ہو، قوت سماعت درست ہو، بہرا نہ ہو، گویا ہو، گونگا نہ ہو، ان میں بعض شرطیں تو وہ ہیں جو قاضی کے لئے لازم ہیں اور بعض باتیں شرط کے درجہ میں نہیں ہیں، لیکن ان کی رعایت کی جانی چاہئے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں گو ایسے شخص کو بھی قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے، جو احکام شرعیہ پر عبور نہ رکھتا ہو، جس کو فقہاء نے جاہل سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ وہ اہل علم سے فتوے لے کر صحیح رائے قائم کرسکتا ہے، لیکن ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا مناسب نہیں۔

قاضی کے احکام شرعیہ سے آگاہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے اس حصہ سے واقف ہو جو احکام شرعیہ پر مشتمل ہو، ترغیب وترہیب کی روایات پر نگاہ ضروری نہیں، اسے قیاس اور اجتہاد سے بھی واقف ہونا چاہئے، نہ ایسا محدث ہو کہ فقہ سے محروم ہو، اور نہ ایسا فقیہ ہو کہ حدیث سے تہی دامن ہو، بلکہ فقہ اور احادیث وآثار دونوں پر نگاہ ہو، چونکہ قرآن وحدیث اور فقہی مراجع کی زبان عربی ہے، عربی زبان کے اصول وقواعد سے واقفیت ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے محاورات سے واقف ہو، تاکہ لوگوں کے دعوئی، شہادت اور اقرار کو صحیح طور پر سمجھ سکے، اس کو ذہین، فطین اور معاملہ فہم بھی ہونا چاہئے، تاکہ مقدمات کی روح تک پہنچنا اس کے لئے آسان ہوجائے، نیز دوسرے اہل علم اور اصحابِ نظر سے مشورہ کرنے سے گریز نہ ہو۔

اسی طرح قاضی ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہئے جو عادل ہو ـــــ لیکن اگر فاسق کو قاضی مقرر کردیا گیا جب بھی نصبِ قاضی کا فریضہ ادا ہوجائے گا اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

اکثر فقہاء کے نزدیک خواتین قاضی نہیں بن سکتیں، ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کے برخلاف ہر طرح کے مقدمات میں خواتین کو قضاء کا اہل قرار دیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حدود وقصاص کے مقدمات میں عورت قاضی نہیں بن سکتی، لیکن دوسرے مقدمات میں وہ قاضی ہوسکتی ہے، البتہ خود حنفیہ کے یہاں بھی عورت کو عہدۂ قضاء پر مأمور کرنا باعث گناہ ہے۔

ملحوظہ: آخری چار فائدے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی قاموس الفقہ (۵۱۲:۴) سے مأخوذ ہیں۔

۱- بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

مدعی علیہ پر قسم ہے گواہ اس کے ذمہ نہیں

عدالت میں مدعی کو گواہ پیش کرنے ہوتے ہیں، صرف دعوی کافی نہیں، اور مدعی علیہ کے ذمہ گواہ نہیں، اس کا انکار کافی ہے، اور دلیل دو آیتیں ہیں:

پہلی آیت: آیت مداینہ ہے، یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ ہے، ارشاد پاک ہے: اے ایمان والو! جب تم کوئی ادھار کا

معاملہ کرنے لگو ایک معین مدت تک کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو، یعنی دستاویز بنالو۔ پھر آگے ہے: اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بنالو یعنی دستاویز میں یہ گواہیاں بھی ثبت کرلو۔ گواہ اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ وقت ضرورت کام آئیں، یہ دستاویز قرض دینے والے کے پاس رہے گی، مقروض اپنے پاس کیوں رکھے گا؟ اور قرض خواہ ہی بوقت دعوی دستاویز اور گواہیاں پیش کرے گا، پس ثابت ہوا کہ مدعی کے ذمہ گواہیاں پیش کرنا ہے۔

دوسری آیت: سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ ہے: ''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ گواہی اپنی ذات کے خلاف ہو، یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو، اگر وہ شخص امیر ہو یا غریب تو اللہ تعالیٰ کا دونوں سے زیادہ تعلق ہے، پس تم خواہش نفس کی پیروی مت کرو، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کروگے یا پہلوتہی کروگے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں'' اس آیت میں ﴿شُهَدَاءَ لِلّٰهِ﴾ سے استدلال ہے کہ مدعی کے ذمہ گواہی پیش کرنا ہے اور جن کے خلاف گواہی دی جارہی ہے ان کے ساتھ تعلقات کا گواہی میں لحاظ نہیں کرنا چاہئے۔

[۱-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ"

[۲-] و حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق دیا جانے لگے تو البتہ لوگ دوسروں کے خون اور مالوں کا دعوی کردیں گے، لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے''

سند: یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی ملیکہؒ نے روایت کی ہے اور ان سے نافع بن عمر اور ابن جریج روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کا متن یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے مدعیٰ علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمایا'' یعنی مدعی کے ذمے گواہ کئے اور مدعی علیہ کے ذمے قسم۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر محض دعوی کی بنیاد پر لوگوں کو ان کی مطلوبہ چیز دلوائی جائے گی تو لوگ ہر کسی پر دعوی ٹھوک دیں گے، اور لوگوں کے اموال برباد ہوجائیں گے، اس لئے مدعی پر گواہ لازم کئے گئے ہیں۔

فائدہ (۱): مدعی پر گواہ لازم ہیں: یہ مشہور بات تھی اس لئے حدیث شریف میں صرف مدعی علیہ پر قسم لازم ہونے کی بات ذکر کی گئی، کیونکہ متقابلات میں فہم سامع پر اعتماد کرکے آدھا مضمون چھوڑ دیا جاتا ہے، اور مشہور کو چھوڑا جاتا ہے، اور

غیر مشہور کوذکر کیا جاتا ہے، اس کی پہلے بہت مثالیں گذری ہیں۔

کیا مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی؟

فائدہ (۲): اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو فیصلہ مدعی علیہ کی قسم پر ہوگا، لیکن اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو کیا مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے، امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مدعی پر قسم لوٹائی نہیں جائے گی، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف دعویٰ مال میں مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی دیگر دعووں میں نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک علی العموم مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی، خواہ دعویٰ مال ہو یا کوئی اور مقدمہ ہو۔

استدلال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: أن النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَدَّ الیمینَ علی طالب حق: یعنی نبی ﷺ نے مدعی پر قسم لوٹائی (دار قطنی) ـــــ یہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا مستدل ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اور خود ابن عمرؓ کا واقعہ اس کے خلاف ہے، انھوں نے ایک غلام بیچا تھا اور براءت کی شرط لگائی تھی، پھر مشتری نے کسی عیب کی وجہ سے غلام لوٹانا چاہا تو ابن عمرؓ نے انکار کیا، ان کے خیال میں مشتری کو خیارِ عیب نہیں تھا، مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا، آپؓ نے ابن عمرؓ سے قسم کا مطالبہ کیا، انھوں نے انکار کیا، پس حضرت عثمانؓ نے بیع فسخ کردی اور مدعی پر قسم نہیں لوٹائی۔

علاوہ ازیں: مشہور حدیث ہے: البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه: یہاں الف لام جنسی یا استغراقی ہے، کیونکہ معہود نہیں ہے، یعنی ہر صورت میں مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے، نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے، پس حصر مفہوم ہوگا، اور کسی صورت میں مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔

۲- بَابُ الْقَضَاءِ بِالْيَمِينِ وَالشَّاهِدِ

ایک گواہ کی موجودگی میں قسم سے فیصلہ کرنا

قسم مدعی علیہ ہی سے لی جائے گی، مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، حنفیہ اسی کے قائل ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

بہ الفاظِ دیگر: فیصلہ کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تین؟ حنفیہ کے نزدیک دو صورتیں ہیں: ایک: مدعی گواہ پیش کرے، اگر اس کے گواہ عدد اور عدالت کی شرط پوری کریں تو قاضی اس پر فیصلہ کرے، اور اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہے تو بیکار ہے۔ دوم: قسم صرف مدعی علیہ سے لی جائے، مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فیصلہ کی تین صورتیں ہیں: اول: مدعی کے پاس دو گواہ ہوں تو اس پر فیصلہ ہوگا۔ دوم: مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی

جائے اور اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ سوم: مدعی کے پاس مطلق گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جائے۔

[۳-] وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا زَيْدٌ، وَهُوَ ابْنُ حُبَابٍ، حَدَّثَنِي سَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَىٰ بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم کا فیصلہ کیا۔

تشریح: اس حدیث کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا، آنحضور ﷺ نے دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی، اس لئے ان کے نزدیک اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو قاضی دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ کے ساتھ یعنی اس کی موجودگی میں نبی ﷺ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا یعنی مدعی کے ایک گواہ کو کالعدم قرار دیا، اس لئے کہ ایک گواہ نصاب شہادت سے کم ہے، غرض اس حدیث کا محمل متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔

فائدہ: ابوداؤد (۲:۵۰۸ باب القضاء باليمين والشاهد) میں ایک لمبی حدیث ہے اس سے ائمہ ثلاثہ کے فہم کی تائید ہوتی ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ آپؐ نے اس واقعہ میں فیصلہ یہ کیا تھا کہ جاؤ، چیز آدھی آدھی بانٹ لو (اذهبوا، فقاسموهم أنصاف الأموال) پس یہ مصالحت ہوئی، دوٹوک فیصلہ نہیں ہوا[1]۔

(۱) ابوداؤد شریف میں پورا واقعہ اس طرح ہے کہ بلعنبر کے لوگوں نے حضرت زبیبؓ کے قبیلہ پر حملہ کیا، عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنالیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنالیا، زبیب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ مسلمان ہو چکے تھے، آپؐ کی فوج نے ہم پر حملہ کیا اور ہمارے بیوی بچوں کو گرفتار کرلیا اور ہمارے مالوں کو غنیمت بنالیا یعنی جب ہم مسلمان ہو چکے تھے تو ہمارے مالوں کو غنیمت بنالینا اور عورتوں و بچوں کو غلام باندی بنالینا صحیح نہیں، پس ہمیں ہمارے اموال اور بیوی بچے واپس دلوائے جائیں، جب بلعنبر کے لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے زبیب سے فرمایا: ''تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: جی ہاں اور سمرہ کو جن کا بلعنبر سے تعلق تھا اور ایک دوسرے شخص کو بطور گواہ پیش کیا، دوسرے شخص نے تو گواہی دی مگر سمرہ نے گواہی سے انکار کردیا، آپؐ نے زبیب سے فرمایا: ''تم لوگ ایک گواہ کے ساتھ قسم کھاؤ گے؟'' انھوں نے عرض کیا: جی ہاں اور انھوں نے قسم کھائی، پس آپؐ نے بطور صلح فوج اور ان کی قوم کے درمیان مال کو تقسیم کردیا، اور اولاد سے تعرض کرنے سے منع فرمادیا، یعنی آپؐ نے اولاد کو مالِ غنیمت قرار نہیں دیا اور اموال کو آدھا آدھا تقسیم فرمایا، پس ←

احناف کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے مگران کا استدلال تام نہیں، کیونکہ حدیث شریف کی مراد واضح نہیں، اور حنفیہ کا درج ذیل دلائل سے استدلال ہے۔

۱- مشہور حدیث ہے: البينةُ على المدّعِي واليمين على المدّعى عليه: اسی کے ہم معنی گذشتہ باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گذری: قَضَى أن اليمينَ على المدعى عليه: دونوں حدیثوں کا مدعیٰ یہی ہے کہ: ''گواہ مدعِی کے ذمے ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمے ہے'' ان میں نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے، پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہونگے یہ تقسیم کے منافی ہے۔

۲- نبی ﷺ نے حضرت اشعث ؓ سے فرمایا: شاهداک او يمينه: تم دو گواہ پیش کرو ورنہ ہم مدعی علیہ سے قسم لیں گے (ترمذی) اس میں صاف ہے کہ مدعی کے ذمہ دو گواہ ہیں اگر وہ دو گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔

۳- ابوالزناد اور ابن شبرمہ کا واقعہ ہے جو بخاری شریف (كتاب الشهادات باب ۲۰) میں ہے ابن شبرمہ ؒ: کوفہ کے قاضی ہیں، بڑے آدمی ہیں، مجتہد ہیں، ہدایہ میں ان کے اقوال آئے ہیں، اور ایک دوسرے بڑے آدمی مدینہ کے قاضی ابو الزناد ؒ ہیں، اور حجازی فقہاء کے نزدیک فیصلہ کے تین طریقے ہیں اور عراقی فقہاء کے نزدیک دو طریقے ہیں، چنانچہ اس مسئلہ میں دونوں قاضیوں میں گفتگو ہوئی کہ اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قاضی ابوالزناد نے کہا: کیا جاسکتا ہے، اور انھوں نے باب کی حدیث پیش کی کہ نبی ﷺ نے ایک معاملہ میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ کیا، پس قاضی ابن شبرمہ نے قرآن سے دلیل پیش کی، قرآن میں ہے: اگر کوئی اہم معاملہ ہو تو مردوں میں سے دو گواہ بنالو، اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو، قاضی ابن شبرمہ ؒ نے کہا: اگر ایک مرد اور مدعی کی قسم سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے تو دو عورتوں کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور دو بھی اس لئے کہ ایک بھولے تو دوسری اس کو یاد دلائے، اس کی سرے سے ضرورت نہیں، ایک مرد گواہ ہے، اور دوسرے کی جگہ مدعی سے قسم لی جائے گی؟ قاضی ابوالزناد اس دلیل کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

۴- ابن ماجہ میں عمرو بن شعیب، عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے کہ ایک طلاق کے مقدمہ میں نبی ﷺ نے مدعی کے پاس ایک گواہ ہونے کے باوجود مدعی علیہ سے قسم لی ___ غرض: یہ سب احناف کے مستدلات ہیں، ان میں صاف یہ بات ہے کہ مدعی کے ذمے گواہ ہے اور مدعی علیہ کے ذمے قسم ہے، پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہونگے، یعنی اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم نہیں لیں گے بلکہ مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا، اور باب کی

← یہ مصالحت ہوئی، دوٹوک فیصلہ نہیں ہوا، اگر آپ ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ فرماتے تو سارا مال واپس دلاتے، مگر آپ ؐ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ان کے درمیان مصالحت کرائی۔

حدیث محکم الدلالہ نہیں، پس وہ استدلال کے قابل نہیں۔ واللہ اعلم

فوائد:

۱۔ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لینے کی بات روایت کی گئی ہے، جو دارقطنی اور ابن ماجہ میں ہیں، مگر وہ روایتیں منقطع اور غیر صحیح ہیں۔

۲۔ مدعی علیہ پر یمین ہے، مگر چند چیزوں میں: نکاح، رجعت، فئ، ایلاء، رقیت، ام ولد ہونا، نسب اور ولاء میں مدعی علیہ پر یمین نہیں، اور صاحبین کے نزدیک ان سب میں یمین ہے اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے اور حدود ولعان میں بالاتفاق یمین نہیں۔

۳۔ عورتوں کی گواہی بالاجماع معتبر ہے، قرآن وحدیث میں منصوص ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں ہے: ''پھر اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالی جائیں'' اور حدیث میں ہے: ایک تقریر میں نبی ﷺ نے عورتوں سے پوچھا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں، آپؐ نے فرمایا: یہ ان کی عقل کی کمی کی دلیل ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کی گواہی معتبر ہے، یہ الگ بات ہے کہ عورت کی گواہی مرد کے برابر ہے یا آدھی ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اس میں اجماع ہے مگر نکاح، طلاق، عتق، نسب، ولاء اور رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۶:۵۶) میں ہے۔

۳- بَابُ الْحُكْمِ بِالظَّاهِرِ وَاللَّحْنِ بِالْحُجَّةِ

ظاہر پر حکم لگانے کا اور استدلال میں چالاکی کا بیان

عدالت میں ایک مقدمہ چلا، قاضی نے اس کے سامنے جو شواہد و دلائل آئے ان کے پیش نظر فیصلہ کر دیا، مگر نفس الامر میں چیز جس کو دلائی ہے اس کی نہیں ہے تو قاضی کے فیصلے کے باوجود وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں، اگر وہ اس کو لے گا تو اس حدیث میں اس کے لئے سخت وعید آئی ہے، کیونکہ قاضی اگرچہ حقیقت حال سے واقف نہیں، مگر صاحب معاملہ تو جانتا ہے کہ چیز اس کی نہیں۔

[۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ"

وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، كِلَاهُمَا، عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”آپ لوگ میرے پاس مقدمہ لے کر آتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے سے اپنی دلیل پیش کرنے میں چرب زبان ہو، پس میں جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کروں اس کی بات سن کر پس میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ کاٹ کر اس کو دوں تو وہ ہرگز اس کو نہ لے، میں اس کو دوزخ کا ایک ٹکڑا ہی کاٹ کر دیتا ہوں۔

سند: یہ حدیث وکیع اور ابن نمیر نے بھی اسی سند سے ہشام سے روایت کی ہے جس سند سے ابو معاویہ روایت کرتے ہیں۔

لغت: لَحِنَ فلانٌ (س) لَحَنًا: اپنی دلیل کے ہر پہلو یا نشیب وفراز سے واقف ہونا، سمجھدار ہونا ــــ أَلْحَنَ فلانا القولَ: کسی کو اپنی بات سمجھانا۔

قضاء بشہادۃ الزور کا مسئلہ:

تشریح: اس حدیث میں ایک اہم مسئلہ زیر بحث آیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ قاضی اگر جھوٹے گواہوں کی بناء پر کوئی فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا یا باطناً بھی؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ قاضی اگر املاک مرسلہ [1] میں کوئی فیصلہ کرے تو قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نہیں اور اس میں اتفاق ہے، اور اگر املاک غیر مرسلہ (املاک مقیدہ) میں کوئی فیصلہ کرے یا غیر مال میں کوئی فیصلہ کرے مثلاً عقود وفسوخ (نکاح وطلاق) میں کوئی فیصلہ کرے تو اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ [2] کے نزدیک قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نہیں، اور ظاہراً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس اس فیصلے کے مطابق کاروائی کرے گی، مگر نفس الامر میں نہ تو وہ اس چیز کا مالک ہوگا نہ وہ چیز اس کے لئے حلال ہوگی۔ مثلاً زید اور بکر میں ایک مکان کے بارے میں جھگڑا ہے، زید دعوی کرتا ہے کہ بکر نے یہ مکان مجھے بیچ

(۱) اموال مرسلہ: یعنی وہ اموال جن کا دعوی کرنے والا کوئی سبب ملکیت بیان نہ کرے، اور املاک غیر مرسلہ: یعنی وہ اموال جن کا دعوی کرنے والا سبب ملکیت بھی بیان کرے، مثلاً: اس نے خریدا ہے، یا میراث میں یا ہبہ میں ملا ہے، اس کو اموال مقیدہ بھی کہتے ہیں، اور فقہاء کا اختلاف صرف اسی اموال مقیدہ (اموال غیر مرسلہ) میں ہے، اموال مرسلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۲) امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، یعنی قضاء قاضی اگر عقود وفسوخ سے متعلق ہے اور محل میں انشاء کی قابلیت ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگا، یہ امام محمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے، اور امام محمدؒ کی دوسری روایت اور امام اعظم رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا، اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے۔

دیا ہے، حالانکہ حقیقت میں نہیں بیچا، مگر زید نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور وہ گواہ قاضی کی تحقیق میں معتبر ثابت ہوئے، پس قاضی نے زید کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس مکان کو خالی کرا کر زید کو سونپنا پولیس کی ذمہ داری ہے، مگر زید اس کا مالک نہیں ہوگا، ظاہراً نافذ ہونے کا یہی مطلب ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ظاہراً بھی نافذ ہوگا اور باطناً بھی، اور باطناً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد اس مکان کا مالک زید ہو جائے گا اب اس کا بیچنا صحیح ہوگا، اسی طرح ہبہ بھی صحیح ہوگا اور بعد وفات وہ مکان زید کے ورثاء کو ملے گا، اور جو ثمن قاضی نے بکر کو دلوایا ہے وہ اس کا مالک ہوگا، یا ایک شخص نے غیر منکوحہ عورت پر دعوی کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور ثبوت میں نکاح کے جھوٹے گواہ پیش کیے، قاضی نے ان کا تزکیہ کیا تو وہ ٹھیک ثابت ہوئے، پس قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا، حالانکہ نکاح نہیں ہوا تو عورت کو مدعی کے سپرد کرنا پولیس کی ذمہ داری ہے اور مرد کا اس سے صحبت کرنا جائز ہے اور اولاد ثابت النسب ہوگی، باطناً نافذ ہونے کا یہی مطلب یہ ہے۔

دلائل:

باب میں مذکور حدیث ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مستدل ہے، اس میں نبی ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے اگر وہ اس شئ کا حقدار نہ ہو تو وہ اس کو ہرگز نہ لے، کیونکہ وہ اس کے حق میں جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، معلوم ہوا کہ قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نہیں، اسی لئے یہ وعید ہے۔

احناف کے دلائل:

امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، اور وہ اللہ و رسول کا نائب ہوتا ہے، پس جہاں اس کو ولایت حاصل ہے وہاں اس کا فیصلہ لازم ہوگا اور پوری طرح نافذ ہوگا ظاہراً بھی اور باطناً بھی، چنانچہ:

۱- ابھی حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ گذرا، انھوں نے ایک غلام بیچا تھا اور براءت کی شرط لگائی تھی، پھر مشتری نے کسی عیب کی وجہ سے لوٹانا چاہا، ابن عمرؓ نے منع کیا ان کے خیال میں مشتری کو خیارِ عیب حاصل نہیں تھا، مقدمہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں پیش ہوا، آپؓ نے ابن عمرؓ سے قسم کا مطالبہ کیا، انھوں نے انکار کر دیا، پس حضرت عثمانؓ نے بیع فسخ کر دی اور غلام ابن عمرؓ کی طرف لوٹا دیا، پھر ابن عمرؓ نے کسی اور کو وہ غلام زیادہ دام میں بیچ دیا — اگر قضاء قاضی باطناً نافذ نہ ہوتا تو ابن عمرؓ کے لئے وہ غلام کسی اور کو بیچنا جائز نہ ہوتا، اور زیادہ دام بھی جائز نہ ہوتے، معلوم ہوا کہ قضاء قاضی باطناً بھی نافذ ہوتا ہے۔

۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر جھوٹا دعوی کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور جھوٹے گواہ پیش کیے، حضرت علیؓ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب فیصلہ ہو گیا تو اس عورت نے عرض کیا: حضرت! جب آپ نے فیصلہ کر دیا تو ہمارا نکاح بھی پڑھ دیں حقیقت میں نکاح نہیں ہوا اور اب میں راضی ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: شَاهِدَاكِ زَوَّجَاكِ: تیرے دونوں گواہوں نے تیرا نکاح پڑھ دیا، چنانچہ آپؓ نے نکاح نہیں پڑھا اور عورت اس

آدمی کے حوالے کر دی گئی[1]، یہ واقعہ طحاوی شریف میں ہے اور حضرت علیؓ نے گواہی کی گواہوں کو انشاء عقد قرار دیا ہے۔

ملحوظہ: قضاء قاضی اگر عقود و فسوخ کے بارے میں ہو اور محل میں انشاء کی قابلیت ہو تو ہی قضاء قاضی نافذ ہوگا، جمہور کے نزدیک صرف ظاہراً اور احناف کے نزدیک ظاہراً و باطناً دونوں طرح، لیکن محل میں اگر انشاء کی قابلیت نہ ہو، مثلاً عورت معتدہ بالغیر ہو، یا منکوحہ بالغیر ہو اور قاضی کسی دوسرے کی منکوحہ ہونے کا فیصلہ کرے تو بالاتفاق وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

۳- باب لعان میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک بالیقین جھوٹا ہوتا ہے، پھر بھی قاضی کا تفریق کرنا صحیح ہوتا ہے، چنانچہ مرد کے لئے بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور عورت کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے، یہ بھی دلیل ہے کہ قضاء قاضی پوری طرح نافذ ہوتا ہے۔

۴- قضاء قاضی کے بعد مفقود کی بیوی کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور یہ متفق علیہ بات ہے جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قاضی کا فیصلہ باطناً بھی لازم و نافذ ہوتا ہے۔

غرض: اس کی بے شمار نظیریں ہیں: قاضی کی ولایت سے صغیر اور صغیرہ کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے، عنین کے نکاح کو فسخ کرنا پھر عورت کے لئے دوسری جگہ نکاح کا جواز اور اس قسم کی دیگر مثالیں امام اعظم رحمہ اللہ کے مسلک و مذہب اور نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔

حدیث باب کا محمل:

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو جمہور کا مستدل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہر چیز کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ املاک مرسلہ کے بارے میں ہے، کوئی کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اور اس کا سبب بیان نہ کرے اور قاضی اس کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، پس وہ قاضی کے فیصلہ کو بہانہ بنا کر وہ چیز نہ لے۔

رہا عقود و فسوخ کا معاملہ: تو اگر قاضی نے گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے تو وہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا اگرچہ گواہ نفس الامر میں جھوٹے ہوں، بشرطیکہ قاضی کو اس کا علم نہ ہو، اور انکوائری میں وہ عادل ثابت ہوئے ہوں۔

[۵-] وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ جَلَبَةَ خَصْمٍ بِبَابِ حُجْرَتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: "إِنَّمَا أَنَا

(۱) حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے ایضاح الادلہ اور ادلۂ کاملہ میں قاضی کی ولایت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی ہے، خواہش مند حضرات اس کی مراجعت کریں۔۱۲

بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ، فَأَقْضِي لَهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَحْمِلْهَا أَوْ يَذَرْهَا"

[-٦] وحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ (ح) وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، كِلَاهُمَا، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ، وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ: قَالَتْ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَجَبَةَ خَصْمٍ بِبَابِ أُمِّ سَلَمَةَ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نے اپنے کمرے کے دروازے پر شور سنا (کچھ لوگ باہم جھگڑ رہے تھے) آپؐ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے (اور فریقین کے درمیان تصفیہ کرایا) پھر فرمایا: میں ایک انسان ہی ہوں (عالم الغیب نہیں، مقدمہ میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر: یہ میں نہیں جانتا) اور بیشک ایک فریق میرے پاس مقدمہ لے کر آتا ہے (میں فریقین کی باتیں سن کر فیصلہ کرتا ہوں) پس ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ بلیغ (اور چرب زبان) ہو، پس میں اس کو سچا گمان کرلوں، اور اس کے حق میں فیصلہ کردوں، پس جس کے لئے میں نے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کیا ہے تو وہ جان لے کہ وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہی ہے (جو میں اس کو کاٹ کر دے رہا ہوں) پس اس کا جی چاہے تو لے اور جی چاہے تو نہ لے۔

سند: یہ حدیث ابوصالحؒ اور معمرؒ نے بھی امام زہریؒ سے روایت کی ہے اور یونس کی طرح اور اسی سند سے روایت کی ہے، البتہ معمر کی حدیث میں دو جگہ فرق ہے: ایک: جَلَبَة کے بجائے لَجَبَة ہے، دونوں کے معنی ہیں: شوروغوغا، دوم: بباب حجرتہ کے بجائے بباب ام سلمۃ ہے۔

لغات: الجَلَبَة: شوروغوغا ـــــ جَلَّبَ القومُ: چیخنا چلانا ـــــ أجلَبَ القومَ: جمع کرنا، ـــــ جَلِبَ (س) جَلَبًا: جمع ہونا ـــــ اللجَبَة: شوروغوغا ـــــ لَجِبَ القومُ (س) لَجَبًا: شور مچانا ـــــ اللَّجَب: بہادروں کا شور۔

کیا انبیاء کرام سے غلطی ممکن ہے؟

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے توحید وایمان اور عقائد وتبلیغ میں غلطی ممکن نہیں، وہ معصوم ہوتے ہیں، یعنی ان سے کفر وگمراہی کا صدور ناممکن ہے، اسی طرح تبلیغ دین واحکام میں بھی غلطی کا صدور ناممکن ہے، نہ بالارادہ اور نہ بلاارادہ، کسی بھی طرح ان سے غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، البتہ امور غیر منصوصہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور اس میں غلطی ممکن ہے، مگر ان کو غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا، وحی کے ذریعہ ان کی اصلاح کردی جاتی ہے، برخلاف مجتہدین کے، وہ غلطی پر برقرار رہ سکتے ہیں ـــــ اور باب قضاء کا تعلق اجتہاد سے نہیں ہے، وہاں شریعت مطہرہ کے طے شدہ اصول کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے، مثلاً: یہی کہ فریقین میں نزاع ہو تو مدعی سے گواہ طلب کریں گے، بصورتِ دیگر مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ

کریں گے، ہم اسی کے مکلف ہیں، حقیقت حال جاننے کا کوئی مکلف نہیں، نہ نبی نہ غیر نبی، جیسے کوئی زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار کرے تو اس کو مسلمان جان کر اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا ضروری ہے، اس نے دل سے وحدانیت وشہادت کی گواہی دی ہے یا محض زبانی جمع خرچ کی ہے، اس کے ہم مکلف نہیں۔

ملحوظہ: انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں، کفر وشرک نیز فحش ومنکرات کا صدور ان سے ممکن نہیں، اور صغائر کے بارے میں اختلاف ہے، تفصیل ایضاح المسلم (۱:۵۴۸) میں گذر چکی ہے۔

۴- بَابُ قَضِيَّةِ هِنْدٍ

ابوسفیان کی بیوی ہند کا قضیہ

حضرت ہند رضی اللہ عنہا: مشہور جرنیل اور مکہ کے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ان کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ سردارانِ قریش میں سے تھے، اور جنگ بدر میں مارے گئے تھے، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کیا تھا اور عتبہ کے قتل میں شریک تھے، اس لئے باپ اور چچا کا بدلہ لینے کے لئے اپنے شوہر ابوسفیان کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے وحشی بن حرب ؓ کو کچھ مال دے کر ساتھ لے گئی، اس نے دورانِ جنگ تاک لگا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو برچھی ماری جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہادت کے مرتبہ سے سرفراز ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہند نے ان کا کلیجہ نکال کر چبایا اور ناک کان کاٹ کر لاش بگاڑی، پھر فتح مکہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال ہوا، اور ایک قول یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی خلافت تک حیات رہیں، مسلمان ہونے کے بعد نبی ﷺ سے شوہر کا مال بغیر اجازت لینے کے بارے میں دریافت کیا اس باب میں وہی احادیث ہیں۔

[۷-] حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ، عَلَىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ، مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ"

وحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَوَكِيعٍ (ح) وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ: أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ، (يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ) كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنت عتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے لئے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو، مگر یہ کہ میں ان کے مال میں سے ان کو بتائے بغیر کچھ لے لوں، تو کیا مجھے اس کا گناہ ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''معروف طریقہ پر اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو''

سند: یہ حدیث عبداللہ بن نُمیر، وکیع، عبدالعزیز بن محمد اور ضحاک بن عثمان رحمہم اللہ نے بھی ہشامؒ سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے علی بن مُسہر روایت کرتے ہیں۔

لغت: الشَّحیح: بخیل، حریص، جمع: شِحَاحٌ وَأَشِحَّةٌ وَاشِحَّاءُ ـــــ شَحَّ (ن، ض، س) شَحًّا بالشیئ وعلی الشیئ: بخل کرنا، حرص کرنا ـــــ قرآن مجید میں ہے ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں (الحشر آیت ۹)

تشریح:

۱- حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ گھر کے خرچ میں تنگی کرتے تھے، ان کی بیوی نے مسئلہ پوچھا کہ میں شوہر کی نظر بچا کر گھر کی ضروریات کے لئے شوہر کے مال میں سے کچھ لے لوں تو لے سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: معروف طریقہ پر لے سکتی ہو۔ جاننا چاہئے کہ شرفاء کے گھروں میں شوہر کے پیسے بیوی کے پاس رہتے ہیں، شوہر نے بیوی سے کہا: خرچ کے لئے ہزار روپے لے لو، مگر ہزار روپے خرچ کے لئے کافی نہیں، بیوی نے سو روپے اور نکال لئے، یہ حق کی جنس سے ہے، نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

۲- امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ غیر منصوص احکام میں عرف وعادت کا اعتبار ہے، یعنی بہت سے معاملات عرف وعادت پر متفرع ہیں اور ان کے احکام عرف وعادت کے مطابق طے کئے جائیں گے (بخاری، کتاب المعاملات باب ۹۵)

۳- وہ چیزیں جن کو خرچ کرنے کی صراحۃً یا دلالۃً یا عرفاً اجازت ہے، عورت شوہر کے مال میں سے ان چیزوں کو خرچ کر سکتی ہے اور جن چیزوں کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں ان کو خرچ کرنا جائز نہیں۔ دروازہ پر سائل کھڑا ہے اس کو روپیہ دو روپیہ دینا یا تھوڑا آٹا دینا لوگوں کا عرف ہے یا عورت نے شوہر کی موجودگی میں سائل کو دو چار روپے دیئے وہ دیکھ رہا ہے اور کچھ بولا نہیں تو یہ دلالۃً اجازت ہے۔ اور اگر خود شوہر سائل کو دینے کے لئے کہے تو یہ صراحۃً اجازت ہے، البتہ مدرسہ اور مسجد کے چندے میں پچاس روپے دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا عرف نہیں۔ البتہ اگر کسی خاص گھر میں شوہر نے صراحۃً اجازت دے رکھی ہو تو جائز ہے۔ اور یہی حکم خازن (منیجر، سکریڑی) کا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب عورت شوہر کے مال میں سے خرچ کرے گی تو ثواب اس کو بھی ملے گا۔ بلکہ خازن کو بھی، اگر

صراحۃً یا دلالۃً یا عرفاً اجازت ہو تو اس کو بھی ثواب ملے گا۔ البتہ سب کا ثواب برابر ہونا ضروری نہیں، ثواب میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، ثواب کا مدار نیت پر ہے جس کی جیسی نیت ویسا ثواب! (تفصیل تحفۃ الالمعی ۲: ۶۰۰) میں ہے۔

۴- عرف کی دو قسمیں ہیں: عرفِ خاص اور عرفِ عام: کسی خاص قوم، جماعت یا علاقہ کا طریقہ عرفِ خاص کہلاتا ہے، اور وہ طریقہ جو تمام اقوام اور تمام بلاد میں رائج ہو وہ عرف عام ہے —— اگر عرف کے کوئی نص معارض ہو تو عرف کا قطعاً اعتبار نہیں، نہ عرف عام کا نہ عرف خاص کا، البتہ اگر کوئی نص معارض نہ ہو یا نص میں تخصیص کی گنجائش ہو تو عرفِ عام معتبر ہے، اور عرف خاص سے نص میں تخصیص کرنا بھی جائز نہیں، ہاں اگر عرف خاص کے نہ کوئی نص معارض ہو اور نہ نص میں تخصیص کرنی پڑے تو پھر عرف خاص معتبر ہے، تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

غیر حاضر مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ کرنا:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غائب (غیر حاضر) کے خلاف مقدمہ سننا اور فیصلہ کرنا جائز ہے، مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تقریباً یہی نظریہ ہے —— اور حنفیہ کے نزدیک قضاء علی الغائب درست نہیں، پھر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تو مقدمہ کی سماعت اور فیصلہ دونوں مرحلوں میں مدعیٰ علیہ کی موجودگی ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر سماعتِ مقدمہ کے بعد مدعیٰ علیہ غائب ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کرنا درست ہے —— اور اگر مدعیٰ علیہ ابتداء میں حاضر ہو، پھر حاضری سے گریز کرے یا قاضی کا نوٹس ملنے کے باوجود حاضری سے گریز کرے اور انکار کا راستہ اختیار کرے تو قاضی اس کی طرف سے ایسے شخص کو وکیل مقرر کرے جس سے توقع ہو کہ وہ مدعیٰ علیہ کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرے گا، ایسے شخص کو وکیل مسخّر کہتے ہیں، اس کے واسطے سے قضاء علی الغائب جائز ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۴: ۳۳۹)

استدلال: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذکورہ واقعہ سے استدلال ہے: نبی ﷺ نے ابوسفیان کی عدم موجودگی میں فیصلہ کیا کہ ان کی اہلیہ ان کے مال میں سے بقدر ضرورت لے سکتی ہیں، مگر ابوسفیان تو مکہ میں موجود تھے، سوال ہوگا ان کو کیوں بلایا نہیں گیا؟ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ وہ مجلس میں موجود تھے، اور انھوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لے سکتی ہو، پس نبی ﷺ نے فیصلہ نہیں کیا تھا، بلکہ مسئلہ بتایا تھا کہ معروف طریقہ پر لے سکتی ہو، اس سے زیادہ نہیں لے سکتیں[1]۔

---

(۱) علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس سے استدلال کو کمزور قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: لا يصح الإستدلال بهذا الحديث لأن هذه القضية كانت بمكة وكان ابو سفيان حاضرا بها وشرط القضاء على الغائب أن يكون غائبا عن البلد أو مستترا لايقدر عليه أو متعذر اولم يكن هذا الشرط فى أبى سفيان موجودا فلا يكون قضاء على الغائب بل هو افتاء: یعنی اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ مکہ کا واقعہ ہے اور ابوسفیان مکہ میں موجود تھے اور قضاء علی الغائب میں شرط ہے کہ مدعیٰ علیہ شہر سے غائب ہو یا اس طرح چھپا ہوا ہو کہ اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو، اور نہ اس کا ←

اور احناف کی دلیل: وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے، اور وہ حدیث حسن اور عمدہ ہے۔ جب نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ہدایت دی کہ فریقین میں سے کسی کے لئے فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات سن نہ لو ــــ اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ مدعی علیہ کو اپنی بات کہنے کا موقع ملنا چاہئے، اور اگر وہ بالقصد پہلو تہی کرے تو وکیل مسخر مقرر کرنے کا راستہ ہے۔

ملحوظہ: حدود میں بالاتفاق مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا موجود رہنا ضروری ہے پس مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں چوری یا زنا وغیرہ پر گواہی ہو تو حد جاری کرنا جائز نہیں۔

[۸-] وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُذِلَّهُمُ اللّٰهُ، مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، وَمَا عَلَىٰ ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُعِزَّهُمُ اللّٰهُ مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ" ثُمَّ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مُمْسِكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُنْفِقَ عَلَى عِيَالِهِ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُنْفِقِي عَلَيْهِمْ بِالْمَعْرُوفِ"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہؓ نبی ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی خیمہ والے نہیں تھے جو مجھے زیادہ پسند ہوں اس سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل ورسوا کریں، آپؐ کے خیمہ والوں سے (معاذ اللہ) اور اب روئے زمین پر کوئی خیمہ والے نہیں ہیں جو مجھے زیادہ پسند ہوں اس سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عزت بخشیں آپ کے خیمہ والوں سے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اور بھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! (یعنی یہ محبت ابھی اور بڑھے گی) پھر انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیشک ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے اگر میں اس کا مال اس کی اجازت کے بغیر اس کی عیال پر خرچ کروں؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: "تجھ پر کوئی گناہ نہیں اگر تو ان پر معروف طریقہ پر خرچ کرے"

قوله: ماكان على ظهر الأرض إلخ: حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنا حال بیان کیا کہ مسلمان ہونے سے قبل میری تمنا اور خواہش یہ تھی کہ آپؐ کو اور آپؐ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ذلیل وخوار کریں (معاذ اللہ) اور اب یہ خواہش، آرزو اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اور آپؐ کے گھرانے کو سب سے زیادہ عزت وشرف سے ہم کنار کریں۔

قوله: أهل خباء: اس سے مراد ذاتِ اقدس ﷺ ہے تعظیماً آپ کا اسم گرامی ذکر نہیں کیا، یا گھر کے افراد بھی مراد ہیں۔

← پتہ معلوم ہو، ابوسفیان کے واقعہ میں یہ شرط موجود نہیں، پس یہ قضاء علی الغائب نہیں، بلکہ یہ مسئلہ کا بیان ہے۔

قوله: وأيضا إلخ: یعنی اللہ تعالیٰ اس جذبہ کو اور بڑھائیں گے، ایمان مزید جاگزیں ہوگا جس سے اس جذبہ میں اور ترقی ہوگی۔

[۹-] حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ؛ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ مَا كَانَ عَلىٰ ظَهْرِ الْأَرْضِ خِبَاءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، وَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ خِبَاءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ" ثُمَّ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ مِنْ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا، فَقَالَ لَهَا: "لَا إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ"

ترجمہ: حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی خیمہ نہیں تھا جس کی ذلت ورسوائی مجھے زیادہ پسند ہو آپؐ کے خیمہ کے مقابلہ میں (معاذ اللہ) اور آج روئے زمین پر کوئی خیمہ نہیں ہے جس کی عزت مجھے زیادہ محبوب ہو آپؐ کے خیمہ کے مقابلہ میں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اور بھی (بڑھے گی یہ محبت) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، پھر انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیشک ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو کیا مجھ پر گناہ ہے اس میں کہ میں اس کا مال ہمارے بچوں کو کھلاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر معروف طریقہ پر۔

لغت: المَسِيك: جمع: مُسُك، والمِسِّيك: بخیل، کہا جاتا ہے: سَقَاءٌ مَسِيك وَمِسِّيك: مشک جو پانی کو روکے، بہنے نہ دے۔

۵- بَابُ النَّهْيِ عَنْ كَثْرَتِ الْمَسَائِلِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ وَالنَّهْيِ عَنْ مَنْعٍ وَهَاتِ وَهُوَ الْإِمْتِنَاعُ مِنْ أَدَاءِ حَقٍّ لَزِمَهُ أَوْ طَلَبُ مَالَا يَسْتَحِقُّهُ

(۱) بلاضرورت کثرت سوال کی ممانعت (۲) اور روکنے کی اور مانگنے کی ممانعت

یعنی ذمہ میں لازم حقوق ادا نہ کرنے کی اور بغیر استحقاق کے مانگنے کی ممانعت

اس باب میں پانچ حدیثیں ہیں جن میں کثرتِ سوال کی، استحقاق کے بغیر مانگنے کی اور اضاعتِ مال وغیرہ کی ممانعت ہے، تفصیل حدیثوں کے بعد پڑھیں۔

[۱۰-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ يَرْضىٰ لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضىٰ لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَاتُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"

وحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سُهَيْلٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، وَلَمْ يَذْكُرْ: وَلَا تَفَرَّقُوا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تمہارے لئے پسند کیں اور تین چیزیں ناپسند کیں، وہ چیزیں جو تمہارے لئے پسند کیں یہ ہیں کہ: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور یہ کہ تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی مضبوط تھامو اور باہم تفرقہ بازی نہ کرو، اور تمہارے لئے ناپسند کیا قیل وقال کو، کثرت سوال کو اور اضاعت مال کو۔

سند: یہ حدیث ابو عوانہؒ نے بھی سہیل سے روایت کی ہے اور جریر کے مانند اسی سند سے روایت کی ہے، البتہ ان کی روایت میں یکرہ کے بجائے یَسْخط ہے اور لا تفرّقوا نہیں ہے۔

قوله: ان تعبدوا الله ولا تشركوا به: توحید کے مراتب اربعہ اور شرک کی اقسام اربعہ کا بیان نیز توحید وشرک کی حقیقت وماہیت اور تعریفات ایضاح المسلم کی پہلی جلد میں گذر چکی ہیں (دیکھئے ایضاح المسلم ۱:۱۷ و ۱۳۲)

قوله: وان تعتصموا بحبل الله إلخ: مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد واتفاق اللہ عز وجل کو پسند ہے، اسی میں اسلام کی کامیابی مضمر ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا حکم ہے، ارشادِ پاک ہے: "اور تم سب اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑو، اور الگ الگ مت ہوؤ، اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جب تم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل جوڑ دیئے پھر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم لوگ (کفر وشرک کی وجہ سے) جہنم کے کنارے پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہاں سے بچالیا اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ تم ہدایت یافتہ ہوجاؤ" (آل عمران آیت ۱۰۳) —— اس آیت پاک میں یہ حکم ہے کہ اگر سب مسلمان مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی مضبوط پکڑیں گے تو اسلام کی گاڑی سرکے گی، اگر وہ بٹے رہے تو خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو اسلام کی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔

آیت کا شانِ نزول: مدینہ منورہ میں انصار کے دو قبیلے تھے، اوس وخزرج دونوں میں پرانی عداوت تھی، بات بات پر لڑائی ہوجاتی تھی، اور برسوں تک سرد نہیں پڑتی تھی، ان کی بُعاث کی جنگ ایک سو بیس سال تک چلی ہے، اسلام نے دونوں قبیلوں کو شیر وشکر کردیا، یہود مدینہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی، ایک اندھا یہودی شُماس نامی ان کی ایک ایسی محفل سے گذرا

جس میں دونوں قبیلے جمع تھے، اس نے جنگ بُعاث کے مرثیے پڑھنے شروع کئے جس سے آگ بھڑکی اور قتل وقتال کی نوبت آگئی، نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ صحابہ کے ساتھ ان کے مجمع میں تشریف لے گئے اور سمجھایا، تب ان کا غصہ ٹھنڈا پڑا، آیت کے آخر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے (ہدایت القرآن ۱: ۴۵۸)

قولہ: قیل وقال: ان کو لام پر فتح اور تنوین کے بغیر بھی پڑھا گیا ہے اور تنوین کے ساتھ بھی، ای قیلا وقالاً ــــ قیل وقال ناپسندیدہ ہے یعنی لاحاصل بحث وتکرار اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، لیکن اگر کسی بات کی تحقیق مطلوب ہو اس لئے سوال وجواب اور بحث ومباحثہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، مگر لاحاصل مجادلہ اور تکرار یا اپنے علم کی دھاگ بٹھانے کے لئے اور دوسروں پر فوقیت کے اظہار کے لئے دقیق بحثیں چھیڑنا اور مسائل بیان کرنا شریعت کے مزاج کے ہم آہنگ نہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں: المراء یذھب بنور العلم: اس کی وجہ سے آدمی نور علم سے محروم ہو جاتا ہے، فنعوذ باللہ من ذلک۔

قولہ: وکثرۃ السؤال: ضروری سوال کی شرعاً گنجائش ہے، لیکن کثرت سوال یا لگ لپٹ کر مانگنا یعنی سوال میں اصرار کرنا مناسب نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾: وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے، اللہ عزوجل نے ان ضرورت مندوں کی تعریف فرمائی ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود دست سوال دراز نہیں کرتے یا سوال میں اصرار نہیں کرتے، ہاں اشارہ کنایہ سے مانگتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فاقہ سے ہوتے اور بھوک برداشت سے باہر ہو جاتی تو اکابر صحابہ سے کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تاکہ وہ ان کے فاقہ کا اندازہ کریں اور کھانے کے لئے گھر لے جائیں۔

غرض: ضروری سوال میں بھی اصرار کرنا مناسب نہیں، خواہ مال کا سوال ہو یا غیر مال کا، بعض طالب علم دماغ چاٹتا ہے، ایک سوال پورا نہیں ہوتا کہ دوسرا سوال شروع کر دیتا ہے، یہ اصرار ہے، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر استاذ کے جواب سے تسلی نہ ہو اور اندازہ ہو جائے کہ استاذ کا علم بس اتنا ہی ہے تو خاموش ہو جانا چاہئے اور کسی دوسرے سے پوچھنا چاہئے یا استاذ کی طبیعت میں انشراح نہ ہو تو بھی دوسرے وقت پوچھنا چاہئے۔ غرض: اصرار مناسب نہیں، نہ مال کے سوال میں اور نہ غیر مال کے سوال میں۔

مسئلہ: مالدار کو سوال نہیں کرنا چاہئے نہ اصرار کے ساتھ نہ بغیر اصرار کے، اور مالداری کی کیا مقدار ہے جس کی موجودگی میں سوال کرنا حرام ہے؟ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص نہ پائے ایسی مالداری جو اس کو بے نیاز کرے یعنی جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے مگر جس کے پاس بقدر ضرورت مال سامان ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔

اور یہ ایک جامع ارشاد ہے اس کو پھیلانا آپ کا کام ہے اور ترمذی شریف میں حضرت حکیم بن جبیر کی روایت میں ما یغنیہ کی مقدار پچاس درہم یا اس کے بقدر سونا بیان کی گئی ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وجہ سے حکیم بن جبیر پر

جرح کی ہے، ان کے خیال میں یہ بہت بڑی رقم ہے، سوال سے مانع تو اس سے کم رقم بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے انھوں نے راویوں کا جائزہ لیا اور حکیم پر تنقید کی کہ اس حدیث میں شاید حکیم نے کچھ گڑبڑ کی ہے، مگر شعبہ رحمہ اللہ کی تنقید ٹھیک نہیں، کیونکہ زمان ومکان اور اہل وعیال کے اختلاف سے لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، ایک شخص گاؤں میں رہتا ہے اور اس کی فیملی میں بیوی اور ایک دو بچے ہیں ان کے لئے پچاس درہم بڑی رقم ہوسکتی ہے مگر کثیر العیال شخص کے لئے جو دہلی یا بمبئی میں رہتا ہو پچاس درہم بڑی رقم نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے اتنی رقم اس کی ضرورت کے لئے ناکافی ہو، اس لئے ما یغنیہ کی مقدار کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اور شعبہ رحمہ اللہ نے جو پچاس درہم کو بڑی رقم قرار دیا ہے اور اس کی وجہ سے حکیم پر جرح کی ہے، علماء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۲:۵۶۵) میں ہے۔

قولہ: وإضاعة المال: مال بری چیز نہیں، البتہ ضروری ہے کہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا جائے، اگر ناجائز طریقہ سے مال حاصل کیا جائے گا تو وسائل کا خبث مال میں آجائے گا اور وہ مال برا ہوجائے گا، رہا حلال مال تو وہ قطعاً شریعت کی نظر میں برا نہیں، قرآن کریم نے صرف دو چیزوں کو ''لوگوں کا سہارا'' قرار دیا ہے: ایک: بیت اللہ کو، دوسرے: مال کو۔ سورۃ المائدہ آیت ۹۷ میں کعبہ شریف کے تعلق سے ارشادِ پاک ہے: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کی جگہ ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے، یعنی اس کی بقاء تک عالم کا بقاء مقدر ہے، چنانچہ جب کفار اس کو منہدم کردیں گے تو جلد ہی قیامت آجائے گی، اور سورۃ النساء (آیت ۵) میں مال کے تعلق سے ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ یعنی تم کم عقلوں (یتیموں) کو ان کے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ''مایۂ زندگی'' بنایا ہے، یعنی زندگی مال کے سہارے قائم رہتی ہے، آدمی کے پاس مال ہوتو وہ سر ابھار کر چلتا ہے، ورنہ سگنل ڈاؤن ہوجاتا ہے۔

اسی طرح قرآن وحدیث میں مال اڑانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اسراف کی ممانعت کی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ یعنی کھاؤ، پیو اور اسراف مت کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل (آیات ۲۶-۳۰) میں ارشادِ پاک ہے: ''اور رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور محتاج کو اور مسافر کو، اور مال کو بے موقع مت اڑاؤ (کیونکہ) بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اور اگر اپنے پروردگار کی طرف سے جس رزق کے آنے کی امید ہو اس کے انتظار میں اگر تم کو رشتہ داروں سے پہلوتہی کرنی پڑے تو ان سے نرم بات کہو، اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ مت لو، یعنی غایتِ بخل سے بالکل ہی ہاتھ روک مت لو، اور نہ بالکل ہی ہاتھ کھول دو، ورنہ الزام خوردہ، تہی دست ہوکر بیٹھ رہو گے، آپ کے پروردگار یقیناً جس کے لئے چاہتے ہیں رزق زیادہ کرتے ہیں، اور رزق میں تنگی کرتے ہیں، وہ اپنے بندوں کے احوال سے بخوبی واقف ہیں، اور ان کو اچھی

طرح دیکھ رہے ہیں"

ان آیاتِ پاک کا حاصل بھی یہی ہے کہ مال سوچ سمجھ کر خرچ کیا جائے، بے موقع نہ اڑایا جائے، نیز مال پر سانپ بن کر نہ بیٹھا جائے، بلکہ رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق حسب استطاعت دیئے جائیں۔

[۱۲-] وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ: عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"

وحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَقُلْ: "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ"

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے تم پر حرام کیا ہے: ماؤں کی نافرمانی کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، حقوق کی ادائیگی سے روکنا اور بے ضرورت مانگنا ——— اور تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند کیں: بے ضرورت بحث وتکرار، کثرت سوال اور اضاعت مال کو۔

سند: یہ حدیث شیبان نے بھی منصور سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے جریر نے روایت کی ہے اور ان کی روایت میں إن الله حرّم عليكم کے بجائے حرّم عليكم رسول الله صلى الله عليه وسلم ہے۔

تشریح:

قوله: عُقوق الأمهات: عُقوق (بضم العين) مصدر ہے، عَقَّ أباہ کے معنی ہیں: نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا ——— والدین کی نافرمانی، کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے، بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا فرض ہے، انسان کو وجود حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر والدین سبب ظاہری ہیں، اس لئے قرآن مجید کی متعدد آیات میں والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، اور احادیث شریفہ میں بھی بہت اہمیت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور بدسلوکی سے بچنے کا ذکر آیا ہے، تفصیلی احکام کے لئے دیکھیں ہدایت القرآن (سورۂ بنی اسرائیل آیات ۲۳ و۲۴) اور تحفۃ الألمعی (۵: ۲۳۶-۲۵۰)

قوله: واد البنات: وَأْدٌ: مصدر وَأَدَ الرجلُ إبنتَہ کے معنی ہیں: زندہ دفن کرنا ——— زمانۂ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے انسان اس درجہ بدبخت ہو گیا تھا کہ جھوٹی بے عزتی یا تنگ دستی کے ڈر سے بچیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا، اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں کئی جگہ اس بدترین عادت کی برائی بیان فرمائی ہے، سورۃ التکویر آیات ۹ و ۱۰ میں ارشاد پاک ہے:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا: کس جرم میں تو قتل کی گئی؟ ـــــ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے، اس لمبے دن میں تمام معاملات بارگاہ خداوندی میں پیش ہوکر آخری مرتبہ فیصل ہونگے اس دن یہ مقدمہ بھی پیش ہوگا، جس نے اپنی لڑکی کو زندہ درگور کیا ہے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس لڑکی کا کیا گناہ تھا، جو تو نے اس کو زندہ دفن کردیا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑے گا، پس وہ اپنی حرکت کی سزا پائے گا، کسی زندہ جان کو ـــــ جبکہ وہ اس کی بیٹی بھی ہو ـــــ زمین میں گاڑ دینا کس قدر ناپاک حرکت ہے، قیامت میں اس پر سخت گرفت ہوگی۔

قوله: مَنْعًا وَهَاتِ: یعنی حقوق ادا نہ کرنا خواہ حقوق اللہ ہوں جیسے زکات وصدقات اور کفارات وغیرہ یا حقوق العباد ہوں، جیسے بیوی بچوں کا نان ونفقہ وغیرہ ـــــ اور ھَاتِ (بکسر التاء) کے معنی ہیں: جس کا حقدار نہ ہو اس کا مطالبہ کرنا۔

[۱۳-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَشْوَعَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، حَدَّثَنِي كَاتِبُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ"

[۱۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عُبَيْدِ اللهِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ وَرَّادٍ، قَالَ: كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ ثَلَاثًا وَنَهَى عَنْ ثَلَاثٍ حَرَّمَ عُقُوقَ الْوَالِدِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَلَا وَهَاتِ، وَنَهَى عَنْ ثَلَاثٍ، قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ".

ترجمہ: عامر شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سکریٹری نے (جن کا نام ورّاد ہے) بیان کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: آپ میرے پاس کوئی حدیث لکھ کر بھیجیں جو آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہو، پس حضرت مغیرہؓ نے یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند کی ہیں: لاحاصل بحث وتکرار کو، اضاعت مال کو اور کثرت سوال کو۔

دوسری حدیث: یہ حدیث حضرت مغیرہؓ کے سکریٹری ورّاد سے عبید اللہ ثقفی نے بھی روایت کی ہے اس کا متن یہ ہے: حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا: "آپ پر سلامتی ہو! حمد وصلوٰۃ کے بعد! بیشک میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "بیشک اللہ عزوجل نے تین چیزوں کو حرام کیا ہے اور تین چیزوں سے روکا ہے: حرام کیا ہے: والدین کی نافرمانی کو، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو اور روکنے اور بغیر استحقاق کے مانگنے کو، اور تین چیزوں سے روکا ہے: لاحاصل بحث

ومباحثہ سے، کثرت سوال سے اور مال ضائع کرنے سے"

٦- بَابُ بَيَانِ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ

حاکم جب کوشش کرے پھر صحیح فیصلہ کرے یا چوک جائے تو بھی ثواب پاتا ہے

امیر و حاکم، قاضی یا امت کا مجتہد کوئی فیصلہ کریں یا شرعی حکم بیان کریں اور فہم واستنباط میں اور قضاء میں حتی المقدور کوشش کریں تو وہ ثواب پاتے ہیں، اگر نفس الامری حق کو پالیں تو دوہرا ثواب پاتے ہیں، اور چوک جائیں تو ایک ثواب پاتے ہیں۔

[١٥-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ"

وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، كِلَاهُمَا، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَزَادَ فِي عَقِبِ الْحَدِيثِ، قَالَ يَزِيدُ: فَحَدَّثْتُ هَذَا الْحَدِيثَ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ، فَقَالَ: هَكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

وحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ: أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيَّ) حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ابْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ اللَّيْثِيُّ بِهَذَا الْحَدِيثِ مِثْلَ رِوَايَةِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ابْنِ مُحَمَّدٍ، بِالإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب فیصلہ کرنے والا کوئی فیصلہ کرے (چاہے بادشاہ کرے، قاضی کرے یا امت کا مجتہد کرے) پس وہ (حق کو پانے کی) انتہائی کوشش کرے یعنی معاملہ اور اس کا حکم سمجھنے میں پوری طاقت صرف کردے، پس وہ نفس الامری حق کو پالے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں، اور جب وہ کوئی فیصلہ کرے، اور وہ حق کو پانے کی کوشش کرے، پھر وہ چوک جائے یعنی نفس الامری حق کو نہ پاسکے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے۔

سند: یہ حدیث اسحاق بن ابراہیم اور محمد بن ابی عمر رحمہما اللہ نے بھی اسی سند سے عبدالعزیز بن محمدؒ سے روایت کی ہے جس سند سے یحییٰ تمیمی روایت کرتے ہیں —— اور اس حدیث میں آخر میں یہ ہے کہ: یزید کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابوبکر بن محمد سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: مجھ سے یہ حدیث ابوسلمہ نے بواسطہ حضرت ابوہریرہؓ اسی طرح بیان کی ہے۔

اور یہ حدیث یزید بن عبداللہ سے لیث بن سعد نے بھی روایت کی ہے اور عبدالعزیز بن محمد کے مانند روایت کی ہے، دونوں کی سندیں یکساں ہیں۔

تشریح: اسی حدیث سے اصولِ فقہ والوں نے یہ ضابطہ بنایا ہے: المجتهد يصيب ويخطئ: مجتہد حق کو پاتا بھی ہے اور چوکتا بھی ہے۔ اور حدیث کا سبق یہ ہے کہ حاکم/ قاضی کو معاملہ فہمی میں اور اس کا حکم جاننے میں اور مجتہد کو مسائل شرعیہ کے فہم واستنباط میں حتی المقدر پوری کوشش کرنی چاہئے، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، وہ اس کی محنت ضائع نہیں کریں گے۔ اور مجتہد کو بہر صورت ثواب ملنا دلیل ہے کہ اجتہاد (قیاس) برحق ہے، چت بھی مجتہد کی اور پٹ بھی اس کی!

فائدہ (۱): جو مجتہد نفس الامری حق کو چوک جاتا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں سب مجتہدین حق پر ہیں، البتہ آخرت میں ثواب پانے کے اعتبار سے تفاوت ہوگا۔ علامہ بلیاوی قدس سرہٗ نے اس کی ایک مثال دی کہ ایک شخص نے ریت میں سوئی رلادی اور لوگوں سے کہا: سوئی ڈھونڈھو، جس کو ملے گی اسے دو روپے دوں گا، اور باقیوں کو بھی ایک ایک روپیہ دوں گا، اب ظاہر ہے کہ سوئی کسی ایک ہی کو ملے گی، کیونکہ سوئی ایک ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو نہ ملے، اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل اجتہادیہ میں حق کو پوشیدہ کیا ہے اور مجتہدین کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، پس جب مجتہدین حکم الٰہی کی تعمیل میں مصروف ہونگے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی نماز صحیح ہو اور کسی کی باطل؟ کسی کا عمل قبول ہو اور کسی کا رد؟ چنانچہ چاروں مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں کہ اہل السنہ والجماعۃ کے تمام مجتہدین عمل کے اعتبار سے برحق ہیں۔

سوال: یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ امام نسفی کی مصفّٰی سے اشباہ میں، پھر وہاں سے درمختار کے مقدمہ میں جو نقل کیا گیا ہے کہ إذا سُئِلْنا عن مذهبنا ومذهب مخالِفنا: قلنا وجوبا: مذهبُنا صَوابٌ يَحتملُ الخطأ ومذهبُ مخالِفِنا خَطأٌ يَحتملُ الصَّوابَ، وَإِذَا سُئِلْنا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خصومنا: قلنا وجوبا: الحقُّ ما نحن عليه، والباطلُ ما عليه خُصومُنا یعنی جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے فقہی مذہب کے بارے میں اور ہمارے مخالف کے فقہی مذہب کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب برحق ہے، مگر اس میں چوک کا احتمال ہے، اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے اور اس میں درستگی کا احتمال ہے، اور جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے یعنی اہل السنہ والجماعۃ کے عقیدوں کے بارے میں اور ہمارے مخالف یعنی گمراہ فرقوں کے عقیدوں کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے کہ برحق وہ عقیدے ہیں جن پر ہم ہیں اور غلط وہ عقیدے ہیں جن پر ہمارے مخالف ہیں: اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ آپ تو فرمارہے ہیں کہ فقہی اختلافات میں عمل کے اعتبار سے سب برحق ہیں؟

جواب: شامی میں ابن حجر مکیؒ کے فقہی فتاوی سے نقل کیا ہے کہ إن ذلك مَبنِيٌّ على الضَّعيف یعنی یہ قول جس بنیاد پر متفرع ہے وہ ضعیف ہے، پس یہ بات جو اس پر متفرع ہے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تفصیل شامی (۱: ۳۶) میں ہے۔ اور

علامہ بلیاوی قدس سرہٗ نے ایک موقع پر جبکہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی کتاب "مسلک اعتدال" اساتذۂ دار العلوم دیوبند کی ایک دس نفری مجلس میں پڑھی جارہی تھی [1] اور اس میں درمختار سے یہ بات نقل کی گئی تھی تو فرمایا تھا کہ یہ بات کلامی مسائل کے بارے میں صحیح ہے، فروعی مسائل کے بارے میں صحیح نہیں، ورنہ حنفی کی شافعی کے پیچھے یا اس کے برعکس نماز کیسے درست ہوگی؟ جب مقتدی اپنے امام کو غلطی پر سمجھ رہا ہے تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسائلِ خلافیہ میں حق نفس الامر میں ایک ہے۔ جس مجتہد نے اس کو پالیا: دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اور جو چوک گیا وہ بھی اجر کا مستحق ہے۔ شامی میں ہے: المختار: أن حکم اللہ فی کل مسئلة واحد معین، وجب طلبُه: فمن أصابه فهو المصیبُ، ومن لا فهو المخطئ (۱:۳۶) البتہ عمل کے اعتبار سے حق متعدد ہیں۔ کیونکہ مجتہدین اتنے ہی کے مکلّف ہیں جتنا ان کے بس میں ہے۔ پس جیسے قاضی کے دونوں قسم کے فیصلے نفاذ کے اعتبار سے برابر ہیں، اسی طرح مجتہدین کی مختلف آراء عمل کے اعتبار سے یکساں ہیں، البتہ مجتہدین کا ثواب مختلف ہوگا۔

فائدہ (۳): اس حدیث میں اجتہاد کے معنی: دلیل کی پیروی میں اپنی طاقت خرچ کرنا ہیں۔ یعنی خاص قرآن

---

(۱) صاحب افادات حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ و برد مضجعہ زمانۂ طالب علمی میں حضرت اقدس علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہٗ (سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند) کے خادم تھے، اور جس مجلس میں "مسلک اعتدال" پڑھی گئی تھی اس مجلس میں علامہ کے خادم کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے، یہ کتاب چند مجلسوں میں پڑھی گئی تھی، بعض مجلس حضرت علامہ قدس سرہٗ کے دولت کدہ پر ہوئی تھی، بعض حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے دولت کدہ پر اور بعض دیگر اساتذہ کے گھروں پر، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ بحیثیت خادم تمام مجلسوں میں شریک ہوئے تھے اور حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی زبانی پوری کتاب سماعت فرمائی تھی اور دورانِ قراءت اساتذہ کے درمیان خوب گفت وشنید بھی ہوتی تھی —— والد ماجد حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت علامہ نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خادم تھے، آپ کے گھر کا سودا سلف حتی کہ بکری کی گھاس بھی خود گھاس منڈی سے سر پر اٹھا کر لاتے تھے، میں نے حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے پوری طالب علمی کے زمانہ میں کبھی مطبخ سے جاکر خود کھانا نہیں لایا مگر حضرت الاستاذ علامہ قدس سرہٗ کے گھر کا مکمل سودا سلف حتی کہ بکری کی گھاس بھی خود لاتا تھا اور گھاس منڈی سے گھاس سر پر اٹھا کر لاتا تھا، اور مہینے کے آخر میں تنخواہ میں سے کچھ نہیں بچتا تھا تو میں بازار سے ادھار لاتا تھا پھر جب تنخواہ ملتی تو حضرت مجھے پیسے دے کر فرماتے: سعید! بازار جاؤ اور لوگوں کا حساب چکتا کرآؤ —— فرماتے تھے: وہاں سے میرا ذہن بنا تھا کہ ہر تنگی ترشی برداشت کروں گا مگر لائن نہیں چھوڑوں گا، میں سوچتا تھا: جب دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس کا یہ حال ہوسکتا ہے کہ مہینہ کے آخر میں تنخواہ میں سے کچھ نہ بچے اور سودا سلف ادھار لانا پڑے تو ماؤ وشما کا کیا شمار؟ اس وقت میں نے پختہ ذہن بنالیا تھا کہ زندگی بھر اس لائن کو پکڑے رکھوں گا خواہ کسی بھی حال سے دوچار ہونا پڑے۔ نور اللہ مرقدهما وبرد مضجعهما وتقبل حسناتهما وأسكن الجنة لهما (آمین)

وحدیث میں غور کر کے حکم شرعی نکالنا مراد نہیں۔ بلکہ مقدمہ کا فیصلہ فقہ کے جس جزئیہ سے، اور مقدمہ میں پیش ہونے والے جن دلائل وقرائن سے کرے اس میں خوب غور وفکر کرنا مراد ہے۔

اور قاضی کی اجتہادی غلطی میں بھی اجر اس لئے ملتا ہے کہ تکلیف بقدرِ وسعت ہوتی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور انسان کے بس میں صرف یہ بات ہے کہ وہ حق کو پانے کے لئے انتہائی کوشش کرے۔ بالیقین حق کو پالینا اس کے بس کی بات نہیں۔ پس وہ اس کا مکلف بھی نہیں۔ اور جب قاضی نے اپنی ذمہ داری پوری کرلی تو وہ اجر کا مستحق ہے (اور حق پانے والے کو جو دُوہرا اجر ملتا ہے، وہ ترغیب کے لئے ہے، تاکہ قاضی حق پانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۳۵۰)

فائدہ (۴): مجتہدین بہت گذرے ہیں، چار ائمہ میں انحصار نہیں، اور آج بلکہ آئندہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد جاری ہے، یہ سب مجتہدین اگر اہل السنہ والجماعہ کے عقائد پر ہیں تو وہ سب برحق ہیں اور ان سب کا یہی حکم ہے، البتہ جو لوگ اہل السنہ والجماعہ کے عقائد سے خارج ہیں، جیسے: غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ وغیرہ ان کے لئے یہ حکم نہیں اور اہل السنہ والجماعہ میں شامل چار مکاتب فکر کی پیروی کرنے والے ہی ہیں، حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ''مأۃ دروس'' میں اور علامہ احمد طحطاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں اس کی صراحت کی ہے، کیونکہ حقانیت کا مدار اصول وعقائد پر ہے، فروعات پر نہیں۔ فروعات میں اختلاف تو دورِ صحابہ سے چلا آرہا ہے جبکہ تمام صحابہ برحق تھے۔ تفصیل ''دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت'' میں ہے (تحفۃ الالمعی ۴:۲۵۴)

ملحوظہ: اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حق پانے والے کو دو اجر اور حق چوکنے والے کو ایک اجر ملتا ہے یہ بات صرف مجتہدین کے تعلق سے ہے، ان کے مقلدین کے تعلق سے نہیں ہے۔ مقلدین تو سب عمل کے اعتبار سے برحق ہیں، پس سب کو یکساں ثواب ملے گا۔ البتہ ان کے ائمہ میں سے جس نے حق کو پالیا ہے اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور جو حق کو چوک گیا ہے اس کو اکہرا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷- بَابُ كَرَاهَةِ قَضَاءِ الْقَاضِيْ وَهُوَ غَضْبَانُ

غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدعی یا مدعیٰ علیہ کی کسی بات پر قاضی کو غصہ آجاتا ہے یا اور کسی شخص پر قاضی غضبناک ہوتا ہے پس اس حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، غصہ میں دماغ کا ٹمپریچر ڈاؤن ہوجاتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

رفتہ رفتہ آدمی را کم تر سازد غضب ❁ آب را چنداں کہ جوشانند کمتر شود

غصہ کرنے سے آدمی رفتہ رفتہ اوچھا ہوجاتا ہے ÷ پانی کو جتنا جوش دیں گے کم ہوتا رہے گا۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ قوت عاقلہ کی کمزوری سے غصہ آتا ہے اور غصہ سے قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے جیسے بیڑی پینے سے قبض ہوتا ہے اور بیڑی پینے ہی سے اجابت ہوتی ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا۔

[١٦-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: كَتَبَ أَبِي (وَكَتَبْتُ لَهُ) إِلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، وَهُوَ قَاضٍ بِسِجِسْتَانَ أَنْ لَا تَحْكُمَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَا يَحْكُمْ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ"

وحَدَّثَنَاه يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ (ح) وحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ (ح) وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ كُلُّ هَؤُلَاءِ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ بَکْرۃ کے معنی ہیں: چرخی۔ جب آنحضور ﷺ نے طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہاں جو غلام مسلمان تھے وہ نکلنا چاہتے تھے، مگر چارہ نہیں تھا، اس وقت حضرت ابوبکرہ نے قلعے سے بھاگنے کے لئے چرخی کا آئیڈیا پیش کیا تھا، اس لئے وہ ابوبکرہ (چرخی والے) مشہور ہوگئے، ان کے صاحبزادے عبیداللہ بجستان کے قاضی تھے، آپؓ نے صاحبزادے کو نصیحت لکھ کر بھیجی کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "حاکم دو شخصوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے"

سند: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث متعدد اساتذہ سے روایت کی ہے، وہ سب مختلف سندوں سے عبدالملکؒ بن عُمیر سے، وہ عبدالرحمٰن سے، وہ اپنے ابا ابوبکرہ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور ابوعوانہ کے مانند روایت کرتے ہیں۔

قولہ: کلاھما: مرجع محمد بن جعفر اور معاذ ہیں، وہ شعبہ سے اور وہ عبدالملک بن عمیر الخ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: مفتی کا بھی یہی حکم ہے، جب مفتی صاحب غصہ میں ہوں تو مسئلہ بیان نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں قاضی کے ساتھ مفتی کو بھی ملایا ہے: بَابٌ: هل يقضي الحاكم أو يُفتي وهو غضبان (کتاب الاحکام باب ۱۳) —— کبھی مقدمہ میں فریقین میں سے کوئی بدتمیزی کرتا ہے تو قاضی کا پارہ چڑھ جاتا ہے، ایسی صورت

میں اس کے حق میں ناانصافی کا امکان ہے، پس قاضی کو فیصلہ مؤخر کرنا چاہئے، جب حالت نارمل ہوجائے تب فیصلہ کرے اور اگر غصہ کسی غیر متعلق پر آرہا ہے اور قاضی غصہ میں لال پیلا ہورہا ہے تو بھی فیصلہ مؤخر کرے اور غصہ معمولی ہوتو اس حالت میں فیصلہ کرسکتا ہے اور فتوی کا بھی یہی حکم ہے۔

۸- بَابُ نَقْضِ الْأَحْكَامِ الْبَاطِلَةِ وَرَدِّ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ

غلط فیصلے اور نئے ایجاد کردہ طریقے مردود ہیں

ترمذی شریف میں حدیث ہے: الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا: مسلمان آپسی معاملات میں جو چاہیں دفعات طے کریں، البتہ کوئی ایسی دفعہ جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے: طے کرنا جائز نہیں، پس اگر فریقین میں کوئی ایسی مصالحت ہوئی جو شریعت کے خلاف ہے تو اس کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح شریعت کے خلاف امیر و حاکم اور قاضی کا فیصلہ یا مفتی کا فتوی بھی معتبر نہیں۔

[۱۷-] حَدَّثَنَا أَبُوجَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَوْنٍ الْهِلَالِيُّ جَمِيعًا، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو تو وہ بات مردود ہے"

لغت: رَدٌّ (مصدر) اسم مفعول مَرْدُوْدٌ کے معنی میں ہے، جیسے هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ میں خَلْق (مصدر) مخلوق کے معنی میں ہے۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے، قضاء اور مصالحت بھی اس کے ضمن میں آتے ہیں: اگر قاضی خلافِ شرع کوئی فیصلہ صادر کرے یا کوئی بات مصالحت میں خلافِ شرع طے کی جائے تو وہ مردود ہے، اسی طرح ملک کا قانون بنایا گیا یا کسی ادارہ یا انجمن کا دستور بنایا گیا اور اس میں کوئی دفعہ شریعت کے خلاف رکھی گئی تو وہ مردود ہے، دین: صرف وہ باتیں ہیں جو بعینہٖ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، یا ان کی اصل (جڑ) قرآن وحدیث میں موجود ہے، جیسے کعبہ شریف کا حج: بعینہٖ ثابت ہے اور آج کل جو مدارس کا سلسلہ ہے وہ بعینہٖ ثابت نہیں، مگر اس کی اصل صفہ کا مدرسہ ہے، پس زمانہ اور جگہ کے اختلاف سے مدارس کا نقشہ اور نصابِ تعلیم وغیرہ مختلف ہوسکتے ہیں، یہ بے اصل نہیں، جو چیزیں محض بے اصل ہیں جیسے مروجہ میلاد النبی: یہ

بدعت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اور صحابہ کرامؓ نے اور سلف نے ولادت نبوی کا جشن نہیں منایا، یہ بات پانچویں صدی میں اربل کے بادشاہ نے شروع کی ہے، پس وہ بے اصل اور بدعت ہے۔

چند فوائد: بدعت کے لغوی واصطلاحی معنی:

۱- بدعت: ابتداع سے ماخوذ ہے، ابتدع الأمر کے معنی ہیں: نئی بات ایجاد کرنا —— اور اصطلاحی تعریف ہے: دین میں ایسی نئی بات ایجاد کرنا جس کا نہ عہد رسالت میں کوئی ثبوت ہو اور نہ عہد صحابہ میں، اور دین میں اس کی کوئی اصل اور نظیر بھی موجود نہ ہو، اور درمختار میں ہے: هو زيادة فى الدين أو نقصان منه: یعنی دین میں کمی بیشی کرنے کا نام بدعت ہے —— غرض: جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو وہ بدعت ہے، اور فی الجملہ کوئی اصل موجود ہو تو وہ بدعت نہیں، حافظ ابن رجب حنبلی تحریر فرماتے ہیں: والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فى الشريعة يدل عليه وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا: یعنی بدعت سے وہ نئی بات مراد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو، اور اگر اس پر دلالت کرنے والی کوئی اصل موجود ہو تو وہ شرعاً بدعت نہیں (جامع العلوم والحکم)

جدید ایجادات بدعت نہیں:

۲- وہ جدید آلات وایجادات جن کا دین وشریعت سے تعلق نہیں وہ بدعت نہیں اس لئے کہ بدعت دین میں کمی بیشی کرنے کا نام ہے اور جدید ایجاداتِ کا دین وشریعت سے کچھ تعلق نہیں، اسی طرح وہ دینی کام جو قرون مشہود لہا بالخیر میں موجود نہیں تھے مگر دین میں ان کی اصل موجود ہے وہ بھی بدعت نہیں، جیسے: مدارس: صُفّہ اس کی نظیر ہے، ووٹ: بیعت اس کی نظیر ہے۔

ہر بدعت قبیح ہے:

۳- دین میں جو بھی بات ایجاد بندہ ہے وہ قبیح اور بدعت سَیّئہ ہے، کوئی بدعت حسنہ نہیں، خواہ کسی نیک مقصد سے وہ کام شروع کیا گیا ہو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں تھے، مؤذن نے تثویب کی یعنی اذان کے بعد دوبارہ لوگوں کو نماز کے لئے بلایا، حضرت ابن عمرؓ نے سخت ناگواری ظاہر فرمائی اور وہاں نماز نہیں پڑھی، دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھی، ظاہر ہے کہ نماز کے لئے لوگوں کو بلانا نیک کام ہے مگر ابن عمرؓ نے اس کو بدعت سیئہ قرار دیا —— اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو تراویح کو بدعت حسنہ کہا تھا وہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا تھا (اس کی تفصیل تحفۃ القاری میں تراویح کے باب میں ہے) اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں: وأما ما وقع فى كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلك فى البدعت اللغوية لا الشرعية: یعنی سلف کے کلام میں جہاں کہیں بھی بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہاں بدعت کے لغوی معنی مراد ہیں شرعی معنی مراد نہیں۔

جو فیصلہ اجتہادی ہو دوسرا قاضی اس کو توڑ نہیں سکتا:

۴- قاضی اگر چہ اللہ ورسول کا نائب ہوتا ہے مگر اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ ورسول کا کوئی حکم منسوخ کردے، پس قرآن وحدیث کے خلاف اس کا فیصلہ مردود ہے، نیز جو شرعی حکم اجماعی ہے اس کے خلاف فیصلہ بھی مردود ہے، البتہ جو فیصلہ اجتہادی ہو وہ نافذ ہوگا اور دوسرے قاضی کو اس کو باطل کرنے کا حق نہیں ہوگا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت سے اجتہادی مسائل میں فیصلہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور اپنے دورِ خلافت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو توڑا نہیں، فقہی ضابطہ ہے: الإجتهاد لا يُنقَضُ بمثله ولا يُعارِض النصَّ: یعنی اجتہاد کو اسی جیسے اجتہاد سے نہیں توڑا جائے گا اور نہ اجتہاد نص سے معارض ہوسکتا ہے (قواعد الفقہ قاعدہ نمبر ۷) اور اس کی وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد سے قوی نہیں، نیز اگر دوسرا قاضی پہلے قاضی کے فیصلہ کو توڑ سکے گا تو کوئی حکم مستحکم نہ ہوسکے گا، اور کسی حکم میں استقرار نہ ہوگا۔

اور ہدایہ میں یہ علت ذکر کی گئی ہے کہ اجتہاد ثانی اجتہاد اول کی طرح ہے، یعنی ابتداءً دونوں برابر ہیں، لیکن اجتہاد اول کو قضاء متعلق ہوچکی ہے، پس وہ اجتہاد قوی ہے اور دوسرا قاضی کا اجتہاد محض اجتہاد ہے پس وہ اجتہاد کمزور ہے اور کمزور سے قوی کو توڑا نہیں جاسکتا، غرض: ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے باطل نہیں ہوگا البتہ اگر کوئی نص معارض ہو تو اجتہاد وقضاء باطل ہوجائیں گے۔ واللہ اعلم

[۱۸-] وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا، عَنْ أَبِي عَامِرٍ، قَالَ عَبْدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ رَجُلٍ لَهُ ثَلَاثَةُ مَسَاكِنَ، فَأَوْصَى بِثُلُثِ كُلِّ مَسْكَنٍ مِنْهَا، قَالَ: يُجْمَعُ ذٰلِكَ كُلُّهُ فِي مَسْكَنٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"

ترجمہ: سعد بن ابراہیم کہتے ہیں: میں نے قاسم بن محمدؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کے تین مکان تھے اور اس نے ہر مکان میں سے تہائی کی وصیت کی تھی، قاسمؒ نے کہا: ان سب وصیتوں کو ایک مکان میں جمع کیا جائے گا، پھر فرمایا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے“

تشریح: قاسم بن محمدؒ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، اور موصی (وصیت کرنے والا) نے ایسی وصیت کی تھی

جس میں موصَی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی تھی) اور ورثاء کا ضرر تھا اس لئے حضرت قاسمؒ نے تینوں وصیتوں کو جمع کر دیا اور ایک مکان باب وصیت میں اور دو مکان ورثاء کے لئے مخصوص کر دیئے اور متفرق وصیت کو خلافِ شرع قرار دے کر رد کر دیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا۔

۹- بَابُ بَيَانِ خَيْرِ الشُّهُوْدِ

بہترین گواہوں کا بیان

سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲ میں گواہوں کے تعلق سے ارشادِ پاک ہے: ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ یعنی گواہ ایسے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو، اور گواہوں کی پسندیدگی ان کی چند خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً عقلمند ہونا، پوری عمر کا ہونا، معاملہ فہم ہونا، قوت گویائی کا مالک ہونا، مسلمان ہونا (جبکہ مدعیٰ علیہ مسلمان ہو) دیندار ہونا، بامروت ہونا اور متہم نہ ہونا وغیرہ۔

اور گواہوں کے معتبر ہونے کے لئے یہ اوصاف اس لئے ضروری ہیں کہ ہر خبر فی نفسہ صدق وکذب کا احتمال رکھتی ہے یعنی ان کی بتلائی ہوئی بات سچی بھی ہوسکتی ہے اور جھوٹی بھی، پس کسی قرینہ ہی سے کسی ایک احتمال کو ترجیح حاصل ہوگی، اور قرینہ یا تو خبر دینے والے میں ہوگا یا بیان کی ہوئی بات میں یا ان کے علاوہ میں، مگر مخبر کی صفات کے علاوہ دوسری کوئی ایسی چیز متعین نہیں کہ جس پر فیصلہ شرعی کا مدار رکھا جائے اس لئے گواہی کے مقبول ہونے کے لئے مذکورہ صفات کو شرط قرار دیا گیا ہے، پس جو گواہ فاسق وفاجر ہو یعنی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو یا وہاں مظنۂ تہمت ہو کہ وہ جنبہ داری میں یا عداوت میں جھوٹی گواہی دے رہا ہے تو ایسے گواہ کی گواہی شرعاً معتبر نہیں۔

[۱۹-] وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا"

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا میں آپ لوگوں کو بہترین گواہ نہ بتلاؤں؟ وہ گواہ جو اپنی گواہی پیش کرے اس سے پہلے کہ اس سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے" (یہ بہترین گواہ ہے)

تشریح: یہ حدیث حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے جو ترمذی (حدیث ۲۲۱۹ ابواب الفتن) میں ہے، اس میں ارشادِ نبوی ہے: "بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو يَتَسَمَّنُوْنَ: پھولیں گے (تَسَمَّنَ: موٹا ہوجانا، پھول

جانا، پھول کر کپا ہوجانا) وَيُحِبُّونَ السِّمَنَ: موٹاپے کو پسند کریں گے (السِّمَن (بکسر السین): موٹاپا، جسم کی پھلاوٹ) يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوْهَا: وہ گواہی دیں گے اس سے پہلے کہ ان سے گواہی طلب کی جائے، اس حدیث میں بغیر طلب کے گواہی دینے کو ناپسند کیا گیا ہے جبکہ حضرت زیدؓ کی حدیث میں اس کو پسند کیا گیا ہے۔

اس تعارض کا جواب: یہ ہے کہ وہ سچی گواہی جو کسی کے پاس کسی کے لئے ہو، جس کو وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اس کو صاحب معاملہ کے مطالبہ سے پہلے یا مطالبہ کے بعد فوراً ادا کرنا پسندیدہ ہے، اور ایسا گواہ پسندیدہ ہے، اور جو گواہ گواہی دینے کے لئے بے تاب ہو، اس کی گواہی پسندیدہ نہیں، کیونکہ ایسے گواہ عام طور پر جھوٹے ہوتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص کسی معاملہ میں گواہ ہوتا ہے مگر صاحب معاملہ کو اس کا پتا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اگر گواہ گواہی کے لئے اقدام نہیں کرے گا تو مسلمان کا حق ضائع ہوگا، پس اسے خود قاضی کے پاس جا کر گواہی دینی چاہئے...... اور کبھی اس کی گواہی کا صاحب معاملہ کو علم ہوتا ہے اور وہ اس سے درخواست کرتا ہے کہ میرے لئے قاضی کے پاس گواہی دو، پس ایسی صورت میں جو گواہی دینے میں پس وپیش نہیں کرتا وہ پسندیدہ گواہ ہے...... قبلَ أَنْ يُسْأَلَهَا (فعل مجہول) کے یہ دونوں مطلب ہوسکتے ہیں، گواہی کے مطالبہ سے پہلے گواہی دینا جبکہ صاحب معاملہ اس گواہی سے واقف نہ ہو، اور مطالبہ کے بعد فوراً گواہی دینا جبکہ صاحب معاملہ اس کو جانتا ہو، یہ دونوں صورتیں حدیث کا مصداق ہیں، جیسے کہتے ہیں: الجَوَادُ يُعْطِيْ قَبْلَ السوال: سخی آدمی مانگنے سے پہلے دیتا ہے یعنی مانگنے کے بعد فوراً دیتا ہے، دیر نہیں کرتا، یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے کہ مطالبہ کے بعد فوراً گواہی دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے...... نیز یہ حدیث شہادتِ حسبہ (لوجہ اللہ گواہی دینے) کو بھی شامل ہے، یعنی گواہی دینے پر کوئی اجرت یا خرچہ نہیں لیتا، بلکہ خود قاضی کے پاس جا کر گواہی دیتا ہے تو وہ بہترین گواہ ہے...... اور جو لوگ گواہی دینے کے لئے بے تاب رہتے ہیں وہ اچھے گواہ نہیں، کیونکہ وہ عام طور پر جھوٹے ہوتے ہیں۔

١٠- بَابُ بَيَانِ اخْتِلَافِ الْمُجْتَهِدِيْنَ

مجتہدین کے درمیان اختلاف کا بیان

گذشتہ باب میں یہ گذر چکا ہے کہ ایک قاضی دوسرے قاضی کا فیصلہ توڑ نہیں سکتا، کیونکہ اجتہاد اول کے ساتھ قضاء مل گئی ہے، پس وہ اجتہاد قوی ہوگیا اور دوسرا اجتہاد ابھی محض اجتہاد ہے پس وہ اجتہاد کمزور ہے اور کمزور سے قوی کو توڑا نہیں جاسکتا ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امور قضاء حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیئے تھے، ان کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا، حضرت ابو درداءؓ نے کسی ایک کے حق میں فیصلہ کیا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پورا واقعہ بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ سن کر فرمایا: اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تمہارے حق

میں فیصلہ کرتا، اس نے عرض کیا: اب کیا چیز مانع ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہاں نص نہیں ہے اور آراء مختلف ہیں اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔

[۲۰-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنِي شَبَابَةُ: حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَمَا امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ هَذِهِ لِصَاحِبَتِهَا: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ أَنْتِ، وَقَالَتِ الْأُخْرَى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى، فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَكُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرَى: لَا، يَرْحَمُكَ اللَّهُ هُوَ ابْنُهَا، فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى" قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللَّهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ مَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ"

وحَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنِي حَفْصٌ (يَعْنِي ابْنَ مَيْسَرَةَ الصَّنْعَانِيَّ) عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ (ح) وحَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ جَمِيعًا، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ مَعْنَى حَدِيثِ وَرْقَاءَ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کیا کہ دو عورتیں جارہی تھیں، ان کے ساتھ ان کے بیٹے تھے، راستہ میں بھیڑیا آیا اور ایک کا بیٹا اچک لے گیا، پھر دونوں عورتوں میں جھگڑا ہوا ہر ایک کہتی تھی کہ تیرا بیٹا لے گیا، یہ جھگڑا داؤد علیہ السلام کی کورٹ میں آیا، انھوں نے مقدمہ کی کاروائی کے بعد بڑی کے لئے فیصلہ کیا، جب وہ دونوں کورٹ سے نکلیں تو راستہ میں سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دونوں نے ان کو واقعہ بتلایا، سلیمان علیہ السلام نے کہا: اگر تم دونوں راضی ہو تو میں اس سے بہتر فیصلہ کروں، وہ دونوں راضی ہوگئیں، آپ نے فرمایا: چھری لاؤ، میں لڑکے کو کاٹ کر آدھا آدھا دونوں کو دیتا ہوں، چھوٹی یہ سن کر گھبرا گئی، اس نے کہا: آپ ایسا نہ کریں، اللہ آپ پر مہربانی فرمائیں! یہ لڑکا بڑی کا ہے، پس سلیمان علیہ السلام نے اس لڑکے کا چھوٹی کے لئے فیصلہ کیا، سورۃ الانبیاء آیت ۷۹ میں ہے: ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾: پس ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دی، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: چھری کے لئے سکین لفظ آج ہی ہم نے سنا، پہلے ہم چھری کو مُدیَة کہتے تھے۔

سند: یہ حدیث موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن عجلان نے بھی ابو الزناد سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ورقاء نے روایت کی ہے اور ہم مثل روایت کی ہے۔

تشریح: بچہ کبری کے قبضہ میں ہوگا اور صغری مدعیہ ہوگی، اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہوگا پس حضرت داؤد علیہ السلام

نے کبری (مدعی علیہا) کے لئے بچہ کا فیصلہ کیا، پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے کاٹ کر بچہ آدھا آدھا تقسیم کرنے کی بات کہی تو چھوٹی گھبرا گئی اور بڑی کو بچہ دینے پر راضی ہوگئی، یہ قرینہ بنا کہ بچہ چھوٹی کا ہے، جب حقیقت حال کھل گئی تو بڑی نے اقرار کرلیا ہوگا، پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے لئے فیصلہ کیا ہوگا۔ واللہ اعلم

غرض: حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بڑی ہونے کی بنیاد پر نہیں تھا، یہ وجہ ترجیح نہیں ہوسکتا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہوگا پس یہ ایک قاضی کا دوسرے قاضی کا فیصلہ رد کرنا نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۱۱- بَابُ إِسْتِحْبَابِ إِصْلَاحِ الْحَاكِمِ بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ

فریقین میں مصالحت کرانا مستحب ہے

قاضی کسی فریق کے حق میں فیصلہ کرے اس سے بہتر فریقین کے درمیان مصالحت کرانا ہے، حدیث شریف میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ آرہا ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مقدمہ میں فریقین کے درمیان مصالحت کرائی تھی۔

[۲۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ، جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ: خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ، فَقَالَ الَّذِي شَرَى الْأَرْضَ: إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا (قَالَ) فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ: أَلَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَ أَحَدُهُمَا: لِي غُلَامٌ وَقَالَ الْآخَرُ: لِي جَارِيَةٌ، قَالَ أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِكُمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی نے دوسرے سے کوئی جائداد خریدی، مشتری نے جائداد میں ایک (دفن کیا ہوا) گھڑا پایا، جس میں سونا تھا، اس نے بائع سے کہا: اپنا سونا مجھ سے لے لیں، میں نے آپ سے جائداد خریدی ہے، سونا نہیں خریدا، بائع نے کہا: میں نے آپ کو جائداد مع مشمولات بیچی ہے، پس وہ سونا آپ کا ہے، پھر دونوں ایک آدمی کے پاس فیصلہ کرانے گئے، علماء نے لکھا ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام کے پاس گئے انھوں نے پوچھا: تم دونوں کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: میرا لڑکا ہے، دوسرے نے کہا: میری لڑکی ہے، فیصلہ کرنے والے نے کہا: دونوں کا نکاح کردو، اور ان پر اس سونے میں سے خرچ کرو اور جو باقی رہے وہ خیرات کردو۔

تشریح: فریقین کے درمیان مصالحت کرانا ہر حال میں افضل ہے، خواہ مقدمہ واضح ہو یعنی ایک کا دوسرے پر حق ہونا واضح ہو یا مقدمہ میں اشتباہ ہو، دونوں صورتوں میں صلح کرا دینا افضل ہے، جمہور بشمول احناف اسی کے قائل ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مقدمہ میں اشتباہ ہو تو صلح کرانا اولیٰ ہے، اور مقدمہ واضح ہو تو فیصلہ کرنا اولیٰ ہے ــــ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا ایک شخص پر قرض تھا اور نبی ﷺ نے ان کو صلح کرنے کا مشورہ دیا تھا حالانکہ وہاں مقدمہ بالکل واضح تھا (یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے) اسی طرح ایک شخص کی بکریوں نے دوسرے کا کھیت چر لیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فریقین کے درمیان صلح کرا دی تھی (یہ واقعہ قرآن مجید میں ہے) اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے درمیان پانی میں جھگڑا تھا، نبی ﷺ نے پہلے صلح کے طور پر حضرت زبیرؓ سے پڑوسی کی رعایت کرنے کے لئے فرمایا مگر جب دوسرا فریق راضی نہ ہوا بلکہ اس نے ایک نامناسب بات کہی تو نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا، ان تمام واقعات میں مقدمہ واضح تھا پھر بھی نبی ﷺ نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے صلح کرائی، معلوم ہوا کہ ہر صورت میں صلح کرا دینا افضل ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں۔

خزانہ کا حکم:

اگر کسی شخص کو خزانہ ملے اور اس پر کفر کی علامات ہوں تو وہ رکاز ہے، اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا اور باقی چار حصے پانے والے کے ہیں، اور اگر اس پر اسلامی علامات ہوں تو وہ بحکم لقطہ ہے، پس اس پر لقطہ کے احکام جاری ہونگے۔

ملحوظہ: اگر بیت المال نہ ہو یا شرعی طور پر منظم نہ ہو تو مصرف فقراء ہونگے۔ واللہ اعلم

الحمد للہ! کتاب الاقضیہ کی حدیثوں کی شرح مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۱- كِتَابُ اللُّقَطَةِ

گری پڑی چیز کا بیان

عربی میں لام پر پیش اور قاف پر زبر ہے، اور عام طور پر لوگ قاف کو ساکن پڑھتے ہیں۔ اور خلیل نحوی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے، اور لقطہ کے معنی ہیں: زمین پر پڑی ہوئی اٹھائی جانے والی چیز۔

اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہو جہاں سے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ مالک وہاں اس کو تلاش کرتا ہوا آئے گا تو اس کو اٹھانا نہیں چاہئے، اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالک اس کو وہاں تلاش کرتا ہوا نہیں آئے گا مگر وہ محفوظ جگہ ہے، چیز کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اختیار ہے: چاہے اٹھائے چاہے نہ اٹھائے، اور اگر اس کے ہلاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس کو اٹھالینا واجب ہے۔

[۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ؛ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: " اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا" قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: " لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: "مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا" قَالَ يَحْيَى: أَحْسِبُ قَرَأْتُ عِفَاصَهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور لقطہ (گری پڑی چیز) کا حکم دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: اس کی تھیلی اور ڈوری کو محفوظ کرلو، پھر ایک سال تک تشہیر کرو، پھر اگر مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ جو چاہے کرو، اس نے عرض کیا: گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیئے کے لئے، اس نے عرض کیا: گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ (آپؐ کو غصہ آگیا، یہاں تک کہ رخ انور سرخ ہوگیا) آپؐ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا لینا ہے؟ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے اور اس کا جوتا ہے (یعنی نہ دھوپ میں اس کے پیر جلتے ہیں اور نہ پیاس اس کو ستاتی ہے، اس کے پاس پانی کا اسٹاک ہے) وہ خود پانی پر پہنچتا ہے اور درخت

کھاتا ہے (اس کو چھوڑ دے) یہاں تک کہ اس کا مالک اس سے ملاقات کرے۔

یحیٰ کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کے رُوبرو عِفَاصُها پڑھا تھا —— اس حدیث میں وِعَاءُ ھا ہے یا عِفَاصُها، روات کو اس میں شک ہے اور حضرت یحیٰ کا گمان یہ ہے کہ عِفَاصُها ہے۔

لغات: وِكَاءٌ: ڈوری یا رسّی وغیرہ جس سے تھیلی وغیرہ کا منہ باندھا جائے —— وَكَى السُّرَّةَ يَكِيهَا وِكْيًا: تھیلی کو ڈوری سے باندھنا —— العِفَاص: کاگ، ڈاٹ، شیشی کا سربند —— عَفَص وَاَعْفَصَ القَارُوْرَةَ: شیشی میں کاگ لگانا، ڈاٹ لگانا —— بعض روایت میں شک کے ساتھ وِعَاءُ ھَا بھی ہے، الوِعَاء والوُعَاء: برتن، جمع: أَوْعِيَة جمع الجمع: أَوَاعٍ۔

ملحوظہ: عِفَاص: جب وِكَاءٌ کے ساتھ آئے تو تھیلی وغیرہ مراد ہوتی ہے اور جب وعاء کے ساتھ آئے تو وہ رسّی وغیرہ مراد ہوتی ہے جو تھیلی وغیرہ کے منہ پر باندھی جاتی ہے۔

اور اس حدیث میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: گری پڑی چیز پانے کے بارے میں ہے۔ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہو جہاں اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ مالک وہاں اس کو تلاش کرتا ہوا آئے گا تو اس کو اٹھانا نہیں چاہئے، مثلاً درسگاہ میں کسی کی کتاب رہ گئی اس کو اٹھانا نہیں چاہئے۔ جب طالب علم درسگاہ میں آئے گا خود اپنی کتاب اٹھائے گا، اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالک اس کو وہاں تلاش کرتا ہوا نہیں آئے گا اور وہ محفوظ جگہ ہے، چیز کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں تو اختیار ہے چاہے اٹھائے چاہے نہ اٹھائے، اور اگر اس کے ضائع ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس کو اٹھا لینا واجب ہے۔

پھر اگر معمولی چیز ہے مثلاً ایک کھجور ہے تو اس کے مالک کو تلاش کرنا ضروری نہیں، اور اگر وہ قیمتی چیز ہے تو اس کے مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے، اور مالک تلاش کرنے کی مدت مالیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں حدیث میں ایک سال تک تشہیر کرنے کا حکم ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، آپؐ نے ان کو تین سال تک تشہیر کرنے کا حکم دیا تھا (ترمذی حدیث ۱۳۵۷) ان حدیثوں کی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ پڑی ہوئی چیز کی اس وقت تک تشہیر کرنا واجب ہے جب تک غالب گمان ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: اگر جنگل میں کوئی گم شدہ بکری ملے تو اس کو پکڑ لینا چاہئے، ورنہ درندہ اس کو پھاڑ کھائے گا، اور اونٹ کو نہ پکڑے اس کو درندوں سے کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ عرب کے پہاڑ خشک ہیں وہاں بھیڑیئے تو ہوتے ہیں شیر نہیں ہوتے، اور اونٹ کو بھیڑیئے سے کوئی خطرہ نہیں، علاوہ ازیں اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا ہے، یعنی وہ کئی دن کا پانی اسٹاک کر لیتا ہے اور حسب ضرورت نکال کر کام میں لاتا ہے اور اس کے پاؤں دھوپ میں جلتے نہیں۔ اور کھانے کی

اسے کوئی پریشانی نہیں اس کی گردن اتنی لمبی ہے کہ اونچے سے اونچے درخت کے پتے کھا سکتا ہے، پس اس کے بھوک پیاس سے ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بکریوں کا ریوڑ بڑا ہوتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی بکری پیچھے رہ گئی تو پتا نہیں چلے گا۔ اور کوئی جنگل جا کر اس کو تلاش نہیں کرے گا، اور اونٹ تھوڑے ہوتے ہیں، اگر ایک اونٹ بھی کم آیا تو پتہ چل جائے گا اور مالک اس کو تلاش کرنے کے لئے جنگل جائے گا۔ پس اگر کوئی شخص اس کو پکڑ کر گھر لے آیا تو مالک بے چارہ رات بھر پریشان پھرے گا۔

مگر آج کل کے احوال اور ہیں، اب کوئی چیز کہیں محفوظ نہیں حتی کہ مسجد میں بھی محفوظ نہیں، پس گم شدہ اونٹ بھی گھر لے آنا چاہئے تاکہ چور نہ پکڑ لے جائیں۔

لقطہ کا حکم: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر پڑی چیز اٹھانے والا خود غریب ہے تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ اور مالدار (صاحبِ نصاب) ہے تو خیرات کردے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالدار بھی اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ پھر اگر مالک آجائے تو اس کو صورتِ حال بتائے وہ منظور کرے تو فبہا ورنہ اپنے پاس سے ضمان دے۔ اور صدقہ کا ثواب اٹھانے والے کو ملے گا۔

استدلال: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ نے ملے ہوئے دیناروں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی جبکہ ان کا شمار مالدار صحابہ میں تھا، معلوم ہوا کہ اٹھانے والا اگرچہ غنی ہو لقطہ کو استعمال کرسکتا ہے۔

اس دلیل کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے بعد دور صحابہ میں مالدار ہوئے تھے، آپ کے عہد مبارک میں غریب تھے اور دلیل یہ ہے کہ جب چوتھے پارہ کی پہلی آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا قیمتی باغ بیرحاء آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا، پس آپؐ نے ان سے فرمایا تھا: اجعل فی فقراءِ أهلک یعنی تمہارے خاندان میں جو لوگ غریب ہیں ان کو یہ باغ بانٹ دو، چنانچہ حضرت ابی کو بھی اس میں سے حصہ دیا تھا، معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں وہ غریب تھے اور حدیث میں مذکور واقعہ اسی زمانہ کا ہے ـــــ اور یہ بھی جواب ہے کہ ملتقط (لقطہ اٹھانے والا) امیر حاکم کی اجازت سے خود لقطہ استعمال کرسکتا ہے، حضرت ابیؓ کو آنحضور ﷺ نے (امیر نے) اجازت دی تھی، پس ان کے لئے جائز تھا۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار ملا تھا انھوں نے مالک تلاش کیا مگر نہ ملا تو وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا: آپؐ نے ان کو وہ دینار خرچ کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ لقطہ کا تصدق واجب نہیں، ورنہ آپؐ حضرت علیؓ کو وہ دینار کھانے کی اجازت نہ دیتے، کیونکہ وہ بنو ہاشم میں سے ہیں، اور بنو ہاشم کے لئے صدقہ حرام ہے۔

اس دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آلِ رسول کے لئے صدقاتِ واجبہ یعنی زکوۃ اور صدقۂ فطر حرام ہیں، صدقاتِ نافلہ جائز ہیں، اور لقطہ کا شمار صدقاتِ نافلہ میں ہے یعنی یہ مال کا اور لوگوں کا میل نہیں ہے۔ پس بنو ہاشم اگر غنی نہ ہوں تو ان کے لئے لقطہ کھانا جائز ہے، پس اس واقعہ سے بھی استدلال صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں: اس واقعہ میں دینار کھانے کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر فاقہ تھا ان کو کہیں سے ایک دینار پڑا ملا اور مالک کا پتا نہ چلا تو آپؓ نے وہ دینار ایک قصاب کے پاس گروی رکھا اور ایک درہم کا گوشت ادھار خریدا، وہ دینار ایک بچے کا تھا وہ حضرت علیؓ کے گھر پہنچ گیا، تو نبی ﷺ نے اپنی ذمہ داری پر وہ دینار چھڑایا، اور اس بچہ کو واپس کیا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے۔

احناف کے دلائل:

پہلی دلیل: جب سائل نے گم شدہ بکری کا حکم دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو پکڑ لو کیونکہ وہ تیرے کام آئے گی یا تیرے بھائی کے کام آئے گی یا بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔ یہاں اخیک سے مراد غریب آدمی ہے، مالک مراد نہیں، کیونکہ اس کا حق تو سب سے مقدم ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اٹھانے والا اگر غریب ہے تو پہلا حق اس کا ہے اور غنی ہے تو کسی دوسرے غریب کو دیدے۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے، آپؓ نے لقطہ کا مسئلہ بیان کیا کہ اٹھانے والا ایک سال تک مالک تلاش کرے، آجائے تو فبہا، ورنہ اس کو خیرات کردے، پھر اگر ڈھونڈھنے والا آجائے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے پس صدقہ کا ثواب اٹھانے والے کے لئے ہوگا اور اگر چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور ثواب اس کے لئے ہوگا (یہ روایت بیہقی نے اپنی سنن (۶:۱۸۸) میں اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ذکر کی ہے)

تیسری دلیل: اعلان و تشہیر کے باوجود لقطہ میں مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اور کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر حلال نہیں، ارشادِ نبوی ہے: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه: یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں (الترغیب والترہیب) اسی لئے اس کو ضمان وصول کرنے کا حق ہوتا ہے، پس مالک کی اجازت کے بغیر خود لقطہ استعمال کرنا جائز نہیں۔

چوتھی دلیل: ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں عیاض بن حمار کی اسی حدیث میں یہ اضافہ ہے: وإلا فهو مال الله يؤتيه مَن يشاء: یعنی اگر مالک نہ آئے تو وہ اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دے، اللہ تعالیٰ کی طرف جس مال کی نسبت ہو تو غرباء اس مال کے حقدار ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: احناف کے نزدیک خود لقطہ استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ مالک کی طرف سے غرباء پر صرف کرنا ضروری ہے، اور یہ مالک پر بدل (ثواب) لوٹانا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے

ایک شخص سے سات سو میں ایک غلام خریدا، پھر بائع غائب ہوگیا، تلاش بسیار کے باوجود اس کا پتہ نہ چلا تو حضرت ابن مسعودؓ نے غرباء پر وہ رقم صرف کردی اور یہ دعا کی: اللّٰهم عن صاحبها فإن ابى ذالک فمِنّی وعلیّ الثمن: اے اللہ! یہ غلام کے مالک کی طرف سے صدقہ ہے، لیکن اگر وہ صدقہ پر راضی نہ ہو تو میری طرف سے صدقہ ہے اور مجھ پر اس کا ثمن لازم ہے، پھر فرمایا: هكذا يُفعل بالضَّوال: چنانچہ حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ اگر کسی پر کسی کا قرض ہو اور دائن کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردے، ملتقط پر بھی گویا مالک کا قرض ہے پس جب اس کی کوئی خبر نہ ملے تو اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ واللہ اعلم

[۲-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ: قَالَ ابْنُ حُجْرٍ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ؛ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ" فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَضَالَّةُ الْغَنَمِ، قَالَ: "خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْلِأَخِيكَ أَوْلِلذِّئْبِ" فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! فَضَالَّةُ الإِبِلِ، قَالَ: فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ (أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ) ثُمَّ قَالَ: "مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"

وضاحت: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰنؒ نے بواسطہ یزید روایت کی ہے اور ان سے یہ حدیث اسماعیل بن جعفرؒ نے روایت کی ہے اور گذشتہ حدیث امام مالکؒ نے روایت کی تھی۔

قوله: عَرِّفْهَا سنة: یہاں پہلے اعلان وتشہیر کرنے کا پھر علامات محفوظ رکھ کر صرف کرنے کا حکم ہے، اور گذشتہ حدیث میں دو مرتبہ علامتوں کو محفوظ کرنے کا حکم تھا، اٹھانے کے بعد فوراً اور دوسری مرتبہ تشہیر کے بعد، امام نوویؒ فرماتے ہیں: تشہیر سے پہلے بھی معرفت کا حکم ہے اور تشہیر کے بعد بھی اور بعض نے گذشتہ روایت میں ثم کو واؤ کے معنی میں لیا ہے، پس ایک مرتبہ معرفت کا حکم ہوگا، مگر صاحب افادات حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرماتے تھے: حدیثیں روایت بالمعنی ہیں اور جب کوئی حدیث روایت بالمعنی ہو کر مختلف سندوں سے آتی ہے تو تعبیرات کا اختلاف ہو ہی جاتا ہے، اس لئے حدیثوں میں ہر ہر لفظ کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہئے کہ اس لفظ کے بڑھانے میں کیا نکتہ ہے؟ ہاں قرآن مجید میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا لفظ لفظ محفوظ ہے، اور قرآن مجید علم ومعانی کا سمندر ہے، اور اس کے ہر ہر لفظ میں نکتے اور لطائف ہیں (ایضاح المسلم ۱:۷۲)

قوله: فأدّها إليه: اگر کوئی شخص لقطہ کی ملکیت کا دعوی کرے تو کیا حکم ہے؟ کیا شہادت ضروری ہے؟ حضرات مالک

واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک مدعی کو وہ مال دینا ضروری ہے خواہ اس پر گواہ قائم کرے یا نہ، ان کا صیغۂ امر سے استدلال ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے، اور حضرات شافعی واعظم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر ملتقط کو مدعی کے سچا ہونے کا غالب گمان ہو تو دے سکتا ہے، ورنہ ضابطہ کے مطابق مدعی پر گواہوں سے ملکیت ثابت کرنا ضروری ہوگا، اور حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے۔

قولہ: مالک ولھا: اونٹوں کا ریوڑ جنگل میں چر رہا تھا ایک اونٹ جنگل میں پیچھے رہ گیا اس کو پکڑ کر گھر لے آنا چاہئے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: حجازی حضرات کہتے ہیں: اس کو نہیں لانا چاہئے اور کوفی حضرات کہتے ہیں: پکڑ کر گھر لے آئے، اور اس کے مالک کو ڈھونڈھے کیونکہ اگر اس کو نہیں لائے گا تو اونٹ ضائع ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ شروع میں تو یہی مسئلہ تھا، جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ تمہیں اونٹ سے کیا لینا ہے؟ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے یعنی اس کو کئی دن تک پانی کی ضرورت نہیں پڑتی، اس کے پیٹ میں پانی کا ذخیرہ ہے، اور پیر میں اس نے موزے پہن رکھے ہیں، دھوپ میں اس کے پیر جلتے نہیں، اور جنگل میں پتے بہت ہیں وہ چرتا رہے گا اور کسی درندہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ عرب میں بڑے درندے نہیں ہوتے، اس لئے جب شام کو اونٹ گنیں گے اور ایک اونٹ کم پائیں گے تو ڈھونڈھنے کے لئے جنگل میں جائیں گے، اور لے آئیں گے، اور اگر کوئی پکڑ کر گھر لے گیا تو مالک بیچارہ رات بھر جنگل میں پھرتا رہے گا، جیسے درسگاہ میں طالب علم کی کتاب رہ گئی تو اس کو وہیں رہنے دو، کتاب والا خود آکر لے جائے گا اور اگر کوئی طالب علم اس کو اپنے کمرے میں لے گیا تو کتاب والا پریشان ہوگا۔

یہ مسئلہ تو پہلے تھا، مگر بعد میں احناف نے رائے بدلی، کیونکہ اگر اونٹ کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے گا تو اس کو چور یا بدنیت لوگ لے جائیں گے اور کاٹ کر کھا جائیں گے، یا بیچ دیں گے، اس لئے اب مسئلہ یہ ہے کہ اونٹ کو بھی گھر لے آئے، اور مالک کو تلاش کرے۔ غرض حنفیہ کی رائے پہلے وہی تھی جو شوافع اور مالکیہ کی تھی، بعد میں جب لوگوں کے احوال بگڑے تو حنفیہ نے مسئلہ بدلا۔

[۳-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَعَمْرُو ابْنُ الْحَارِثِ وَغَيْرُهُمْ؛ أَنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَهُمْ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، مِثْلَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ، قَالَ: أَتَىٰ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، قَالَ: وَقَالَ عَمْرٌو فِي الْحَدِيثِ: "فَإِذَا لَمْ يَأْتِ لَهَا طَالِبٌ فَاسْتَنْفِقْهَا"

وضاحت: یہ حدیث ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰنؒ سے سفیان ثوری، مالک بن انس اور عمرو بن الحارث وغیرہ نے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے امام مالکؒ نے پہلی حدیث روایت کی تھی، یعنی ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن: یزید سے اور وہ زید

بن خالد سے روایت کرتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کی گذشتہ حدیث کے مانند روایت کرتے ہیں، مگر اِس روایت میں یہ اضافہ ہے: زید بن خالدؓ کہتے ہیں: جب سائل نے حاضر خدمت ہوکر سوال کیا تھا اس وقت میں آپؐ کے ساتھ تھا، امام مالکؒ کی گذشتہ حدیث میں حضرت زیدؓ کے مجلس میں موجود ہونے کی بات نہیں تھی ـــــ اور عمرو بن الحارث کی روایت میں یہ ہے: جب پڑی شئ کا مالک نہ آئے تو اس کو خرچ کردے، جبکہ امام مالکؒ کی روایت میں وإلا فشانک تھا، یعنی مالک نہ آئے تو جو چاہے کرے۔

[۴-] حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ الْأَوْدِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ يَقُولُ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَاحْمَارَّ وَجْهُهُ وَجَبِينُهُ وَغَضِبَ، وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ: "ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً" "فَإِنْ لَمْ يَجِئْ صَاحِبُهَا كَانَتْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ"

وضاحت: یہ حدیث ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن سے سلیمان بن بلال نے روایت کی ہے اور اسماعیل بن جعفر کے مانند روایت کی ہے (باب کی دوسری حدیث اسماعیل کی ہے) اور ان دونوں کی روایتوں میں چند فرق ہیں: (۱) اسماعیل کی روایت میں وجنتاہ اور جبینہ میں شک راوی ہے، اور یہاں شک نہیں (۲) اسماعیل کی روایت میں غضبناک ہونے کی بات مقدم ہے اور یہاں موخر ہے (۳) اسماعیل کی روایت میں ہے کہ: تشہیر کرنے کے بعد اس کو خرچ کرلے اور یہاں ہے: اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تیرے پاس امانت ہے۔

قولہ: کانت ودیعة عندک: خالد جہنی کی روایت میں عام طور پر فاستَنفِقهَا ہے یعنی مالک نہ آئے تو اس کو خرچ کرلے، مگر مذکورہ روایت میں جس کے سلیمان بن بلال راوی ہیں یہ ہے کہ: اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تیرے پاس امانت ہے، اور یحییٰ بن سعید نے بھی یزید سے روایت کیا ہے اس میں دونوں ہیں: ای فاستَنفِقهَا ولتکن ودیعة عندک، ابن دقیق العید کہتے ہیں: واوٗ بمعنی أو ہے، یعنی چاہے ضمان کی شرط پر خرچ کرے اور چاہے اپنے پاس بطور امانت رکھ چھوڑے، علامہ نوویؒ بھی یہی فرماتے ہیں: معناه: تکن أمانة عندک بعد السَّنَة مالم تتملکها فإن تلفت بغیر تفریط فلا ضمان علیک: یعنی سال بھر تشہیر کرنے کے بعد لقطہ تیرے پاس امانت ہے جب تک مالک کو سونپ نہ دے، اور اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو کوئی ضمان واجب نہیں، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ لقطہ مثل امانت کے ہے، پس تصرف کرنے سے ضمان واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

فائدہ: احناف کے نزدیک مالدار خود لقطہ سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود بھی فائدہ اٹھاسکتا ہے مگر جب مالک آئے اور وہ اپنی چیز کا مطالبہ کرے تو بالاتفاق لوٹانا واجب ہے، کیونکہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہے اگر

لقطہ موجود ہے تو وہی ورنہ قیمت واجب ہوگی۔

فائدہ: داودظاہری کہتے ہیں: اگر ایک سال تک مالک نہ ملے تو اٹھانے والا خود بخود لقطہ کا مالک ہوجاتا ہے، اب اگر مالک آئے بھی تو وہ چیز اس کو نہیں دی جائے گی۔ ان حضرات کا استدلال فشانک بھا سے ہے یعنی تو جو چاہے کرتو اس کا مالک ہے (یہ لفظ باب کی پہلی حدیث میں ہے) اور جمہور کہتے ہیں: اٹھانے والا مالک کیسے ہوگا؟ وہ چیز مالک ہی کی رہے گی، پھر حنفیہ کہتے ہیں: اگر اٹھانے والا غریب ہے تو بہ نیت تصدق اس کو استعمال کرسکتا ہے اور اگر مالدار ہے تو کسی غریب پر صدقہ کرے پھر اگر مالک آئے تو اس کو صورتِ حال بتلادے اگر وہ صدقہ کو برقرار رکھے تو سبحان اللہ! ورنہ اپنے پاس سے اس چیز کا بدل دے، اور دیگر ائمہ کہتے ہیں: اٹھانے والا مالدار ہو یا غریب وہ چیز استعمال کرسکتا ہے۔

[٥-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ) عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ الذَّهَبِ أَوِالْوَرِقِ فَقَالَ: "اعْرِفْ وِكَاءَ هَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ لَمْ تَعْرِفْ فَاسْتَنْفِقْهَا، وَلْتَكُنْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ فَأَدِّهَا إِلَيْهِ" وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الإِبِلِ فَقَالَ: "مَا لَكَ وَلَهَا دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَائَهَا وَسِقَائَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا" وَسَأَلَهُ عَنِ الشَّاةِ، فَقَالَ: "خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ"

وضاحت: اب تک ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن کی یزید سے روایت کردہ حدیثیں تھیں اور یہ یحیٰ بن سعید کی روایت ہے وہ بھی یزید سے روایت کرتے ہیں اور سلیمان بن بلال ان سے بھی روایت کرتے ہیں۔

قوله: الذهبِ أو الورقِ: یہ اضافہ ہے، گذشتہ حدیث میں مطلق لقطہ کا حکم دریافت کرنے کی بات تھی ـــــ قوله: ولتكن وديعة عندك: اس کی وضاحت گذشتہ حدیث کی شرح میں آچکی ـــــ قوله: فأدّها إليه: اس کی شرح بھی اوپر آچکی ـــــ قوله: وسأله عن الشاة: یہ تقدیم وتاخیر ہے، گم شدہ بکری کا حکم پہلے دریافت کیا گیا تھا اور اونٹ کا بعد میں۔ واللہ اعلم

[٦-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةُ الرَّأْيِ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَالَّةِ الإِبِلِ، زَادَ رَبِيعَةُ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ، وَزَادَ: "فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَائَهَا فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ وَإِلَّا فَهِيَ لَكَ"

وضاحت: یہ حدیث حماد بن سلمہ نے یحییٰ بن سعید اور ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن: دونوں سے روایت کی ہے، اور ربیعہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "پس نبی ﷺ غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں (مبارک) رخسار سرخ ہو گئے"
—— بنحو حديثهم: ضمیر جمع: سلیمان بن بلال، ثوری، عمرو بن الحارث اور امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ کی طرف راجع ہے
—— قوله: فإن جاء صاحبها إلخ: پس جب مالک آئے اور وہ تھیلی، عدد اور تسمہ کو پہچان لے تو اٹھائی ہوئی چیز اس کو دیدے ورنہ پس وہ تیرے لئے ہے (لقطہ عام طور پر غریبوں کو ملتا ہے، وہی اس کو اٹھاتے ہیں، وہی ہر جگہ گھومتے ہیں، اور ہر چیز کو گھورتے ہیں مالدار گری پڑی چیز کی طرف التفات نہیں کرتا)

[۷-] وحدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنِي الضَّحَّاكُ ابْنُ عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ تُعْتَرَفْ فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ"

[۸-] وَحَدَّثَنِيهِ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ: حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: "فَإِنِ اعْتُرِفَتْ فَأَدِّهَا وَإِلَّا فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا وَعَدَدَهَا"

وضاحت: یہ حدیث حضرت زیدؓ سے بُسر بن سعید نے روایت کی ہے، ان سے ابوالنضر اور ان سے ضحاک بن عثمان روایت کرتے ہیں —— نبی ﷺ سے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: "ایک سال اس کی تشہیر کر، پس اگر نہ پہچانا جائے یعنی مالک کا پتہ نہ چلے تو اس کی تھیلی اور تھیلی باندھنے کی رسّی محفوظ کر لے پھر اس کو کھالے، پھر اگر مالک آجائے تو اپنے پاس سے دیدے"

سند: یہ حدیث ضحاک بن عثمان سے ابوبکر الحنفی نے بھی روایت کی ہے، اور ان کی حدیث میں یہ ہے کہ: "اگر مالک پہچان لیا جائے تو اس کو دیدے، ورنہ اس کی تھیلی اور تھیلی باندھنے کی رسّی اور عدد محفوظ کرلے"

[۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح) وحَدَّثَنِي أَبُوبَكْرِبْنُ نَافِعٍ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، قَالَ: خَرَجْتُ أَنَا وَزَيْدُ ابْنُ صُوحَانَ وَسَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ غَازِينَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ فَقَالَا لِي: دَعْهُ، فَقُلْتُ: لَا، وَلٰكِنِّي أُعَرِّفُهُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهُ وَإِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ، قَالَ: فَأَبَيْتُ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ غَزَاتِنَا قُضِيَ لِي أَنِّي حَجَجْتُ فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَأَخْبَرْتُهُ بِشَأْنِ السَّوْطِ، وَبِقَوْلِهِمَا فَقَالَ: إِنِّي وَجَدْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ: " عَرِّفْهَا حَوْلًا" قَالَ: فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا حَوْلًا" فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: " عَرِّفْهَا حَوْلًا" فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، فَقَالَ: "احْفَظْ عَدَدَهَا وَوِعَائَهَا وَوِكَاءَ هَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا" فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا، فَلَقِيتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِمَكَّةَ فَقَالَ: لَا أَدْرِي بِثَلَاثَةِ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: سوید بن غفلہ اپنے دوساتھیوں کے ساتھ جہاد میں گئے، سوید نے ایک چمڑے کا کوڑا راستہ میں پڑا پایا تو اٹھالیا، ان کے ساتھیوں نے کہا: پڑا رہنے دے، مالک کو کہاں ڈھونڈھتا پھرے گا! انھوں نے کہا: نہیں، رات میں درندے آکراس کو کھاجائیں گے اور میں اگر مالک کو پاؤں گا تو اس کو پہنچادوں گا ورنہ میں استعمال کروں گا۔ غرض سوید نے ساتھیوں کی بات ماننے سے انکار کردیا اور کوڑا اٹھالیا، غزوہ سے لوٹنے کے بعد سوید حج کے لئے گئے۔ حج سے فارغ ہوکر مدینہ آئے تو وہاں سُوید نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان کو کوڑا اٹھانے اور ساتھیوں کے منع کرنے والی بات بتلائی تو انھوں نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا، میں نے بھی عہدِ نبوی میں ایک تھیلی پائی تھی جس میں سو دینار تھے، پس میں اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک اس کے مالک کو ڈھونڈھو، میں نے ایک سال تک ڈھونڈھا مگر اس کا پہچاننے والا کوئی نہیں ملا، پھر میں اس کو لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ایک سال اور مالک کو ڈھونڈھو، چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈھا مگر کوئی نہیں ملا، پھر میں اس کو تیسری مرتبہ لے کر حاضر ہوا، پس آپؐ نے فرمایا: اس کا برتن، اس کی گنتی اور اس کا منہ باندھنے کا تسمہ محفوظ رکھو، پس اگر اس کا مالک آئے تو فبہا ورنہ تم اس سے فائدہ اٹھالو، پس میں نے وہ استعمال کرلئے۔ شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھر بعد میں میری سلمۃ بن کہیل سے مکہ میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال۔

تشریح: لقطہ کے مالک کو کتنے دن تلاش کرنا چاہئے؟ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں، لقطہ کی نوعیت کے اعتبار سے مدت مختلف ہوتی ہے، سو دینار بہت بڑی رقم ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال یا تین سال تعریف کا حکم دیا۔ تفصیل باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

وحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ أَوْ أَخْبَرَ الْقَوْمَ وَأَنَا فِيهِمْ، قَالَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا، وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ، إِلَى قَوْلِهِ: فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا، قَالَ شُعْبَةُ: فَسَمِعْتُهُ بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ، يَقُولُ: عَرِّفْهَا عَامًا وَاحِدًا.

وضاحت: یہ حدیث شعبہؒ سے بہزؒ نے روایت کی ہے اور محمد بن جعفرؒ کے مانند اور اسی سند سے روایت کی ہے، اور

فاستمتعْ بها تک روایت کی ہے ـــــ اور اس میں یہ ہے کہ شعبہؒ کہتے ہیں: میں نے سلمۃ بن کہیل کو دس سال بعد یہ کہتے ہوئے سنا: ایک سال اعلان و تشہیر کرے۔

[۱۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعًا، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ (يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ (ح) وحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ، وَفِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا، ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ، إِلَّا حَمَّادَ بْنَ سَلَمَةَ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ وَزَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ وَحَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ: "فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعَدَدِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ" وَزَادَ سُفْيَانُ فِي رِوَايَةِ: "وَكِيعٍ وَإِلَّا فَهِيَ كَسَبِيلِ مَالِكَ" وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ: "وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا"

وضاحت: یہ حدیث سلمۃ بن کُہیل سے حماد بن سلمہ، زید بن اُنیسہ اور سفیان نے روایت کی ہے ـــــ (اور سفیان سے نُمیر، وکیع اور اعمش روایت کرتے ہیں) ـــــ اور شعبہ کے مانند اور اسی سند سے روایت کی ہے، اور ان کی حدیثوں میں تین سال تشہیر کرنے کی بات ہے، البتہ حماد بن سلمہ کی حدیث میں ہے: دو یا تین سال تشہیر کرے (یعنی زید اور سفیان کی روایتوں میں مکمل تین سال تشہیر کرنے کی بات ہے اور حماد بن سلمہ کی روایت میں دو یا تین سال تشہیر کرنے میں اختیار ہے) اور تینوں کی روایت میں ہے: پس اگر تیرے پاس کوئی شخص آئے جو تجھے لقطہ کی گنتی، تھیلی اور رسّی کے بارے میں بتائے یعنی صحیح صحیح علامات بتائے تو اس کو دیدے ـــــ اور سفیان کے تلامذہ میں وکیع کی روایت میں ہے: ورنہ وہ لقطہ تیرے مال کی طرح ہے ـــــ اور ابن نمیر کی روایت میں ہے: ورنہ تو اس سے فائدہ اٹھا۔

۲- بَابٌ: فِي لُقَطَةِ الْحَاجِّ

حرم کے لقطہ کا حکم

حرم میں کوئی چیز گری پڑی پائے تو اس کو اٹھالینا چاہئے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک حرم اور غیر حرم کے لقطہ کا ایک ہی حکم ہے، یعنی اگر ضیاع کا اندیشہ ہے تو اٹھالینا واجب ہے اور تشہیر کرنا بھی واجب ہے اگر قیمتی شیٔ ہو، اور معمولی شیٔ جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ مالک اس کو تلاش نہیں کر رہا ہوگا اس کو بہ نیت مالک صدقہ کردے اور ضیاع کا اندیشہ نہ ہو تو اختیار ہے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: حرم کا لقطہ نہ اٹھانا افضل ہے، اور اٹھالیا ہے تو دائمی تشہیر ضروری ہے، احناف کا مستدل

حضرات عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے: إن حكم لقطة مكة كحكم سائر البلدان (زجاجۃ المصابیح ۲:۲۰۰)

[۱۱-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ.

تشریح: یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: ''نبی ﷺ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا'' یہ حدیث مطلق ہے کوئی استثناء نہیں، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں استثناء ہے: لا تحل لقطتها إلا لِمُنْشِدٍ: یعنی مالک تلاش کرنے کی نیت ہو تو حرم کا لقطہ اٹھا سکتا ہے ورنہ نہیں، احناف اسی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک تمام لقطوں کا ایک ہی حکم ہے، اگر اعلان وتشہیر کی اور مالک تلاش کرنے کی نیت ہو تو اٹھا سکتا ہے خواہ حرم کا لقطہ ہو یا غیر حرم کا اور رکھ لینے کی نیت سے اٹھانا بحکم غصب اور حرام ہے۔

بعض علماء یہ فرق کرتے ہیں کہ اس نیت سے گری پڑی چیز اٹھانا کہ اعلان وتشہیر کے بعد اگر مالک نہ ملا تو خود فائدہ اٹھاؤں گا: جائز ہے مگر حرم کا لقطہ اس نیت سے اٹھانا جائز نہیں، بلکہ اس کی تشہیر دائمی واجب ہے، مگر اکثر علماء اس کے قائل نہیں، ان کے نزدیک لقطہ امانت ہے اور اس معنی کر حل وحرم کے لقطہ کا ایک ہی حکم ہے۔

سوال: جب حرم وغیر حرم کے لقطوں کا ایک ہی حکم ہے تو پھر حرم کے لقطوں کی تخصیص کیوں کی گئی؟

جواب: علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حاجی کے پاس ضرورت کے بقدر ہی سامان ہوتا ہے، پس وہ فوراً تلاش شروع کرے گا، اس لئے حکم دیا کہ پڑی چیز کو وہیں پڑی رہنے دے تا کہ مالک کو مل جائے۔ اور علماء نے یہ بھی وجہ بیان کی ہے کہ حج میں دنیا بھر کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے پس ملتقط یہ سوچ کر کہ مالک ملنا بہت مشکل ہے: اعلان وتشہیر میں کوتاہی کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۲-] حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا"

ترجمہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے گم شدہ چیز کو ٹھکانہ دیا یعنی اٹھایا تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کی تشہیر نہ کرے''

تشریح: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ہم معنی ہے، یعنی حرم کا لقطہ تشہیر کی نیت سے اٹھائے تو جائز ہے

اور تشہیر کی نیت نہ ہو تو وہ گمراہ اور گنہ گار ہے، چنانچہ تمام علماء یہی فرماتے ہیں کہ رکھ لینے کی نیت سے پڑی چیز اٹھانا بحکم غصب اور حرام ہے۔

۳- بَابُ تَحْرِيمِ حَلْبِ الْمَاشِيَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَالِكِهَا

مالک کی اجازت کے بغیر جانور کو دوہنے کی حرمت کا بیان

کوئی شخص کسی پھل دار درخت کے پاس سے گذرے تو کیا وہ نیچے گرے ہوئے یا درخت پر لگے ہوئے پھل کھا سکتا ہے؟ یا بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گذرے تو ان کا دودھ پی سکتا ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف میں جو چیزیں بے حیثیت ہیں اور جن میں توسع برتا جاتا ہے ان کو مالک کی اجازت کے بغیر کھا پی سکتا ہے اور جو چیزیں عزیز (پیاری) ہیں ان کو بے اجازت نہیں کھا سکتا۔ پہلے آم کے پھلوں میں توسُّع برتا جاتا تھا جب کوئی طالب علم کسی باغ میں جاتا تو باغبان خود شوق سے اس کو پھل کھلاتا اور معاوضہ کی بات کی جاتی تو ناراض ہو جاتا، ایسی جگہوں میں جو پھل گرے ہوئے ہیں ان کو بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ مگر اب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے، اب کوئی باغ کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا، اس لئے اب بغیر اجازت گرے ہوئے پھل کھانا بھی جائز نہیں۔ غرض مسئلہ کا مدار عرف پر ہے، جہاں کا عرف یہ ہو کہ باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہ کرتا ہو وہاں پھل توڑ کر کھانا بھی جائز ہے اور جس علاقہ میں گرے ہوئے پھل کھانے کی اجازت ہو، درخت سے توڑنے کی اجازت نہ ہو وہاں گرا ہوا پھل کھا سکتے ہیں، درخت پر سے توڑ کر کھانا جائز نہیں۔ اور جس علاقہ میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہ ہو، نہ گرے ہوئے اور نہ درخت پر لگے ہوئے، وہاں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں، مالک کی اجازت کے بغیر جانور کو دوہ کر دودھ پینے کا بھی یہی حکم ہے۔

ملحوظہ: مالک کی اجازت کے بغیر دودھ دوہ کر پی لینا گویا گری پڑی چیز سے فائدہ اٹھانا ہے، یہ خیال صحیح نہیں ان کی تردید کی غرض سے یہاں یہ باب لائے ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ إِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہ دوہے کوئی شخص کسی انسان کے جانور کو اس کی اجازت کے بغیر، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے کمرے میں آیا جائے، پس اس کی الماری توڑی جائے اور اس کا غلہ منتقل کیا جائے؟ لوگوں

کے لئے ان کے چوپایوں کے تھن ہی ان کے کھانے جمع کر کے رکھتے ہیں، پس ہرگز نہ دوہے کوئی کسی کے جانوروں کو مگر اس کی اجازت سے۔

لغات: مشربة: (راء کا پیش اور زیر) گھر اور کمرہ ــــ خِزانة: وہ جگہ یا برتن جس میں کوئی چیز حفاظت کے لئے رکھی جائے ــــ أطعِمات: أطعِمَة کی جمع ہے، اور الأطعِمَة: طعام کی جمع ہے اور مراد دودھ ہے۔

تشریح:

۱- نبی ﷺ نے مثال سے سمجھایا ہے کہ کسی کے جانور اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے جائیں، مثال یہ ہے: ایک شخص نے کمرہ میں الماری میں غلہ وغیرہ بند کر کے رکھا ہے پس اگر کوئی اس کے کمرے میں گھس جائے اور الماری توڑ کر کھانا لے جائے تو اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جانوروں کے تھنوں میں لوگوں کے کھانے جمع کر کے رکھے گئے ہیں، پس کوئی بے اجازت ان کو دوہ لے تو کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اور اگر وہ اس کو لقطہ کی نظیر سمجھے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے یہ تو چوری ہے، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو کسی نے محفوظ جگہ میں رکھی ہے، وہاں سے اس کو لینا بحکم لقطہ نہیں، چوری ہے۔

۲- ترمذی شریف میں حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ: ''جب تم میں سے کوئی مویشیوں کے پاس سے گذرے (اور دودھ پینا چاہے) تو اگر مالک ساتھ ہو تو اس سے اجازت لے، اگر وہ اجازت دے تو دودھ نکال کر پیئے اور اگر مالک موجود نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ نکال کر پیئے، مگر ساتھ نہ لے جائے'' ــــ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ: جو شخص کھجوروں کے باغ میں آئے تو چاہئے کہ وہ کھائے اور پلہ نہ بھرے'' یعنی پلے میں بھر کر پھل گھر نہ لے جائے ــــ اسی طرح حضرت رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ کسی انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر مار کر پھل توڑ کر کھا رہے تھے، باغ کے مالک نے پکڑ کر نبی ﷺ کے حضور میں پیش کیا: آپؐ نے پوچھا: اے رافع! لوگوں کے درختوں پر پتھر کیوں مارتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک سے مجبور ہو کر ایسا کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: ''پتھر مت مار اور جو کھجوریں نیچے گری ہوں وہ کھا'' پھر ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے شکم سیر کرے اور تجھے سیراب کرے، یہ دونوں حدیثیں بھی ترمذی میں ہیں۔

غرض: اس مسئلہ کا مدار عرف پر ہے جس علاقہ میں مویشیوں کے مالک کی طرف سے اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسافر بھوکا ہو اور اس کو دودھ کی ضرورت ہو تو وہ دودھ دوہ سکتا ہے، ان علاقوں میں اجازت کے بغیر بھی دودھ دوہنا جائز ہے اور جہاں ایسا عرف نہ ہو وہاں اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حَدَّثَنَاه قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ (ح) وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنِي أَبِي كِلَاهُمَا، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ (ح) وحَدَّثَنِي

أَبُو الرَّبِيعِ، وَأَبُو كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (ح) وحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ) جَمِيعًا، عَنْ أَيُّوبَ (ح) وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ وَابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ مُوسَى كُلُّ هَؤُلَاءِ، عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا: "فَيُنْتَثَلَ" إِلَّا اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ: "فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ" كَرِوَايَةِ مَالِكٍ.

سند: امام مسلم رحمہ اللہ نے متعدد اساتذہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور وہ سب مختلف سندوں سے امام مالک کی طرح نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور امام مالکؒ کے مانند روایت کرتے ہیں، اور ان سب کی حدیثوں میں فینتثل ہے سوائے لیث کی روایت کے، اس میں فینتقل ہے، امام مالکؒ کی حدیث میں بھی فینتقل ہے۔

لغت: اِنْتَثَل الجرابَ (از افتعال) توشہ دان خالی کرنا —— البئرَ: کنویں سے مٹی نکالنا —— فی القِدْر: گوشت کو ہانڈی میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے ڈالنا۔

۴- بَابُ الضِّيَافَةِ وَنَحْوِهَا

حق ضیافت کا بیان

مہمان کی خاطر مدارات ضروری ہے، یہ اس کا اسلامی حق ہے، پس اس میں اگر وقت خرچ ہو یا معمولات میں فرق آئے تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا: إن لِزَوْرِكَ عليك حقًّا: تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، پس اگر تم ہمیشہ روزہ رکھو گے تو مہمان کے ساتھ کون کھائے گا؟ اسی طرح تمہاری اہلیہ کا بھی تم پر حق ہے، پس اگر تم رات بھر نفلیں پڑھو گے تو اس کا حق فوت ہوگا —— البتہ مہمانوں میں اور واردین وصادرین میں فرق کرنا ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ مریدوں کی میزبانی نہیں کرتے تھے، وہ خود اپنے کھانے کا انتظام کرتے تھے، اور کوئی خاص مرید آتا تو اس کو دو آنے دیتے کہ بھٹیار خانے میں کھالینا، کسی نے حضرت سے کہا: مہمان اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے، آپ دعوت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے جواب دیا: اپنا رزق ساتھ لایا ہے تو وہاں مسجد کے کونے میں بیٹھ کر کھالے، میرا وقت کیوں برباد کرے!

ملحوظہ: کبھی پڑی چیز کسی دور دراز کے بندہ کی ہوتی ہے اور ملتقط اس کے گھر جاتا ہے، ایسے شخص کی میزبانی کرنا اخلاق ومروت کا تقاضہ اور اسلامی حق ہے، اس لئے یہاں یہ احادیث لائے۔ واللہ اعلم

[۱۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ:

سَمِعَتْ أُذُنَایَ وَأَبْصَرَتْ عَیْنَایَ حِینَ تَکَلَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهُ جَائِزَتَهُ" قَالُوا: وَمَاجَائِزَتُهُ یَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: "یَوْمُهُ وَلَیْلَتُهُ وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ فَمَا کَانَ وَرَاءَ ذٰلِکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَیْهِ (وَقَالَ) مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَصْمُتْ"

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابوشریح عدوی، کعبی، خزاعی خویلد بن عمروؓ کہتے ہیں: میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور میرے دونوں کانوں نے آپؐ کی بات سنی ہے جب آپؐ نے ارشاد فرمایا: مَن کان یُؤْمِنُ باللّٰه والیومِ الآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَه: جائِزَتَهٗ: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور اکرام سے مراد اس کا انعام ہے۔ جائزته: ضَیْفَه سے بدل ہے، صحابہ نے پوچھا: مہمان کا انعام کیا ہے؟ (ان کا مقصد انعام کی مدت معلوم کرنا تھا یعنی مہمان کے لئے کتنے دن تک ضیافت کا اہتمام کیا جائے؟) آپؐ نے فرمایا: یومٌ وَلَیْلَةٌ: یک شبانہ روز ضیافت میں تکلف کرنا اس کا انعام ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا: والضِّیافةُ ثلاثةُ أیامٍ، وما کان بعدَ ذلک فهو صَدَقَةٌ: اور مہمانی تین دن ہے، اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ خیرات ہے (یعنی ایک رات دن تک تو میزبانی کا اہتمام کرنا چاہئے، پھر ماحضر پیش کیا جائے اور پھر بھی مہمان نہ جائے تو خندہ پیشانی سے کھلایا جائے، کیونکہ آدمی خیرات کرتا ہی ہے، اس کو بھی ایک خیرات سمجھے) اور نبی ﷺ نے فرمایا: من کان یؤمن باللّٰه والیومِ الآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْراً أَوْ لِیَسْکُتْ: اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے، کیونکہ منہ سے نکلی ہوئی بات ریکارڈ کر لی جاتی ہے، پس اگر بھلے طریقہ پر مہمان سے کوئی بات کہے جس سے وہ رخصت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ رخصت کرنے کے لئے بھونڈا طریقہ اختیار نہ کرے۔

تشریح: مہمان نوازی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت ہے، آدمی ہمیشہ گھر پر نہیں رہتا، اِدھر اُدھر بھی جاتا ہے، اور توشہ ساتھ نہیں لے جاتا، پس اگر لوگ اس کی میزبانی نہیں کریں گے تو وہ بھوکا مرے گا، شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسوں سے بھی کھا سکتا ہے، مگر دیہاتوں میں کوئی شکل نہیں ہوتی، اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ ایسے بے سہارا لوگوں کا تعاون کرے اور ان کی میزبانی کرے۔

پھر جمہور علماء کے نزدیک مہمانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور بعض حضرات کی رائے میں ضیافت واجب ہے، ابوداؤد (حدیث ۳۷۵۰ کتاب الأطعمة) میں روایت ہے: لَیْلَةُ الضَّیْفِ حَقٌّ علی کلِّ مُسْلِمٍ: یک شبانہ روز مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، نیز باب کی حدیث میں جو تعبیر ہے وہ بھی وجوب پر دلالت کرتی ہے، اس لئے علماء نے حدیثوں کو مختلف طرح سے جمع کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے روایات کو ناسخ و منسوخ قرار دیا ہے، یعنی وجوب پر دلالت کرنے والی روایتیں ابتدائے اسلام کی ہیں، بعد میں یہ وجوب ختم کر دیا گیا تھا۔ الکوکب الدری میں بھی یہی توجیہ کی گئی ہے، مگر بہتر

تطبیق یہ ہے کہ وجوب پر دلالت کرنے والی روایات بھی استحباب پر محمول ہیں، اس لئے کہ حق کی دو قسمیں ہیں: ایک شریعت کا حق اور دوسرا مروّت وانسانیت کا حق، اگر یہ دوسرا حق مراد لیا جائے تو اس روایت سے بھی ضیافت کا استحباب ثابت ہوگا، یہی لفظ غسل جمعہ کے مسئلہ میں آیا ہے وہاں بھی علماء نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

[۱۵-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ يُؤْثِمُهُ؟ قَالَ: "يُقِيمُ عِنْدَهُ وَلَا شَيْءَ لَهُ يَقْرِيهِ بِهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "مہمانی تین دن ہے اور اس کا انعام یعنی اس کے لئے ضیافت کا اہتمام ایک رات دن ہے، اور جو کچھ اس کے بعد اس پر خرچ کیا جائے وہ خیرات ہے، اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس پڑا رہے یہاں تک کہ اس کو تنگ کردے" ــــ آثَمَهُ کے معنی ہیں: مبتلائے گناہ کرنا اور مرادی معنی ہیں: تنگ کردینا ــــ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تنگ کردینا کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اس کے پاس پڑا رہے یہاں تک کہ اس کے پاس خاطر کرنے کے لئے کچھ نہ رہے"

ایک واقعہ: ایک بدو کے یہاں مہمان آیا، وہ جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، میاں بیوی نے طے کیا کہ آج رات ہم آپس میں باتیں کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مہمان کب تک رکے گا؟ چنانچہ جب رات میں بیٹھے تو کسی بات پر شوہر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی روزی ہمارے یہاں آئندہ کل بھی رکھی ہے: بات یوں ہے، مہمان سن رہا تھا، مگر کچھ نہ بولا جس سے معلوم ہوا کہ وہ آئندہ کل رکنے والا ہے، پھر بیوی نے کہا: میرے سرتاج! قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی ہمارے یہاں آئندہ پرسوں کی بھی روزی رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، مہمان یہ سن کر بولا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میری روزی آپ حضرات کے یہاں ایک مہینہ تک رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ دونوں کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ آفت مہینہ تک ٹلنے والی نہیں۔

[۱۶-] وحَدَّثَنَاه مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ (يَعْنِي الْحَنَفِيَّ) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ؛ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيَّ يَقُولُ: سَمِعَتْ أُذُنَايَ وَبَصُرَ عَيْنِي وَوَعَاهُ قَلْبِي حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ وَذَكَرَ فِيهِ: "وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ" بِمِثْلِ مَا فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ.

وضاحت: یہ حدیث سعید مقبری سے عبد الحمید بن جعفرؒ نے روایت کی ہے اور ان سے ابوبکر الحنفی نے، اور گذشتہ حدیث ان سے وکیعؒ نے روایت کی تھی، اور اِس حدیث میں یہ بھی ہے: ”میرے کانوں نے سنا، میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے دل نے محفوظ کیا جس وقت نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، پھر آگے لیث کی طرح حدیث بیان کی ـــــ لیث بن سعد کی باب کی پہلی حدیث ہے، اور آخری مضمون: ولا یحل لأحد کم الخ اس میں نہیں ہے، مگر عبد الحمید بن جعفر کے دونوں تلامذہ اس مضمون کو روایت کرتے ہیں۔

[۱۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ (ح) وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرُونَنَا فَمَا تَرَى؟ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ"

ترجمہ: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں سریہ میں بھیجتے ہیں، پھر ہم کسی قوم کے پاس پڑاؤ کرتے ہیں، مگر وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ”اگر تم کسی قوم پر اترو، پھر وہ تمہارے لئے مناسب میزبانی کا انتظام کریں تو اس کو قبول کرو، اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے حق ضیافت جو تمہارے مناسب حال ہو (زور وزبردستی) لے لو“

تشریح: عرب میں عام بات تھی: جو بڑے لشکر چلتے تھے وہ اپنی رسد ساتھ لے کر چلتے تھے، اور چھوٹے سریے اپنی رسد ساتھ لے کر نہیں چل سکتے تھے، اس لئے وہ جس بستی میں ٹھہرتے بستی والے ایک وقت کی دعوت کرتے تھے، مگر دعوت کرنا لازم نہیں تھا، البتہ ایک وقت کی رسد قیمتاً دینا لازم تھا، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو مذہبی دشمنی میں بعض قبائل نہ دعوت کرتے تھے نہ رسد بیچتے تھے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھا کہ اگر وہ نہ دعوت کریں نہ رسد دیں تو ہم کیا کریں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: زور وجبر سے لے لو اور پیسے دیدو، کیونکہ سریہ والے مظلوم ہیں، اور گاؤں والے ظالم ہیں، اور مظلوم اپنا حق ظالم سے وصول کرسکتا ہے۔

میزبانی کا حکم:

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضیافت واجب ہے، اور اس حدیث کا ظاہر ان کا مستدل ہے، اور بعض لوگ شہر اور گاؤں میں فرق کرتے ہیں، اور مذکورہ حدیث کو گاؤں کے احوال پر محمول کرتے ہیں یعنی گاؤں میں اگر میزبان کنی کاٹے اور دعوت نہ کرے تو زبردستی حق ضیافت وصول کرسکتے ہیں، اس لئے کہ شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسے سے بھی کھا سکتا ہے، مگر دیہات میں کوئی شکل نہیں ہوتی پس کیا مہمان بھوکا مرے گا؟! اس لئے گاؤں میں زبردستی حق ضیافت وصول کرسکتا

ہے ـــــ مگر جمہور کے نزدیک میزبانی مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے اور سنت ہے، فرض وواجب نہیں۔

اور مذکورہ حدیث کے مختلف جواب ہیں: مثلاً: (۱) یہ اضطراری حالت پر محمول ہے (۲) یہ حکم منسوخ ہے، ابتدائے اسلام میں میزبانی کرنا واجب تھا، اب منسوخ ہے (۳) عمال ومصدِّقین کے لئے یہ حکم ہے، وہ لوگوں ہی کے کاموں کی انجام دہی کے لئے سفر کرتے ہیں پس ان کا نفقہ بھی انہی کے ذمہ ہے، اس لئے لینے کا حکم دیا (۴) اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم خاص صورت کے بارے میں ہے عام نہیں ہے، دورِ نبوی میں بڑے لشکر اپنی رسد ساتھ لے کر چلتے تھے مگر چھوٹے سریوں کے لئے یہ بات ممکن نہیں تھی ان کے سلسلہ میں یہ روایت ہے۔ واللہ اعلم

اگر مظلوم کے ہاتھ ظالم کا مال آجائے تو حکم: (مسئلة الظفر)

مسئلۃ الظفر: یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی کا قرض ہے، وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے، پس اگر اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے ہاتھ لگے تو کیا وہ اس میں سے اپنا قرض وصول کرسکتا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اگر وہ چیز قرض کی جنس سے ہے تو وصول کرسکتا ہے، ورنہ نہیں، مثلاً تین سو روپے قرض تھا، مقروض کی گھڑی ہاتھ لگ گئی تو قرض خواہ اسے بیچ کر اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا اور بٹوہ ہاتھ لگ گیا اور اس میں ہزار روپے تھے تو وہ اس میں سے تین سو روپے لے کر باقی پیسے لوٹا دے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سونا، چاندی اور کرنسی ایک جنس ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں قرض وصول کرسکتا ہے، خواہ وہ چیز قرض کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، اور ایک رائے یہ ہے کہ اس چیز سے قرض وصول کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ چیز قرض کی جنس سے ہو۔ یہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی ایک ایک روایت ہے، ان حضرات نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امانت اس شخص کو ادا کر جو تجھ پر اعتماد کرتا ہے، اور اس شخص کے ساتھ خیانت مت کر جو تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے''

تشریح: یہ حدیث درحقیقت اخلاقیات کے باب کی ہے، حسنِ اخلاق یہ ہے کہ دوسرا خواہ حسن سلوک کرے یا بدسلوکی، مسلمان کا رویہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہونا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''تم اِمَّعہ مت بنو (یہ أنا مع الناس کا مخفف ہے) کہ کہو: اگر لوگ ہمارے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے تو ہم بھی حسنِ سلوک کریں گے، اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ اپنے آپ کو خوگر بناؤ کہ لوگ حسنِ سلوک کریں تب بھی حسنِ سلوک کرو اور لوگ بدسلوکی کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو'' باب کی حدیث میں بھی اسی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص تم پر اعتماد کرکے اور امانت دار سمجھ کر تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو تم اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ، اس کی امانت بے کم وکاست واپس کرو، اور جس کا رویہ تمہارے ساتھ خیانت کا ہو، اگر اس کی کوئی چیز تمہارے ہاتھ لگ جائے تو بھی اس کو امانت سمجھو اور

مالک کو پہنچادو، اس میں خیانت نہ کرو، خائن کے ساتھ بھی خیانت کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

احناف وشوافع کے دلائل:

اورامام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں جو حکم ہے وہ اس وقت ہے جبکہ امانت کے طور پر قبول کیا ہو، لیکن غیر امانت میں یہ قصاص کے قبیل سے ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور ارشادِ پاک ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ لہٰذا جو شخص قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے اس کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس میں سے اپنا قرض وصول کرسکتا ہے، یہ ہم مثل بدلہ ہے، یا حدیث استحباب پر محمول ہے۔ واللہ اعلم

ملحوظہ: اب فتوی امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من اى مال كان لاسيّما في ديارنا لمداومتهم العقوق: یعنی خلاف جنس سے قرض نہ لینے کا مسئلہ متقدمین کے یہاں تھا، کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر حقوق کی ادائیگی کا اہتمام تھا، مگر آج علی العموم لے لینے پر فتوی ہے، خواہ قرض کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، خاص طور پر ہمارے علاقہ میں کثرت سے لوگوں کے نافرمان اور احکام شریعت سے بے پرواہ ہوجانے کی وجہ سے (شامی ۵:۹۵)

۵- بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمُؤَاسَاةِ بِفُضُوْلِ الْمَالِ

زائد مال سے غم خواری کرنا مستحب ہے

ضرورت مند کی مدد کرنا مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے اور اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے، بعض مرتبہ دورانِ سفر کسی ساتھی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے پس ساتھیوں کو اس کی مدد کرنی چاہئے، اور کوئی غیر ضرورت مند ہو تو اس کی بھی مدد کرنی چاہئے، یہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔

[۱۸-] حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ" قَالَ: فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتّٰى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، اچانک ایک

شخص آیا جو اپنی سواری پر سوار تھا، راوی کہتے ہیں: پس وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا (تا کہ کوئی اس کا تعاون کرے، آنحضور ﷺ نے (اس کو مجبور جان کر) فرمایا: ”جس کے پاس زائد سواری ہو تو چاہئے کہ وہ اس کا تعاون کرے جس کے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس زائد توشہ ہو تو اس کا تعاون کرے جس کے پاس توشہ نہ ہو، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے کئی قسم کے مال کا تذکرہ کیا، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ زائد مال پر ہم میں سے کسی کا حق نہیں —— یعنی زائد مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کی اتنی ترغیب دی کہ ہم سوچنے لگے کہ زائد مال اپنے پاس رکھنے کا حق نہیں، اس کو راہِ خدا میں صرف کرنا ضروری ہے۔

لغات: عَادَ فلانا بالمعروف: کے معنی ہیں: احسان و بھلائی کرنا —— الزَّاد: توشہ، زادراہ، جمع: أَزْوِدَة وأَزْوَاد۔

٦- بَابُ اسْتِحْبَابِ خَلْطِ الْأَزْوَادِ إِذَا قَلَّتْ وَالْمُوَاسَاةِ فِيهَا

جب توشے کم پڑ جائیں تو سب توشوں کو ملا دینا اور اس طرح غم خواری کرنا مستحب ہے

چند لوگ ساتھ سفر کر رہے ہیں اور زادراہ کم ہو گیا تو سب رفقاء اپنے توشے یکجا کر لیں اور ہر ایک اپنا طعام دوسرے کے لئے مباح کر دے، یہ بھی مواسات کی ایک شکل ہے، غزوہ تبوک میں ایسا کیا گیا تھا۔

[۱۹-] حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْدِيُّ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الْيَمَامِيَّ) حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ (وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ) حَدَّثَنَا إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَأَصَابَنَا جَهْدٌ حَتَّى هَمَمْنَا أَنْ نَنْحَرَ بَعْضَ ظَهْرِنَا فَأَمَرَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَمَعْنَا مَزَاوِدَنَا فَبَسَطْنَا لَهُ نِطَعًا، فَاجْتَمَعَ زَادُ الْقَوْمِ عَلَى النِّطَعِ، قَالَ: فَتَطَاوَلْتُ لِأَحْزُرَهُ كَمْ هُوَ فَحَزَرْتُهُ كَرَبْضَةِ الْعَنْزِ، وَنَحْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، قَالَ: فَأَكَلْنَا حَتَّى شَبِعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ حَشَوْنَا جُرُبَنَا، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ” فَهَلْ مِنْ وَضُوءٍ؟“ قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ بِإِدَاوَةٍ لَهُ فِيهَا نُطْفَةٌ فَأَفْرَغَهَا فِي قَدَحٍ فَتَوَضَّأْنَا كُلُّنَا نُدَغْفِقُهُ دَغْفَقَةً أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، قَالَ: ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةٌ فَقَالُوا: هَلْ مِنْ طَهُورٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ” فَرِغَ الْوَضُوءُ“

ترجمہ: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، پس ہمیں پریشانی (بھوک) لاحق ہوئی، یہاں تک کہ ہم نے بعض سواری کے اونٹ ذبح کرنے کا ارادہ کیا، پس نبی ﷺ نے توشے یکجا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے ہمارے توشے یکجا کئے اور ہم نے آپ کے سامنے ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا اور پوری قوم کا توشہ اس دسترخوان پر جمع کیا، راوی کہتے ہیں: پس میں نے لمبی گردن کر کے جھانکا تا کہ میں اندازہ کروں کہ وہ توشہ کتنا ہے، تو میں

نے اس کا اندازہ کیا، وہ بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے بقدر تھا، اور ہم چودہ سو آدمی تھے، راوی کہتے ہیں: پس ہم نے کھایا، یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے، پھر ہم نے اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا وضوء کا پانی ہے؟" راوی کہتے ہیں: پس ایک شخص ایک برتن میں تھوڑا پانی لے کر آیا، آپؐ نے اس کو ایک پیالہ میں ڈال دیا، پس ہم سب نے وضوء کیا، ہم نے اس کو خوب بہایا، ہم چودہ سو آدمی تھے (سب نے اس پانی سے وضوء کر لیا) راوی کہتے ہیں: پھر اس کے بعد آٹھ آدمی آئے اور انھوں نے عرض کیا: کیا پاکیزہ پانی ہے؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: وضوء کا پانی نمٹ چکا۔

لغات: الجَهد و الجُهد: طاقت، استطاعت، مشقت، محنت (یہاں بھوک مراد ہے) —— أصاب الجُهدَ: مشقت لاحق ہونا —— المَزَادَةُ وَالمَزَادُ وَالمِزْوَدُ: توشہ دان، جمع مَزَاوِد —— نُفَاضَةُ المَزَاوِدِ: توشہ دان کا بچا کچا —— النِطْعُ وَالنَطعُ والنِطَعُ وَالنَطَعُ: چمڑے کا فرش جو مجرم کو قتل کرنے کے لئے بچھایا جاتا ہے، جمع: أَنْطَاع وَنُطوع —— تَطَاوَلَ: دیکھتے ہوئے گردن بلند کرنا، لمبائی ظاہر کرنا، فخر وتکبر کرنا —— حَزَرَ (ن، ض) حَزْرًا وَمَحْزَرَةً الشیئَ: اندازہ کرنا، تخمینہ کرنا —— الرِبْضَة: بکری کے بیٹھنے کی ہیئت —— الجِرَاب: چمڑے کا برتن، جمع: أَجْرِبَة وَجُرُبٌ وَجُرْبٌ —— حَشَا (ن) حَشْوًا الوِسَادَةَ بِالقُطْنِ: تکیہ میں روئی بھرنا —— الزادَ بالجُرُب: تھیلے میں توشہ بھرنا —— النُطْفَة: صاف پانی، تھوڑا یا زیادہ، مرد وعورت کا مادہ منویہ جمع: نِطَاف وَنُطَفٌ —— النَّطَافَةُ: تھوڑا پانی، جو ڈول یا مشک میں باقی رہ جائے —— دَغْفَقَ دَغْفَقَةً الماءَ: بہت گرانا، المَطرُ: سخت برسنا۔

تشریح: مذکورہ واقعہ غالباً غزوۂ تبوک کا ہے، اور آنحضور ﷺ سے تکثیر طعام اور تکثیر ماء کا معجزہ متعدد بار ظاہر ہوا ہے، جاننا چاہئے کہ معجزات کی روایات تقریباً چار سو ہیں، جو الگ الگ واقعات ہیں، مگران کا قدر مشترک یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آنحضور ﷺ کو قرآن مجید کے علاوہ بھی معجزات عنایت فرمائے تھے، اسی کا نام تواتر قدر مشترک ہے —— تواتر کی چار قسمیں ہیں: تواتر اسناد، تواتر طبقہ، تواتر تعامل اور تواتر قدر مشترک۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۲۴۰) میں ہے۔

الحمد للہ! کتاب اللقطة کی حدیثوں کی شرح پوری ہوئی اور اسی پر یہ جلد بھی پوری ہوئی